کتاب التوحید

(جلد اول)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

کتابُ التوحید

جلد اَوّل

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042- 7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

دَعَا اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۷۰-۹-۳۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**کتاب التوحید** ﴿جلد اوّل﴾
تصنیف	:	**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اَکبر الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل تا پنجم	:	جون 1999ء تا نومبر 2001ء (5,500)
اِشاعتِ ششم	:	فروری 2003ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	جون 2005ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	اپریل 2006ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	اگست 2007ء (1,100)
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	400/- روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاج القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

ISBN 969-32-0553-7

نام کتاب	:	کتاب التوحید ﴿جلد اوّل﴾
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل تا پنجم	:	جون 1999ء تا نومبر 2001ء (5,500)
اِشاعتِ ششم	:	فروری 2003ء (1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	جون 2005ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	اپریل 2006ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	اگست 2007ء (1,100)
تعداد	:	1,100
قیمت VRG کاغذ	:	-/520 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

اِجمالی فہرست

صفحہ	عنوانات
۳۳	۞ پیش لفظ
	باب اَوّل
۴۱	توحید اور تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات
	باب دوم
۶۹	عقیدۂ توحید کے ارکانِ سبعہ (سورۂ اخلاص کی روشنی میں)
	باب سوم
۱۱۹	متقابل اَقسام کا اجمالی تعارف
	باب چہارُم
۱۳۷	توحید فی الرّبوبیت اور شرک فی الربوبیت
	باب پنجم
۱۷۳	توحید فی الاُلوہیت اور شرک فی الاُلوہیت
	باب ششم
۳۲۱	توحید فی الاسماء والصفات اور شرک فی الاسماء والصفات

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
باب ہفتم	
توحید فی التحریم اور شرک فی التحریم	۳۵۳
باب ہشتم	
توحید فی الأحکام اور شرک فی الاحکام	۴۱۹
باب نہم	
توحید و شرک اور حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر	۴۶۵
باب دہم	
توحید و شرک اور صفات و افعال میں اشتراک	۴۹۷
باب یازدہم	
توحید کے تناظر میں ”مِنْ دُوْنِ اللهِ“ کا صحیح مفہوم	۵۵۵
باب دوازدہم	
توحید کے تناظر میں وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ کا صحیح مفہوم	۵۸۵
باب سیزدہم	
تعظیم اور عبادت میں فرق	۶۳۹
❁ مآخذ و مراجع	۸۵۷

فہرس

صفحہ	عنوانات
۳۳	۞ پیش لفظ
۳۹	۞ مبادیاتِ عقیدۂ توحید
	باب اَوّل
۴۱	توحید اور تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات
۴۴	توحید کا لغوی معنی
۴۴	توحید کا شرعی و اصطلاحی مفہوم
۵۴	شرک کا لُغوی معنی
۵۵	شرک کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم
۵۶	توحید وشرک کے باب میں چند اہم نکات
	باب دوم
۶۹	عقیدۂ توحید کے ارکانِ سبعہ (سورۂ اخلاص کی روشنی میں)

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
پہلا رکن: واسطۂ رسالت	۷۲
عقیدۂ توحید کے لئے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت	۷۲
۱۔ ’’قل‘‘ عنوانِ رسالت ہے اور ’’ھُوَاللہ‘‘ عنوانِ توحید	۷۲
۲۔ وحدت، وحدانیت اور توحید کا مفہوم	۷۳
۳۔ واحد اور توحید کے درمیان معنوی ربط	۷۴
۴۔ وحدت اور توحید میں فرق	۷۶
۵۔ لوگوں نے مظاہرِ فطرت کو معبود بنا لیا	۷۶
۶۔ ذاتی علم اور تحقیق کی بناء پر خالق کی پہچان ایمان نہیں	۷۸
۷۔ پیغمبر کے واسطے سے خالق کی پہچان ایمان ہے	۷۹
۸۔ عقیدۂ توحید خود وسیلۂ رسالت کا طالب ہے	۸۱
۹۔ ایمان ذاتی علم کی بجائے خبرِ رسول ﷺ پر انحصار کا نام ہے	۸۱
۱۰۔ اقرارِ توحید سے قبل صدقِ رسالت ﷺ کا اقرار	۸۴
۱۱۔ مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے	۸۵
۱۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ: عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت ہے	۸۶
۱۳۔ توحید پر حضور نبی اکرم ﷺ کی گواہی اصالۃً ہے	۸۷
۱۴۔ توحید پر امتِ مسلمہ کی گواہی نیابۃً ہے	۸۸
۱۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ خالق ومخلوق ہیں	۸۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۱۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ انبیاء وامم ہیں	۸۹
۱۷۔ توحید کے باب میں واسطۂ نبوت کا انکار کفر ہے	۹۰
دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا	۹۱
۱۔ ضمیرِ غائب ''هُوَ'' کے استعمال کی حکمتیں	۹۱
۲۔ ''هُوَ الله'' عقل کے ادراک سے بلند ہے	۹۵
۳۔ ''هُوَ الله'' حواسِ باطنی کے ادراک سے بھی بلند ہے	۹۵
۴۔ ''ھو اللہ'' کی معرفت وجدان کے ادراک سے بھی بلند ہے	۹۹
۵۔ ''هُوَ'' کی معرفت کے لئے ''ھذا'' کو بھیجا گیا	۱۰۰
۶۔ ''هُوَ'' ادراک کا نہیں ایمان بالغیب کا موضوع ہے	۱۰۲
۷۔ بیانِ توحید میں اسمِ ذات کے استعمال کی حکمت	۱۰۴
تیسرا رکن: اَحَدِیت (اللہ کا ایک ہونا)	۱۰۵
مذاہبِ عالم میں اللہ کی وحدانیت کا تصور	۱۰۶
چوتھا رکن: صَمَدِیت (اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)	۱۰۷
خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ	۱۰۸
مشترک اور غیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق	۱۱۱
پانچواں رکن: لَا وَالِدِیت (کسی کا والد نہ ہونا)	۱۱۲

عنوانات	صفحہ
چھٹا رکن: لَا وَلَدِیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)	۱۱۵
ساتواں رکن: لَا کُفُوِیت (کسی کا اُسکا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونا)	۱۱۶
توحید اور شرک کی متقابل اقسام	
باب سوم	
متقابل اقسام کا اجمالی تعارف	۱۱۹
• توحید کی اقسام	۱۲۱
• شرک کی اقسام	۱۲۶
ثبوتِ شرک کے لئے نفئ توحید کی بالصراحت ضرورت ہوتی ہے	۱۳۱
مبادیاتِ الٰہیات کو بغور سمجھنے کی ضرورت ہے	۱۳۲
تضاد کے تعیّن کا منہاج	۱۳۲
توحید اور شرک کے تعیّن کا منہاج	۱۳۳
توحید اور شرک میں بُعد المشرقین	۱۳۵
باب چہارم	
توحید فی الرّبوبیت اور شرک فی الربوبیت	۱۳۷

صفحہ	عنوانات
۱۳۹	توحید فی الربوبیت کا مفہوم
۱۴۷	شرک فی الربوبیت کا مفہوم
۱۴۸	توحید فی الرّبوبیت اور شرک فی الربوبیت کی اقسام
۱۴۹	۱۔ توحید فی الذات
۱۵۵	• شرک فی الذات
۱۵۸	۲۔ توحید فی الخلق و الایجاد
۱۶۲	• شرک فی الخلق و الایجاد
۱۶۴	۱۔ قرآن میں اعجازِ مسیحائی کا جامع بیان
۱۶۷	۲۔ انبیاء و اولیاء ''بِإِذْنِ اللهِ'' مختار ہوتے ہیں
۱۶۸	۳۔ فعلِ الٰہی کی نسبت بھی اپنی طرف کرنا شرک نہیں
۱۶۹	۴۔ نوازشاتِ الٰہیّہ کو اللہ تعالیٰ کی عطا کہنا شرک نہیں
۱۷۰	۵۔ معنی و اطلاق کی تبدیلی سے شرک باقی نہیں رہتا
	باب پنجم
۱۷۳	**توحید فی الألوہیت اور شرک فی الألوہیت**
۱۸۹	**فصل اَوّل: توحید فی العبادت**
۱۹۲	جمہور مفسرین کا نقطہ نظر

صفحہ	عنوانات
۱۹۶	مشرکین کے شرک کی اصل وجہ
۱۹۷	مشرکین کے جھوٹ کی حقیقت
۲۰۰	• شرک فی العبادت
۲۰۰	۱۔ عبادت صرف اللہ کے لئے ہے
۲۰۱	۲۔ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے
۲۰۲	۳۔ غیر اللہ کو بطورِ معبود پکارنا شرک ہے
۲۰۵	۴۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا عینِ توحید ہے
۲۰۶	۵۔ وسیلہ اختیار کرنا خود ردِّ شرک ہے
۲۰۹	**فصل دوم: توحید فی القدرت اور شرک فی القدرت**
۲۱۱	توحید فی القدرت کا قرآنی تصور
۲۱۲	۱۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک
۲۱۳	۲۔ کائنات کی تخلیق اور نظام پر قدرتِ کاملہ کا مالک ہے
۲۱۳	۳۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے خاتمے پر قادر ہے
۲۱۴	۴۔ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کا خالق و مالک ہے
۲۱۶	۵۔ بصارت و سماعت کا حقیقی اختیار اسی کے پاس ہے
۲۱۸	• شرک فی القدرت

عنوانات	صفحہ
۱۔ تغیرِ روز و شب کی قدرت	۲۱۸
۲۔ اللہ جل مجدہٗ کے سوا کوئی رازقِ حقیقی نہیں	۲۱۹
افراد اور وسائل کو ذریعہ اور سبب ماننا شرک نہیں	۲۲۰
۳۔ نفع و نقصان کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے	۲۲۲
’’لَا أملِکُ‘‘ میں قدرت بالذات کی نفی ہے	۲۲۳
۴۔ سرچشمۂ اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے	۲۲۸
۵۔ ہدایت و گمراہی کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر سبب کئی ہیں	۲۲۹
۶۔ مخلوق کو مجازاً مالک و مختار جاننا شرک نہیں	۲۳۲
مجازی معنی میں کسی کو مددگار و کارساز کہنا شرک نہیں	۲۳۵
۷۔ تکوینی امور میں انبیاء و اولیاء مأذون من اللہ ہوتے ہیں	۲۳۷
۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ دائرۂ ماذونیت میں مختارِ کُل ہیں	۲۴۱
۹۔ اختیار کی تفویض سنّتِ الٰہیہ ہے	۲۴۱
(۱) حضور ﷺ کا احکامِ منصوصہ میں استثناء کا اختیار	۲۴۳
(۲) حضور ﷺ کا غیر منصوص احکام میں تشریعی اختیار	۲۴۶
فصل سوم: توحید فی الدعا اور شرک فی الدعا	**۲۵۱**
توحید فی الدعا	۲۵۳

عنوانات	صفحہ
قرآنِ حکیم میں لفظِ دعا کے معانی	۲۵۴
۱۔ دعا بمعنی دعوت	۲۵۴
۲۔ دعا بمعنی التجا	۲۵۶
۳۔ دعا بمعنی عبادت	۲۵۹
دُعا بمعنی عبادت: جمہور مفسرین کی صراحت	۲۶۳
• شرک فی الدُعا	۲۷۹
فصل چہارم: توحید فی العلم اور شرک فی العلم	**۲۸۱**
• توحید فی العلم	۲۸۳
اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور حضور ﷺ مطلع علی الغیب ہیں	۲۸۴
نبوّت اور علم غیب کا تعلق	۲۸۴
اطلاع علی الغیب کا اثبات	۲۸۶
رسول اللہ ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے	۲۹۱
نبی کا بنیادی فریضہ ہی ''ایمان بالغیب'' کی دعوت ہے	۲۹۳
• شرک فی العلم	۲۹۴
آیت الکرسی کی روشنی میں ایک اشکال کا ازالہ	۲۹۵
۱۔ علم الشہادت	۲۹۷

عنوانات	صفحہ
۲۔علم الغیب	۲۹۷
علمِ غیب کی طرح علم الشھادۃ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے	۲۹۸
علمِ غیب احادیث کی روشنی میں	۳۱۴
باب ششم	
توحید فی الاسماء و الصفات اور شرک فی الاسماء و الصفات	**۳۲۱**
۱۔توحید فی الاسماء والصفات	۳۲۳
● شرک فی الاسماء و الصفات	۳۳۲
۲۔توحید فی الافعال	۳۳۵
اللہ تعالیٰ کے افعالِ خاصہ کا کسی اور کے لئے اثبات شرک ہے	۳۴۶
● شرک فی الافعال	۳۴۸
شرک اور اس کا محل	۳۴۸
۱۔توحید اور شرک کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہے	۳۴۸
۲۔تقریب میلاد النبی ﷺ عین توحید ہے شرک نہیں	۳۵۰
۳۔ایک ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب	۳۵۰

عنوانات	صفحہ
بابِ ہفتم	
توحید فی التحریم اور شرک فی التحریم	۳۵۳
توحید فی التحریم کا مفہوم	۳۵۵
توحید فی التحریم کی اقسام	۳۵۵
فصل اوّل: توحید فی التحریمات اور شرک فی التحریمات	۳۵۷
حرمتِ تحریمات کا وجوب	۳۵۹
مکہ کو ابراہیم علیہ السلام اور مدینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم بنایا	۳۶۲
• **شرک فی التحریم**	۳۶۳
شعائر اللہ کی حرمت کا قرآنی مفہوم	۳۶۵
احترامات اور تحریمات میں فرق	۳۶۷
۱۔ یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا احترام	۳۶۷
۲۔ یومِ نجاتِ نوح علیہ السلام کا احترام	۳۶۸
۳۔ یومِ غلافِ کعبہ کا احترام	۳۶۹
۴۔ یومِ ولادتِ یحییٰ علیہ السلام کا احترام	۳۶۹
۵۔ ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کا احترام	۳۷۱

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۶۔ ولادتِ مریم علیہا السلام کا احترام	۳۷۲
۷۔ یومِ ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کا احترام	۳۷۲
۸۔ مولدِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے کے سبب بیتِ لحم کا احترام	۳۷۳
۹۔ یومِ نزولِ مائدہ کا احترام	۳۷۴
۱۰۔ یومِ ولادتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام	۳۷۴
۱۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے یوم میلاد کے احترام کی تخصیص فرمائی	۳۷۵
۱۲۔ آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ'' کے یومِ نزول کا احترام	۳۷۶
فصل دوم: توحید فی النذور اور شرک فی النذور	**۳۷۹**
توحید فی النذور کا مفہوم	۳۸۱
• شرک فی النذور	۳۸۱
۱۔ خیرات و صدقات اور عمل صالح کی نذر ماننا شرک نہیں	۳۸۳
۲۔ نذر میں شرک کا وقوع کب ہوتا ہے؟	۳۸۴
نیک عمل کا کسی کے نام انتساب	۳۸۵
مطلقاً تقرب الی الغیر شرک فی النذر نہیں ہے	۳۸۷
ذبیحہ کے ذریعے ایصالِ ثواب کا تصور	۳۹۰
جانور کی جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے	۳۹۱
نذر کو اولیاء کرام کی طرف مجازاً منسوب کرنا جائز ہے	۳۹۶

www.MinhajBooks.com

صفحہ	عنوانات
۳۹۹	جمہور مسلمین اور کفار و مشرکین کا اعتقاد ایک جیسا نہیں
۴۰۱	اہلِ ایمان اور کفار و مشرکین کے اعتقاد اور اعمال میں فرق
۴۰۵	**فصل سوم: توحید فی الحلف اور شرک فی الحلف**
۴۰۷	توحید فی الحلف کا معنی و مفہوم
۴۰۸	• شرک فی الحلف
۴۰۹	• قرآن اور تعظیمی قسمیں
۴۰۹	۱۔ نورِ محمدی ﷺ کی قسم
۴۱۰	۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر کی قسم
۴۱۱	۳۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی قسم
۴۱۲	۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی قسم
۴۱۲	۵۔ آپ ﷺ کے آباء و اجداد کی قسم
۴۱۳	۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک جائے سکونت کی قسم
۴۱۴	۷۔ چہرہ انور اور گیسوئے عنبرین کی قسم
۴۱۴	۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کی قسم
۴۱۵	• حلفِ تعظیمی جائز ہے

عنوانات	صفحہ
بابِ ہشتم	
توحید فی الأحکام اور شرک فی الاحکام	۴۱۹
• تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کا مشترکہ حق ہے	۴۳۰
• حرام کی حدود رسولِ اکرم ﷺ نے متعین فرمائیں	۴۳۲
• شرک فی الاحکام	۴۳۶
• امر و نہی میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کا اشتراک	۴۳۷
رسولِ اکرم ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے	۴۴۲
حضور ﷺ احکام میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہیں (علامہ ابن تیمیہ کا مؤقف)	۴۵۸
تصورِ شرک اور چند اہم توضیحات	۴۶۳
بابِ نہم	
توحید و شرک اور حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر	۴۶۵
۱۔ حقیقت و مجاز کے لئے بعض الفاظ کا استعمال	۴۶۷
۲۔ عبادت میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں	۴۶۸
• نظامِ زندگی باہمی مدد و استعانت کے سہارے چل رہا ہے	۴۶۸

www.MinhajBooks.com

صفحہ	عنوانات
۴۶۹	• ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے گئے
۴۷۰	۳۔ حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں
۴۷۰	۴۔ حقیقت و مجاز کا اطلاق قرآن حکیم کی روشنی میں
۴۷۰	(۱) لفظِ ’’خَلق‘‘ کا استعمال اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لئے
۴۷۱	(۲) لفظ ’’وَهَّاب‘‘ کا حقیقی اور مجازی استعمال
۴۷۴	(۳) لفظ ’’رَب‘‘ کا حقیقی اور مجازی استعمال
۴۷۷	(۴) ’’ایمان‘‘ میں زیادتی کی نسبت آیاتِ الٰہی کی طرف
۴۷۸	۵۔ حقیقتاً ہادی اور مضل ذاتِ باری تعالیٰ ہے
۴۸۰	۶۔ فعلِ ’’يَجْعَلُ‘‘ کی نسبت یومِ حساب کی طرف
۴۸۰	۷۔ عام معاشرتی زندگی میں حقیقت اور مجاز کا استعمال
۴۸۱	۸۔ افعال و اعمال میں نسبتِ مجازی و حقیقی کا لحاظ
۴۸۳	۹۔ بندوں کی طرف منسوب اکتسابِ افعال کی نسبت
۴۸۴	۱۰۔ لفظاً و معناً مفعول کی جدا جدا نسبت
۴۸۴	۱۱۔ اللہ اور مخلوق سے منسوب امورِ مشترکہ
۴۸۸	۱۲۔ ایک فعل کی بیک وقت خالق و مخلوق دونوں کی طرف نسبت
۴۹۰	۱۳۔ مختلف الوجوہ فعل کے استعمال میں کوئی تناقض نہیں
۴۹۰	۱۴۔ واسطہ کو مؤثرِ حقیقی اور خالق جاننا کفر ہے

عنوانات	صفحہ
۱۵۔ واسطہ کے جواز پر سنتِ نبوی ﷺ کا حکم	۴۹۲
۱۶۔ ترک مجاز سے معانئ قرآن میں تطبیق نہیں رہتی	۴۹۳
۱۷۔ معانی قرآن کی تطبیق میں احتیاط	۴۹۴
کسی کو نفع ونقصان کا سبب ماننا شرک نہیں	۴۹۵
باب دہم	
توحید وشرک اور صفات واَفعال میں اِشتراک	**۴۹۷**
اسماء وصفات میں اشتراک کی مثالیں	۴۹۹
۱۔ اَلشَّفَاعَةُ	۵۰۰
۲۔ عِلْمُ الْغَیْبِ	۵۰۰
۳۔ اَلْهِدَايَةُ	۵۰۲
۴۔ اَلضَّلَالَةُ	۵۰۳
۵۔ اَلْعِزَّةُ	۵۰۴
۶۔ اَلرَّؤُوفُ الرَّحِيمُ	۵۰۵
۷۔ اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ	۵۰۶
۸۔ اَلنُّوْرُ	۵۰۷
۹۔ اَلشَّهِيْدُ	۵۰۸

عنوانات	صفحہ
۱۰۔ اَلْکَرِیْمُ	۵۰۹
۱۱۔ اَلْعَظِیْمُ	۵۱۰
۱۲۔ اَلْخَبِیْرُ	۵۱۱
۱۳۔ اَلشَّکُوْرُ	۵۱۲
۱۴۔ اَلْعَلِیْمُ	۵۱۲
۱۵۔ اَلْمُعَلِّمُ وَ الْعَلَّامُ	۵۱۳
۱۶۔ اَلْوَلِیُّ وَ الْمَوْلٰی	۵۱۴
۱۷۔ اَلْعَفُوُّ	۵۱۶
۱۸۔ اَلْمُؤْمِنُ	۵۱۷
۱۹۔ اَلْمُهَیْمِنُ	۵۱۹
۲۰۔ اَلْمُبَشِّرُ	۵۱۹
۲۱۔ اَلْفَتَّاحُ	۵۲۱
۲۲۔ اَلْاَوَّلُ وَالْآخِرُ	۵۲۱
۲۳۔ اَلْقَوِیُّ	۵۲۳
۲۴۔ اَلْمَحْمُوْدُ	۵۲۵
۲۵۔ اَلْمُزَکِّیُ	۵۲۶
۲۶۔ اَلسَّمِیْعُ	۵۲۷

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۲۷۔ البَصِیرُ	۵۲۸
صفاتِ مشترکہ کی حقیقت	۵۲۹
افعال میں اشتراک کی مثالیں	۵۳۰
اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی صفاتِ مشترکہ سے متعلق علامہ ابنِ تیمیہ کا مؤقف	۵۳۵
باب یازدہم	
توحید کے تناظر میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا صحیح مفہوم	**۵۵۵**
• مِنْ دُوْنِ اللهِ کی حقیقی مراد	۵۵۸
۱۔ باطل عقائد و نظریات	۵۵۸
۲۔ معبودانِ باطلہ	۵۵۸
۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے اُلوہیت کی نفی	۵۵۸
۴۔ معبودانِ باطلہ کی بے وقعتی	۵۵۹
۵۔ کفار و مشرکین سے خطاب	۵۵۹
۶۔ معبودانِ باطلہ کے ولی اور شفیع ہونے کا انکار	۵۶۰
• انبیاء و اولیاء ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کا مصداق نہیں	۵۶۰
• آیات کا غیر موزوں اطلاق خوارج کا وطیرہ ہے	۵۶۲

www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
مِنْ دُوْنِ اللهِ کا درست اطلاق	۵۶۴
• معبودانِ باطلہ ولی اور نصیر نہیں جبکہ صالحین ولی ہوتے ہیں	۵۶۷
• انبیاء و اولیاء اللہ کے مقابلے میں ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کی بے وقعتی پر مشتمل آیاتِ قرآنی کا تقابلی مطالعہ	۵۶۹
باب دوازدہم	
توحید کے تناظر میں وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا صحیح مفہوم	**۵۸۵**
۱۔ ''أُهِلَّ'' کا لغوی معنی و مفہوم	۵۸۹
۲۔ أُهِلَّ کا صحیح اطلاق	۵۹۱
(۱) إهلال: پہلی رات کا چاند دیکھ کر اچانک آواز بلند کرنا	۵۹۱
(۲) إهلال: عین پیدائش کے وقت بچے کا آواز بلند کرنا	۵۹۱
(۳) إهلال: عین وقتِ ذبح آواز کو بلند کرنا	۵۹۱
(۴) إهلال: خاص مواقع پر آواز بلند کرنا	۵۹۲
(۵) إهلال: تلبیہ پڑھتے ہوئے آواز بلند کرنا	۵۹۲
۳۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا معنی ائمہ حدیث کی نظر میں	۵۹۲
۴۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا معنی ائمہ تفسیر کی نظر میں	۶۰۳
أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کی درست تفسیر	۶۱۰

عنوانات	صفحہ
لفظ أَهِلَّة سے استشہاد	٦١٠
۵۔ غیر اللہ کے نام پر بطورِ عبادت ذبح کرنا حرام ہے	٦١٢
وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ اور وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے اطلاق میں فرق	٦١٦
٦۔ صدقات و خیرات ذرائعِ ایصالِ ثواب ہیں ''وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ'' میں شامل نہیں	٦١٨
(۱) کسی کی طرف سے نفل نماز ادا کرنا	٦٢١
(۲) کسی کی طرف سے روزے رکھنا	٦٢٢
(۳) کسی کی طرف سے حج ادا کرنا	٦٢٤
(۴) کسی کی طرف پانی کا کنواں برائے ایصالِ ثواب منسوب کرنا	٦٢٦
۷۔ تَقَرُّب لِغَيْرِ اللهِ والی نذر حرام ہے	٦٢٩
۸۔ اعمالِ صالحہ اور خیرات کے لئے ایّام کا تعین	٦٣٠
(ا) احادیث مبارکہ سے نفلی اعمال کے لئے دن کے تعین کا ثبوت	٦٣٢
(۱) نفلی عبادت کے لئے جگہ اور دن کا تعین	٦٣٢
(۲) نفلی روزہ کے لئے پیر اور جمعرات کا تعین	٦٣٣
(۳) کثرتِ درود و سلام کے لئے جمعۃ المبارک کی تخصیص	٦٣٤
(۴) سفر کے لئے جمعرات کے دن کی تخصیص	٦٣٦
(۵) وعظ و نصیحت کے لئے دن کا تعیّن	٦٣٦

صفحہ	عنوانات
	باب سیزدہم
۶۳۹	تعظیم اور عبادت میں فرق
۶۴۱	فصل اوّل: تعظیم اور عبادت کا مفہوم
۶۴۳	تعظیم کا لغوی معنی و مفہوم
۶۴۵	تعظیم کا شرعی معنی و مفہوم
۶۴۷	تعظیم کے اطلاقات
۶۵۱	تعظیم کی اَقسام
۶۶۱	اِنتہائی تعظیم حضور نبی اکرم ﷺ کا حق ہے
۶۶۲	تعظیمِ رسول ﷺ توحیدِ باری تعالیٰ سے متصادم نہیں
۶۶۴	تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول ﷺ حقیقتِ واحدہ ہیں
۶۶۷	حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں (ابنِ تیمیہ کا عقیدہ)
۶۶۸	ذکرِ الٰہی کی قبولیت بھی تعظیمِ رسول ﷺ سے مشروط ہے
۶۶۹	اَدب و تعظیمِ رسول ﷺ ...... ایک نازک اِیمانی امتحان
۶۷۰	شعائر اللہ کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی
۶۷۱	منسوب جانور کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی تعظیم کا مقام
۶۷۳	عبادت اور تعظیم میں فرق

صفحہ	عنوانات
۶۷۴	عبادت کا معنی و مفہوم
۶۷۵	عبادت: عجز و نیاز کی اِنتہائی کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے
۶۷۶	ہر تعظیم عبادت نہیں
۶۷۹	زمانہ جاہلیت میں قبر پرستی کی حقیقت
۶۸۳	شرعاً تعظیم کے جائز اور واجب طریقے
۶۸۵	**فصل دوم: تعظیم بالمحبت اور اس کی اقسام**
۶۸۷	محبت کا لغوی معنی و مفہوم
۶۸۷	محبت کا اصطلاحی مفہوم
۶۸۸	محبت کی اقسام
۶۸۸	۱۔ محبتِ واجبہ
۷۰۰	۲۔ محبتِ محمودہ
۷۰۲	۳۔ محبتِ محرّمہ
۷۰۳	۴۔ محبتِ مذمومہ
۷۰۷	**فصل سوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں**
۷۰۹	تعظیم و توقیرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور توحیدِ باری تعالیٰ

عنوانات	صفحہ
ذاتِ رسول ﷺ کی تعظیم کے عملی مظاہر	۷۱۰
۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بے انتہاء تعظیم کے مختلف مظاہر	۷۱۰
۲۔ دورانِ نماز انتہا درجہ کی محبت و تعظیمِ رسول ﷺ	۷۱۲
۳۔ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ میں کعبہ سے توجہ ہٹانا، ناقضِ صلوٰۃ نہیں	۷۱۶
۴۔ حضور ﷺ کو اپنی جان سے عزیز جاننا تکمیلِ ایمان کی سند	۷۲۰
۵۔ حضور ﷺ کے بغیر طوافِ کعبہ بھی گوارا نہیں	۷۲۱
۶۔ اطاعتِ علی رضی اللہ عنہ اور معجزۂ ردّ شمس	۷۲۲
۷۔ معیارِ نجات محض اعمال نہیں	۷۲۳
حضور ﷺ سے منسوب اشیاء کی تعظیم	۷۲۵
۱۔ حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کی تعظیم	۷۲۵
۲۔ حضور ﷺ کے ذکرِ مبارک کی تعظیم	۷۲۸
۳۔ حضور ﷺ کی سنتِ طیبہ اور حدیثِ مبارکہ کی تعظیم	۷۲۹
۴۔ حضور ﷺ کے موئے مبارک کی تعظیم	۷۳۱
۵۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کی تعظیم	۷۳۲
۶۔ حضور ﷺ کے نعلینِ مبارک کی تعظیم	۷۳۳
۷۔ حضور ﷺ کے منبر مبارک کی تعظیم	۷۳۴
۸۔ حضور ﷺ کے آثارِ مبارک کی تعظیم	۷۳۵

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

عنوانات	صفحہ
۹۔ حضور ﷺ کے مقدس شہرِ اقامت کی تعظیم	۴۳۶
۱۰۔ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی تعظیم	۴۳۸
تعظیمِ رسول ﷺ استغراق فی التوحید کے منافی نہیں	۴۳۸
فصل چہارُم: تعظیم بالقیام	**۴۴۳**
قیام کا لغوی معنی و مفہوم	۴۴۶
قیام کا شرعی معنی و مفہوم	۴۴۶
کیا ہر قیام عبادت ہے؟	۴۴۷
از روئے سنت قیام کی جائز اقسام	۴۴۹
(۱) قیامِ اِستقبال	۴۴۹
(۲) قیامِ محبت	۴۵۰
(۳) قیامِ فرحت	۴۵۳
(۴) قیامِ تعظیم	۴۵۴
(۵) قیامِ اکرامِ انسانی	۴۵۴
(۶) قیامِ ذکر	۴۵۷
(۷) قیامِ صلوٰۃ و سلام	۴۵۷
حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے صحابہ کے تعظیماً قیام کا معمول	۴۶۰

صفحہ	عنوانات
۷۶۱	نماز اللہ کے لئے اور اقامت مصطفیٰ ﷺ کے لئے
۷۶۵	محافلِ میلاد میں قیام، استقبال کے لئے نہیں تعظیماً ہے
۷۶۷	ممانعتِ قیام کے اسباب
۷۶۸	اباحتِ قیام کے اسباب
۷۶۹	فصل پنجم: تعظیم بالتقبیل
۷۷۱	تقبیل کا لغوی معنی و مفہوم
۷۷۲	تقبیل کا شرعی معنی و مفہوم
۷۷۶	تقبیل ہے ہی مخلوق کے لئے
۷۷۷	اَقسامِ تقبیل
۷۸۵	تعظیم بالتقبیل ہرگز منافیٔ توحید نہیں
۷۸۷	فصل ششم: تعظیم بخلع النعال
۷۸۹	۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ سینا میں جوتے اُتارنے کا حکم
۷۹۳	۲۔ قبرستان کی تعظیم میں جوتے اتارنے کا حکم
۷۹۴	۳۔ کسی متبرک مقام کی تعظیم میں جوتے اتار کر چلنا جائز ہے

عنوانات	صفحہ
فصل ہفتم: بعض شرعی تعظیمات	**۷۹۵**
۱۔ تعظیمِ قرآن	۷۹۸
۲۔ تعظیمِ حدیث	۸۰۱
۳۔ تعظیمِ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم	۸۰۴
۴۔ تعظیمِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۸۰۸
۵۔ تعظیمِ اَولیاء اللہ	۸۰۹
۶۔ تعظیمِ اکابرین و مشائخ	۸۱۳
۷۔ تعظیمِ والدین	۸۱۷
۸۔ تعظیمِ شہورِ مقدسہ	۸۲۳
۹۔ تعظیمِ ایامِ مقدسہ	۸۲۵
۱۰۔ تعظیمِ اماکنِ مقدسہ	۸۳۰
فصل ہشتم: بعض ممنوع تعظیمات	**۸۳۷**
۱۔ سجدۂ تعظیمی کی ممانعت	۸۳۹
عبادت کی نیت کے بغیر تعظیم و تکریم شرک نہیں	۸۳۹
تعظیم و اکرامِ آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم	۸۴۰
ابلیس کے خود ساختہ تصورِ توحید کا انجام	۸۴۰

صفحہ	عنوانات
۸۴۶	انسانی تاریخ کا پہلا جرم شرک نہیں ...... اہانتِ نبوت تھا
۸۴۷	برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سجدۂ تعظیمی
۸۴۸	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سجدۂ تعظیمی کی خواہش
۸۵۰	۲۔ مزارات کے طواف اور من گھڑت تعظیمات
۸۵۳	۳۔ غیر شرعی حلف کا احترام منع ہے
۸۵۳	۴۔ ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز میں خود ساختہ تعظیمات
۸۵۷	۞ مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

دینِ اسلام کے منجملہ امتیازات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ دین بیک وقت عقائد و اعمال (beliefs & practices) کا مجموعہ ہے۔ ان دونوں کے فعال اور متحرک رہنے میں ہی اسکی بقاء اور تسلسل کا انحصار ہے۔ عقائد کو اصول الدین، ایمانیات اور علم الکلام کہا جاتا ہے جبکہ اعمال کو ارکانِ اسلام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ علم الفقہ کا موضوع ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کا باہمی ربط و تعلق بالکل وہی ہے جو انسانی شخصیت میں روح اور جسم کا ہے۔ اول الذکر کا موضوع انسان کے باطنی احساسات جذبات اور نیت کے احوال ہیں جبکہ دوسرے کا موضوع تعبدی، تشریعی اور عائلی و سماجی اعمال ہیں اور ایمان ان دونوں دھاروں کے یکجا ہونے کا نام ہے۔

اعمال کے مقابلے میں عقائد کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ وہ بنیاد اور جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے بنیاد کے بغیر عمارت کا تصور محال اور جڑ کے بغیر درخت کی زندگی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اسلامی کی تدوین سے قبل اصول الدین اور ایمانیات پر گراں قدر رسائل مرتب فرمائے جن میں سے اہم ترین رسالے کا عنوان الفقہ الاکبر رکھا۔ بعد میں عقائد و ایمانیات پر جتنی کتب لکھی جاتی رہیں ان میں بنیادی اصول وضوابط امام صاحب ہی کے تھے۔ چنانچہ اسکی وضاحت میں آپ نے فرمایا۔

الفقه في أصول الدين أفضل من الفقه في فروع الأحكام۔ (۱)

''اصول دین کی تفہیم جزئیاتِ احکام کی تفہیم سے افضل اور اہم ہے۔''

چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک دیگر علوم وفنون کی طرح علم الکلام میں بھی نمایاں شخصیات نے حسب موقع و ضرورت خدمات سرانجام دیں اور ملت کو معاصر

---

(۱) الدکتور حسن محمود الشافعی، المدخل إلى دراسة علم الكلام: ۱۴

فتنوں کی زد سے بچائے رکھا حتی کہ اسی نظریاتی و اعتقادی محاذ پر لڑتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ بارہ سو سالہ عروج کے بعد مجموعی زوال کا شکار ہونے والی امتِ مسلمہ کی ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ اسے دائمی زوال سے ہمکنار کرنے کے لئے بنیادی عقائد میں تشکیک و ابہام میں مبتلا کر دیا گیا۔ عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص مسلکی تنازعات اور باہمی مذہبی منافرت نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا وہ کسی ذی شعور شخص سے مخفی نہیں۔ اسی منفی رویئے نے عالم اسلام کا دامن علم و تحقیق کے حقیقی جوہر سے محروم رکھا اور یہی رجحان ملت کی سیاسی تمکنت کا دشمن ثابت ہوا۔ شومئی قسمت کہ امت جن عقائد و اعمال کی موشگافیوں میں اُلجھ چکی ہے ان میں سے زیادہ تر کا تعلق اعتقادی اختلافات کے ساتھ ہے جن کے حل میں تحمل اور بردباری سے زیادہ جذباتی اور مجادلاتی عنصر رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اسی رجحان نے مختلف مسلکی گروہوں کو بھی جنم دیا ہے جو اب صبر و تحمل اور تحقیق و تفتیش کی ساری حدوں کو عبور کر کے باہمی قتل و غارتگری پر اتر آئے ہیں اور ایک دوسرے کے خون کو مباح قرار دے دیا گیا ہے۔

عقیدۂ توحید و رسالت اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہیں جن پر ایمان و اسلام کی پوری عمارت کا دارومدار ہے۔ یہ دونوں دراصل عین یک دگر ہیں۔ فساد اور بگاڑ اس وقت پیدا ہوا جب توحید اور رسالت میں مغائرت پیدا کر دی گئی۔ یہ مغایرت تنقیصِ رسالت ﷺ پر منتج ہوئی۔ شرک اور بدعت کے تصور کو اتنا اچھالا گیا کہ ہر دوسرا شخص بدعتی اور مشرک قرار پانے لگا۔ داعیانِ اسلام کی قوتیں جب ان منفی پہلوؤں پر مرتکز ہوئیں تو اسکے دو نقصانات ہوئے ایک یہ کہ اسلام کی تعلیمات کے فروغ کا دائرہ سکڑ گیا اور دوسرا یہ کہ باہمی منافرت اور تضادات کے نتیجے میں مسلمان باہم دست و گریباں ہو گئے۔

اس ضمن میں دوسرا بنیادی نکتہ جو سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ توحید محض الفاظ و معانی کا گورکھ دھندا یا قیل و قال کا معاملہ نہیں بلکہ یہ تو عقیدے کے ساتھ ساتھ ایک کیفیت اور حال ہے جو انسان کے اندر سے پھوٹتا ہے۔ یہ تو ایک لذت آشنائی ہے جو انسان کو دو عالم کے خوف و غم سے بے نیاز کر کے بندگی کے اطوار سکھاتی ہے۔ یہ تو ایک

نورِ باطن ہے جسے عبادت، ریاضت اور ذکر وفکر سے جلا ملتی ہے پھر اس نورِ توحید کا حامل انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا چلتا پھرتا مظہر بن جاتا ہے وہ تقریروں، وعظوں اور مناظروں سے توحید کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی گفتار اور اس کا کردار توحید کی گواہی دیتا ہے۔ انہیں ملنے والا اور ان سے ہمکلام ہونے والا اپنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور قربت محسوس کرتا ہے اور بالآخر بندہ واصل بحق ہوجاتا ہے۔ حال میں ڈھلی ہوئی یہی توحید دراصل اولیاء اللہ کا مشرب ہے جس کے باعث وہ استغناء کے بلند مرتبے پر فائز ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتی۔ ایسے مست الست بندگانِ الٰہی قیامت میں بھی اسی شان استغناء سے ہمکنار ہوں گے۔ بقول اقبالؔ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

دورِ زوال بوجوہ میں توحید جب حال کی اس خاص کیفیت سے محروم ہوکر قیل و قال اور مناظروں کا موضوع بن گئی تو ''موحدین'' کی طبعیت میں ترشی' کبر و نخوت اور سخت گیری کا غلبہ ہوگیا جس کے مظاہر دنیا بھر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہی رجحانات ہر ملک میں کم و بیش یکساں طور پر اسلام کا چہرہ، محبت و مودت، مروت و احسان، تحمل و بردباری اور برداشت کی بجائے جارحیت' کرختگی اور غیر لچکدار رویوں سے مسخ کر رہے ہیں۔ پھر پورے عالم اسلام میں شرک و بدعت کا غلغلہ اور ردِ عمل میں ہونے والے مناقشات بذاتِ خود مسلمانوں کے داخلی انتشار اور عدم وحدت کی علامت بن چکے ہیں۔ حالانکہ عالم کفر ادیان و مذاہب، رنگ و نسل اور تاریخ وجغرافیہ کی تقسیم مٹا کر اہل اسلام کے خلاف صف آراء ہو چکا ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر ضروری تھا کہ ان اعتقادی موضوعات پر خالص علمی پیرائے اور معتدل طرز فکر کے ساتھ روشنی ڈالی جاتی تاکہ حقیقت حال سمجھنے میں عوام و خواص کو مدد ملتی۔ چنانچہ ان اعتقادی فتنوں کی بیخ کنی کے لئے شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی مدلل اور گرجدار آواز اُبھری جس نے تلخیوں کے موسم ناروا میں شرق

تا غرب محبت و مودت کے گلزار آباد کر دیئے۔ مضبوط دلائل کے ساتھ شرک اور بدعت کے ''طوفان'' کو نہ صرف روک دیا بلکہ تنقیصِ رسالت مآب ﷺ کے بدترین فتنے کو اپنی موت آپ مارنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ کتاب فی الحقیقت اس صدی میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کا وہ نمایاں تجدیدی کارنامہ ہے جس کے مثبت اثرات آئندہ صدیوں تک مترتب ہوتے رہیں گے۔

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''کتاب التوحید'' حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کے خطبات و دروس کا مرتبہ مجموعہ ہے جو آپ نے دراسات القرآن کے عنوان سے علماء کونسل کے اراکین اور منہاج یونیورسٹی کے طلباء کو دیئے۔ اولاً یہ ''توحید اور حقیقتِ شرک'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع'' ہوئے۔ یہ کتاب جون 1999ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔ بعد ازاں منہاج یونیورسٹی کے شعبہ ICIS کے طلباء و طالبات (کے سیشن 2004-5ء) کو دیے گئے انگلش لیکچرز اس موضوع میں توسیع کا سبب بنے۔ یوں جب ان خطبات و دراسات کو حضور شیخ الاسلام کی براہِ راست نگرانی میں از سر نو مرتب کیا گیا تو کتاب کی ضخامت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور اسے دو جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلد اوّل میں تین بڑے عنوانات کو شامل کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے مبادیات عقیدہ توحید کا حصہ ہے جس میں توحید اور شرک کے مفہوم کو اکابر ائمہ کی تصریحات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، اس حصے کا دوسرا جزو چند بنیادی نکات پر مشتمل ہے۔ یہ نکات دراصل پوری کتاب کا خلاصہ ہیں جنہیں ذہن نشین کئے بغیر کتاب سے کما حقہ استفادہ ممکن نہیں۔ اس حصہ کتاب کا دوسرا باب توحید کے ارکانِ سبعہ ہیں جو سورۃ اخلاص کی اعتقادی تفسیر ہے اور دنیائے علم و معرفت میں شاید پہلی مرتبہ اس شکل میں سامنے آ رہی ہے۔ یہ وہ کامیاب الہامی کاوش ہے جس نے توحید اور رسالت کے باہمی ربط و تعلق کو نہایت خوبصورتی سے اہل دانش و بینش کے سامنے رکھا ہے۔ کتاب کا دوسرا اور بڑا حصہ توحید کی متقابل اقسام پر مشتمل ہے، یہی حصہ دراصل کتاب کا دل ہے۔ تیسرے حصے میں ایسے موضوعات شامل کئے گئے ہیں جن سے روز مرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ اس حصہ

کتاب میں اہل اسلام کو اعتقادی مسائل کے حل میں انتہاء پسندی کی بجائے احتیاط، تدبر میانہ روی اور تحمل کی راہ دکھائی گئی ہے۔ کتاب التوحید کی جلد دوم میں استعانت، استغاثہ توسل، توسط اور زیارت جیسے اہم اور متنازعہ فیہ موضوعات کو شامل کیا گیا ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ حضور شیخ الاسلام کا حقیقی مدعا قارئین تک بآسانی پہنچ پائے، اسلوب بیان کی ندرت دلائل کی صحت اور موضوعات کی تقسیم میں ابلاغ اور تسہیل کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دلیل اور تحمل سے حقائق کو سمجھایا گیا ہے۔ انشاء اللہ اسکے بعد عرب و عجم میں اعتقادی مخاصمت کی شدت میں کمی آئے گی اور توحید کا صحیح تصور سمجھنے میں مدد ملے گی۔ بالخصوص پاک و ہند میں سوادِ اعظم کے دو گروہوں کے باہمی اختلافات کی خلیج کو ختم کئے جانے کی طرف پیش رفت ہو سکے گی۔

اس اہم تاریخی دستاویز کو مرتب و مدون کرنے میں بنیادی کردار علامہ محمد تاج الدین کالامی کا ہے جنہوں نے ان خطبات کی ترتیب اوّل اور بعد ازاں ترتیب ثانی میں براہ راست حضور شیخ الاسلام کی ہدایات کے مطابق ان تھک محنت سے کام لیا۔ ان کے ساتھ علامہ محمد عمر حیات الحسینی، محترم ضیاء اللہ نیّر اور حافظ فرحان ثنائی کی خصوصی معاونت بھی مختلف مراحل میں شامل رہی ہے۔ اور آخر میں راقم نے بھی اس اہم علمی کتاب کی ترتیب و تدوین میں بساط بھر خدمت کی سعادت حاصل کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں حقیقی معنوں میں اسلام کے عقائد و اعمال کی حقیقی تصویر بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

ڈاکٹر علی اکبر الازہری
ڈائریکٹر رِیسرچ
فرید ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ
3، اپریل 2006ء؛ ۴ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

مبادیاتِ عقیدۂ توحید

- توحید اور تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات
- عقیدۂ توحید کے ارکانِ سبعہ

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

باب اَوّل

توحید

اور

تصورِ شرک کی بنیادی توضیحات

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے شمار شکر ہے جس نے اپنے بے پایاں فضل وکرم سے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ عقیدہ توحید اور ردِّ شرک کے باب میں شکوک وشبہات اور پیدا کردہ اُلجھنوں کا حل پیش کرنے کی خدمت بجا لاسکیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

دینِ اسلام میں عقیدۂ توحید پہلا اور بنیادی رکن ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات اسی تصور کو انسان کے رگ و پے میں اتارنے اور اس کے قلب و باطن میں جاگزیں کرنے سے متحقق ہوتا ہے۔ تصورِ توحید کی اساس تمام معبودانِ باطلہ کی نفی اور ایک خدائے لم یزل کے اثبات پر ہے۔ عقیدۂ توحید پر ہی ملتِ اسلامیہ کے قیام، بقا اور ارتقاء کا انحصار ہے۔ یہی توحید امتِ مسلمہ کی قوت اور تمکنت کا سرچشمہ اور اسلامی معاشرے کی روح رواں ہے۔ یہ توحید ہی تھی جس نے ملتِ اسلامیہ کو ایک لڑی میں پرو کر ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا تھا۔ یہی توحید سلطان و میر کی قوت و شوکت اور مردِ فقیر کی ہیبت و سطوت تھی۔ اس دورِ زوال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ جو سوزِ دروں سے خالی ہو چکی ہے اس کے دل میں عقیدۂ توحید کا صحیح تصور قرآن و سنت کی روشنی میں ازسرِ نو اجاگر کیا جائے۔ تاکہ مردِ مومن پھر لَا اور اِلَّا کی تیغِ دو دم سے مسلح ہو کر ہر باطل استعماری قوت کا مقابلہ کر سکے۔ بقول اقبالؒ:

تا دو تیغِ لا و الّا داشتیم　　　ما سِوَ اللّٰہ را نشان نگذاشتیم

’’نفی و اثبات کی تلوار جب تک ہمارے ہاتھ میں تھی ہم نے ما سو اللہ یعنی اللہ کے سوا ہر غیر اور باطل کا نام ونشان تک مٹا دیا تھا۔‘‘

الغرض عقیدۂ توحید دینِ اسلام کی اساس اور بنیاد ہے، اِس کی صحت کے بغیر انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت اور شفاعت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ توحید تمام عقائد کی جڑ اور اصل الاصول ہے اور اعمالِ صالحہ دین کی فرع ہیں۔ درخت کی بقا فروع سے نہیں اصل سے ہوتی ہے۔ شاخوں اور پتوں سے درخت قائم نہیں رہتا۔ جس طرح دل و دماغ انسان کی اصل ہے اور آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ اور پاؤں فروع ہیں اِسی طرح دینِ اِسلام کی اصل عقائد ہیں اور اعمالِ صالحہ اس کی شاخیں ہیں۔ دینِ اِسلام کا پہلا اور بنیادی رکن توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفاتِ اُلوھیت اور کمالاتِ حقیقیہ سے متصف ہے اور اپنی اُن صفات و کمالات میں یکتا اور واحد و لاشریک ہے۔

توحید کا لغوی معنیٰ

توحید 'وحدت' سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے: ایک کو ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا۔ ائمہ لغت نے توحید کی تعریف اس طرح کی ہے:

التوحيد تفعيل من الوحدة، وهو جعل الشيء واحداً، والمقصود بتوحيد الله تعالى اعتقاد أنه تعالى واحد في ذاته وفي صفاته وفي أفعاله، فلا يشاركه فيها أحد ولا يشبهه فيها أحد.

’’توحید ’الوحدۃ‘ سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس سے مراد کسی چیز کو ایک قرار دینا ہے۔ اللہ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔‘‘

توحید کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ ’’ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور جملہ اوصاف و کمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی یا شریک

نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔‘‘

۱۔ امام ابوجعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) عقیدۂ توحید کی تشریح کرتے ہوئے اس کے شرعی واصطلاحی مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

نقول فی توحید الله معتقدین بتوفیق الله: اِن الله وَاحِدٌ لا شریک لهٗ. ولا شیئ مثلهٗ ولا شیئ یعجزهٗ، ولا الٰه غیرهٗ، قدیم بلا اِبتداءٍ، دائم بلا انتهاءٍ. لا یفنی ولا یبید. ولا یکون إلا ما یرید. لا تبلغهٗ الأوهام ولا تدرکهٗ الأفهام. ولا یشبههٗ الأنام، حَيّ لا یموت، قیوم لا ینام. خالق بلا حاجة. رازق بلا مئونة، ممیت بلا مخافةٍ، باعث بلا مشقةٍ. مازال بصفاتهٖ قدیمًا قبل خلقه لم یزدد بکونهم شیئًا لم یکن قبلهم من صفتهٖ. وکما کان بصفاتهٖ ازلیاً کذالک لا یزال علیها أبدیًا، لیس بعد خلقِ الخلق استفادَ اِسم الخالق، ولا بأحداثهٖ البریة استفاد اِسم الباریٔ. لهٗ معنٰی الربوبیة ولا مربوب، و معنی الخالق ولا مخلوق. وکما انهٗ محی الموتٰی بعد ما احیا استحق هذا الإسم قبل احیائهم کذالک استحق اسم الخالق قبل انشائهم. ذالک بأنهٗ علی کل شيءٍ قدیر، وکل شيءٍ إلیه فقیره، وکل أمر عَلیه یسیر لا یحتاج إلٰی شيءٍ، لیس کمثله شیئ وهو السمیع البصیر. خلق الخلق بعلمهٖ وقدر لهم اقدارًا وضرب لهم اٰجالاً. ولم یخف علیه شیء قبل أن یخلقهم. وعلم ما هم عاملونَ قبل أن یخلقهم. وأمرهم بطاعته ونهاهم عن معصیته. وکل شيءٍ یجری بتقدیرهٖ ومشیئتهٖ، و مشیئته تنفذ. لا مشیئة للعباد اِلَّا مَا شاءَ لهم، فما شاء لهم کان وما لم یشأ لم یکن. یهدی من یشآءُ

ویعصم ویعافی فضلًا، ویضل من یشآءُ ویخذلُ ویبتلی عدلا. وکلهم یتقلبون فی مشیئتہٖ بین فضلہٖ وعدلہٖ. وھو متعال عن الأضدادِ والانداد، لارادّ لقضاءِہٖ ولا معقب لحکمہٖ ولا غالب لامرہٖ. اٰمنا بذالک کلہٗ وایقنا ان کلا من عندہٖ۔(۱)

’’ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اُسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ ہے اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شے اُس کی مثل نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کر سکتی، اُس کے سواء کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ قدیم ہے جس کے وجود کے لئے کوئی ابتداء نہیں، وہ زندۂ جاوید ہے جس کے وجود کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔ اُس کی ذات کو فنا اور زوال نہیں۔ اُس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اُس کی حقیقت فکرِ اِنسانی کی رسائی سے بلند ہے اور اِنسانی عقل وفہم اُس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ ازل سے زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوگی اور ہمیشہ سے قائم رہنے والا ہے جو نیند سے پاک ہے۔ وہ بغیر کسی حاجت کے خالق ہے، وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے۔ بغیر کسی خوف وخطر کے وہ موت دینے والا ہے۔ وہ بغیر کسی مشقت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفاتِ کاملہ سے متصف تھا۔ اُس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی جو اُسے پہلے سے حاصل نہ تھی۔ جس طرح ازل میں وہ صفاتِ اُلوہیت سے متصف تھا اُسی طرح ابد تک بلاکم و کاست اِن سے متصف رہے گا۔ اُس نے اپنے لئے خالق اور باری کا نام مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ربوبیت کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی جب کوئی مربوب یعنی پرورش پانے والا نہ تھا اور اُسے خالق کی صفت اُس وقت بھی

(۱) ابو جعفر الطحاوی، العقیدۃ الطحاویۃ: ۹۔۱۱

حاصل تھی جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا۔ جس طرح وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا انہیں زندہ کرنے کے بعد کہلایا حالانکہ وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اِس نام کا مستحق تھا اِسی طرح مخلوق کی ایجاد سے پہلے بھی وہ خالق کے نام کا مستحق تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز اُس کی محتاج ہے، ہر امر کا کرنا اس پر آسان ہے اور وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اُس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے، اُس نے مخلوق کے لئے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار پہلے سے مقرر اور متعین کر دی ہے اور اُس نے اُن کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں تھی، اُسے ان کی تخلیق سے قبل ہی علم تھا کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔ اُس نے انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع کیا۔ ہر چیز اُس کی مشیت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے اور اسی کی مشیت و ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ بندوں کی (اپنی) کوئی مشیت و ارادہ نہیں ہوتا مگر جو وہ ان کے لئے چاہے پس جو وہ ان کے لئے چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور معاف کرتا ہے، اور وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ کرتا ہے، رسوا ٹھہراتا ہے اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ تمام لوگ اُس کی مشیت کے اندر اُس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی اُس کا مدِّ مقابل ہے اور نہ کوئی شریک۔ اُس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اُس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں۔ ہم اِن تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُس کی طرف سے ہے۔‘‘

۲۔ امام ابوالحسن الأشعریؒ (۳۲۴ھ) توحید کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المتفرد بالتوحيد، المتَمَجِّد بالتمجيد، الذي لا تَبْلُغه صفاتُ العبيد، وليس له مثل ولا نَديد، وهو المبدي المعيد، الفعَّالُ لما يريد، جلَّ عن اتخاذ الصاحبة والأبناء، و تقدس عن ملامسة النساء، فليست له عَثرةٌ تُقال، ولا حَدٌّ يُضرَب له فيه المثالُ، لم يَزَل بصفاته أولًا قديرًا، ولا يَزَال عالمًا خبيرًا، سبق الأشياء عِلْمُهُ، و نفذت فيها إرادتهُ، ولم تعزُب عنه خفيَّات الأمور، ولم تغيّره سوالفُ صروف الدهور، وَلَمْ يَلْحَقْه في خَلقِ شيءٍ مما خلق كَلال ولا تعبٌ، وَلا مَسَّهُ لُغوبٌ ولا نَصَبٌ، خَلَقَ الأشياءَ بقدرته، و دبَّرها بمشيئته، وقهرها بجبروته، وذلّلها بعزته، فذلَّ لعظمته المتكبِّرون، واستكان لعز ربوبيته المتعظِّمون، وانقطع دون الرسوخ في علمه الممترون، و ذلَّت له الرقاب، و حارت في ملكوته فِطَنُ ذوي الألباب، وقامت بكلمته السمٰوات السبع، واستقرت الأرض المهاد، وثبتت الجبال الرواسي، وجرت الرياحُ اللواقحُ، وسار في جو السماء السحابُ، وقامت على حدودها البحارُ، وهو الله الواحد القَهَّار يخضعُ له المتعزَّزون، و يخشع له المترفِّعون، ويدين طوعًا و كرهًا له العالمون۔[1]

”اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ذات ہے جو توحید کے اعتبار سے یکتا ہے، تمجید کے اعتبار سے قابلِ تعریف ہے، اس ذات کو بندوں کی صفات نہیں پا سکتیں، اس کا کوئی مثل اور نظیر نہیں، وہی ہر چیز کی ابتداء کرنے والا ہے اور اس کو اصل حالت پر

(۱) ابو الحسن الاشعری، الابانة عن أصول الديانة: ۷

لوٹانے والا ہے، وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر دینے والا ہے، وہ بیوی اور بیٹے رکھنے سے بلند و برتر ہے، وہ عورتوں کے میل ملاپ سے پاک ہے، اس کی کوئی ایسی لغزش نہیں جسے ختم کیا جا سکے (یعنی اس کے تمام افعال لغزشوں سے پاک ہیں) اور نہ ہی اس کی کوئی ایسی حد ہے جس کی مثال دی جا سکے، وہ اپنی صفات کے ساتھ اوّل سے ہی قادر ہے، وہ ہمیشہ عالم اور خبیر رہا ہے، اس کا علم کل اشیاء سے پہلے ہے اور اس کا ارادہ اُن میں نافذ ہے، پوشیدہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں، گردشِ زمانہ نے ان میں کچھ تغیر نہیں کیا، کسی چیز کو بھی تخلیق کرنے میں اسے مشقت اور تھکان نہیں ہوئی، نہ ہی اسے کوئی کمزوری اور تکلیف پہنچی، اس نے تمام اشیاء کو اپنی قدرت سے تخلیق کیا، اپنی مشیت سے ان کی تدبیر کی، اپنی طاقت سے ان پر غالب رہا۔ اپنی قوت سے ان کو تابع کیا، پس متکبرین اس کی عظمت کے سامنے جھک گئے، اس کی ربوبیت کی عزت کے سامنے بڑے بڑے عاجز ہوئے، اس کے علم راسخ کے آگے شک کرنے والے ختم ہوگئے، اس کے لئے گردنیں خم ہوگئیں، عقلمندوں کی عقل و دانش اس کی بادشاہی میں متحیر ہوگئیں، اس کے کلمہ کے سبب ساتوں آسمان قائم ہوئے، فرشِ زمین نے قرار پایا، بلند و بالا پہاڑ وجود میں آئے، آندھیاں چلیں، آسمانی فضا میں بادل چلنے لگے، سمندر اپنی حدود میں قائم ہوئے، وہی اللہ واحد و یکتا ہے، زبردست ہے جس کے سامنے طاقتور جھکتے اور بلند رتبہ رکھنے والے انکساری کرتے ہیں اور عالم طوعاً و کرہاً (پسند و ناپسند سے) اس کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔"

۳۔ **امام غزالی** (۵۰۵ھ) عقیدۂ توحید کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

إنه في ذاته واحدٌ لا شريکَ لهُ، فَردٌ لا مَثِيلَ له، صَمَدٌ لا ضِدَّ له، منفرد لا نِدَّ له، وأنه واحدٌ قديمٌ لا أوَّلَ لهُ، أزليٌّ لا بِدايَةَ له، مُستَمِرُّ الوجُود لا آخرَ له، أبَديٌّ لا نِهايَةَ له، قَيُّومٌ لا انقِطَاعَ له،

دَائِمٌ لا انصِرامَ له، لم يزل موصوفًا بنعُوت الجلال، لا يُقْضَى عليه بالانقِضَاء، والانْفِصَال، بتَصَرُّم الآباد وانقِرَاض الآجال، بل هو الأوَّلُ والآخِرُ، والظاهِرُ والباطنُ، وهو بكل شيء عَلِيْمٌ.

التنزيه:

وأنه ليس بِجِسْمٍ مُصَوَّر، ولا جَوْهَر محدود مقدر، و أنه لا يُماثِل الأجسامَ، لا في التقدير ولا في قبول الانقِسام، و أنه ليس بجوهر ولا تَحلُّه الجواهرُ، ولا بِعَرَضٍ ولا تحله الأعراضُ، بل لا يُماثِلُ موجُوْدًا ولا يماثله موجودٌ، ليس كمثله شيءٌ ولا هو مِثْلُ شيءٍ، و أنه لا يحده المقدارُ، ولا تَحْوِيه الأقطارُ، ولا تُحِيْطُ به الجِهاتُ، ولا تَكتَنِفُه الأرضُوْن ولا السمواتُ، و أنه مُستَوى على العرش على الوجه الذي قَالَه، وبالمعنى الذي أرادَهُ، استواءً منزها عن المُمَاسَّة والاستِقْرَار، والتَّمَكُّن والحُلُول والانتِقَال، لا يَحملُه العَرشُ، بل العرشُ و حَمْلته مَحمُولُون بِلُطف قُدرتِه، و مَقهُورون في قبضته، وهو فوقَ العرش والسَّماءِ، وفوقَ كُلِّ شيءٍ إلى تَخُومِ الثَّرَى، فَوقيةٌ لا تزيده قُرْبًا إلى العرشِ والسماءِ، كما لا تزيده بُعدًا عن الأرض والثرى، بل هو رَفِيعُ الدرجات عن العرش والسماء، كما أنه رَفِيعُ الدرجات عن الأرض والثرى، وهو مع ذلک قَرِيبٌ من كل مَوْجُوْدٍ، وهو أقربُ إلى العبد من حَبْلِ الْوَرِيْدِ، وهو على كُلِّ شَيءٍ شَهِيْدٌ، إذا لا يماثل قُربُه قُربَ الأجسام، كما لا تُماثِل ذَاتُهُ ذاتَ الأَجْسام، و أنه لا يَحُلُّ في شيءٍ ولا يَحُلُّ فيه شيءٌ، تَعالَى عن أن يَحْوِيه مكانٌ، كما تَقَدَّس

عن أن يَحُدَّه زمانٌ، بل كان قَبْلَ أن خُلِقَ الزمانُ والمكانُ، وهو الآن على ما عَلَيه كَانَ، و أنه بائِنٌ عن خَلْقِه بصفاته، ليس في ذاته سِوَاه، ولا في سِوَاه ذاتُه، و أنه مُقَدَّسٌ عن التَّغييُرِ والانتقال، لا تُحِلُّه الحوادثُ، ولا تَعْتَرِيه العَوَارِضُ، بل لا يزال في نَعُوْتِ جلاله مُنَزَّهًا عن الزوال، و في صفات كَمَالِه مُسْتَغْنِياً عن زيادة الاستكمال، و أنه في ذاته معلومُ الوجود بالعقول، مَرئِي الذات بالأبصار، نِعمَةً منه وَلُطفًا بالأبرار في دارِ القَرار، واتماما منه للنَّعِيمِ بالنظر إلى وَجْهِه الكريم۔ (۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے جس کی مثل کوئی نہیں، بے نیاز ہے جس کی ضد نہیں، منفرد ہے جس کی مانند کوئی نہیں، وہ ایسا واحد اور قدیم ہے جس کا اوّل کوئی نہیں، وہ ازل سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، اس کا وجود ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کا کوئی آخر نہیں، وہ ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہے جس میں کوئی انقطاع نہیں، وہ جلالت کی صفت سے متصف رہا ہے، مدتوں کے خاتمہ اور زمانوں کی ہلاکت کے باعث اس فنائیت اور انجام کے سبب اس کے خلاف فیصلہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ہر عیب اور نقص سے پاک ذات

بیشک وہ کوئی جسم نہیں جس کی تصویر کشی کی جائے (وہ جسم سے پاک ہے)، نہ ہی وہ محدود جوہر ہے، جس کا اندازہ کیا جاسکے۔ وہ اجسام سے مماثلت نہیں رکھتا نہ ہی مقدار میں اور نہ ہی قبولِ تقسیم میں، وہ جوہر نہیں ہے اور نہ ہی جواہر

(۱) غزالی، قواعد العقائد: ۵۰۔۵۴

اس میں حلول کر سکتے ہیں۔ اور وہ عرض نہیں ہے نہ ہی اعراض اس میں حلول کر سکتے ہیں (وہ جوہر و عرض سے پاک ہے)، بلکہ وہ کسی موجود کے مماثل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی موجود اس کے مماثل ہوسکتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کے مثل ہے، مقدار اس کی حدبندی نہیں کر سکتی، اطراف اسے سمیٹ نہیں سکتے، جہات اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، سب آسمان اور زمینیں اس کو گھیر نہیں سکتے (وہ مکان و جہت سے پاک ہے)، وہ اسی طرح اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا اس نے فرمایا، اس معنی کے ساتھ جس کا اس نے ارادہ کیا، اس کا یہ استواء فرمانا چھونے سے، قرار پکڑنے سے، تمکن و حلول اور انتقال سے منزہ ہے، عرش اس کو نہیں اٹھاتا، بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے اس کی لطفِ قدرت کے سبب اٹھے ہوئے ہیں اور اس کے قبضۂ قدرت میں بے بس ہیں، وہ عرش و سماء سے بلند ہے اور تحت الثریٰ تک ہر چیز پر فوق اور برتر ہے، یہ بلندی اس کے عرش اور آسمان تک کے قرب میں کچھ اضافہ نہیں کرتی جس طرح کہ وہ زمین و پاتال تک سے اُسے دور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ عرش و سماء سے بلند مرتبہ ہے جس طرح کہ وہ زمین و ثریٰ سے بلند مرتبہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر موجود سے قریب ہے، وہ بندے کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، کیونکہ اس کا قرب اجسام کے قرب جیسا نہیں ہے جس طرح کہ اس کی ذات اجسام کی ذاتوں جیسی نہیں ہے، بے شک وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے وہ اس سے بلند ہے کہ مکان اسے گھیر سکے، جس طرح وہ اس سے پاک ہے کہ زمانہ اس کا احاطہ کر سکے، بلکہ وہ زمان و مکان کی تخلیق سے پہلے تھا، وہ اب بھی اپنی اسی ازلی صفت پر قائم ہے، وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات کے اعتبار سے جدا ہے، اس کی ذات میں اس کے علاوہ کوئی نہیں اور نہ اس کے غیر میں اس کی ذات ہے، وہ تغیر و انتقال سے پاک ہے، حوادث اس میں داخل اور عوارض اس کو لاحق نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ اپنی صفاتِ جلال میں پاک رہے گا اور

اپنی کمال کی صفات میں وہ قبولِ اضافہ سے مستغنی ہے، عقل و دانش کے سبب وہ اپنی ذات میں وجودِ معلوم ہے، آنکھوں سے دکھائی دینے والی ذات ہے، دارِ آخرت میں یہ اس کی طرف سے نعمت اور نیکوکاروں کے لئے انعام ہوگا اور اس کی طرف سے اس نعمت کا اتمام و کمال اس کے حسین و جمیل چہرے کی زیارت پر ہوگا۔‘‘

۴۔ امام عمر بن محمد النسفی (۵۳۷ھ) مفہومِ توحید کے بیان میں لکھتے ہیں:

والمحدِث للعالم هو الله تعالی الواحد القديم الحيُّ القادر العليم السميع البصير الشائي المريد. ليس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر ولا مصوَّر، ولا محدود، ولا معدود، ولا متبعِّض، ولا متجزٍّ، ولا متركب، ولا متناه، ولا يُوصف بالمَاهية، ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان، ولا يجري عليه زمان ولا يشبهه شيء، ولا يخرج عن علمه و قدرته شيء.

وله صفات أزلية قائمة بذاته وهي لا هو ولا غيره۔(۱)

’’عالم کو سب سے پہلے وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، جو کہ واحد ہے، قدیم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے، جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، چاہنے والا ہے، ارادہ کرنے والا ہے، وہ عرض نہیں ہے نہ جسم، نہ جوہر ہے نہ اسکی شکل و صورت، نہ محدود ہے نہ معدود (جس کو شمار کیا جا سکے)، نہ حصوں کی شکل میں ہے نہ جزء کی صورت میں، نہ مرکب ہے نہ متناہی، نہ اسے ماہیت کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے نہ ہی کیفیت کے ساتھ۔ وہ نہ کسی مکان میں متمکن ہے نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے، کوئی چیز بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی، اور کوئی چیز بھی اس کی قدرت

(۱) نسفی، العقیدۃ النسفیۃ: ۲

اور اس کے علم سے خارج نہیں (ہر چیز اس کے احاطے میں ہے لیکن اس کی ذات ہر چیز سے ماورا ہے)۔

''اس کی صفات ازلی ہیں جو اس کی ذات سے قائم ہیں اور یہ صفات نہ ہی وہ (ذاتِ باری تعالیٰ) ہے اور نہ ہی اس کا غیر ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق منقول ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص کے زُہد و تقویٰ کی تعریف اِن الفاظ میں کی گئی کہ ''وہ جانتا تک نہیں ہے کہ گناہ کیا ہے'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسے آدمی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا امکان بہت زیادہ ہے۔''

چنانچہ ''تُعرَفُ الأشياء بأضدادها'' (یعنی اشیاء کی صحیح معرفت اُن کی اضداد کی پہچان سے ہوتی ہے) کے اُصول کے تحت عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ شرک اور اُس کی جملہ اقسام کو سمجھا جائے۔ توحید خدائے واحد کو لاشریک اور یکتا و یگانہ ماننے کا نام ہے اور کسی کو اس کا ساجھی، حصہ دار یا برابر کا شریک ٹھہرانے کا نام شرک ہے۔

شرک کا لُغوی معنی

لفظِ ''شرک'' شرکت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں اوروں کو شریک مانا جائے۔ صاحبِ لسان العرب لکھتے ہیں:

الشِّرْكةُ والشَّرِكةُ سواءٌ: مخالَطَةُ الشريكين. يقال: اشترَكنا بمعنى تشاركنا، وقد اشترك الرّجلانِ و تشاركا و شاركَ أحدهُما الآخر۔(۱)

''شِرْكَةٌ اور شَرِكَةٌ کا معنی دو شریکوں کا ایک چیز میں ملنا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ہم شریک ہوئے یعنی آپس میں ہماری شراکت ہوئی اور دو شخص باہم شریک ہوئے یعنی دونوں میں شراکت ہوگئی اور ایک دوسرے کے ساتھ شریک بن گیا۔''

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۴۴۸

شرک کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم

ائمہ علم الکلام اور ائمہ لغت نے شرک کا شرعی و اصطلاحی مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

الإشراک هو اثبات الشریک فی الألوهیة، بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس أو بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الأصنام۔(۱)

''مجوس کی طرح کسی کو واجب الوجود سمجھ کر الوہیت میں شریک کرنا یا بتوں کی پوجا کرنے والوں کی طرح کسی کو مستحق عبادت سمجھنا، اشراک کہلاتا ہے۔''

۲۔ صاحبِ لسان العرب علامہ ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

وأشرک باللہ: جَعَلَ لهُ شَرِیکاً فی مُلْکهِ، تعالی اللہ عَنْ ذالِک، والشرک أن یجعل للہ شریکا فی ربوبیته، تعالی اللہ عن الشرکاءِ والاندادِ، لأن اللہ وَحْدَهُ لا شَرِیْکَ له وَلَا نِدّ لهُ ولا نَدِیْد۔(۲)

''جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس نے کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے ملک اور سلطنت میں شریک بنا دیا جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبرتر ہے، اور شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شریکوں اور ہمسروں سے پاک ہے،...... کیونکہ وہ ذات واحد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کی کوئی نظیر اور نہ مثل۔''

---

(۱) تفتازانی، شرح عقائد نسفی: ٦١

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰: ۴۴۹

ہمارے عہد میں جہاں اور تصوراتِ دین خلط ملط اور گڈ مڈ ہوئے وہاں بنیادی عقائد اِسلام بھی متاثر ہوئے ہیں۔ ایمانیات کے باب میں توحید اور شرک کے ضمن میں بہت سے ابہام و التباس، مغالطے اور وساوس در آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے بہت سی غلط فہمیاں اور عجیب وغریب قسم کے شکوک وشبہات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کئے ہیں۔ اِس لئے امت میں شدید ٹکراؤ اور اُلجھاؤ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاں فکری وحدت اور تصوراتی واضحیت کا سخت فقدان پایا جاتا ہے جسے دور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ اِس کتاب میں اِسی بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ عمل اگر کمزور ہو تو اِس کا علاج آسان ہے لیکن جب عقیدہ میں طرح طرح کے ابہام اور التباس پیدا کر دیئے جائیں تو پھر فکری وحدت کا برقرار رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِس کے لئے یہ خوشخبری دی ہے کہ اُمت مسلمہ کی اصل آزمائش مال وزر کی حرص و ہوس سے ہو گی لیکن یہ شرک میں مبتلا نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ باقی بگاڑ اور نقائص اپنی جگہ گھمبیر کیوں نہ ہوں مجموعی طور پر اُمت مسلمہ شرک سے محفوظ ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَی قَتْلٰی اُحُدٍ. ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ کَالْمُوَدِّعِ لِلْأَحْیَآءِ وَ الْأَمْوَاتِ. فَقَالَ: اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ. وَاِنَّ عَرْضَهٗ کَمَا بَیْنَ اَیْلَةَ اِلَی الْجُحْفَةِ. اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ. وَلٰکِنِّیْ أَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا، وَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِکُوْا، کَمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ.

قَالَ عُقْبَةُ: فَکَانَتْ اٰخِرَ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَی الْمِنْبَرِ۔[1]

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ و صفاته، ۴: ۱۷۹۶، رقم: ۲۲۹۶

''حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر آپ نے منبر پر رونق افروز ہوکر اس طرح نصیحت فرمائی جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو نصیحت کر رہا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور اس حوض کا عرض اتنا ہے جتنا مقام اَیلہ سے لے کر جحفہ تک کا فاصلہ ہے، مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ تو نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے اور ایک دوسرے سے لڑکر ہلاک ہو گے۔

''حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو آخری بار منبر پر دیکھا تھا۔''

یہ بات ذہن نشین رکھنے والی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر معروف صحابیٔ رسول ﷺ سے مروی یہ حدیث دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کے آخری خطبہ کی روایت ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوئی خطبہ، کوئی باقاعدہ وعظ اور خطاب منبر پر نہیں فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ روایت اور بھی اہمیت اختیار کر جاتی ہے اور اس میں بیان کیے گئے مضامین کی حجیت مزید مسلم ہو جاتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خدشہ ظاہر نہیں فرمایا، اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ کوئی فرد شرک نہیں کرے گا بلکہ من حیث الکل شرک جیسے ظلمِ عظیم سے امت محفوظ رہے گی۔

توحید و شرک کے باب میں چند اہم نکات

اُمتِ مسلمہ کی اکثریت جو سوادِ اعظم ہے اور جس کے شرک و گمراہی سے اعتقادی طور پر محفوظ ہونے کی ضمانت خود حضور رسالت مآب ﷺ نے عطا فرمائی ہے۔ ستم یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں بعض گروہوں کی طرف سے امتِ مسلمہ کی اکثریتی جماعت پر شرک کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی فتنہ ہے جس نے اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اِس لئے ضرورت اِس امر کی ہے کہ توحید اور شرک کے موضوع پر آئندہ تفصیلی

مباحث کو شرحِ صدر کے ساتھ سمجھنے کے لئے چند ضروری نکات کو ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۔ توحید اور شرک دونوں ایک دوسرے سے متضاد اور مخالف تصورات ہیں۔ توحید ہر اُس چیز کی نفی کرتی ہے جو شرک ہے لہٰذا توحید اور شرک دو اصطلاحات ہیں، دو واضح عقیدے اور دو الگ الگ تصور ہیں جو آپس میں متقابل اور متخالف ہیں۔ اگر کوئی موضوع، کوئی عقیدہ یا عمل توحید ہے تو شرک اس کی عین نفی ہو گی مثلاً توحید سے مراد دن ہو تو رات شرک کہلائی گی، اگر توحید کی علامت ٹھنڈک ہو تو حرارت عین شرک ہو گی، توحید کی علامت طہارت ہو تو شرک عین نجاست ہو گی، توحید کی علامت نور ہو تو شرک عین تاریکی و ظلمت ہو گی۔ اِسی طرح اگر توحید کی علامت جنت ہے تو شرک عین جہنم ہے گویا توحید کا تضاد شرک ہے اور شرک کا تضاد توحید۔

۲۔ غلط فہمی کی بناء پر بعض اوقات کسی ناجائز فعل کو بھی شرک تصور کر لیا جاتا ہے، اِسی جہالت نے بہت سی اُلجھنوں کو پیدا کیا ہے۔ توحید اور شرک آپس میں دو متضاد و متقابل تصورات ہیں جن کا آپس میں اتحاد اور اشتراک اسی طرح ناممکن ہے جس طرح ایمان اور کفر کا اتحاد ناممکن ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ شرک کی اصطلاح کو کبھی بھی عمومی رنگ نہ دیا جائے، نہ ہی اِس کا اطلاق بے دریغ کر کے فتویٰ بازی کا بازار گرم کیا جائے۔

۳۔ ازروئے شرع کسی بھی چیز کے بارے میں رائے کا اظہار کرتے ہوئے اچھی ہے یا بری، جائز ہے یا ناجائز ایسے الفاظ وسیع مفہوم میں اِستعمال ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھی جاتی ہے کہ ہر ناجائز عمل اسی طرح شرک نہیں ہوتا جس طرح ہر جائز عمل کو عینِ توحید نہیں کہتے۔ شرک کا مرتکب دائرہ اِسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ جبکہ کسی ناجائز اور حرام عمل کا مرتکب فاسق و فاجر تو بن جاتا ہے لیکن دائرہ اِسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں بعض لوگ جھٹ سے شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی واضح اکثریت پر مشتمل طبقے کا نام بھی مشرک رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ردِ عمل میں اِسی طرح کے سخت فتاویٰ کا صادر ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ

شرک و بدعت کے فتوے ہر کسی کو اِتنی تیزی سے کفر کی وادی میں دھکیلے چلے جا رہے ہیں کہ سوسائٹی میں کسی بھی شخص کے اِسلام اور ایمان پر باقی ہونے میں شک ہونے لگتا ہے لہٰذا یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ شرک توحید کی عین ضد ہے یہ بلاواسطہ عقیدۂ توحید کو رد کرنے کا نام ہے اور شرک کا مرتکب محض گنہ گار اور گمراہ نہیں بلکہ بے دین اور ایمان کے دائرے سے یکسر خارج ہوتا ہے۔

۴۔ جب ایمانیات کے باب میں کسی خاص عمل یا عقیدہ پر شرک کا فتویٰ ناگزیر ہو جائے تو فتویٰ صادر کرنے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اُس عقیدہ یا عمل سے توحید کی کون سی قسم پر زد پڑی ہے اور کس درجے کی نفی اور بطلان ہوا ہے اس پر مستزاد یہ بھی ثابت کرنا لازمی ہے کہ وہ عقیدہ یا عمل شرک کی کون سی قسم اور درجہ کے تحت آتا ہے گویا توحید اور شرک کی قسم، نوع اور فرع کا بھی تقابل میں متعین کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

۵۔ ہر چیز کا شرعاً ایک مثبت پہلو ہوتا ہے اور ایک منفی مثلاً فرض ایک مثبت عمل ہے جس کے برعکس اِسی درجے کا حامل ایک منفی عمل ہے جسے حرام کہتے ہیں۔ کسی کام کے کرنے کے حکم میں مثبت طلب ہوتی ہے اور نہ کرنے کے حکم میں منفی طلب۔ لہٰذا شریعت ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ فلاں کام کریں اور فلاں کام نہ کریں۔ پس احکام شریعت کی ہر دو سمت کی برابر درجہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ مثبت اور منفی پہلو دونوں طرف ایک ہی سطح کے ہوں اور اہمیت کے اعتبار سے اِن میں ایک ہی طرح کی قوت کارفرما ہو۔ چنانچہ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کے جو نتائج اور عواقب برآمد ہوں گے وہ یکساں طاقت کے ہوں گے۔ اب کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ہر اُس چیز کو جو از روئے شرع ناپسندیدہ ہو اُس کو حرام کے پلڑے میں ڈال دے۔ ممکن ہے کہ وہ مکروہ تو ہو حرام نہ ہو۔ مکروہ میں ناپسندیدگی پائی جاتی ہے مگر حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسے شریعت میں ہر جائز عمل فرض نہیں اِسی طرح ہر ناپسندیدہ عمل کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ مثبت طلب کا بلند ترین درجہ فرض کہلاتا ہے اور

منفی طلب کا بلند ترین درجہ حرام۔ جبکہ شرک اِس حرام سے بھی اونچا درجہ ہے اِس لئے کہ وہ ''امرِ فقہ'' نہیں ''امرِ عقیدہ'' ہے۔

۶۔ کتبِ اُصول فقہ میں احکامِ شریعت کی درجہ بندی کا نظم بیان کیا گیا ہے۔ راقم کی کتاب ''الحکم الشرعی'' میں اِس کی تفصیل موجود ہے۔ توحید اور شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہاں تمثیلاً خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ مثبت طلب میں احکام کا پہلا درجہ **فرض**، اس کے بعد **واجب** پھر **سنت مؤکدہ**، پھر **سنت غیر مؤکدہ** اور اُس کے بعد **مستحب** کا درجہ ہے۔ اس کے برعکس منفی طلب میں **حرام** کو فرض کے مقابل اور **مکروہ تحریمی** کو واجب کے مقابل رکھا گیا ہے۔ جب کہ **اساءت**، سنت مؤکدہ کے مقابل ہے۔ چوتھے درجے میں **مکروہ تنزیہی** آتا ہے جو سنت غیر مؤکدہ کے مقابل ہے اور پانچویں درجے میں **خلافِ اولیٰ** (Uncommendable) ہے یہ مستحب کے مقابل ہے پھر اس کے بعد مثبت طلب اور منفی طلب دونوں میں مشترکہ **مباح** یا **جائز** کا درجہ ہے۔ اِن فقہی احکام کو درج ذیل متقابل ترتیب میں رکھ کر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

احکام امر (طلبِ فعل)	احکام نہی (ترکِ فعل)
۱۔ فرض	۱۔ حرام
۲۔ واجب	۲۔ مکروہ تحریمی
۳۔ سنت مؤکدہ	۳۔ اساءت
۴۔ سنت غیر مؤکدہ	۴۔ مکروہ تنزیہی
۵۔ مستحب	۵۔ خلافِ اولیٰ
۶۔ مباح	۶۔ مباح

اس درجہ بندی کے مطابق امر کے پانچ اور اس کے مقابلے میں نہی کے

بھی پانچ درجے ہیں۔ جب کہ مباح دونوں طرف مشترک ہے۔ یہاں پانچ مدارجِ امر کے مقابلے میں نہی کے بھی پانچ ہی مدارج ہیں اور اس کے بعد مباح کو صوابدیدی (Discretionary) درجہ میں رکھا گیا ہے جس میں نہ ثواب ہے اور نہ عتاب و عذاب بلکہ ایسے کاموں کو ہر کسی کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۷۔ فتویٰ صادر کرنا بہت بڑی، نازک اور اہم ذمہ داری ہے۔ ہر عالم اور فاضل بھی مفتی کے منصب پر فائز نہیں ہوتا کیونکہ کفر و شرک کا فتویٰ کسی کے ایمان کا فیصلہ ہے۔ اِس باب میں بڑی حزم و احتیاط اور لیاقت و دیانت درکار ہے کیونکہ ازروئے شرع اگر ایک چیز ناجائز اور حرام بھی ہو تو اِس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ شرک بھی ہو۔ گویا محض ممنوع اور حرام ہونے کی وجہ سے کسی فعل کو شرک نہیں کہا جا سکتا۔ حرام قرار دیتے ہوئے بھی یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اِس میں خلافِ شرع کس درجے کا منع ہونا پایا جاتا ہے کیونکہ منع کے بھی کئی درجے ہیں، کجا یہ کہ اُسے شرک کہا جائے حالانکہ شرک تو کفر کی آخری حد ہے۔

اِس علمی اور اعتقادی غلطی کی مثال روز مرہ زندگی سے اِس طرح دی جا سکتی ہے کہ کسی کو ہلکا سا زکام ہو اور کوئی نیم حکیم اُسے ٹی بی کا نام دے دے۔ کسی کو محض Infection ہو اور کوئی ڈاکٹر اُسے کینسر (Cancer) قرار دے دے۔ بجا ہے کہ یہ دونوں امراض نقصان دہ ہیں مگر اِس نقصان سے بڑھ کر یہ عمل کہیں زیادہ نقصان دِہ یہ بات ہے کہ غلط تشخیص کے ذریعے اُس مرض کو بڑھا چڑھا کر کچھ کا کچھ بنا دیا جائے۔ لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ علم الاحکام کو ذہن نشین رکھا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی عقیدہ و عمل کو شرک قرار دینے سے پہلے یہ تعین کیا جائے کہ اس کے ذریعہ جس عقیدہ و عمل کی نفی ہو رہی ہے کیا وہ عینِ توحید ہے بھی یا نہیں؟ کسی عمل کے شرک ہونے کیلئے لازم ہے کہ وہ توحید کی نفی کرے۔ اگر عین توحید کی نفی ثابت نہ ہو تو پھر وہ عمل ممنوع ہوتے ہوئے بھی شرک نہیں بن سکتا، اس پر شرک کا نہیں کوئی اور حکم صادر ہوگا۔

۸۔ اسلام میں عقیدہ کی بلند ترین مثبت سطح ''ایمان'' کی ہے جس کے مقابلے میں اِسی درجے کی منفی سطح ''کفر'' کی ہے۔ گویا ''مؤمن'' کے مقابلہ میں ''کافر'' ہوگا ''فاسق و فاجر'' کو ''درجہ مؤمن'' کے مقابل میں نہیں لایا جائے گا۔ کیونکہ فاسق، فسق کے باوجود دائرہ ایمان ہی میں رہتا ہے۔ اسی طرح اگر بحیثیت ایک مسلمان عقیدہ کی بلند ترین سطح ''توحید'' پر فائز ہے تو اس کے مقابلے میں کفر کے سب سے اونچے درجہ کا نام ''شرک'' ہے۔ چنانچہ اس ضابطہ کی رو سے صرف موحد مشرک کے مقابلہ میں ہوگا نہ کہ فاسق اورگنہ گار کے مقابلہ میں، کیونکہ فاسق اور گنہگار، گناہ کے باوجودموحّد رہتا ہے اور دائرہ ایمان یا عقیدۂ توحید سے خارج تصورنہیں ہوتا۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ شرک کو فرض، واجب اور سنت کے مقابلے میں بھی نہیں رکھا جاسکتا، نہ کسی حرام کو شرک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی فرض اور سنت کی نفی کو شرک گردانا جاسکتا ہے۔ فرض کے منافی کوئی اقدام حرام تو ہوسکتا ہے لیکن جب تک اس سے عقیدہ توحید پر زد نہ پڑے اسے شرک کے زمرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ اِسی طرح کسی کو یہ حق بھی نہیں کہ کسی اساءت، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ یا مباح امر کو اٹھا کر شرک کے درجے تک لے جائے۔

یاد رہے کہ شرک صرف اس وقت وجود میں آتا ہے جب توحید کی واضح نفی کی جائے کیونکہ یہ بات حتمی طور پر طے شدہ ہے کہ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی واضح نفی کے بغیر دوسرا اَمر ثابت نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس سے دین و شریعت کا سارا نظام اُلٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ کسی شخص کا ایک فتویٰ دوسرے کے ایمان کو بلا جواز کفر بنا دے گا جو سراسر ظلم اور احکامِ الٰہی کے خلاف نہ صرف بغاوت ہے بلکہ دین کے ساتھ حد درجہ زیادتی اور اسے بازیچۂ اطفال بنا دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شرک کو ناقابلِ رد قطعی دلائل سے ثابت کیا جائے۔

۹۔ ایمان اور توحید کی نفی ثابت کرنے کے لئے یہ تعین کرنا لازمی ہے کہ توحید کے جس درجہ کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس کا شمار حقوق اللہ میں ہونا چاہیے اور یہ حق جس کی

خلاف ورزی ہوئی کوئی عام یا مشترک حق نہ ہو بلکہ خالصتاً بلا شرکتِ غیرے اللہ کا حق ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ حق شکنی اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے حوالے سے ثابت کی جائے اور اس میں اختصاص پایا جائے نہ کہ اشتراک۔ یعنی شرک کا حکم لگانے میں اس امر کو طے کرنا ضروری ہے کہ وہ حق جس کا کسی غیر کے لئے اثبات ہو رہا ہے خصوصی طور پر بلا اشتراک اللہ کا ہی حق تھا اور وہ صفت بلا شرکت غیرے اللہ کی ہی صفت تھی۔ اگر کسی ایسی صفت، فعل اور اسم کو جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے ثابت کر دیا جائے تو اس پر شرک کا حکم لگایا جا سکے گا ورنہ نہیں۔ کسی عمومی صفت کا خالق اور مخلوق میں اشتراک شرک نہیں ہوتا اس میں اس بات سے فرق واقع ہو جاتا ہے کہ اس کا اطلاق دونوں جگہ مختلف معانی کے تناظر میں ہوا ہے اور اس کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ ظاہری طور پر دونوں یعنی خالق و مخلوق کی صفات کے بیان میں اِستعمال کیا جانے والا لفظ ایک ہی ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی معنویت اور ہوتی ہے اور مخلوق کے لئے اور۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شرک محض الفاظ کے اشتراک کے ذریعے وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ جب تک معنوی طور پر کسی عمل یا صفت کا مفہوم، دائرہ کار، حقیقت اور اطلاق مختلف رہے اس وقت تک وہ اشتراک خواہ اسمی ہو، فعلی ہو یا صفتی، منافیٔ توحید نہیں ہوتا، اِس لئے وہ باعث شرک بھی نہیں بنتا مثلاً **سمیع، بصیر، کریم، علیم، رؤوف، رحیم، ولی** اور **مولیٰ** جیسے اسماء و صفات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لئے، حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے اور بعض ملائکہ کے لئے بلکہ عام انسانوں کے لئے بھی مشترک استعمال ہوئے ہیں۔

جو شخص کسی کے عمل کو توحید کے منافی خیال کرتے ہوئے اِس پر شرک کا الزام عائد کر رہا ہے جب تک وہ قرآن وسنت کے دلائل اور شواہد سے اس امر کو حتمی طور پر

توحید کے منافی ثابت نہیں کر دیتا اُس وقت تک کسی عمل اور خیال کو مشرکانہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کسی عمل کو بغیر ثبوت کے محض توحید کی نفی اور شرک نہیں گردانا جا سکتا۔

۱۰۔ اس مقام پر وجہ شرک کو سمجھنا اور مدارِ شرک کو متعیّن کرنا از بس ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

والشرک أن یثبت بغیر اللہ سبحانہ و تعالی شیئًا من صفاتہٖ المختصۃ بہٖ۔(۱)

''شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے ثابت کی جائے۔''

ائمہ کلام کے نزدیک خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ ''**مایوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہٖ**'' (یعنی جو صفت جس کا خاصہ ہو اسی میں پائی جائے اور اس کے غیر میں نہ پائی جائے) لہٰذا صفاتِ خاصہ کا علی الاطلاق غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ شرک کا مدار محض اشتراک نہیں بلکہ مدارِ شرک چار باتوں پر ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود سمجھا جائے۔

۲۔ اس کے مستحقِ عبادت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔

۳۔ اللہ رب العزت کی صفاتِ خاصّہ مثلاً علم بالذات، علم بالقدرت، ایجاد و قدرتِ ذاتیہ اور اختیار ذاتی میں سے کوئی صفت کسی غیر کے لئے ثابت کی جائے۔

۴۔ صفاتِ خداوندی جیسے اس کی شان کے لائق ہیں بعینہٖ اسی طرح کا اعتقاد غیر کے لئے ثابت کیا جائے۔ خواہ وہ لمحہ بھر کے لئے ہی کیوں نہ ہو شرک کہلائے گا۔

۱۱۔ صفاتِ مشترکہ جو خالق و مخلوق کے مابین مشترک ہیں مدار شرک کی اساس کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت پر ہے ان کے اطلاق کے وجوہ خالق کے لئے اور معنی

(۱) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر: ۲۷

میں ہیں اور مخلوق کے لئے اور معنی میں۔ صفاتِ خداوندی قائم بالذات ہیں، ذاتی ہیں، غیر محدود ہیں، قدیم ہیں، واجب ہیں اور اُس کی شانِ الوھیت کے لائق ہیں اور مخلوق کے لئے وہی صفات محدود ہیں، متناہی ہیں، ممکن ہیں، حادث ہیں اور ان کی شانِ مخلوقیت کے لائق عطائی ہیں۔ شرک کا مدار نہ تو کمیت پر ہے اور نہ توقیت پر، بلکہ کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت پر ہے یعنی صفاتِ خداوندی جس کیفیت و ماہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں انہیں اسی کیفیت و ماہیت اور حقیقت و اصلیت کے ساتھ غیر کے لئے بھی ثابت کیا جاسکے جب بھی اور جس وقت بھی ثابت کیا جائے گا شرک ہوگا خواہ وہ ثبوت لمحہ بھر کیلئے ہی ہو ورنہ نہیں کیونکہ صفاتِ الوہیت حقیقت و اصلیت اور کیفیت میں من کل الوجوہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ خالق اور مخلوق دونوں کے لئے وجوہِ اثبات الگ الگ ہیں ایک جیسے نہیں۔ صفاتِ مشترکہ میں صرف ظاہری اشتراک ہوتا ہے مثلاً ''ولایت'' صفاتِ مشترکہ میں سے ہے۔ اِس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے، رسول ﷺ کے لئے بھی ہے، جبرائیل امین علیہ السلام کے لئے بھی ہے اور صالحین کے لئے بھی۔ یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

ولایتِ الٰہی، ولایتِ رسول، ولایتِ جبرئیل اور ولایتِ صالحین کا معنی، شان، کیفیت، ماہیت، اصلیت و حقیقت اور اطلاق کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے۔ ولایتِ الٰہی جس معنی اور شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، اسی معنی اور شان کے ساتھ غیر اللہ کے لئے لمحہ بھر بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔ یہی حال علم، رحمت، حیات، سمع و بصر اور کلام جیسی دیگر صفاتِ مشترکہ کا ہے۔ وہ خالق کیلئے بھی ثابت ہیں اور مخلوق کیلئے بھی، مگر جس شان، حقیقت اور معنویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اگر اسی شان اور حقیقت ومعنویت کے ساتھ مخلوق کے لئے ثابت نہیں اگر ایسا مان لیا جائے تو شرک واقع ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اگر یہ شانیں، مختلف حقیقت اور مختلف معنی میں دونوں کیلئے

تسلیم کی جائیں تو ہر گز شرک نہ ہو گا بلکہ اسے **عین توحید** کہا جائے گا۔ جس کی رو سے اللہ بھی ولی ہے، بندہ بھی ولی ہے۔ اللہ بھی علیم ہے، بندہ بھی علیم۔ اللہ بھی صاحبِ حیات ہے، بندہ بھی صاحب حیات۔ اللہ بھی کریم و رحیم ہے، بندہ بھی کریم و رحیم۔ اللہ بھی سمیع و بصیر ہے، بندہ بھی سمیع و بصیر۔ اللہ بھی صاحبِ کلام ہے اور بندہ بھی صاحبِ کلام مگر ان کا معنوی اطلاق مختلف ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مدارِ شرک کمیت پر نہیں بلکہ کیفیت وحقیقت پر ہے۔ اس لئے صفاتِ مشترکہ میں حقیقی اور مجازی یا ذاتی اور عطائی کی تقسیم زیادہ بلیغ اور معنی خیز ہے اس کے برعکس عادی و غیر عادی یا ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب وغیرہ کو مدارِ شرک بنانا محض الجھاؤ اور التباس پیدا کرنے کا موجب ہے۔

۱۲۔ ہمیں توحید اور شرک کے باب میں ذاتِ حق اور اس کے اسماء، صفات اور افعال کی صحیح معرفت حاصل کرنی چاہیے کہ کہاں شانِ اختصاص ہے، کہاں انعامِ اشتراک ہے اور کہاں فیضِ انعکاس۔ کسی جگہ پر اس کی توحید، شانِ الوہیت کے ساتھ عدمِ شراکت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور کسی جگہ شانِ ربوبیت کے ساتھ اپنے مربوب میں نیابت و مظہریت کا جلوہ دکھاتی ہے۔ کسی جگہ اس کی عظمت تنہاء و یکتا ہوتی ہے اور کسی جگہ خود مائل بہ عطا۔ وہ "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کے جلوے میں بھی ہوتا ہے اور "فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" کے نظارے میں بھی۔ وہ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" کے رنگ میں بھی ہے اور "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ" کے ڈھنگ میں بھی۔ وہ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" کی شان میں بھی ہے اور "اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" کی آن بان میں بھی۔ وہ بعید از وہم و گمان بھی ہے اور قریب از رگِ جاں بھی۔ وہ ورائے مکان و لامکاں بھی ہے اور جلیسِ حلقۂ بندگان بھی، وہ مستغنی از حلف ویمین بھی ہے اور خود مُقسِم دیارِ اَمین بھی، وہ ذاکر بھی ہے مذکور بھی، طالب بھی ہے مطلوب بھی، محبّ بھی ہے محبوب بھی۔ وہ تنہا سزاوارِ صلوٰۃ بھی ہے اور خود کسی کا صلوٰۃ خواں بھی حتی کہ وہ خود سلام بھی ہے اور سلام بھیجنے والا بھی۔ الغرض وہ جس

سے جو معاملہ چاہے کر دے وہ مالک اور قادر مطلق ہے، توحید اس کا حقِ خالص ہے اور شرک اس کی نفی کامل، سو اس باب میں کسی بھی حتمی فیصلہ سے قبل اس کے سارے فیصلوں کو نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ اس لاعلمی میں یہ احتمال رہے گا کہ کہیں ہم دفاعِ توحید کے زعم میں انکارِ ربوبیت نہ کر بیٹھیں اور ردِّ شرک کے جوش میں انکارِ محبوبیت نہ کر بیٹھیں۔

www.MinhajBooks.com

باب دوم

عقیدۂ توحید کے اَرکانِ سبعہ

(سورۂ اخلاص کی روشنی میں)

پہلا رکن: واسطۂ رسالت

دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

تیسرا رکن: اَحدِیّت (اللہ کا ایک ہونا)

چوتھا رکن: صَمَدِیّت (اللہ کا بے نیاز ہونا)

پانچواں رکن: لَا وَالدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

چھٹا رکن: لَا وَلَدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

ساتواں رکن: لَا کُفُویت (کسی کا اس کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونا)

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

مسئلہ توحید قرآن حکیم کے بنیادی اور اساسی موضوعات میں سے ہے۔ اِس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے اگرچہ قرآن حکیم کی متعدد آیاتِ بینات میں دلائل و براہینِ قاطعہ موجود ہیں لیکن سورۃ الاخلاص میں اللہ رب العزت نے اپنی توحید کا جو جامع تصور عطا فرمایا ہے وہ کسی اور مقام پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ توحید بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ میں توحید کے سات بنیادی ارکان بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان ارکانِ سبعہ کو ملا لیا جائے تو عقیدۂ توحید مکمل ہو جاتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک رکن کی خلاف ورزی بھی عقیدۃً ہو جائے تو توحید باقی نہیں رہتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌO اَللهُ الصَّمَدُO لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْO وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌO(1)

’’(اے نبیِّ مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہےO اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہےO نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہےO اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہےO‘‘

اس سورت میں بیان شدہ توحید کے ارکانِ سبعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ واسطۂ رسالت	۲۔ ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا
۳۔ احدیّت	۴۔ لا والدیّت
۵۔ لا وَلَدیّت	۶۔ صمدیّت
۷۔ لا کفویّت	

---

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۱۔۴

پہلا رکن: واسطۂ رسالت

عقیدۂ توحید کے لئے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت

سورۂ اخلاص کا آغاز لفظِ ''قُل'' سے کیا گیا جس کا معنی ہے: ''(اے نبیِّ مکرّم!) آپ فرما دیجئے۔'' کیا فرما دیجئے؟

هُوَ اللهُ اَحَدٌ ○

''وہ اللہ ہے جو یکتا ہے ○''

یہ مختصر مضمون جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی اس کے ایک ہونے کو بیان کر رہا ہے، اس کی وحدتِ مطلقہ کا بیان ہے۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر برہانِ ناطق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے پیارے! ہم چاہتے ہیں کہ توحید کا مضمون بیان کرنے کے لئے تیری زبان اِستعمال ہو۔ جو کچھ اس سے نکلے، میری ہستی پر دلالت کرے۔ میرے ایک ہونے کا مضمون اتنا بلند ہے کہ اس کی ادائیگی کا حق تیری زبان سے ہی ادا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اے محبوب! مجھے تیری اُمت کو ایمان سے بہرہ ور کرنا ہے مگر اِن کا میری نسبت عقیدۂ ایمان تب متحقق ہوگا جب یہ آپ سے سن کر آپ کی بات کو سچا مان کر مجھے ایک مانیں گے۔

۱۔ ''قُل'' عنوانِ رسالت ہے اور ''هُوَ الله'' عنوانِ توحید

اللہ رب العزت نے سورۂ اخلاص کی ابتداء لفظ قُلْ سے فرمائی۔ لفظِ ''قُلْ'' عنوانِ رسالت ہے جبکہ عنوانِ توحید ''هُوَ الله'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ کے ہونے کا براہِ راست علم (Direct knowledge) حاصل ہو گیا تو وہ علم ''وحدانیت'' ہے، عقیدۂ توحید نہیں۔ کیونکہ وہ علم بغیر واسطۂ رسالت کے ہے اور اس میں رسول ﷺ کا حوالہ ہی نہیں تھا لہٰذا وحدانیت کا تصور ایمان تب بنتا ہے جب رسول ﷺ

ایمان لانے میں واسطہ و وسیلہ بنیں۔

۲۔ وحدت، وحدانیت اور توحید کا مفہوم

عقیدۂ توحید کی معرفت کے لئے ایک اہم بات جو ذہن نشین کرنا ضروری ہے جسے بہت سے اہلِ علم نے اِس انداز میں بیان نہیں کیا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے قرآن مجید، احادیثِ نبوی، ائمۂ کبار، محدثین و متکلمین، اسلاف کی تحقیقات اور مفسرین کی تفاسیر کے مطالعہ کے بعد جو بات راقم کے ذہن میں راسخ ہوئی وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک ہونا توحید نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی وحدت ہے۔ اس باب میں تین الفاظ اہم ہیں:

۱۔ وحدت ۲۔ وحدانیت ۳۔ توحید

اس اجمال کی ضروری تفصیل اِس طرح ہے:

وحدت

وحدت اکائی کو کہتے ہیں اس کا مطلب ہے اللہ کا ایک ہونا اور اللہ تعالیٰ کی وحدت، وحدتِ مطلقہ (Absolute oneness) کہلاتی ہے۔

وحدانیت

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا تصور جب نظریہ، فلسفہ اور فکر (Theory, Philosophy & Thought) میں ڈھل جاتا ہے تو اسے ’’وحدانیت‘‘ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

توحید

توحید، نظریہ اور تصور سے بڑھ کر ایک عقیدہ ہے مگر اس کے باوجود یہ اس وقت تک ایمان نہیں بن سکتا جب تک اس کا حصول واسطۂ رسالت سے نہ ہو۔ واسطۂ

رسالت سے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ہی وہ عقیدہ ہے جو ایمان بنتا ہے اور ہم اسی کو عقیدۂ توحید کہتے ہیں۔

۳۔ واحد اور توحید کے درمیان معنوی ربط

عربی گرائمر کی رو سے لفظِ توحید باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے لغوی معنی ''ایک کرنا'' کے ہیں۔ اس کا مادۂ اشتقاق وَحُدَةً ہے اور اِسی سے واحد مشتق ہے جس کے معنی ایک کے ہیں۔ ماہرینِ علم الریاضی و علم الاعداد و ہندسہ کے نزدیک نصف الاثنین واحد یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد کی اقسام

واحد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ واحدِ عددی ۲۔ واحدِ جنسی ۳۔ واحد نوعی

واحد عددی

الواحد نصف الاثنین یعنی دو کے آدھے کو ایک کہتے ہیں۔

واحد جنسی

علمائے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک واحد جنسی اُسے کہتے ہیں جو اپنی جنس کے اعتبار سے ایک ہو مثلاً حیوان ایک جنس ہے اور جسم نامی ایک جنس ہے۔ شیر، گائے، بکری وغیرہ حیوان ہیں اور یہ تمام اپنی خاص جنس کے لحاظ سے واحد ہیں کیونکہ اِن تمام جانوروں میں حیوانیت مشترک جنس ہے لہٰذا یہ تمام جانور ایک جنس کے لحاظ سے واحد جنسی ہیں۔

واحد نوعی

علمائے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک واحد نوعی وہ ہے جو اپنی نوع کے لحاظ سے

ایک ہو مثلاً حیوان کی کئی انواع ہیں۔ کوئی حیوان صاھل یعنی ہنہنانے والا جانور ہے، کوئی حیوان مفترس یعنی چیرنے پھاڑنے والا جانور ہے اور کوئی حیوانِ ناطق جیسے اِنسان۔ اِس لئے اِنسان حیوان ناطق ہونے کی حیثیت سے اپنی نوع کا ایک فرد کہلاتا ہے۔ بیل کو جب واحدِ نوعی کہیں گے تو اُس میں شیر اور بکری وغیرہ شامل نہیں ہوں گے۔ اِس لئے کہ بیل اگرچہ حیوانیت میں دوسرے حیوانات کے ساتھ مشترک ہے مگر وہ اپنی نوع کے اعتبار سے الگ حیثیت رکھتا ہے اِس لئے وہ اپنی نوع کا فرد کہلائے گا۔

توحید

مذکورہ بالا واحد کی تمام تعریفات کے مطابق اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحدِ عددی مانے تو مشرک ہو گا کیونکہ اُس نے واحد عددی کی تعریف کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دو کا آدھا تسلیم کیا اور اللہ تعالیٰ میں دو کے لحاظ سے وحدت کا مفہوم آیا۔ اگر کوئی اِنسان اللہ تعالیٰ کو واحد جنسی مانے تو تب بھی مشرک کہلائے گا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس میں اشتراکِ جنس ضروری ہے اور اللہ رب العزت اشتراکِ جنس سے پاک ہے۔ اِسی طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو واحد نوعی مانے تو بھی مشرک ہو گا کیونکہ نوع کے لئے افرا دکا ہونا ضروری ہے۔ لٰہذا یہ امر متحقق ہوا کہ مذکورہ بالا تمام تعریفات کے مطابق اللہ تعالیٰ کو نہ تو واحد عددی، نہ واحدِ جنسی اور نہ واحد نوعی مان سکتے ہیں کیونکہ اِس سے شرک لازم آتا ہے تو پھر لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کو وہ واحد مانتے ہیں جسے زُبانِ مصطفیٰ ﷺ نے بیان کیا ہے اور اس کا اظہار ''قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ'' میں ہے۔

ذہن نشین کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دوسرے کے اعتبار سے اُس میں مفہوم وحدت آیا ہے۔ پوری اُمت کا متفق علیہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت نہ واحد عددی ہے نہ واحد جنسی ہے اور نہ واحد نوعی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے اور اُس کی ذات ازل سے ہی وحدتِ ذاتی سے متصف ہے اور وہ ہر قسم کے اشتراک، اشتباہ، مماثلت، تعدد، تکثر، تجزی،

حلول، اتحاد، امکان، حدوث، ترکیب، تحلیل اور تبعیض سے پاک ہے اور اِن تمام عقائدِ حقہ کا اعلان زبانِ رسالت مآب ﷺ سے لفظ 'قُل' سے کروایا گیا ہے۔ اس واحدِ حقیقی کو 'اَحَد' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ وحدت اور توحید میں فرق

خدا کا ایک ہونا تصورِ وحدت ہے۔ اگر زبانِ رسالت مآب ﷺ کے واسطے کے بغیر اپنی عقل، فہم اور سمجھ سے خدا کو ایک جانا جائے تو یہ تصورِ وحدت ہے اور زبانِ رسالت مآب ﷺ سے سن کر اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے تو یہ عقیدہ توحید ہے، اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌo

''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہےo''

اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے پیغام دے رہے ہیں کہ میرے پیارے نبی! یوں تو جاننے والے اپنے فہم سے مجھے ایک جانتے رہیں گے لیکن آپ اپنی زبان سے فرما دیں کہ میں ایک ہوں تو ان کا یہ جاننا ان کو ایمان کی نعمت عطا کر دے گا۔ سننے والے آپ کی زبان سے سن کر اور آپ کی بات کو مان کر مجھے ایک مانیں اور ایک جانیں گے تو ان کی وحدت، توحید میں بدل جائے گی۔

۵۔ لوگوں نے مظاہرِ فطرت کو معبود بنا لیا

قرآن مجید میں یہ ذکر بہ صراحت آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے اپنے علم وفکر اور عقل کی بنا پر وجودِ خدا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا لہٰذا اس زمانے کے لوگ مظاہرِ فطرت کو معبود بناتے ہوئے کبھی سورج کی پوجا کرتے اور کبھی ستاروں کی پرستش کرتے تھے یعنی مظاہر پرستی کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اس کے پیچھے لوگوں کے ذہنوں میں اپنے فائدہ کا کوئی خاص تصور (concept) کارفرما ہوتا

تھا۔ ایسے میں اللہ رب العزت نے ان کی طرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے پیغمبرانہ بصیرت و حکمت سے لوگوں کے باطل تصورات کا رد کیا اور انہیں ذاتِ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ○ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ○(۱)

’’اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر (جو حقیقت میں چچا تھا محاورۂ عرب میں اسے باپ کہا گیا ہے) سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں○ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائباتِ خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے○ پھر جب ان پر رات نے اندھیرا کر دیا تو انہوں نے (ایک) ستارہ دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا○ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب

(۱) الانعام، ۶:۷۴۔۷۹

ہے؟ پھر جب وہ (بھی) غائب ہوگیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی ضرور (تمہاری طرح) گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتاo پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا اب تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے؟ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو بول اٹھے: اے لوگو! میں ان (سب چیزوں) سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک گردانتے ہوo بیشک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوںo‘‘

۶۔ ذاتی علم اور تحقیق کی بناء پر خالق کی پہچان ایمان نہیں

تاریخ میں بڑے بڑے فلسفی ہو گزرے ہیں جن میں سقراط(Socrates)، بقراط(Hippocrate)، ارسطو(Aristotle)، افلاطون (Plato) وغیرہ معروف ہیں جب سے فلسفہ کی تاریخ شروع ہوئی اور حقیقت (reality)، وجود(existence) وغیرہ پر فلسفیانہ بحثیں شروع ہوئیں کہ کائنات کی حقیقت اور اس کی اصل کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ اسی طرح سورج کے بارے میں، آسمانوں کے بارے میں، ستاروں کے بارے میں، خود کائنات (Universe) کے بارے میں اور بنی نوع انسان (human beings) کے بارے میں، سوچ بچار شروع ہوئی تو فلسفے وجود میں آنے لگے مثلاً اس وقت عقلیت کا فلسفہ (Rationalism)، حِسّیت کا فلسفہ (Empiricism) اور تنقیدیّت کا فلسفہ(Criticism) وجود میں آیا۔ اس طرح ارتقاء اور پیش رفت کے نتیجے میں مختلف فلسفے وجود میں آئے اور تصورات بنتے چلے گئے جو انسان کو اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ایک نتیجے پر پہنچنے میں ممد و معاون بنے۔

انہی عقلی دلائل، غور و خوض اور سوچ و بچار سے جو تفکر کا عمل (thinking

(process ظہور پذیر (develop) ہوا، اس سے استدلالی عمل (reasoning process)، اِستخراجی و اِستنباطی عمل (deductive process) سائنسی عمل (scientific process) اور منطقی عمل (logical process) کی صورت گری ہوئی اور ان تمام تجربات اور مشاہدات کے ذریعے سوچ بچار کر کے انسان اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور وہی حقیقتِ مطلقہ (absolute reality) ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب اس تصور میں پختگی آ گئی تو وہ عقیدہ بن گیا مگر زیادہ تر نظریہ اور فلسفہ ہی رہا۔ عقیدہ بن جانے سے بھی وہ ایمان کے درجے کو نہیں پہنچا نہ وہ عقیدہ توحید میں متشکل ہوا کیونکہ وحدت (unity) علم میں منتقل ہو کر ایک فکر تو بن گئی مگر توحید نہ بن سکی جو مذکورہ بانیانِ فلسفہ کو ایمان کی دولت سے بہرہ ور کر سکتی۔ ان کا نتیجۂ علم ایک نظریہ اور نقطۂ نظر تو بن گیا لیکن انہیں مومن نہ بنا سکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنے تجربات اور فکر و تدبر سے حقیقتِ مطلقہ کا جو علم حاصل کر لیا تھا وہ محض وحدت کا علم ہی رہا، توحیدِ الوہی کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ ان فلاسفہ نے بہ واسطہ رسالت و نبوت اس حقیقتِ مطلقہ یعنی خالقِ ارض و سماء اللہ ﷻ کو واحد اور یکتا نہ مانا۔ نتیجتاً وہ دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ اللہ ﷻ کو رسول ﷺ کے واسطے سے ایک ماننا ہی ایمان ہے۔ خواہ ذاتی علم ہو یا ماننے والا ایک سادہ سا عام انسان ہی کیوں نہ ہو اس کے برعکس اگر واسطۂ رسالت و نبوت نصیب نہ ہو اور انسان علم میں اپنے وقت کا امام ہی کیوں نہ ہو وہ علم کے ذریعے دولتِ ایمان حاصل نہیں کر سکتا اور نہ فلسفہ اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں فائدہ دے سکتا ہے۔

www.MinhajBooks.com

۷۔ پیغمبر کے واسطے سے خالق کی پہچان ایمان ہے

جیسا کہ اوپر کی سطور میں واضح ہو گیا ہے کہ اگر انسان نے اپنے ذاتی علم، مشاہدے، تجربے، تجزیئے، استدلال اور سائنسی علم (scientific knowledge)، علم

فلسفہ (philosophical knowledge) پر اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کو ایک جانا اور مانا تو یہ فکر، نظریہ اور فلسفہ رہا اور اگر پیغمبر کی خبر پر پیغمبر کی زبان پر بن دیکھے (blind faith) اللہ تعالیٰ کو ایک جانا اور مانا تو اس کا یہ جاننا عقیدۂ توحید اور ایمان بن گیا۔ جب پیغمبر ﷺ نے اللہ کا نبی اور رسول ہونے کے ناطے یہ کہا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اب خواہ کسی انسان کا اس حوالے سے کوئی علم ہے یا نہیں، قطعِ نظر اس سے جب اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی بات مان لی اور یقین کر لیا تو اس کا عقیدۂ توحید وجود میں آ گیا۔ اس طرح اللہ کو ایک ماننا توحید اور ایمان بن گیا۔

گویا عقیدۂ توحید تب وجود میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی معرفت کا ادراک زبانِ رسالت ﷺ سے ہو جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے درمیان مکالمہ ہوا، جسے قرآن نے ان الفاظ کے ساتھ قیامت تک محفوظ کر لیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○(۱)

’’کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے (انتقال کے) بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے، اور ہم (سب) اسی کے فرماں بردار رہیں گے ○‘‘

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سن کر خاموش اور مطمئن ہو گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو یہ پوچھ رہے تھے کہ کس کی عبادت کرو گے۔ جواب بڑا سادہ سا تھا۔ اگر وہ صرف اتنا کہہ دیتے کہ اللہ کی عبادت کریں گے تو سوال کا جواب مل جاتا لیکن آپ کے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۳۳

صاحبزادوں نے ذاتی علم و عرفان اور معرفتِ حق کی بہ دولت یہ جواب نہیں دیا بلکہ کہا کہ ہم آپ کے اور آپ کے آبا وَاجداد کے رب کی عبادت کریں گے۔ پھر کہا وہ ایک ہے اور ہم اسی کو ماننے والے ہیں۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ سے پتہ چلا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی بیٹوں کی زبان سے یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ آیا ان کے بیٹے باری تعالیٰ کی ذات تک رسائی اپنی عقل و دانست سے حاصل کرنا چاہتے ہیں یا واسطۂ نبوت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی فرد اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بجائے اللہ کو اس لئے رب مانے کہ زبانِ نبوت نے اعلان کر دیا اور اس کی جبین نیاز رسالت کے سامنے جھکی رہے تو پھر اس کے بھٹکنے کا امکان اور شائبہ نہیں ہو گا۔

۸۔ عقیدۂ توحید خود وسیلۂ رسالت کا طالب ہے

جب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ایک جاننے کے علم میں واسطہ اور وسیلہ نہیں بنے تب تک وہ علم محض ایک تصور تھا عقیدۂ توحید نہیں تھا۔ فلسفہ تھا ایمان نہیں تھا، فلسفہ سے ترقی پا کر ایمان تب بنا جب اس علم کو وسیلہ رسالت نصیب ہوا۔ گویا عقیدۂ توحید یعنی ایمان باللہ وسیلۂ نبوت و رسالت کے بغیر وجود میں نہیں آتا۔ بالفاظ دیگر توحید بذات خود وسیلۂ رسالت کی متقاضی اور طالب ہے یعنی عقیدۂ توحید کا اثبات وسیلۂ رسالت سے ہوتا ہے۔ اس طرح عقیدۂ توحید ایک ایسی مسلمہ حقیقت بن گیا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو رد نہیں کر سکتی۔

۹۔ ایمان ذاتی علم کی بجائے خبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انحصار کا نام ہے

یہاں ایمان کے ایک اور نکتہ کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اس وقت دنیا کے پاس اپنے ذرائع سے جو دستیاب علم تھا، اگر اس کی اساس پر انسان اس نتیجے تک پہنچتا کہ خدا ایک ہے اور بہ فرضِ محال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ دین لے کر آئے تھے، فرما دیتے کہ خدا ایک نہیں، دو یا تین ہیں تو ایمان باللہ کے باب میں ایک خدا کی بجائے دو یا تین خداؤں کو ماننا لازم ہو جاتا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماہِ ذوالحجہ، شہرِ مکہ اور یومِ عرفہ کے بارے میں استفسار

فرمایا۔ انہوں نے اللہ و رسولہ أعلم کہہ کر بے خبری کا عملی مظاہرہ کیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان کے ذہنوں میں موجود علم کے برعکس کوئی اور بات بھی کہہ دیتے تو وہ اس کو بھی مان لیتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ أبِي بَكْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ، قَالَ: أَتَدْرُوْنَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: أَيُّ شَهْرٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ؟ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: أَيُّ بَلَدٍ هَذَا؟ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟ قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هَذَا، فِيْ بَلَدِكُمْ هَذَا، إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.(۱)

”حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یوم النحر کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی، ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴
(امام بخاری نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح البخاری، کتاب العلم، رقم: ۶۷، کتاب المغازی، رقم: ۴۱۴۴، کتاب الأضاحی، رقم: ۵۲۳۰، کتاب الفتن، رقم: ۶۶۶۷، اورکتاب التوحید، رقم: ۷۰۰۹ میں بھی بیان کیا ہے)
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامة و المحاربین والقصاص والدیات، باب تغلیظ تحریم الدماء و الأرض و الأموال، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

ہمیں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے جس سے ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ شاید اس کا کوئی اور نام لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حرمت والا شہر نہیں ہے؟ ہم عرض گزار ہوئے کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو (پھر یہ بھی جان لو کہ) تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے جب تک کہ تم اپنے رب سے ملو گے (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) کیا میں نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ہاں۔ (تب) آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا (اور فرمایا) حاضر اسے غائب تک پہنچا دے۔ بعض اوقات وہ شخص جس تک بات پہنچائی گئی براہِ راست سننے والے سے زیادہ یاد رکھتا ہے۔ میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان اپنے علم پر انحصار کرنے کا نام نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خبر پر انحصار کرنے کا نام ہے یعنی جو کچھ حضور نبی اکرم ﷺ نے بتایا اس پر اعتماد کرنے کا نام ایمان ہے۔ اگر لوگوں کا مبلغِ علم اور اطلاع اس کی مطابقت میں ہو تو علم صحیح ہے اور اگر ان کا علم رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے علم سے

متضاد اور غیر مطابق (inconsistent) ہو جائے تو پھر تمام ذرائع سے اکٹھا کیا ہوا علم غلط ہو گا۔

۱۰۔ اقرارِ توحید سے قبل صدقِ رسالت ﷺ کا اقرار

صحیح بخاری میں اس آیت کریمہ - ﴿وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْأَقْرَبِيْنَ٥﴾(۱) ”اور (اے حبیب مکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرائیے٥“ - کے شانِ نزول کے تحت بیان ہوا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کوہِ صفا پر اہلِ مکہ میں سے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے، جو تم پر حملہ کر دے گا تو کیا تم مان لو گے؟ آپ ﷺ کے رشتہ داروں نے کہا: جی ہاں! ہم مان لیں گے۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی صداقت کا اقرار اعلانِ توحید سے پہلے کروا لیا تاکہ انکار کرنے والوں پر حجت قائم رہے اور اقرار کرنے والوں کی نظر میں بھی توحید پر ایمان لانے سے قبل ذاتِ رسول ﷺ پر ایمان کی اہمیت و اوّلیت واضح ہو جائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیسے مان لو گے؟ تم نے تو وہ لشکر دیکھا ہی نہیں؟ انہوں نے کہا: آپ سچے ہیں، آپ نے کبھی غلط بات نہیں کی، آپ جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں، اس وجہ سے آپ پر ہمارا غیر متزلزل اعتماد ہے اس لیے آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اس کو مان لیں گے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھے واقعی قابلِ اعتماد (trustworthy) سمجھتے ہو اور مجھ پر بن دیکھے بھروسا (blind faith) رکھتے ہو تو پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اور اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، اس کی وحدانیت اور ایک ہونے پر ایمان لے آؤ۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی یہ بات قبول کر لی وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے انکار کر دیا وہ کافر ہو گئے۔ اس موقع پر ابولہب نے غضبناک ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے

(۱) الشعراء، ۲۶:۲۱۴

تھے: اے محمد! (معاذ اللہ! استغفر اللہ!) تم برباد ہو جاؤ، تباہ ہو جاؤ، کیا اس بات کے لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس کی اس دریدہ دہنی اور گستاخی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پوری سورت نازل فرما دی اور انہی الفاظ کے ساتھ اس کی مذمت کر دی، فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ٥(۱)

’’ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے (اُس نے ہمارے حبیب پر ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی ہے)٥‘‘

۱۱۔ مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے

کوہِ صفاء پر پہلی دعوتِ توحید کا یہ سارا منظرنامہ (scenario) اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ ایمان کے باب میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے قابلِ اعتماد ہونے پر ایمان لانا ناگزیر ہے۔ اس لئے لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی خبر دینے سے پہلے وسیلۂ رسالت اور واسطۂ نبوت پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور آپ ﷺ سے کلمۂ توحید کا اعلان کروایا گیا۔ چنانچہ جب ان کا حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور اعتماد قائم ہو گیا تو پھر آپ ﷺ نے اللہ کے ایک ہونے کی خبر (divine news) انہیں پہنچائی۔ اس سے یہ نکتہ بھی کھلا کہ جنہوں نے حضور ﷺ کے ذریعہ، وسیلہ اور واسطہ سے اللہ کو ایک مان لیا وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے آپ ﷺ کی بات نہ مانی وہ کافر قرار پائے۔ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کے ذریعے ہی ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید متحقق ہوتا ہے۔ اس لئے ہر اہلِ ایمان کا عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ ایمان باللہ خود وسیلۂ رسالت کا طالب اور متقاضی ہے۔

ایک ممکنہ اعتراض کا جواب

اگر کوئی طالب کے لفظ پر اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب

(۱) اللھب، ۱۱۱:۱

ارادے کو کہتے ہیں اور یہ ارادۂ الٰہی پر موقوف ہے کہ اس نے جس کو چاہا اپنا نبی اور رسول مقرر کر دیا۔ یہی طلب ہے۔ اسی لئے وہ واسطۂ نبوت اور واسطۂ رسالت کا طالب ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بندہ تو اپنی طلب میں محتاج ہے لیکن اللہ محتاج نہیں، قادر ہے۔ اپنی قدرت سے انبیاء کو مقرر فرماتا رہا ہے۔ لہٰذا ہمارا عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کی اساس اس پر قائم ہے کہ واسطۂ نبوت و رسالت ناگزیر اور اٹل (inevitable) حقیقت ہے۔

۱۲۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ: عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت ہے

قرآن مجید سے یہ بات بڑی واضحیت کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید بھی واسطۂ نبوت اور وسیلۂ رسالت کے ساتھ متحقق ہوتا ہے پھر جب مسلمان دائرہ ایمان میں داخل ہوجاتے ہیں اس کے بعد جو دلائل (evidences) اللہ کی توحید کے اثبات پر قائم ہیں وہ اس عقیدے کو مزید استحکام عطا کرتے ہیں۔ توحید پر قائم کئے گئے دلائل سب کے سب ثانوی (secondry) حیثیت رکھتے ہیں یعنی وہ عقیدۂ ایمان (faith) کو مزید مضبوط (strengthen) کرنے، اس کی اعتقادی حیثیت (conviction) اور commitment کو مضبوطی و پختگی تو ضرور فراہم کرتے ہیں مگر جو حتمی، بنیادی اور قطعی شہادت ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ باقی تمام دلائل، واقعاتی دلائل (circumstantial evidences) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ بات قانون کے طلباء اچھی طرح جانتے ہیں کہ وکیل عدالت (Court) میں جو مختلف دلائل دیتے ہیں ان کو قرائن (Circumstantial evidences) کہتے ہیں مثلاً: چور نے کسی کمرے سے چوری کی ہے مگر تالا ٹوٹا ہوا نہ ہی ہینڈل ٹوٹا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کہیں سے چابی حاصل کرکے دروازہ کھولا۔ یہ قرائن ہیں جو آپ کو ایک نتیجے تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ بادی النظر میں جو بات بڑی ٹھوس (Solid) لگتی ہے وہ حقیقت میں اتنی بھی ٹھوس نہیں کیونکہ یہ امکان بھی ہے کہ رات گھر والے تالا لگانا ہی بھول گئے ہوں اور تالا لٹکا رہ گیا ہو، اس اثناء میں چور آیا، اس نے چوری کی، تالا لٹکایا اور

چلا گیا۔ تو پتہ چلا کہ قرائن (circumstantial evidences) کو شہادتوں سے رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ قرائن علم میں تیقّن اور واضحیت (clarity) میں اضافہ کرتے ہیں مگر وہ بذاتِ خود عقیدۂ توحید اور ایمان کی اساس نہیں بن سکتے۔

شہادت کی دوسری قسم قطعی شہادت (conclusive evidence) ہے اس کو قانونی اصطلاح میں براہِ راست شہادت (Direct evidence) بھی کہتے ہیں جبکہ وہ شہادت جو قرائن پر مبنی ہو بالواسطہ شہادت کہلاتی ہے۔ اللہ رب العزت کی توحید اور اس کے وجود پر بلاواسطہ، حتمی اور قطعی شہادت پیغمبر ﷺ کی ذات ہے۔ اس لئے اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًاo(۱)

’’اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ذاتِ حق ﷻ کی سب سے زیادہ مضبوط، کامل اور واضح) دلیلِ قاطع آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نور (بھی) اتار دیا ہےo‘‘

وہ دلائل جو قطعی، حتمی اور ناقابلِ تردید ہوں انہیں برھان کہتے ہیں۔ عربی لغت میں برھان کا معنی ’أَوْكَدُ الْأَدِلَّة، ہے۔ یعنی دلائل میں سب سے قوی ترین دلیل جو رد نہ کی جا سکے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس اور عقیدۂ توحید پر قطعی شہادت اور سب سے زیادہ مضبوط دلیل حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔

۱۳۔ توحید پر حضور ﷺ کی گواہی اصالۃً ہے

اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اصل گواہی حضور نبی اکرم ﷺ نے دی۔

(۱) النساء، ۴:۱۷۴

اس پر پوری امت بغیر دیکھے گواہ بن گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا کہ اللہ ایک ہے تو موقع کے گواہ آپ ﷺ بن گئے اور ساری امت حضور ﷺ کے صدقے سے آپ ﷺ کے اعتماد پر گواہ بنی ہے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی امت آپ ﷺ کی نائب (Vicegerent) ہے۔اس سے پتہ چلا کہ شہادت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔شہادتِ اصالت ۲۔شہادتِ نیابت

جب حضور ﷺ نے فرمایا ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے تو یہ شہادت اصالۃً ہے۔ جبکہ حضور کی امت کی گواہی کو نیابۃً شہادت کا درجہ حاصل ہوگیا۔

۱۴۔توحید پر امت کی گواہی نیابۃً ہے

ہم جب کلمہ پڑھتے ہیں تو گویا اللہ رب العزت کے ایک ہونے کی گواہی دیتے ہیں کہ ''أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے یعنی

I do give witness to Oneness of Almighty Allah

یہاں کوئی پوچھے کہ آپ کس طرح یہ گواہی دیتے ہیں جبکہ آپ نے تو دیکھا ہی نہیں۔ دیکھے بغیر گواہی کیسے ہوسکتی ہے؟ مثلاً: اگر کوئی قتل ہوا ہو اور آپ موقع واردات پر موجود نہ ہوں اور صرف اخبار میں پڑھا ہو یا کسی سے سنا ہو کہ فلاں نے اس کو قتل کیا ہے اور آپ عدالت میں پیش ہوجائیں اور کہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں کو فلاں نے قتل کیا ہے تو آپ کی اس بات کو عدالت نہیں مانے گی بلکہ عدالت آپ سے سوال کرے گی کہ کیا آپ موقع پر موجود تھے؟ کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ نہیں تو عدالت آپ کی شہادت رد کر دے گی۔ کیونکہ گواہ کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح جب آپ نے توحید کا مشاہدہ کیا ہی نہیں، اللہ کو دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کے بارے میں صرف سنا ہے تو یہ آپ کا اعلان، شہادت کیسے بن گیا؟ قانون کی زبان میں یہ ساری کی ساری گواہی نیابۃً ہے۔ نیابت کا مطلب ہے

کسی کا نائب مختار بننا اور کسی کے تفویض کردہ اختیار کو استعمال کرنا۔

۱۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ خالق و مخلوق ہیں

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو روزِ قیامت اعمال واحوالِ امت کا گواہ بنایا، یوں آپ ﷺ خالق کائنات اللہ رب العزت اور اس کی مخلوق کے گواہ بن گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۝(۱)

’’بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے امت محمدی آپ ﷺ کی شہادت کی بنا پر تمام سابقہ امم پر گواہ بن گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَ فِىۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ(۲)

’’اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ رسولِ (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوعِ انسان پر گواہ ہو جاؤ۔‘‘

۱۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ پر اعتماد کر کے جب ہم نے توحیدِ باری تعالیٰ کی گواہی دی تو ہمارا یہ اعلان (Declaration)، شہادت بن گیا جس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا:

(۱) الفتح، ۴۸:۸

(۲) الحج، ۲۲:۷۸

فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیۡدًا ○[1]

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں روزِ قیامت کے اس منظر کی نشان دہی فرمائی جب ہر امت سے نبی لایا جائے گا جو اپنی امت پر شہید ہوگا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی کی شہادت پر گواہ ہوں گے۔ گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی شہادت پر بھی قطعیّت (finality) کی مہر آپ ﷺ کی گواہی ہوگی جو رد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَیَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَجِئۡنَا بِکَ شَهِیۡدًا عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ ط[2]

’’اور (یہ) وہ دن ہوگا (جب) ہم ہر امت میں انہی میں سے خود ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم آپ کو ان سب (امتوں اور پیغمبروں) پر گواہ بنا کر لائیں گے۔‘‘

گویا ہر نبی شاہد الامت ہے اور حضور ﷺ شاہدِ انبیاء و امم ہیں۔ یعنی ہر نبی صرف اپنی امت پر گواہ ہے جبکہ حضور ﷺ تمام نبیوں اور امتوں پر گواہ ہیں۔ امتِ محمدی حضور نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی بناء پر سابقہ تمام امتوں پر گواہ بن گئی۔

۱۷۔ توحید کے باب میں واسطۂ نبوت کا انکار کفر ہے

یہاں ایمان کے باب میں اور عقیدۂ توحید کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطے اور وسیلے سے ایمان کا متحقق ہونا واضح ہے اور یہ ثابت ہوگیا کہ ایمان کی بنیاد

(۱) النساء، ۴: ۴۱

(۲) النحل، ۱۶: ۸۹

رسول اللہ ﷺ کے واسطہ اور وسیلہ پر ہے جس پر اعتماد کر کے اگر اللہ کو ایک مانا جائے تو عقیدۂ توحید وجود میں آتا ہے۔ یہاں سے توحید کا تصور (concept) اپنی واضح شکل میں اجاگر ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ توحید کے لئے کسی وسیلہ اور واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں جان لینا چاہئے کہ اگر رسول ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ درمیان سے ہٹا دیا جائے تو اس کے بعد کوئی مسلمان مسلمان ہی نہیں رہتا خواہ ظاہراً اس کے سارے اعمال مسلمانوں والے ہی کیوں نہ ہوں اور وہ دن رات توحید کا اقرار کرتا پھرتا ہو۔

دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

۱۔ ضمیرِ غائب ''ھُوَ'' کے استعمال کی حکمت

سورۂ اخلاص میں لفظ ''قُل'' کے بعد اسمِ ذات سے پہلے ''ھُوَ'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ کلامِ عربی میں ''ھُوَ'' ضمیر غائب کے لئے استعمال ہوتی ہے اور غائب چیز وہ ہوتی ہے جو آنکھوں کے سامنے نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے لئے زمان و مکاں کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان سے اپنی قربت کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَ نَحنُ اَقرَبُ اِلَیهِ مِن حَبلِ الوَرِیدِo(۱)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیںo''

بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر وقت موجود ہے لیکن اس قربت کے باوجود ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے ادراک و محسوسات میں آ سکتا ہے۔ اس کا فوق الادراک ہونا ہی دراصل شانِ اُلوہیت ہے اور اس شان کے اظہار کے لئے یہاں بیانِ توحید کے آغاز میں کلمہ ''ھُوَ''

(۱) ق، ۵۰:۱۶

استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے استعمال کی بعض حکمتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

ان حکمتوں میں ایک یہ ہے کہ غائب میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے اور یہ حاضر کے مقابلہ میں ''بُعدِ معنوی'' پر دلالت کرتا ہے۔ کلام کی فصاحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حاضر و موجود حقیقت کی طرف ضمیرِ غائب سے اشارہ کیا جائے۔ یہاں پر ''ھُوَ'' کا لفظ دراصل ذاتِ حق کی غیر موجودگی اور حقیقی غیوبت پر دلالت نہیں کر رہا بلکہ اس سے مراد بُعدِ معنوی ہے یعنی فہم و ادراک و شعور سے دوری اور بلندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بُعدِ معنوی کا مفہوم

''بُعدِ معنوی'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اِتنی بلند اور عُلوشان کی حامل ہے کہ انسان کی ناقص عقل و فکر اور فہم و بصیرت اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ عقل و شعور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ''ھُوَ'' کی ضمیر غائب کا استعمال کیا گیا کیونکہ ''ھُوَ'' کی غیوبت میں ذاتِ واجب الوجود کا ماورائے عقل و ادراک ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی حقیقت کو سمجھنا انسانی فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے۔

اِنسانی ذرائعِ علم کی حقیقت اور ان کی اقسام

اس بُعدِ معنوی، بلندی اور غیوبت کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اِنسانی ذرائعِ علم کا مطالعہ کیا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ ذرائعِ علم یعنی حواس، عقل اور وجدان وغیرہ کا دائرہ کار کیا ہے؟ جب تک یہ معلوم نہیں ہوگا ہمیں ''ھُوَ'' ضمیر کی معنوی اہمیت کی سمجھ بھی نہیں آئے گی اور ذاتِ حق کے مافوق الادراک ہونے کا مفہوم بھی کاملاً واضح نہیں ہوگا۔ سرِدست ہم یہاں پر ذرائعِ علم اور ان کی اقسام کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں، اس موضوع پر تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''ارکانِ ایمان'' کا مطالعہ کیا جائے۔

ذرائعِ علم کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ حواسِ خمسہ ظاہری

۲۔ حواسِ خمسہ باطنی

۳۔ وجدان کے لطائفِ خمسہ

حواسِ خمسہ ظاہری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے گردو پیش کے حالات اور ماحول سے اپنا ربط و تعلق قائم رکھنے کے لئے پانچ ذرائعِ علم عطا فرمائے ہیں جن کی بدولت وہ ظاہری طبیعی دنیا (Physical world) کی حقیقتوں کو جانتا اور ان کا شعور و ادراک حاصل کرتا ہے۔ یہ حواسِ خمسہ ظاہری کہلاتے ہیں اور ان کا ارتقاء عمر بھر جاری رہتا ہے۔ حواسِ خمسہ ظاہری مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قوتِ لامسہ (ہاتھوں سے چھونے کی قوت)

۲۔ قوتِ باصرہ (آنکھوں سے دیکھنے کی قوت)

۳۔ قوتِ سامعہ (کانوں سے سننے کی قوت)

۴۔ قوتِ ذائقہ (زبان سے چکھنے کی قوت)

۵۔ قوتِ شامہ (ناک سے سونگھنے کی قوت)

یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک کا اپنا اپنا مخصوص اور محدود دائرہ کار ہے۔ یہ حواس ایک دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتے اور اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو تو بقیہ دوسروں پر انحصار کر کے کسی شے کی حقیقت کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ ان میں سے کوئی بھی حس مفقود ہو جائے تو باقی سب مل کر بھی اِس کی تلافی نہیں کر سکتے مثلاً آواز کو کان کے ذریعے، رنگوں کو آنکھ کے ذریعے، خوشبو کو ناک کے ذریعے، سرد اور گرم کو چھونے کے ذریعے اور کڑواہٹ اور میٹھاس کو زبان کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس آواز کو آنکھ سے، رنگ کو ہاتھ سے اور ذائقے کو کان وغیرہ کے ذریعے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ غرض ان پانچوں حواس کا اپنا اپنا

دائرہ کار ہے۔ کوئی حِس دوسرے کے قائم مقام نہیں بن سکتی یعنی اپنے دائرے سے ہٹ کر کسی چیز کے معیار اور اس کی نوعیت کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ پس یہ امر طے شدہ ہے کہ اگر کوئی شے دنیا میں موجود ہو مگر اس کو معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہ ہو تو پھر باقی سارے حواس بروئے کار لانے کے باوجود بھی اس کی موجودگی کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔ لہٰذا ان حواسِ ظاہری کے محدود دائرہ کار کی بے بضاعتی کو بنیاد بنا کر کسی وجود کی عدم موجودگی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

اِنسان نے علوم وفنون اور جدید سائنسی حقائق کو دریافت کرنے میں بلا شبہ بہت ترقی کر لی ہے۔ لیکن اس کی یہ ساری ترقی، بلندی اور معراج پھر بھی ایک محدود دائرے کے اندر ہے۔ انسان کی پرواز وہیں تک پہنچ سکتی ہے جہاں تک اسے یہ حواسِ خمسہ لے کر جاسکتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ عالمِ بالا کی بہت سی حقیقتیں اور ان تک رسائی انسان کے حواس کے دائرہ ہی سے خارج ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا کمزور انسان اور اس کا محدود دائرۂ علم اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقیقت کو محسوس کر سکے اور سمجھ سکے۔ اس لئے یہاں انسان کو اظہارِ عجز و درماندگی کے علاوہ چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بالآخر ان ماورائی حقیقتوں کی خبر رکھنے والے رسولِ اکرم ﷺ کی دہلیز پر سرِ نیاز خم کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت تک رسائی کے لئے علمِ نبوت ہی مضبوط اور مستحکم رابطے کا کام دیتا ہے۔

حواسِ خمسہ کے لئے عقل کی ناگزیریت

اگر ان پانچوں حواس کو عقل کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل نہ ہو تو یہ کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت، ہاتھوں کا لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہوتا ہے اور جب تک عقل اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جُستجو کی خاص نہج پر رہنمائی نہ کرے اس وقت تک وہ ادراک و احساس علم کا روپ نہیں دھار سکتا۔ کیونکہ اِنسانی جسم مکمل طور پر ایک خود کار مشین کی طرح ہے اور اِس میں دماغ کی حیثیت کمپیوٹر کی سی ہے۔ دماغ پورے

جسمِ اِنسانی کو کنٹرول کرتا ہے اور اِس کو ایک نظام کے تحت مربُوط کرتا ہے نیز اِن سب میں ایک شعوری کیفیت کو جنم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دماغ کو بہ منزلہ ایک کارخانہ (Factory) بنا دیا اور حواس اِس میں کل پرزوں کی طرح روبہ عمل ہیں۔ حواسِ خمسہ کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے نہ کہ اِن محسوسات کو سمجھنا۔ کان بذاتِ خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے، آنکھ بذاتِ خود فیصلہ نہیں کرسکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے۔ غرض اسی طرح دوسرے حواس کا معاملہ ہے کہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

۲۔ ’’ھُوَ اللہ‘‘ عقل کے ادراک سے بلند ہے

عقل اپنے اِن پانچوں حواس کی مدد سے اِن محسوسات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی اور بتاتی ہے کہ کانوں نے کیا سنا، ہاتھوں نے کیا پکڑا، زُبان نے کون سا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا۔ آخری فیصلہ عقلِ انسانی صادر کرتی ہے۔ لیکن جب ذاتِ حق کے ادراک کی بات آئے تو حواسِ خمسہ تو رہے ایک طرف، یہاں عقل بھی جواب دے جاتی ہے۔ ’’ھُوَ‘‘ میں پوشیدہ حکمت اِسی امر کی غماز ہے کہ ذاتِ حق کی حقیقت جس طرح حواس کے ادراک سے دُور ہے اِسی طرح عقلِ انسانی کے شعور و ادراک سے بھی وراء الوراء ہے۔

۳۔ ’’ھُوَ اللہ‘‘ حواسِ باطنی کے ادراک سے بھی بلند ہے

حواسِ ظاہری کا دائرہ کار، صرف مادی اور طبیعی دُنیا تک محدود ہونے کے باعث غیر مادی اشیاء کے ادراک سے محروم ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اِنسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقلِ انسانی منظّم اور مربوط نہ کرے تو حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ خام مواد علم کا روپ نہیں دھار سکتا۔ مثلاً کسی دیوانے یا پاگل اِنسان کے تمام حواس تو اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح و سالم ہوتے ہیں مگر دماغ ٹھیک کام نہیں کر رہا ہوتا، اِس لئے اِس کے حواس اِسے کسی نتیجے پر پہنچنے نہیں دیتے۔ نتیجتاً صحیح علم وجود میں نہیں آتا اور وہ زندگی کے اعتدال سے محروم ہو جاتا ہے۔

حواسِ خمسہ باطنی

جس طرح محسوساتِ ظاہری کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانچ حواس تخلیق فرمائے ہیں اِسی طرح عقلِ انسانی میں باطنی سطح پر بھی پانچ حواس یا مدرکات پیدا کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حسِّ مشترک	۲۔ حسِّ خیال
۳۔ حسِّ واہمہ	۴۔ حسِّ حافظہ
۵۔ حسِّ متصرفہ	

اِن پانچوں حواسِ باطنی اور مدرکات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ جیسے ہی انسانی عقل کا یہ گوشہ حواسِ ظاہری کے اوّلین تاثرات کو وصول (Receive) کرتا ہے وہ اِس حصہ عقل پر جا کر جذب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب ہماری آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو اِنسانی عقل اُس حسِ مشترک کو قبول کر لیتی ہے۔ اِس کو مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ حسِ مشترک کو تالاب تصور کیا جائے اور پانچوں حواسِ ظاہری کو اُس میں پانی پہنچانے والی نہریں۔

۲۔ حسِ خیال مدرکات اور محسوسات کی اُن تصاویر اور شکلوں کو جو حسِ مشترک میں پہنچتی ہیں اُن کی ظاہری صورتوں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے مثلاً جب ہم لفظ ''میں، بولتے ہیں تو اِس لفظ کی ظاہری صورت یعنی ''م''، ''ی'' اور ''نون غنہ'' ہے۔

۳۔ حسِ واہمہ مدرکاتِ حسی کے معنی و مفہوم یعنی اُن کی باطنی شکل و صورت کا ادراک کرتی ہے اور محفوظ رکھنے کے لئے اُن تاثرات کو اُس سے اگلی حس میں منتقل کر دیتی ہے۔

۴۔ حسِ حافظہ محسوسات کے مفہوم معنوی کے وجود کو اِسی طرح محفوظ کرتی ہے جس طرح اِن کی ظاہری شکل کو حسِ خیال نے محفوظ کیا تھا۔

۵۔ حسِ متصرفہ کا کام یہ ہے کہ حسِ مشترکہ میں آنے والی ظاہری صورت کو قوتِ واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی سے اور حسِ خیال میں محفوظ شکل و صورت کو قوتِ حافظہ میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اِس طرح انسان مختلف الفاظ سن کر اِن کا مفہوم سمجھنے اور اِن میں فرق کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک دوسرے کے مدد و معاون بنتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم، ادراک میں بدل جاتا ہے۔ اگر حسِ مشترک موجود نہ ہو تو یہ پانچوں حواس ایک عضوِ معطل کی طرح بے بس ہو کر رہ جائیں۔ ہر حس کا دوسری حس سے گہرا تعلق ہے اور ایک دوسرے کے بغیر ناقص ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حواسِ خمسہ ظاہری کا علم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے حواسِ خمسہ باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواسِ ظاہری کے مدرکات ان پانچوں حواسِ باطنی کے ذریعے ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں، اس وقت تک حواسِ ظاہری کی بنا پر محسوس کیے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کر سکتے۔ گویا حواسِ ظاہری کسی شے کو محسوس تو کرتے ہیں، اسے معلوم نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف عقل اور اس کے حواسِ باطنی مکمل طور پر حواس ظاہری کے محتاج ہیں۔ اگر آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے محروم ہو تو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔ حواس پر ماحول کی اثر پذیری اس حد تک ہے کہ اگر کسی بچے کی پیدائش کے بعد اس کی ایسے مقام پر پرورش کی جائے جہاں کوئی آواز اس کے کان میں پڑنے نہ پائے تو ایسا بچہ پچاس سال کو پہنچ جانے کے باوجود نہ کچھ بول سکے گا اور نہ کچھ سمجھ سکے گا۔ اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں وہ دراصل ان آوازوں کا نتیجہ ہے جو کانوں نے سنیں اور جنہیں عقل نے حافظہ کی لوح پر محفوظ کر لیا۔ جب کوئی شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل الفاظ، حروف، لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کر سکی، تو جس طرح اس کا دماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا، اسی طرح اس شخص کو اپنی

کیفیات، حاجات اور خواہشات کے بیان و اظہار پر بھی قدرت حاصل نہ ہو سکی۔ یہی سبب تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں اہلِ عرب اپنی اولاد کی تربیت و پرورش کیلئے انہیں بدوی عورتوں کے سپرد کردیتے تھے، تاکہ وہ ان لوگوں کی خالص اور فصیح عربی زبان سن کر بولنے پر قادر ہوسکیں۔

انسان اور اس کی بساطِ علم

اب یہ بات طے ہوگئی کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں۔ لہٰذا جو حقیقت انسان کے حواسِ خمسہ ظاہری (باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ) کی دسترس سے باہر ہو، اس کا ادراک عقل بھی نہیں کرسکتی کیونکہ حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضوِ معطل ہے اور عقل کے بغیر سارے حواس بے کار اور بے مصرف ہیں۔

پس انسان کو عطا کردہ ذرائع ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے حواسِ خمسہ اور عقل فعال ہونے کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات جواب طلب رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟ آغازِ کائنات کیسے ہوا؟ اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہوگا؟ اس کائنات سے انسان کا کیا تعلق ہے؟ کائنات میں بحسن و خوبی زندگی گزارنے کے لیے کون سے قانون کی پاسداری لازمی ہے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری؟ ظلم کیا ہے اور انصاف کیا؟ مرنے کے بعد انسان کا کیا ٹھکانا ہے؟ آیا موت ہر چیز کا اختتام ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز؟ اگر مرنے کے بعد انسان نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس حیاتِ ثانیہ کی کیفیت کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد وہ اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوگا یا نہیں؟

علٰی ھذا القیاس انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا بامقصد زندگی پر یقین رکھنے والے ہر انسان کو تسلی بخش جواب چاہیے۔ جب یہ تمام سوالات انسانی عقل پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لیے حواسِ خمسہ میں

سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دے کر پوچھتا ہے کہ ہمارا خالق کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہمیں مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ اچھائی اور برائی کیا ہے؟ مگر انسانی حواس انتہائی درماندگی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ حقائق ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ یہ مادی جسم سے ماوراء ہیں ہم ان کا جواب کیسے دے سکتے ہیں؟ اس طرح انسانی حواس کی بے بسی اور عاجزی پوری طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔

جب واضح ہوجاتا ہے کہ وہ تمام حقائق جن سے انسان کی اخلاقی و روحانی اور اعتقادی ونظریاتی زندگی تشکیل پاتی ہے، حواسِ خمسہ کی زد سے ماوراء ہیں تو انسان اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجھوڑ کر کہتا ہے: اے میرے وجود کے لیے سرمایۂ افتخار! میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق، اب تو ہی میری راہنمائی کر! مگر عقل بھی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے: اے انسان! میں تو خود تیرے حواس کی محتاج ہوں۔ وہ چیز جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کرسکتی ہوں؟ میں تو حواس کی طرح بے بس و مجبور ہوں اور تیری کوئی راہنمائی نہیں کرسکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ذاتِ حق کا ادراک باطنی حواس سے بھی ممکن نہیں۔

۴۔ ’’هُوَ اللهُ‘‘ کی معرفت وجدان کے ادراک سے بھی بلند ہے

رب تعالیٰ نے انسان کو ذریعہ علم کے طور پر ایک اور باطنی سرچشمہ بھی عطا کیا ہے جسے وجدان کہتے ہیں۔ انسانی وجدان کے بھی پانچ گوشے ہیں، جن کو لطائفِ خمسہ سے موسوم کیا جاتا ہے:

۱۔ لطیفۂ قلب ۲۔ لطیفۂ روح ۳۔ لطیفۂ سر ۴۔ لطیفۂ خفی ۵۔ لطیفۂ اخفٰی

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے، حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہوجاتے ہیں، روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انسانی قلب بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتا ہے جو حواس وعقل کی گرفت میں نہیں آ سکے تھے۔ لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی طبیعی کائنات تک محدود ہے۔ امام غزالیؒ ارشادفرماتے ہیں:

وو راء العقل طور آخر، تنفتح فيه عين اخرىٰ، فيبصر بها الغيب، وما سيكون في المستقبل، و أموراً آخر، العقل معزول عنها. [1]

’’اور عقل کے بعد ایک اور منزل ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اس کے ذریعے غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جا سکتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔‘‘

لیکن اس وسعت کے باوجود وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی محدودات (Limitations) سے ماوراء اور خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں انسانی وجدان انہیں جانچنے اور پرکھنے سے قاصر رہتا ہے۔ جیسا کہ انسانی تخلیق اور اس کا مقصدِ تخلیق، نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھنے والے معاملات۔ ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم نہ تو حواس دے سکتے ہیں، نہ عقل اور نہ ہی وجدان۔ انسان نے یکے بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی، مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ کوئی بھی ذریعہ اس کے علم کو حتمیّت اور قطعیت کا درجہ نہ دے سکا۔ چنانچہ انسان ہر طرف سے مایوس ہو کر خدا کی ذات کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ربِ کائنات! میں اپنی ذات، کائنات اور تیری ذات کا یقینی عرفان چاہتا ہوں مگر میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو مجھے مطمئن کر سکے۔ اس لیے تو اپنے خزانۂ غیبی سے میرے لیے علم کا کوئی ایسا سرچشمہ پیدا کر دے، جو مجھے ان سربستہ حقائق کے بارے میں حقیقی آگاہی بخش سکے کہ فقط تیری ذات ہی ہے جہاں تمام حواس ناکام ہو جائیں، انسانی عقل خیرہ ہو جائے اور انسانی وجدان بھی نامراد لوٹ آئے، وہاں تجھ سے اس سرچشمۂ علم کے فیضان کی بھیک مانگی جا سکے۔

۵۔ ھُوَ کی معرفت کے لئے ’’ھٰذا‘‘ کو بھیجا گیا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط وَ

(۱) غزالی، المنقذ من الضلال: ۵۴

اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ○[۱]

”بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم (علیہ السلام) کے قریب (اور حقدار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان (کے دین) کی پیروی کی ہے اور (وہ) یہی نبی (ﷺ) اور (ان پر) ایمان لانے والے ہیں، اور اللہ ایمان لانے والوں کا مددگار ہے○“

یہاں هٰذَا النَّبِيُّ سے تمام اکابر مفسرین نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات مراد لی ہے۔[۲]

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ رب العزت کی ذات ہمارے حواسِ ظاہری و باطنی اور وجدان کی رسائی سے بالا تر ہے۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لئے ”هُوَ“ استعمال کیا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے ان کی تعظیم کی خاطر ”هٰذَا“ فرمایا کہ اگر تم ”هُوَ“ کی صحیح معرفت چاہتے ہو تو یہ نعمت تمہیں ”هٰذَا“ کی بارگاہ سے نصیب ہوگی۔

ترجمانِ حقیقت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اسی مفہوم کو شعری قالب میں یوں ڈھالا ہے:

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

گویا فاضل بریلویؒ نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ”وہاں“ استعمال کیا اور بارگاہِ رسالت کے لئے ”یہاں“ اور یہ عقیدہ بھی واضح کر دیا کہ ”یہاں“ کی معرفت کے بغیر

(۱) آل عمران، ۳:۶۸

(۲) ۱۔ ابن جریر طبری، جامع البیان، ۳:۲۱۸
۲۔ بغوی، معالم التنزیل، ۳:۳۱۳
۳۔ نسفی، تفسیر القرآن الجلیل، ۳:۲۲۴
۴۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۲:۲۲۶

’’وہاں‘‘ کی رسائی ناممکن ہے۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ حواس کے ذریعے انسان کو حاصل ہونے والے علم میں بہرصورت غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ عقل غلطی کرسکتی ہے، وجدان اور کشف میں بھی سقم ہوسکتا ہے، جبکہ انسان تلاشِ حق کے لئے ایسے حتمی و قطعی علم کی جستجو اور طلب رکھتا ہے، جس میں غلطی، سقم اور خطا کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی موجود نہ ہو۔

اب یہ تو عین ممکن ہے کہ زید کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا، عمرو کی آنکھ اسے غلط ثابت کردے۔ ایک شخص کی عقل ایک دلیل سے جو نتیجہ اخذ کرے، ممکن ہے دوسرے کی سوچ اسی دلیل سے اس کے برعکس نتائج اخذ کرے۔ اسی طرح وجدان اور دیگر حواس کے فیصلوں میں بھی غلطی کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن علم کا وہ درجۂ کمال اور علم کی وہ ارفع حالت جہاں غلطی اور خطا کے کسی امکان اور انتشار و افتراق کی کوئی گنجائش نہ ہو اس کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف بارگاہِ نبوت و رسالت کی دریوزہ گری ہے، یا پھر ان اہل اللہ سے وابستگی ہے جو اپنی ذات کو انوارِ نبوت و رسالت سے مستنیر کرچکے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسانی حواس ہوں یا انسانی عقل، یہ سارے کے سارے ذرائع انسان کو حتمی علم مہیا نہیں کرسکتے۔ حتمی علم صرف اُسے حاصل ہوتا ہے جس نے آفتابِ نبوت کے انوار سے اپنے سینے کو منور کرلیا ہو اور یہ مقام صوفیاء اور عارفانِ حق کو نصیب ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ علومِ نبوت و رسالت ہی وہ واحد ذریعہ ہیں، جن کی فراہم کردہ معلومات میں غلطی اور خطا کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا تو جب آپ ﷺ کے ذریعہ ہمیں ’’ھُوَ‘‘ کی خبر دی گئی تو وہ بالکل صحیح اور درست ہے اور اسی پر ایمان لانے میں ہمارے لئے نجات ہے۔

۶۔ ’’ھُوَ‘‘ علم بالادراک کا نہیں ایمان بالغیب کا موضوع ہے

یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کی ذات فہم و ادراک سے بالا تر ہے۔ آج تک علم و شعور کا ایسا کوئی پیمانہ دریافت ہوا نہ کبھی ہوسکتا ہے جس کے ذریعے ذاتِ حق کی معرفت

ممکن ہو۔ اس ذات کی صحیح معرفت اور پہچان صرف واسطۂ رسالت سے ممکن ہے۔ لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ’’ھُوَ‘‘ علم بالا دراک کا نہیں بلکہ ایمان بالغیب کا موضوع ہے۔ عقل وشعور اور انسانی علوم کے ذریعے تحقیقات سے جو نتائج اخذ کئے جاتے ہیں وہ حتمی اور قطعی نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ نہ ہی یہ موضوع ان کے دائرہ کار میں آتا ہے۔

یہاں قدرتی طور پر ذہن سائنس اور اس کے اکتشافات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جہاں تک سائنس اور اس کی تحقیقات کا تعلق ہے، ان کو نظریات(Theories) کا نام تو دیا جاسکتا ہے مگر ان تحقیقات کو کائنات کے بنیادی حقائق کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ آج سائنسی تحقیق ایک بات ثابت کرتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد دوسری تحقیق اسے غلط ثابت کردیتی ہے، آج سائنس کسی مسئلے میں ایک موقف اختیار کرتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد نئے تجربات کے تحت سائنسدان نیا نقطۂ نظر پیش کردیتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کا آغاز مفروضہ (Hypothesis) سے ہوتا ہے اور اس کی تصدیق تجربے(Experiment) سے ہوتی ہے۔ اس کے باوجود سائنس اپنے ارتقائی مراحل کے ذریعے نظریے کی منزل تک نہیں پہنچتی۔ ماہرین کے خیال میں سائنس کا اسی فی صد(80%) علم غیر یقینی(Indefinite) اور ظنی (Probable) ہے۔ یہ عمرانی علوم (Social Sciences) ہوں یا قدرتی علوم (Natural Sciences)، کیمیا(Chemistry) اور طبیعات(Physics) ہو یا نباتات (Botany) اور حیوانیات (Biology)، ان سب علوم کی تحقیقات کا ۷۰ یا ۸۰ فیصد حصہ ابھی اقدام و خطاء (Trial & Error) کے مرحلے میں ہے۔ سائنس اپنی سینکڑوں برس کی جدوجہد کے باوجود ایسا کوئی پیمانہ دریافت نہیں کرسکی جس پر وہ اپنی معلومات اور دریافتوں کو پرکھ کر قطعی اور حتمی شکل میں سائنسی دنیا کے سامنے پیش کرسکے۔ بہت کم ایسی سائنسی تحقیقات ہوں گی جو حتمی قانون کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ علم جب تک حتمیت اور قطعیت کے درجے تک نہ پہنچے، اس وقت تک باکمال نہیں بن سکتا۔ گویا سارے ذرائع علوم ابھی تک اقدام وخطاء کے مرحلے میں ہیں۔ لیکن نبوت و رسالت کے تمام علوم واکتشافات ہر قسم کی خطا اور غلطی سے منزہ ہونے کے باعث شروع سے آخر تک

حتمیت وقطعیّت کی شان اختیار کیئے ہوئے ہیں۔

بیانِ توحید میں اسمِ ذات کے استعمال کی حکمت

سورۂ اخلاص کی پہلی آیہ کریمہ میں لفظ ''اللہ'' استعمال کیا گیا ہے جو باری تعالیٰ کا اسمِ ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی ایک نام اسمِ ذات کے طور پر جانا جاتا ہے جبکہ باقی اسماء صفات ہیں۔ جس طرح بنیادی طور پر توحید کے دو پہلو ہیں یعنی ذات کے اعتبار سے اللہ کا ایک ہونا اور صفات کے اعتبار سے یکتا اور ایک ہونا، اسی طرح اس کے اسماء کے بھی دو پہلو ہیں۔ اس کا ایک نام ذاتی ہے اور کئی نام صفاتی ہیں۔ صفاتی نام سے کسی ذات کی مختلف جہتوں کا پتہ چلتا اور اس کی مختلف سمتوں کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے دو اسماء رحمن اور رحیم ہیں۔ یہ صفاتی نام اس کی صفتِ رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کو رحمن اور رحیم کہا جائے گا تو اس سے اس ذات کی صفتِ رحمت کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی ہوگی کہ وہ ذاتِ مہربان کس قدر رحمت فرمانے والی ہے۔ جب اس کے لئے **عالم** کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس سے اس کی صفت علم کا پتہ چلے گا کہ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔

جب اس کے لئے **سمیع و بصیر** کے الفاظ استعمال ہوں گے تو ان سے پتہ چلے گا کہ اس کی سماعت و بصیرت کی صفات کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کو **قدیر، خالق و مالک، معبود، مستعان، رب، قھار، جبار** کہا جائے گا تو ان سب صفاتی اسماء سے اس کی مختلف صفتوں کی نشاندہی ہوگی۔

ہر اسمِ صفت اس ذات کی کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتی ہے۔ گویا صفاتی ناموں سے اس کی صفات کا پتہ چلتا ہے جبکہ بیانِ توحید میں ذاتی نام استعمال کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ''اللہ'' ذاتِ باری تعالیٰ کا وہ اسمِ عالی شان ہے جو کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے اللہ یکتا ہے اسی طرح اس ذاتِ واحد کا نام بھی شانِ یکتائی رکھتا ہے۔

خلاصۂ کلام

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ذاتِ حق کی معرفت سائنسی تحقیقات اور انسانی ذرائع علم سے ممکن نہیں کیونکہ وہ ذات فوق الادراک ہے۔ انسانی علوم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ علوم جب تک دہلیزِ رسالت و نبوت پر سجدہ ریز نہ ہوں اس وقت تک ان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا علم جس عقل و وجدان پر اعتماد کرتا ہے، ان کی پرواز محدود ہے۔ یہ سب ایک مقام پر پہنچ کر رک جاتے ہیں۔ ان کے لیے اس سے آگے تاریکی ہی تاریکی ہے۔ لہٰذا معرفت باری تعالیٰ کی واحد صورت یہ ہے کہ انسان ذاتی تحقیقات اور کسی علم کی بجائے علومِ رسالت کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دے اور ’’ھُوَ،، یعنی معرفتِ حق کی جستجو ’’ھٰذَا،، یعنی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے سن کر کرے۔

تیسرا رکن: اَحدیّت (اللہ کا ایک ہونا)

سورۂ اخلاص میں احدیت کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌO

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔،،

یہاں توحید کے تصور کو اجاگر کیا گیا ہے یعنی توحید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بھی ہے اور اس کی صفات کی طرف بھی۔ ذات کی طرف توحید کی نسبت کا معنی یہ ہے کہ اس کا اس پوری کائنات ہست و بود میں کوئی شریک و سہیم نہیں۔ وہ معبود اور خالق و مالک ہونے کے اعتبار سے یکتا و یگانہ ہے۔ چونکہ احد کے صیغے میں واحد کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اس لئے ’’اَحد،، کہا۔ ہرچند کہ ’’وَاحد،، میں بھی اکیلا ہونے کا معنی پایا جاتا ہے لیکن ’’وَاحد،، کہنے کی بجائے ’’احد،، اس لئے کہا کہ کسی دوسرے کے

ہونے کے تمام تر امکانات ختم ہو جائیں اور یہ وہم وگمان بھی ذہن میں نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی دوسرا معبود بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا عبادت کے لائق صرف اور صرف وہ تنہا ذات ہے، وہی معبودِ برحق ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود، خدا یا واجب الوجود ہستی اور قدیم مانے، تو وہ ذاتِ الٰہی میں شرک کا مرتکب ٹھہرے گا۔

مذاہبِ عالم میں ’’اللہ‘‘ کی وحدانیت کا تصور

پوری دنیائے انسانیت اور مذاہبِ عالم کی تاریخ کے بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب و ملت اور ہر طبقہ انسانیت میں مشرکانہ تصورات کے باوجود بھی کسی ایسی ہستی کا تصور ضرور موجود رہا ہے جس کے بارے میں وہ سب سے بلند و بالا اور کائنات کے خالق و مالک، رب الارباب اور رب کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے رہے ہیں۔ ہندو مذہب سے بڑھ کر مشرکانہ تصورات پر مبنی مذہب اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے لاتعداد بتوں کی پوجا کا پرچار کرتا ہے۔ لیکن ان گنت خود ساختہ خداؤں کو ماننے والا یہ مذہب بھی ایک کو رب الارباب یعنی (خداؤں کا خدا) مانتا ہے۔ اسے وہ ’’پریشور‘‘ کا نام دیتا ہے۔ پریشور کو ماننے والے کسی عام دیوی دیوتا کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اسی پریشور کو ہندومت میں براہما کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یجروید ہندومت کی مقدس مذہبی کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں پریشور اس براہمہ کے لئے استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ سمندروں، ندیوں اور دریاؤں کی نہریں بھی اسے پکارتی ہیں۔

اس پریشور اور براہما کے لئے ہندو ایک خاص لفظ ’’اووم‘‘ بطور اسمِ ذات استعمال کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں تزکیہ نفس کرنے والے جب نشست میں بیٹھ کر کسی ایسی ذات کے نام کا ورد کرتے ہیں جس کا مقابلہ کوئی دیوی دیوتا نہیں کر سکتا تو وہ مراقبہ کی حالت میں ’’اووم‘‘ کے ساتھ اس ذات کو پکارتے ہیں۔ یہ وہ لفظ ہے جسے ہندومت کی

اصطلاح میں ’’اللہ‘‘ کا ہم معنی کہا جاتا ہے۔ وہ مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے بھی شرک کی ہزاروں آلودگیوں کے باوجود اسی کو سب سے بلند و بالا ماننے پر مجبور ہیں اور اس کو وہ نام دینے پر مجبور ہیں جو اس کے سوا کسی مصنوعی رب کا نام نہیں۔

چوتھا رکن: صمدیّت (اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)

’’اَللّٰہُ الصَّمَد‘‘ کا معنی ذات کی نسبت سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوّل سے آخر تک از خود موجود ہے۔ وہ بے نیاز اور سب پر فائق ہے جبکہ ہر شئے اپنے وجود کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی جو کوئی بھی کائنات میں موجود ہے اس کے وجود میں آنے کا سبب خدا کی ذات ہے اور ہر کسی کا موجود ہونا اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ جب ہر کسی کا وجود اللہ رب العزت کا محتاج ٹھہرا تو اس کی صفات اور کمالات بھی محتاج ہوں گے جبکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ وجود میں کسی کا محتاج ہے اور نہ صفات و کمالات میں کسی کا محتاج ہے۔ مخلوق میں ہر کوئی اپنے وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اپنی صفات و کمالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

چنانچہ اس فرق کے تناظر میں ہمارا عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے لیکن وہ اپنے زندہ ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دوسری طرف ہم بھی زندہ ہیں لیکن ہم اپنی زندگی کے لئے اس کی بخشی ہوئی حیات کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے لیکن اس کی صفتِ کلام کسی کی حاجت مند نہیں۔ ہم بھی کلام کرتے ہیں لیکن ہمارا متکلم ہونا اس صاحبِ کلام کا محتاج ہے۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کا بصیر ہونا کسی کا محتاج نہیں۔ ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن ہمارا دیکھنا اس کا محتاج ہے۔ وہ سمیع ہے بغیر حاجت کے، ہم سمیع ہیں اس کی حاجت کی بناء پر۔ وہ علیم و شہید ہے بغیر حاجت کے اور ہم علیم و شہید ہیں اس کے محتاج ہونے کے سبب سے۔ وہ رحیم، کریم، جواد اور رؤوف ہے بغیر حاجت کے لیکن ہم ہر معاملے میں اس کے محتاج ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں وہ بغیر حاجت کے ہیں اور ہماری جملہ صفات اس کی عطا سے ہیں۔ اب اگر ہم خدا کو اس کی

ذات کی بناء پر رؤوف مانیں اور مصطفیٰ ﷺ کو اس کی عطا کی بناء پر رؤوف مانیں تو ایسا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اللہ کو کریم، شہید، علیم، قدیر اور صمد بالذات ماننا اور مصطفیٰ ﷺ کو کریم، شہید اور علیم، اللہ کا محتاج جان کر ماننا شرک نہ ہوگا۔

خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ

کچھ صفات صاحبِ صفت یعنی صفت پیدا کرنے والے میں بھی ہوتی ہیں اور دوسروں میں بھی (بطورِ عطا) ہوتی ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے حال اور شان کے مطابق ہوتی ہیں جبکہ دوسروں میں ان کے حسبِ حال ہوتی ہیں۔ ایسی صفات جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہیں بلکہ مشترک ہیں ان کا مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال اثبات شرک نہیں ہوگا مثلاً

۱۔ اللہ دیکھنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُo(۱)

''بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔''

لیکن قرآن مجید میں انسان کو بھی سمیع و بصیر کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًاo(۲)

''پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے۔''

۲- اللہ کی شان ہے کہ وہ رؤف رحیم ہے، ارشاد فرمایا:

---

(۱) الاسراء، ۱۷:۱

(۲) الدھر، ۷۶:۲

اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ○ (۱)

’’بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔‘‘

اور قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ○ (۲)

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیں○‘‘

۳- اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ○ (۳)

’’بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے○‘‘

اور حضور ﷺ کی نسبت فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا○ (۴)

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور

(۱) البقرہ، ۲:۱۴۳

(۲) التوبہ، ۹:۱۲۸

(۳) الحج، ۲۲:۱۷

(۴) النساء، ۴:۴۱

(اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔‘‘

فرمایا: اے محبوب! قیامت کا وہ کیا منظر ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک شہید اٹھائیں گے اور اس کی شہادت اس کی امت تک محدود ہو گی لیکن جب تمام محدود شہادتوں والے شہید (گواہ) ایک ایک کرکے گزر جائیں گے تو پھر آخر میں محبوب تجھے سب گواہوں پر ایسا گواہ بنائیں گے کہ کائنات کی ہر شئے اوّل سے آخر تک تیری شہادت پر موقوف ہو گی، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط(۱)

’’اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔‘‘

اللہ بھی شہید ہے بندے بھی شہید ہیں۔ اللہ بھی رؤف ہے بندے بھی رؤف ہیں۔ اللہ بھی رحیم ہے بندے بھی رحیم ہیں۔ اللہ بھی کریم ہے بندے بھی کریم ہیں۔

اللہ بھی کلام کرتا ہے اور اس کے بندے بھی کلام کرتے ہیں۔ جس طرح ارشاد فرمایا:

۴۔ وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○ (۲)

’’اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی ○‘‘

اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ یہ صفاتِ مشترکہ ہیں۔ لیکن اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک پورے قرآن میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اس کے معبود ہونے کا ذکر ہے وہیں اس کے ساتھ کسی بندے کو بھی معبود کہا گیا ہو۔ اللہ خالق ہے۔ وہ عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا ہے۔ وہ موت و حیات کا مالک ہے لیکن یہ سب کچھ کسی بندے کے بارے میں نہیں کہا گیا۔

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۴۳

(۲) النساء، ۴: ۱۶۴

مشترک و غیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ از روئے قرآن معبود ہونا اس کی غیر مشترک اختصاصی صفت ہے اور یہی قرآن بیان کر رہا ہے کہ سمیع و بصیر ہونا اس کی صفتِ مشترک ہے۔ معبود ہونے میں کوئی اس کا شریک، سہیم اور ساجھی نہیں جبکہ سمیع و بصیر، رؤوف ورحیم اور شھید جیسی صفات میں خالق کے ساتھ اس کے بندوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کا جواب بڑا سادہ ہے اور وہ یہ کہ صفات کی ماہیّت میں فرق ہے۔ وہ صفت جو صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں کسی حال میں بھی نہ پائی جائے اس کو ''خاصۂ اُلوہیت'' کہا جاتا ہے اور وہ صفت جو اللہ تعالیٰ میں اس کی شان اُلوہیت کے اعتبار سے اور بندے میں اس کی شانِ عبدیت کے اعتبار سے پائی جائے اس کو محض صفت کہا جائے گا خاصۂ اُلوہیت نہیں۔ جب اللہ رب العزت کی ذاتِ مقدسہ ''وحدہٗ لاشریک'' ٹھہری تو خاصۂ معبودیت صرف اور صرف اسی کے لئے مختص ٹھہرا۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔ لہٰذا جو کوئی اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کو ایک لمحہ کے لئے بھی معبود کا درجہ دے وہ کافر اور مشرک ہے، خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہی سے ایسا اعتقاد کیوں نہ رکھے۔

لہٰذا مسلمانوں کا یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ لمحہ بھر کے لئے بھی حضور ﷺ کو معبود سمجھنا کفر و شرک ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو ان صفات سے متصف کرنا جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں کفر و شرک ہے کیونکہ یہ صفات خاصۂ اُلوہیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کی نسبت ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ آپ ﷺ کی عبادت کی جاسکتی ہے۔ پس ان دو چیزوں میں یہ فرق ٹھہرا کہ کچھ صفات ایسی ہیں جو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہیں کسی اور کے لئے نہیں اور کچھ صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں اور غیر کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہم عبادت کرتے ہیں جو کمال درجے کی تعظیم ہے

جبکہ اپنے والدین کی بھی تعظیم کرتے ہیں لیکن عبادت میں والدین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ (تعظیم اور عبادت میں فرق پر تفصیلی بحث اسی کتاب کے باب سیزدہم میں ملاحظہ کریں۔)

پانچواں رکن: لا والدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

سورۂ اخلاص کی آیت نمبر ۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَمْ یَلِدْ.

''نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔''

پیدا ہونے والے کو بیٹا یا بیٹی کہتے ہیں جو باپ کا جزو ہوتے ہیں۔ بیٹے سے جزئیت ثابت ہوتی ہے اور کُل کا کچھ نہ کچھ اثر جزو میں آتا ہے۔ اگر خدا کا (معاذ اللہ) کوئی بیٹا ہوتا تو پوری نہ سہی کچھ نہ کچھ خدائی اس میں بھی آ جاتی کیونکہ بیٹا ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی اُلوہیت کے اوصاف اس میں کسی حد تک منتقل ہو جائیں۔ سورۂ اخلاص کی اس آیت مبارکہ میں اس چیز کی مکمل نفی کی گئی ہے۔

فرشتوں کے بارے میں یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللهِ ط[1]

''اور یہود نے کہا: عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا: مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔''

(۱) التوبة، ۹: ۳۰

لطیف علمی استدلال

یہود و نصاریٰ کے عقیدے کا رد حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے کرایا گیا۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○[1]

"فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) رحمان کے (ہاں) کوئی لڑکا ہوتا (یا اولاد ہوتی) تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا○"

آپ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ اے یہود و نصاریٰ! تم جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ یقیناً عبادت کے لائق ہوتا اور میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں ہوتا کیونکہ سب سے پہلا عبادت گزار اس کائنات میں مجھے بنایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ج وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ○[2]

"فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج و قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے○ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوں○"

قرآن نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو اور بیٹا ہو کر بھی خدا نہ ہو تو اس کی خدائی پر حرف آتا ہے۔ اسی طرح اگر بیٹا ہو کر خدا ہو تو بھی اس کی خدائی میں شرک واقع ہوتا ہے۔ اس لئے بیٹے سے پاک ہونے کا قطعی

(۱) الزخرف، ۴۳: ۸۱

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۲-۱۶۳

اعلان ہوا تاکہ نہ خدائی پر حرف آئے اور نہ خدائی میں شرک لازم آئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اللہ تعالیٰ کا کوئی جزو ہونا یا اس کا بیٹا ہونا اور اس کے نور کے براہِ راست پرتو سے تخلیق میں آنے میں بنیادی فرق ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ ! اللہ نے سب سے پہلے کسے پیدا فرمایا؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا:

إن اللہ خلق قبل الأشیاء نور نبیک من نورہ.[1]

’’بیشک اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کے معنی و مفہوم سے بعض لوگ التباس اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ’’نور نبیک من نورہ‘‘ کے کلمات جزئیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک مغالطہ ہے۔ ’’لا والدیت‘‘ اور مذکورہ حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں ان کا آپس میں التباس اور شائبہ پیدا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ نور سے تخلیق مراد ہے، جزئیت ہرگز نہیں، جزئیت عقیدۂ باطل ہے۔

اس کا مطلب نہ تولد ہے اور نہ خدا کا جزو ہونا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے نور کا جزو ٹھہرایا بلکہ اپنے نور سے پیدا فرمانے کا معنی حدیث مذکورہ کے مطابق یہ ہے کہ اپنے نور کے براہِ راست فیض سے اللہ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ اس معنی کی تصریح مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے پہلے باب نورِ محمدی ﷺ کے بیان میں مذکورہ بالا حدیث کے تحت یہی کی

---

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، باب فی تخلیق نور محمد ﷺ، ۱:۱۸

۲۔ قسطلانی، المواهب اللدنیة، ۱:۹

۳۔ حلبی، السیرة الحلبیة، ۱:۳۱

ہے کہ ''تیرے نبی کا نورا پنے نور کے براہِ راست فیض کے پرتو سے پیدا فرمایا۔''

چھٹا رکن: لاولدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

سورۂ اخلاص کی آیت نمبر۳ میں فرمایا:

وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۝

''اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ۝''

جب اس کی طرح کوئی نہیں ہے تو اس کی کوئی اصل کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنے والا بھی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بھی فائق ہو گا کیونکہ باپ بیٹے پر تقدمِ زمانی اور وجود میں لانے کا سبب ہونے کی بنا پر بھی فائق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی باپ نہیں ہے اس لئے خدا پر نہ کوئی فائق ہے اور نہ مقدم۔ بیٹا، اپنے وجود میں آنے کے لئے باپ کا محتاج ہوتا ہے جبکہ خدا کسی کا محتاج نہیں اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ اس سورۂ توحید میں پیدائش اور ولادت کا ذکر دو طرح سے بیٹے کے طور پر اور باپ کے طور پر ہوا کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اگر کسی کی طرف ولادت منسوب ہو جائے، خواہ ولادت دینا ہو یا ولادت پانا، تو وہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ جو خدا ہوتا ہے وہ نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔

جشنِ میلادالنبی ﷺ ردِ شرک کا اجتماعی اعلان ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان کے معجزات کو دیکھا، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھوں کو شفایاب کرنا، مادرزاد نابینا کو صحت مند اور توانا بنانا، ان معجزات اور تصرفات و کمالات کو دیکھ کر امت نے انہیں خدا کے مقام پر فائز کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، معجزاتِ مصطفوی ﷺ کا درجہ نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ کے معجزات تو ان تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر حاوی ہیں جن کی امتوں نے ان کے

کمالات دیکھ کر ان کی نسبت خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

امتِ مصطفوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس نے اس امت کو یہ شعور عطا کیا کہ وہ قیامت تک ربیع الاول کے مہینے میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جشن مسرت مناتی ہے۔ حزم و احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے کہ سید المرسلین ﷺ جو ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کے حق دار ہیں، خدا نہیں بلکہ اللہ کے پیدا کردہ برگزیدہ نبی ﷺ ہیں کیونکہ جو پیدا ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا۔ تو گویا میلادِ مصطفیٰ ﷺ منانا اعلانِ توحید ہے۔ اور نصاریٰ کے برعکس امتِ مسلمہ کا یہ عمل دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہر شرک کے تصور کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ کا میلاد نہ منانے سے شرک کا شائبہ ہوسکتا تھا کہ امت حضور ﷺ کی ولادت کیوں نہیں مناتی۔ کہیں کوئی یہ تو نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ پیدا نہیں ہوئے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ ولادت منانا شرک نہیں بلکہ ردِ شرک کا اجتماعی اعلان ہے۔

ساتواں رکن: لا کفویت

(کسی کا اللہ تعالیٰ کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونے کا بیان)

وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○

''اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے○''

اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں، نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اپنی تمام صفتوں میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صمد ہے نہ کوئی احد، (کوئی اللہ کے سوا لَمْ یَلِدْ ہے اور لَمْ یُوْلَدْ، وہ سلسلۂ تولید و تولّد سے یکسر پاک ہے۔ کوئی واجب الوجود ہے اور نہ کوئی واجب الارادہ، ان ساری صفتوں میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج اور تابع ہے۔ اس کا کوئی شریک، ہم پلہ اور کفو نہیں۔

خلاصۂ کلام

سورۂ اخلاص میں بیان کردہ سات ارکان کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک ماننا عقیدۂ توحید ہے اور ان سات ارکان میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار اور اس سورت میں بیان کردہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ لیکن جن جائز امور سے اس سورت میں منع نہیں کیا گیا وہ اپنی جگہ حق ہیں۔ ان جائز امور کو شرک بنانا اور توحید کو توحید کے تقاضوں سے نکالنا افراط و تفریط کا شکار ہونے کے مترادف ہے۔ اس لئے دین اور شریعت مصطفوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے تمام طبقات توحید اور ردِ شرک کے مسئلہ میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال و میانہ روی کی راہ کو اپنا شعار بنائیں۔

www.MinhajBooks.com

باب سوم

توحید اور شرک کی متقابل اقسام

﴿اجمالی تعارف﴾

۱۔ توحید فی الرُّبوبیت • شرک فی الرّبوبیت

۲۔ توحید فی الأُلوہیت • شرک فی الأُلوہیت

۳۔ توحید فی الأسماء والصفات • شرک فی الأسماء والصفات

۴۔ توحید فی التحریم • شرک فی التحریم

۵۔ توحید فی الاحکام • شرک فی الاحکام

www.MinhajBooks.com

عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک پر روشنی ڈالنے سے قبل ہم اِن دونوں کی اقسام پر بحث کرتے ہیں جن کو محققین نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ وہ خطباء، مقررین اور طلباء جو اپنے علم وفن کے میدان میں طاق اور ماہر نہیں ہوتے مگر بزعمِ خویش خود کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں اپنے عقائد کے باب میں فکری و اعتقادی واضحیت Clarity نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ بہت سے اُمور خلط ملط اور گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور ایسی ایسی چیزوں کو زیرِ بحث لاتے ہیں جن کا تعلق نہ عقیدۂ توحید سے ہوتا ہے اور نہ شرک سے۔ ایسے لوگ خود بھی فکری اُلجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی نہیں کر سکتے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ عقائد کے باب میں صحیح تصورات کو سمجھا جائے۔ اُمتِ مسلمہ کے جو افراد بلاوجہ مسلمانوں کی واضح اکثریت سوادِ اعظم پر فتویٰ لگا کر ان کو مشرک و بدعتی گردانتے ہیں اور انہیں دائرۂ اِسلام سے بیک جنبشِ لب خارج کر دیتے ہیں اِن کے نقطۂ نظر میں توازن و اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ملتِ اِسلامیہ کے اندر افتراق، انتشار اور خلفشار کی جو فضا پائی جاتی ہے اسے ختم کیا جا سکے۔ آئندہ ابواب (باب: ۳ تا باب: ۵) میں توحید اور شرک کی اقسام کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ امر بخوبی نکھر کر سامنے آجائے گا کہ کسی چیز پر شرک کا اطلاق تب ہوگا جب اس کے ذریعے توحید کی اُس قسم کی نفی ہوگی جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو۔

www.MinhajBooks.com

• توحید کی اقسام

ائمہ عقائد و کلام نے توحید کی مندرجہ ذیل پانچ اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ توحید فی الرُّبوبیت

۲۔ توحید فی الاُلوہیت

۳۔ توحید فی الأسماء والصفات

۴۔ توحید فی التحریم

۵۔ توحید فی الاحکام

ذیل میں ان پانچوں کی مختصراً وضاحت پیش کی جا رہی ہے جبکہ ان کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

۱۔ توحید فی الرُّبوبیت

توحید فی الرُّبوبیت کو توحیدِ اثبات کہتے ہیں۔ درحقیقت توحید فی الربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اُس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان لایا جائے اور اِس امر کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رب اور پروردگار ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، پروردگار اور مدبر الامور جاننے اور ماننے سے عبارت ہے۔

۲۔ توحید فی الاُلوہیت

توحید فی الالوہیت کو توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اسی کی ذات اِس قابل اور لائق ہے کہ اِس کی عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔

۳۔ توحید فی الأسماء والصفات

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے واحد اور یکتا ہے اسی طرح اسماء وصفات اور افعال کے اعتبار سے بھی واحد اور یکتا ہے۔ پھر جس طرح اللہ

تعالیٰ کی ذاتِ اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کے خاص اسماء و صفات اور افعال میں بھی کوئی اس کا شریک و مثیل نہیں۔

۴۔ توحید فی التحریم

توحید فی التحریم سے مراد یہ ہے کہ نذر یعنی منت اور تحریمات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہیں۔

۵۔ توحید فی الأحکام

اِس سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ احکامِ شریعت کو مانا جائے جنہیں اُس نے بذریعہ وحی اپنے نبی ﷺ کے واسطہ سے اُمت کو عطا کئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ احکام بھی اللہ رب العزت ہی کے عطا کردہ تصور ہوں گے۔ کسی اور کے اقوال کو قرآن و سنت جیسی حجت نہیں مانا جائے گا۔

اِن پانچوں اقسام کے تفصیلی فہم کے لئے انکی مزید تقسیم بھی کی گئی ہے۔ جس کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

ا۔ توحید فی الربوبیت کی اقسام

اس کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

(ا) توحید فی الذات

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے، کوئی اس کا شریک اور ہمسر نہیں۔ اس کی بیوی نہیں، اِس کے والدین اور اولاد نہیں جیسا کہ سورہ اخلاص میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲) توحید فی الخَلق والایجاد

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق اور مالک بالذات ہے اور اُس کی خالقیتِ مطلقہ میں کوئی شریک نہیں۔

۲۔ توحید فی الاُلوہیت کی اقسام

اِس کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہیں:

(۱) توحید فی العبادت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا حقدار اور کوئی نہیں۔ صرف وہی ذات ہے جو عبادت کی مستحق ہے۔

(۲) توحید فی القدرت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق، شہنشاہِ کل اور متصرف علی الاطلاق اور قادر بالذات ہے۔

(۳) توحید فی الدُعا

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا وتنہا حقدار ہے کہ جملہ دعائیں، التجائیں اور مناجات اُس سے کی جائیں۔ شدائد و مصائب میں صرف اور صرف اُسی پر توکل کیا جائے۔ حقیقی مستجاب الدّعوات اُسی کی بارگاہ ہے۔

(۴) توحید فی العلم

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب و الشہادۃ ہے۔ اس کا علم بالذات، بالقدرت، کلی اور ''وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ'' کی شان کا حامل ہے۔

۳۔ توحید فی الأسماء والصفات کی اقسام

اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) توحید فی الاسماء

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنے ناموں میں بھی واحد و یکتا ہے۔

(۲) توحید فی الصفات

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۳) توحید فی الأفعال

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص افعال میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ وہ تدبر فی الامور میں واحد، یکتا و یگانہ ہے۔

۴۔ توحید فی التحریم کی اقسام

توحید فی التحریم کی تین اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) توحید فی التحریمات

توحید فی التحریمات سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کئے گئے بعض مقامات، مہینے، قربانی کے جانور، نذر و نیاز، حلف اور احکام کی حلت وحرمت کو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مختص سمجھا جائے۔

(۲) توحید فی النذور

اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کردہ قربانیوں اور منتوں میں توحید کا معنی یہ ہے کہ منت

صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح نذر، صدقہ اور خیرات بطور عبادت صرف اللہ کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہیں۔

(۴) توحید فی الحلف

اللہ تعالیٰ کے نام پر اُٹھائی جانے والی قسم اور حلف میں توحید یہ ہے کہ شرعی حلف صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ اسی پر احکامِ شرعی مرتب ہوں گے۔

۵۔ توحید فی الأحکام کی اقسام

توحید فی الأحکام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) توحید فی الحکم الکونی

اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری ہوا۔

(۲) توحید فی الحکم الشرعی

اس سے مراد شارع کا وہ خطاب ہے جس سے کوئی شرعی مسئلہ معلوم ہو جائے۔

• شرک کی اقسام

ائمۂ عقائد اور اُصولیین نے جس طرح توحید کی اقسام بیان کی ہیں اِسی طرح اِس کے مدِمقابل شرک کی اقسام بھی بیان کی ہیں۔ توحید کی طرح شرک کی بھی پانچ اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شرک فی الربوبیت

۲۔ شرک فی الأُلوہیت

۳۔ شرک فی الأسماء و صفات

۴۔ شرک فی التحریم

۵۔ شرک فی الاحکام

۱۔ شرک فی الربوبیت

اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان نہ لانا توحیدِ ربوبیت میں شرک ہے۔

۲۔ شرک فی الاُلوہیت

اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی غیر کو اُس کی عبادت میں شریک مانا جائے۔

۳۔ شرک فی الاسماء و الصفات

توحید فی الأسماء و الصفات کے برعکس کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء و صفات میں شریک سمجھنا شرک فی الأسماء و الصفات ہے۔

۴۔ شرک فی التحریم

اِس سے مراد یہ ہے کہ نذر یعنی منت اور دیگر تحریمات جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہیں انہیں یا اِن کے مماثل تحریمات کو غیر کے لئے ثابت کیا جائے۔

۵۔ شرک فی الاحکام

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضور نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے اُمتِ مسلمہ کو جو احکام و تعلیمات عطا فرمائی ہیں وہی قابلِ عمل اور باعثِ نجات ہیں۔ اِن کے علاوہ کسی اور کے احکامات اور تعلیمات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یا اس کے مثل ماننا

شرک فی الاحکام کہلاتا ہے۔

درج بالا شرک کی پانچوں اقسام کی مزید تقسیم درج ذیل ہے۔

ا۔ شرک فی الربوبیت کی اقسام

توحید فی الربوبیت کی طرح شرک فی الربوبیت کی دو قسمیں ہیں:

(ا) شرک فی الذات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں کو اُس کا شریک ٹھہرانا، کسی کو اُس کا ثانی و ہمسر ماننا اور اُس کے لئے بیوی، والدین اور اولاد کا عقیدہ رکھنا شرک فی الذات ہے۔

(۲) شرک فی الخلق والایجاد

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کائنات کا خالق اور مالک بالذات ماننا شرک ہے۔

۲۔ شرک فی الاُلوہیت کی اقسام

توحید فی الاُلوہیت کی طرح شرک فی الاُلوہیت کی چار اقسام ہیں:

(ا) شرک فی العبادت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود ماننا شرک فی العبادۃ ہے۔

(۲) شرک فی القدرت

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو قادرِ مطلق اور حقیقی متصرف بالذات ماننا شرک فی القدرت ہے۔

(۳) شرک فی الدعا

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دعائیں مانگنا اور اس پر دعاؤں کے قبول یا عدمِ قبول کا یقین رکھنا اور اس پر بالذات توکل کرنا شرک فی الدعا ہے۔

(۴) شرک فی العلم

اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کو عالم بالذات، بالقدرت اور حقیقی معنی میں محیط بالکل سمجھنا شرک فی العلم ہے۔

۳۔ شرک فی الأسماء والصفات کی اقسام

توحید فی الأسماء والصفات کی طرح شرک فی الأسماء والصفات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شرک فی الأسماء

اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں کسی اور کو شریک سمجھنا شرک فی الأسماء ہے۔

(۲) شرک فی الصفات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسروں کو اُس کی خاص صفات میں شریک ٹھہرانا شرک فی الصفات ہے۔

(۳) شرک فی الأفعال

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اُس کے خاص افعال میں شریک ٹھہرانا شرک فی الأفعال ہے۔

۴۔ شرک فی التحریم کی اقسام

شرک فی التحریم کی توحید فی التحریم کی طرح تین اقسام ہیں:

(۱) شرک فی التحریمات

جو تحریمات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں انہیں یا اُن کے مماثل تحریمات غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک فی التحریمات کہلاتا ہے۔

(۲) شرک فی النذور

کفار و مشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے منتیں ماننا، کھیتی باڑی، کاروبار اور چوپایوں کے حصے بطورِ نذر و عبادت ماننا شرک فی النذور کہلاتا ہے۔

(۳) شرک فی الحلف

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام کا شرعی حلف اُٹھانا اور اسکے توڑنے پر شرعاً کفارہ کو واجب سمجھنا جیسے کفار و مشرکین لات و عزی اور ھبل و منات کے لئے قسم اُٹھاتے تھے۔ یہ شرک فی الحلف کہلاتا ہے۔

۵۔ شرک فی الأحکام کی اقسام

توحید فی الأحکام کی طرح شرک فی الأحکام کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرک فی الحکم الکونی

اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو اس نے کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری فرمایا اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک سمجھنا شرک فی الحکم الکونی ہے۔

(۲) شرک فی الحکم الشرعی

شارع یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی طرح کسی اور کے اقوال کو قرآن و سنت جیسی حجت تسلیم کرنا شرک فی الحکم الشرعی ہے۔

ثبوتِ شرک کے لئے نفیٔ توحید کی بالصراحت ضرورت ہوتی ہے

توحید اور شرک کی مذکورہ بالا تقسیم کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ شرک کے ثبوت کے لئے توحید کی بالصراحت نفی لازم ہے کیونکہ شرک ایک واضح اور معین شرعی اصطلاح ہے جسے عمومی رنگ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ شرک کا حتمی اور قطعی فیصلہ کرنے کے لئے یہ تعیّن کرنا ضروری ہے کہ جس اَمر کو شرک کا نام دیا جا رہا ہے اُس کا اُلٹ عینِ توحید ہے۔ شرک کوئی ایسی ٹوپی نہیں جسے اپنی صوابدید کے مطابق جس کے سر پر چاہیں رکھ دیں۔ توحید اور شرک دو متقابل اور دو متضاد چیزیں ہیں یعنی ایک کی نفی کرنے سے دوسرے کا اِثبات ہوگا۔ شرک ثابت کرنے کے لئے توحید کی نفی کرنا ہوگی اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ تعیّن کرنا بھی لازمی ہوگا کہ شرک کا توحید کے مقابلے میں کون سا درجہ ہے۔ آیا یہ شرک، شرک فی الربوبیت ہے یا شرک فی الالوہیت یا شرک فی التحریم۔

اگر شرک فی الربوبیت ہے تو اِس کا تعین کر کے یہ واضح کیا جائے گا کہ یہ مندرجہ ذیل اقسام میں سے شرک کی کون سی قسم ہے: شرک فی الذات ہے یا شرک فی الصفات، شرک فی الافعال ہے یا شرک فی الاسماء۔ جو شخص کسی پر شرک کا فتویٰ صادر کرے لیکن وہ مدعی، شرک کی قسم کا بالصراحت تعین نہ کر سکے کہ جس سے توحید کی کسی قسم کی نفی اور تضاد کو ثابت کیا جا سکے تو ایسے شخص کا الزامِ شرک باطل تصور کیا جائے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اقسامِ توحید کے باب میں عبادت کا کسی بھی معنی میں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے ثبوت بلا استثناء مجازی اور حقیقی، ہر دو معنی کے اعتبار سے شرک ہے۔ البتہ مشترک صفت کا غیر اللہ کے لئے اِستعمال مجازاً جائز ہے۔ حقیقی معنی میں اُس صفت کا اِثبات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے مخلوق کے لئے جائز نہیں۔ عطائی معنی میں کسی مشترک صفت کا مخلوق کے لئے ثبوت تب شرک بنتا ہے جب وہ حق، مخلوق کے لئے اُسی طرح ثابت کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے۔ یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ شرک کی تخصیص، شرک کی وضاحت، تعریف اور اقسام کی صحیح معرفت کی متقاضی ہے۔

جب بھی شرک کی بحث ہوگی تو توحید فی الربوبیت، توحید فی الالوہیت اور توحید فی التحریم کی نفی اور اِن کا تضاد ثابت کرنا ہوگا۔ اِن تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ جس سے شرک ثابت ہو سکے۔

مبادیاتِ الٰہیات کو بغور سمجھنے کی ضرورت ہے

عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک کو جاننے کے لئے ایمان کے باب میں الٰہیات کی مبادیات اور تکنیکی اُمور کو شرح صدر سے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ کسی چیز کا مثبت پہلو توحید اور اُس کا منفی پہلو شرک ہے مثلاً اگر ہم دن کو مثبت پہلو کہیں تو اُس کا منفی پہلو رات ہو گا۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دن، ظہر اور عصر باہم متضاد چیزیں ہیں کیونکہ اِن میں تضاد کی کوئی کیفیت پائی ہی نہیں جاتی۔ اِسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ رات، عشاء اور نصف شب متضاد صورتیں ہیں اِس لئے کہ اِن میں بھی تضاد نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

تضاد کے تعیّن کا منہاج

اس تناظر میں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ کن چیزوں میں تضاد کارفرما ہے اور کن چیزوں میں نہیں جیسے:

۱۔ رات اور دن دو متضاد حقیقتیں ہیں جن کا تضاد بالکل واضح ہے اور ان میں کسی قسم کا التباس اور ابہام نہیں پایا جاتا۔

۲۔ شیرینی اور مٹھاس کا الٹ اور متضاد ترشی اور کڑواہٹ ہے۔

۳۔ روشنی اور تاریکی ایک دوسرے کے الٹ ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ سبز رنگ کی روشنی اور سرخ رنگ کی روشنی ایک دوسرے کی متضاد ہے۔

۴۔ تضاد کی ایک اور مثال نر اور مادہ کی ہے جب ہم تذکیر اور تانیث کی بات کرتے ہیں

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

تو کوئی صاحبِ عقل و ہوش یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ مذکر اور بھائی میں یا مونث اور ماں میں کوئی تضاد ہے۔

ان مثالوں سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ دو چیزوں کی حقیقت اور ماہیت جاننے کے لیے ان کے درمیان درجہ بندی اور حد بندی کی خصوصیت کا تعیّن ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے آگاہ نہیں تو پھر کسی چیز کی حد بندی اور اس کے متضاد کو جاننا ممکن نہیں۔

توحید اور شرک کے تعیّن کا منہاج

اعتقادی و علمی مباحث کے ادراک کے لئے ضروری ہے کہ نفس مسئلہ کو الگ الگ کر کے اس کا تجزیہ کیا جائے۔ لہٰذا اس خاص منہجِ تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل اصطلاحات کو ازبر کر لینا ضروری ہے:

۱۔ تعیّن (Fixation & Determination)

اس اصطلاح میں مخصوص، مقرر اور معیّن ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جیسے مطلق ہستی کے مقابلے میں کسی غیر مطلق ہستی اور وجود کا ہونا۔ ہم ایک مخصوص چیز کو زیرِ بحث لاتے ہوئے کسی موضوع، شئے یا تصور کو اپنا ہدف بنا کر اس کی تخصیص کا کوئی پیمانہ وضع کرتے ہیں۔ تعیّن کی اصطلاح ہم اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کسی موضوع یا مضمون کے صحیح تشخص کا پتہ چلانا مقصود ہو۔

۲۔ تضمُّن (Inclusion & Implication)

یہ اصطلاح اس وقت بروئے کار لائی جاتی ہے جب کسی چیز، خیال یا مضمون کے ان عناصرِ ترکیبی کو دریافت کرنا ضروری ہوتا ہے جو اس میں اصلاً موجود ہوں اور اس کا اطلاق اس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر کیا جائے تاکہ اس کے تمام مشمولات کا احاطہ ہو سکے۔ اگر کوئی پہلو اس کے دائرے (scope) سے باہر نہ ہو تو یہ تضمنات گویا اس کے

اجزاء ہیں جو اس کی جامعیت کے وصف کو تسلسل عطا کرتے ہیں۔

۳۔ حدودِ صحت (Limitations of validity)

اس اصطلاح کے ذریعے اس امر کو دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ کسی موضوع کی صحت کے حدود کیا ہیں؟ اس کا آغاز کس مقام سے ہوتا ہے؟ اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس سے آگے کن مماثل اور نئے موضوعات کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ حدود دراصل کسی موضوع کے معنوی اطلاقات کی صحت اور عدمِ صحت کو متعین کرنے کے ساتھ اسے ایک دائرے میں محدود کر کے کسی کمی بیشی سے محفوظ رکھتی ہیں۔

۴۔ امتیاز (Differentiation &Distinction)

اس اصطلاح سے ہم دو مماثل چیزوں اور تصورات کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے نہ صرف مثبت طریقے سے اصل موضوع کی نشان دہی ہو بلکہ دیگر مماثل موضوعات سے اسے ممتاز بھی کیا جا سکے۔ یعنی کوئی ایسی تخصیص ہونی چاہیے جو اس کے وجود کی نشان دہی کرے اور اس کے مفہوم کو دوسروں سے نمایاں کر کے اسے الگ طور پر دیکھنے کی استعداد پیدا کر دے۔ یہ خصوصیت نہ صرف کسی چیز کو قطعیت کا درجہ عطا کرتی ہے بلکہ اس کے اور دوسری چیزوں کے درمیان کوئی التباس اور ابہام باقی نہیں رہنے دیتی: مثلاً مختلف انسانوں اور جانوروں میں ملتی جلتی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور کچھ چیزوں میں غیر مماثل خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ان کے درمیان خط امتیاز قائم کیا جائے اور ان کے فرق کو جاننے کا کوئی پیمانہ ہو جس سے ان میں تمیز کی جا سکے۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ دو ملتی جلتی یعنی مماثل چیزوں میں بھی کوئی نہ کوئی فرق ضرور نکل آتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مماثلت رکھنے والی دو چیزوں میں فرق معلوم کرنے کے لئے ان میں عدمِ مماثلت رکھنے والی باتوں کا پتا چلایا جائے۔ اس کی مثال دو جڑواں بہنوں سے دی جا سکتی ہے کہ گہری مشابہت و مماثلت کی بنا پر دیکھنے والا ان میں امتیاز نہیں کر پاتا لیکن ان کی ماں سے پوچھا جائے تو وہ آپ کو سینکڑوں مختلف

چیزیں بتائے گی اور کہے گی کہ یہ دونوں ایک جیسی ہرگز نہیں۔ پس اگر صرف مماثلت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سے ذہنی انتشار جنم لے گا۔ اس لئے ان چیزوں پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے جو عدمِ مماثلت رکھتی ہیں۔ اس طرح فکری و ذہنی خلجان سے بچا جا سکتا ہے۔ جڑواں بہنوں کی مثال کو مدِنظر رکھیں تو ماں ان کے درمیان فرق بتاتے ہوئے کہتی ہے کہ ان میں وجہِ امتیاز ان کی آنکھیں ہیں۔ ایک کی آنکھیں بڑی اور دوسری کی چھوٹی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے دانتوں کی ساخت میں بھی فرق ہے۔ ان کی عادات بھی ایک جیسی نہیں۔ ایک زیادہ چالاک ہے اور دوسری سادہ مزاج وغیرہ۔ پس اگر آپ دو علیحدہ وجود رکھنے والی حقیقتوں اور اکائیوں میں موجود عدم مماثلت رکھنے والے پہلوؤں سے آگاہ ہیں تو آپ کو ان کے درمیان پایا جانے والا فرق معلوم ہو جائے گا۔ جب تک آپ چیزوں کے امتیازی تشخص کو نہیں جانیں گے آپ کسی چیز کی تخصیص حتمی طور پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کسی چیز کی صحت اور عدمِ صحت کی حدود اور اس کے درست اور نادرست ہونے کے فرق کو جاننے کیلئے چیزوں کی حدود اور ممانعت کو جاننا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر آپ کسی چیز کی تخصیص نہیں کر سکتے۔

توحید اور شرک میں بُعد المشرقین

توحید اور شرک دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔ توحید ایک سمت میں ہے تو شرک اس کی دوسری سمت میں ہے۔ اگر کوئی توحید کی مخالف سمت میں جائے گا تبھی وہ شرک کا مرتکب ہو گا۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ کسی چیز کو شرک Declare کرنے سے پہلے یہ تعیّن کرنا لازمی ہے کہ توحید کے کس Article، ضابطے اور درجے کی نفی ہوئی ہے۔ بدقسمتی سے بعض لوگ شریعت کا یہ بنیادی تقاضا سمجھے بغیر بے دریغ شرک کا فتویٰ صادر کرتے رہتے ہیں اور اپنی فتویٰ بازی سے لوگوں کو مشرک کہنے سے ذرہ بھر نہیں ہچکچاتے۔ وہ ایک طرح سے توحید پر اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ شرک کوئی عمومی نہیں بلکہ خصوصی تصور (Specific Concept) ہے۔ شرک محض گناہ، بدعقیدگی اور غلط بات نہیں بلکہ کفر کا ارتکاب ہے، حتیٰ کہ بدعت کو بھی شرک کے زمرے میں نہیں رکھا

جا سکتا۔ اگر کوئی چیز حرام ہے تب بھی آپ اسے شرک نہیں کہہ سکتے۔ شرک ہونے کے لئے لازمی ہے کہ وہ صریحاً عقیدۂ توحید کی نفی ہو۔ شرک کا مرتکب محض حرام و ناجائز کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ یکسر ایمان سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے۔ شرک کا معاملہ انتہائی گھمبیر اور پیچیدہ ہے۔ اسے کبھی عمومی اور معمولی انداز سے نہیں لینا چاہیے ورنہ خود عقیدۂ توحید مذاق اور کھیل بن جائے گا۔

توحید و شرک کی متقابل اقسام کا یہ اجمالی تعارف تھا۔ آئندہ صفحات میں ان متقابل اقسام کی تفصیلات الگ الگ ابواب میں آ رہی ہیں۔

www.MinhajBooks.com

باب چہارُم

توحید فی الربوبیت

اور

شرک فی الربوبیت

۱۔توحید فی الذات • شرک فی الذات

۲۔توحید فی الخَلق والایجاد • شرک فی الخَلق والایجاد

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

توحید فی الرُّبوبیت کا مفہوم

ائمۂ علم العقائد نے توحید فی الربوبیت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

هو بيان أن الله وحده خالقُ كل شيءٍ، و أنه ليس للعالم صانعانِ متكافئانِ۔[1]

''اس بات کا بیان کہ ہر چیز کا خالق بے شک اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہی ہے اور یہ کہ عالم کو وجود دینے والے دو ہم پلہ خالق نہیں ہیں۔ توحید فی الربوبیت کہلاتا ہے۔''

اس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

هو الإقرار الجازم بأن الله تعالی رب كل شيء و ملكيه، و خالقه، و مدبره، و المتصرف فيه، لم يكن له شريک فی الملک، و لم يكن له و ليّ من الذل، ولا رادّ لأمره، ولا معقب لحكمه، ولا مضاد له، و لا مماثل له، ولا سميّ له، ولا منازع في شيء من معاني ربوبيته و مقتضيات أسمائه و صفاته۔[2]

''توحید فی الربوبیت سے مراد اس بات کا پختہ اقرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب ہے، اس کا مالک ہے، اس کا خالق ہے، اس کا مدبر ہے، اس میں تصرف کا اختیار کلی رکھتا ہے۔ پوری کائنات میں کوئی اس کا شریک نہیں، وہ کمزوری سے پاک ہے اس لئے اس کا کوئی مددگار نہیں، اس کے امر کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ اس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں، کوئی

(۱) ابن ابی العز الدمشقی، شرح العقيدة الطحاوية، ۱: ۱۲۵، ۱۲۶

(۲) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۴

اس کی مخالفت کرنے والا نہیں، کوئی اس کی مماثلت کرنے والا نہیں، کوئی اس کا ہمنام نہیں، اس کی صفات و اسماء کے تقاضوں اور اس کی ربوبیت کے معانی میں کوئی بھی اس سے اختلاف و نزاع کی ہمت نہیں رکھتا۔‘‘

توحید فی الرُّبوبیت کو توحیدِ اثبات بھی کہتے ہیں۔ درحقیقت توحید فی الربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اُس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان لایا جائے اور اِس امر کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رب اور پروردگار ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ توحید کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، پروردگار اور مدبر الامور جاننے اور ماننے سے عبارت ہے۔ درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں توحید فی الربوبیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم میں فرمایا:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ۔[۱]

’’ان کے پیغمبروں نے کہا: کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، (جو) تمہیں بلاتا ہے کہ تمہارے گناہوں کو تمہاری خاطر بخش دے۔‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الِاسراء میں فرمایا:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا○[۲]

’’موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: تو (دل سے) جانتا ہے کہ ان نشانیوں کو کسی اور نے

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۱۰

(۲) الإسراء، ۱۷: ۱۰۲

نہیں اتارا مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے عبرت و بصیرت بنا کر، اور میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ اے فرعون! تم ہلاک زدہ ہو (تو جلدی ہلاک ہوا چاہتا ہے)o"

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں فرمایا:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَo قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَo قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَo بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَo[1]

"(ان سے) فرمایئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں (رہ رہا) ہے (سب) کس کی مِلک ہے، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟o وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتےo (ان سے دریافت) فرمایئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم (یعنی ساری کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟o آپ (ان سے) فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں۔ (تو) آپ فرمائیں پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے؟o بلکہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا اور بیشک وہ جھوٹے ہیںo"

۴۔ سورۃ الشعراء میں فرمایا:

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۴۔۹۰

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ○ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ○ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ○ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ○ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ○(۱)

’’(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: (وہ) جملہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس (ساری کائنات) کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو○ اس نے ان (لوگوں) سے کہا جو اس کے گرد (بیٹھے) تھے: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟○ (موسیٰ علیہ السلام نے مزید) کہا کہ (وہی) تمہارا (بھی) رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا (بھی) رب ہے○ (فرعون نے) کہا: بیشک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے○ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: (وہ) مشرق اور مغرب اور اس (ساری کائنات) کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم (کچھ) عقل رکھتے ہو○‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعۃ میں فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ○ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ○ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ

(۱) الشعراء، ۲۶: ۲۴۔۲۸

شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ○ نَحْنُ جَعَلْنٰـهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ○ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○(۱)

''بھلا یہ بتاؤ جو نطفہ (تولیدی قطرہ) تم (رِحم میں) ٹپکاتے ہو○ تو کیا اس (سے انسان) کوتم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا فرمانے والے ہیں؟○ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو مقرّر فرمایا ہے اور ہم (اِسکے بعد پھر زندہ کرنے سے بھی) عاجز نہیں ہیں○ اس بات سے (بھی عاجز نہیں ہیں) کہ تمہارے جیسے اوروں کو بدل (کر بنا) دیں اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم جانتے بھی نہ ہو○ اور بیشک تم نے پہلے پیدائش (کی حقیقت) معلوم کر لی پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے؟○ بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہو○ تو کیا اُس (سے کھیتی) کوتم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟○ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھرتم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ○ (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیا○ بلکہ ہم بے نصیب ہوگئے○ بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو○ کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟○ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھرتم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟○ بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو○ کیا اِس کے درخت کوتم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟○ ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہے○ سو اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کیا کریں○''

زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے مختلف امور میں کارفرما تدبیر کے ساتھ جمادات، نباتات، حیوانات اور عالم انس ہر جگہ زندگی کے آغاز و اِنجام اور عروج و زوال کے یکساں قوانین کا نافذ العمل ہونا بھی اِس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اِن تمام موجودات کوتخلیق کرنے اور پالنے والی ذات ایک ہی ہے اور اُس کی ربوبیت و پروردگاری میں ہر

(۱) الواقعة، ۵۶:۵۸۔۷۴

جگہ ایک ہی اُصول کارفرما ہے۔ یہی نظامِ وحدت اُس کی وحدانیت پر دلیلِ قاطع ہے۔ اس پر چند آیات درج ذیل ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ○ (۱)

’’(وہی) صبح (کی روشنی) کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا ہے، اور اسی نے رات کو آرام کے لئے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب و شمار کے لئے، یہ بہت غالب بڑے علم والے (ربّ) کا مقررہ اندازہ ہے○‘‘

۷۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ○ (۲)

’’وہی ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم و بیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کر سکو، اور اللہ نے یہ (سب کچھ) نہیں پیدا فرمایا مگر درست تدبیر کے ساتھ، وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت، وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے واضح فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں○‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں ہی فرمایا:

(۱) الانعام، ۶: ۹۶

(۲) یونس، ۱۰: ۵

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ○[1]

’’بیشک رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور ان (جملہ) چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمائی ہیں (اسی طرح) ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ رکھتے ہیں○‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں فرمایا:

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا○[2]

’’اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے پھر اس (کی بقا و ارتقاء کے ہر مرحلہ پر اس کے خواص، افعال اور مدت، الغرض ہر چیز) کو ایک مقررہ اندازے پر ٹھہرایا ہے○‘‘

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں فرمایا:

اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قف مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ط وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ○[3]

’’کیا انہوں نے اپنے مَن میں کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر (نظامِ) حق اور مقرّرہ مدت (کے دورانیے) کے ساتھ، اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات

(۱) یونس، ۱۰: ۶

(۲) الفرقان، ۲۵: ۲

(۳) الروم، ۳۰: ۸

کے مُنکِر ہیںo‘‘

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ج وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُo(۱)

’’اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز (یعنی نطفہ) سے پیدا فرمایا پھر اس نے کمزوری کے بعد قوتِ (شباب) پیدا کی، پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا پیدا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہےo‘‘

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُوْلِی الْاَلْبَابِo(۲)

’’(اے انسان!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کیے، پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، پھر وہ (تیار ہوکر) خشک ہوجاتی ہے، پھر (پکنے کے بعد) تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہےo‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) الروم، ۳۰:۵۴

(۲) الزمر، ۳۹:۲۱

• شرک فی الربوبیت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدتِ مطلقہ پر ایمان نہ لانا توحیدِ ربوبیت میں شرک ہے۔

علماء نے شرک فی الربوبیت کے مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

هو اعتقاد متصرف مع الله عزو جل فی أي شيیء من تدبير الكون من إيجا، أو إعلام، أو إحياء، أو إماتة، أو جلب خير، أو دفع شر، أو غير ذلک من معانی الربوبية، أو اعتقاد منازع له في شيیء من مقتضيات أسمائه و صفاته۔[1]

’’اللہ عزوجل کے ساتھ کسی بھی چیز میں کسی کے تصرف کا اعتقاد رکھنا شرک فی الربوبیت ہے (مثلاً) تدبیرِ کائنات میں سے اس کے عدم و وجود میں غیر کا تصرف، زندگی بخشنے اور موت عطا کرنے میں تصرف، طلبِ خیر اور دفعِ شر میں غیر کا تصرف ماننا یا اس کے علاوہ ربوبیت کی صفات یا اس کے اسماء اور صفات کی مقتضیات میں سے کسی چیز میں بھی اس کی مخالفت کا اعتقاد رکھنا۔‘‘

زمین و آسمان کی تخلیق جیسی اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا مشرکین اقرار کرتے تھے، لیکن نفع و نقصان میں کسی اور طرف رجوع کرتے تھے تو انہیں طلبِ خیر اور دفعِ شر کے مالک حقیقی کی طرف توجہ دلائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا:

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ

(۱) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۵

اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ○ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ○ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ○(۱)

’’اور اگر آپ اُن سے دریافت فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین کو کِس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، آپ فرما دیجئے: بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ (بُت) اس کی (بھیجی ہوئی) تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں یا وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ (بُت) اس کی (بھیجی ہوئی) رحمت کو روک سکتے ہیں، فرما دیجئے: مجھے اللہ کافی ہے، اسی پر توکل کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں○ فرما دیجئے: اے (میری) قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں، پھر عنقریب تم (انجام کو) جان لو گے○ (کہ) کِس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب اترے گا○‘‘

توحید فی الربوبیت اور شرک فی الربوبیت کی اقسام

توحید فی الربوبیت اور شرک فی الربوبیت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ توحید فی الذات اور شرک فی الذات

۲۔ توحید فی الخلق والایجاد اور شرک فی الخلق والایجاد

آئندہ صفحات میں مندرجہ بالا اقسام کی الگ الگ تفصیلی بحث آ رہی ہے۔

(۱) الزمر، ۳۹: ۳۸۔۴۰

ا۔ توحید فی الذات

توحید فی الذات یہ ہے کہ واجب الوجود ہستی کو معبود اور الٰہ تسلیم کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہی وحدہٗ لاشریک ذات ہے جس نے اس کائنات کو وجود بخشا اور اس کو مختلف مراحل سے گزار کر نقطۂ کمال تک پہنچایا۔ آیئے قرآن حکیم سے چند مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ا۔ توحید فی الذات کے بیان میں سورۂ اخلاص نہایت جامع ہے گذشتہ صفحات میں ہم اسی سورت کی روشنی میں ارکانِ سبعہ پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

ا۔ سورۂ الانبیاء میں توحید فی الذات کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (۱)

”اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا کوئی اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔“

اگر ایک ہی واجب الوجود ہستی کے ہونے کا عقیدہ رکھنے کی بجائے ایک سے زائد ہستیوں کو متصرف حقیقی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات توحید فی الذات کی نفی ہوگی جس سے نظامِ کائنات ایک وحدت کی صورت میں نہ صرف برقرار نہیں رہے گا بلکہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اس آیتِ کریمہ میں بنیادی چیز توحید فی الذات کے عقیدے کا اثبات ہے۔

۲۔ سورۂ یوسف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ○ (۲)

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۲۲

(۲) یوسف، ۱۲: ۳۹

’’اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! (بتاؤ) کیا الگ الگ بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟‘‘

۳۔ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ اَرَادَ اللهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّا صْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ لا سُبْحٰنَهٗ ط هُوَ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ج يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ط يَخْلُقُكُمْ فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝(۱)

’’اگر اللہ ارادہ فرماتا کہ (اپنے لئے) اولاد بنائے تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب فرما لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے، جو یکتا ہے سب پر غالب ہے ۝ اُس نے آسمانوں اور زمین کو صحیح تدبیر کے ساتھ پیدا فرمایا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو (ایک نظام میں) مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک (ستارہ اور سیّارہ) مقرّر وقت کی حد تک (اپنے مدار میں) چلتا ہے، خبردار! وہی (پورے نظام پر) غالب، بڑا بخشنے والا ہے ۝ اس نے تم سب کو ایک حیاتیاتی خلیہ سے پیدا فرمایا پھر اس سے اسی جیسا جوڑ بنایا پھر اس نے تمہارے لئے آٹھ جانور جوڑوں کی صورت میں مہیا کئے، وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں ایک تخلیقی مرحلہ سے اگلے تخلیقی مرحلہ میں ترتیب کے ساتھ تمہاری تشکیل کرتا ہے (اس عمل کو) تین قِسم کے تاریک پردوں میں (مکمل فرماتا ہے)، یہی تمہارا پروردگار ہے جو سب قدرت و سلطنت کا مالک

(۱) الزمر، ۳۹: ۴۔۶

ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر (تخلیق کے یہ مخفی حقائق جان لینے کے بعد بھی) تم کہاں بہکے پھرتے ہو٭‘‘

۴۔ سورۃ الزمر میں ہی آگے چل کر توحید فی الذات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اَللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ٭ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ٭ قُلْ اَفَغَيْرَ اللهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ٭ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ج لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ٭ بَلِ اللهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ٭ وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ط سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ٭[۱]

’’اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے٭ اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کُنجیاں ہیں، اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہی لوگ ہی خسارہ اٹھانے والے ہیں٭ فرما دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی پرستش کرنے کا کہتے ہو٭ اور فی الحقیقت آپ کی طرف (یہ) وحی کی گئی ہے اور اُن (پیغمبروں) کی طرف (بھی) جو آپ سے پہلے (مبعوث ہوئے) تھے کہ (اے انسان!) اگر تُو نے شرک کیا تو یقیناً تیرا عمل برباد ہو جائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا٭ بلکہ تُو اللہ کی عبادت کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا٭ اور انہوں نے اللہ کی قدر و تعظیم نہیں کی جیسے اُس کی قدر و تعظیم کا حق تھا اور ساری کی ساری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمانی کرّے اُس کے دائیں ہاتھ (یعنی قبضۂ قدرت) میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک ہے اور ہر اس چیز سے بلند و برتر ہے جسے یہ

(۱) الزمر، ۳۹: ۶۲۔۶۷

لوگ شریک ٹھہراتے ہیں o‘‘

۵۔ سورۃ المؤمن میں توحید فی الذات کو یوں موضوع بنایا گیا:

ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ م لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ز فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَo كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ يَجْحَدُوْنَo اَللهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ط ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ ج فَتَبٰرَكَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَo هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ز وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَo (۱)

’’یہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو o اسی طرح وہ لوگ بہکے پھرتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے o اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں شکل و صورت بخشی پھر تمہاری صورتوں کو اچھا کیا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی، یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پس اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب جہانوں کا رب ہے o وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم اس کی عبادت اُس کے لئے طاعت و بندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے o فرما دیجئے: مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی پرستش کروں جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی جانب سے واضح نشانیاں آ چکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری کروں o‘‘

(۱) المؤمن، ۴۰: ۶۲۔۶۶

۶۔ توحید فی الذات کا اثبات اور شرک فی الذات کا رد قرآن حکیم کی اس ایک آیت سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ۔(۱)

''پس جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں واجب الوجود اور واجب الارادہ ہستی کے ایک ہونے کا بیان ہے یعنی اس کے سوا اس کائنات میں کوئی اس شان کے لائق نہیں کیونکہ معبود حقیقی فقط وہی ہوسکتا ہے جو واجب الوجود، واجب الارادہ اور مختارِ کل ہو۔ کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ بھی انہی کلمات پر مشتمل ہے۔

۷۔ پھر ایک اور جگہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔(۲)

''ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود ان کی ذاتوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔''

اگر عالمِ انفس و آفاق کا مطالعہ کیا جائے اور بہ نظر غائر ہر ایک مظہر کا جائزہ لیا جائے تو ہر چیز اس کے ایک اور حق ہونے کی گواہی دیتی نظر آئے گی۔ ان سب ارشادات ربانی کی روشنی میں توحید بالذات کا معنی ذاتِ باری تعالیٰ کے معاملے میں یہ ہے کہ اگر کوئی ایک سے زیادہ خداؤں پر ایمان رکھتا ہے تو وہ شرک فی الذات کا مرتکب ہو رہا ہے۔ حاکمِ مطلق فقط اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ اس عقیدہ کا حامل توحید فی الذات کا قائل ہے اور یہی ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ ہے۔ اگر اس کے برعکس کوئی کہے کہ میں ایک خدا پر ایمان تو رکھتا ہوں مگر اس کے نائب خدا، نائب

(۱) محمد، ۴۷: ۱۹

(۲) حم السجدۃ، ۴۱: ۵۳

مالک اور نائب رب کو بھی اسی طرح مانتا ہوں جس طرح ایک صدر کے نائب صدور ہوتے ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الذات کہلائے گا، جیسا کہ کفارِ مکہ اور مشرکین لات و منات، ہبل اور عزیٰ نامی بے شمار خداؤں پر ایمان رکھتے تھے۔

حرمِ کعبہ میں تین سو ساٹھ خودساختہ خدا رکھے ہوئے تھے، جن کی پرستش کر کے مشرکین شرک فی الذات کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسی طرح ہندو مذہب میں بھی وشوا، کرشنا اور بہت سے دوسرے ناموں کے بت خدا مانے جاتے ہیں۔ لیکن برہما ان کے نزدیک سب سے بڑا خدا ہے جسے وہ رب الارباب (مہاتما یا خداؤں کا خدا) مانتے ہیں۔ سار بابو ہندوؤں کے نزدیک بارش کا خدا ہے۔ مشرکینِ مکہ نے بھی اس طرح بارش کا خدا اور ہر ایک کام کے لئے الگ الگ بہت سے خدا بنا رکھے تھے۔ ہر ایک خدا کوئی نہ کوئی مراد اور ضرورت پوری کرنے کے لئے مخصوص تھا۔ اگر ان کے پاس کوئی حاجت برآری کے لئے آتا اور کسی ایک خدا سے ان کی مراد پوری نہ ہوتی تو وہ کسی اور خدا کی طرف رجوع کر لیتے جو ان کے نزدیک مخصوص کام سرانجام دینے پر مامور ہوتا، جیسے رزق اور دولت کا خدا اور بچوں کی پیدائش کا خدا، جنگ کا خدا، امن کا خدا، خوراک کا خدا اور بارش کا خدا وغیرہ۔ یہ شرک فی الذات ہے جس کے باعث انہوں نے خودساختہ خداؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا۔

www.MinhajBooks.com

• شرک فی الذات

شرک فی الذات کا معنی یہ ہے کہ وہ قوت، قدرت، ملکہ، صفت اور خاصہ جو معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اس کو اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے لئے بالذات ثابت کیا جائے اور اسے متصرف فی الامور حقیقی طور پر مانا جائے جیسے سجدہ کرنا، اس کے نام پر جانور ذبح کرنا، اس کی منت ماننا، کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کا عقیدہ رکھنا وغیرہ۔ یعنی وہ سب امور جو اللہ کا حق ہیں انہیں کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا شرک فی الذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے شرک کی حقیقت یوں بیان فرمائی:

۱۔ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَo(۱)

’’کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے اور وہ (خود) پیدا کئے گئے ہیںo‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا:

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ط اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَo(۲)

’’کیا وہ خالق جو (اتنا کچھ) پیدا فرمائے اس کے مثل ہوسکتا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہ کرسکے، کیا تم لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے؟o‘‘

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلمِ عظیم اور کھلی گمراہی ہے خواہ وہ لکڑی اور پتھر کے تراشے ہوئے بت ہوں یا انسانوں میں سے کوئی اِس کا شریک اور ساجھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ظلمِ عظیم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج

---

(۱) الأعراف، ۷: ۱۹۱

(۲) النحل، ۱٦: ۱۷

وَمَنْ يُّشْرِکْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِيْمًا○[1]

’’بے شک اللہ اِس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے واقعۃً زبردست گناہ کا بہتان باندھا۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں شرک کو ایک ناقابلِ معافی جرم قرار دیا گیا ہے، قطعِ نظر اس سے کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے یا بندگانِ خدا کو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو ساجھی بنا لینا، اس کا ہم جنس، ہم نوع ماننا، یا کفو، ند، ضد اور مقابل بنانا وغیرہ سب سے زیادہ گھناؤنا اور بدترین شرک ہے۔

شرک فی الذات اور یہود و نصاریٰ

یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا اور بیٹی کا تصور منسوب کیا جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کی شان کا حامل ہے۔ چنانچہ یہود کے بعض فرقوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیھما السلام کو صرف زبانی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہی نہیں بلکہ اس کا صلبی بیٹا قرار دیا۔ اسی طرح جھینہ اور بنی سلمہ وغیرہ کفار نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ انہی باطل اعتقادات کی بناء پر وہ شرک فی الذات کے مرتکب ہوئے۔

انسان شرک فی الذات کا مرتکب کب ہوتا ہے؟

توحید فی الذات کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ ہر صفت اور امر کو مصدقہ طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیا جائے اور اسی کو بلاشرکتِ غیرے ہر چیز کا مالک اور متصرف بالذات مانا جائے۔ شرک فی الذات اس وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی بات جو بلا امتیاز خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی اور کے لئے اس طرح مانی جائے کہ اس سے اللہ تعالیٰ

(۱) النساء، ۴: ۴۸

کے کسی حق پر زد پڑ رہی ہو اور اس کی توحید کی نفی اور بطلان ہو رہا ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حق کی کسی اور کے لئے توسیع بھی شرک ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور وجود سے اللہ کے حق کا تحقق اور اس کا اثبات شرک کے زمرے میں آئے گا۔ تاہم اس کا اطلاق کسی اور کے لئے کرنا تبھی توحید کی نفی ہوگا جب اس بات کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی امتیازی حق کی نفی اور بطلان ہوا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو محض مشترک اور عمومی صفت کی بناء پر اسے شرک کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

www.MinhajBooks.com

۲۔ توحید فی الخلق والایجاد

اللہ رب العزت نے اپنی تخلیقی صفات کی تعریف قرآنِ حکیم میں بہت سے مقامات پر بیان کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر شرک فی الخلق کی کوئی قسم اللہ تعالیٰ کے عملِ تخلیق میں کسی کے شریک ہونے کی مظہر ہے تو لامحالہ اسے عقیدۂ توحید فی الخلق سے متصادم و متعارض سمجھا جائے گا اور دونوں کے مابین براہِ راست تضاد و عدم موافقت کا امکان پیدا ہونے سے توحید فی الخلق کے عقیدے کی نفی ہو جائے گی۔ اس امر کا تعین کرنے کے لئے کہ آیا ان دونوں امکانات میں کسی قسم کا تضاد موجود ہے یا نہیں ہم ظن و تخمین اور اپنی صوابدید سے فیصلہ کرنے کی بجائے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo (۱)

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا، پھر وہ (کائنات کے) بالائی حصوں کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے انہیں درست کر کے ان کے سات آسمانی طبقات بنا دیئے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔‘‘

۲۔ زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ۔ (۲)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۹

(۲) بنی اسرئیل، ۱۷: ۹۹

(وہ) اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ وہ ان لوگوں کی مثل (دوبارہ) پیدا فرما دے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔‘‘

۳۔ سورۂ نوح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاo[1]

’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات (یا متعدّد) آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ (طبق در طبق) پیدا فرمائےo اور اس نے ان میں چاند کو روشن کیا اور اس نے سورج کو چراغ (یعنی روشنی اور حرارت کا منبع) بنایاo‘‘

ان آیاتِ کریمہ میں توحید فی الخلق کے باب میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ اس نے تمہارے لئے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمانی کائنات کے بالائی حصوں کی طرف متوجہ ہوا اور اس بالائی کائنات کو سات آسمانی طبقات میں منقسم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید فی الخلق اس امر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات ارضی و سماوی میں ہر چیز کا خالق ہے۔ اسی نے تخلیق کائنات کو بہ تمام و کمال پایہ تکمیل تک پہنچایا اور وہی اس امر کا حق دار ہے کہ بلاشرکت غیرے اس کی عبادت کی جائے۔ اس لئے کہ وہی خالق حقیقی ہے اور جو کچھ دنیا و ماسویٰ میں پیدا کیا گیا وہ اسی کی صنعت گری اور صفت تخلیق کا آئینہ دار ہے۔

اس نے عالمِ ارض و سماوات کے پیدا ہونے کا ذکر کر کے انسان کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ وہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ زمین تا تحت الثریٰ کارخانۂ قدرت وہی چلا رہا ہے اور آسمانوں کے بالائی کرّوں کا مالک بھی وہی ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی کا نظام اس کے ہاتھ میں ہے تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اسی طرح تاریکی اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ سب کچھ

(۱) نوح، ۷۱:۱۵۔۱۶

بیان کرکے وہ کفار و مشرکین سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ شرکاء جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لاکھڑے کئے ہیں اس کے برابر ہوسکتے ہیں؟ جبکہ اس نے کسی کو بھی اپنا شریک و سہیم نہیں بنایا۔ اس سوال کا جواب بھی جو حتمی طور پر نفی میں ہے۔ اس کی توحید فی الخلق کا واضح اعلان ہے۔

توحید فی الخلق کے باب میں قرآن کا مشرکین سے سوال

توحید فی الخلق میں دلائل و شواہد کی بنا پر ان مشرکین سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں کی وہ پوجا کرتے ہیں کیا وہ کوئی ایسی چیز تخلیق کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ رکھتا ہے؟ اور کیا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرح خلق کرنے کی قابلیت استطاعت اور قوت و اہلیت سے بہرہ ور ہیں؟ دوسرے لفظوں میں کیا وہ اللہ کی مثل کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب بھی یقیناً نفی میں ملے گا۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق اور مالک ہے۔ اس بناء پر وہی اس امر کا حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ توحید فی الخلق کے مطابق وہی دن رات کا خالق ہے، سورج، چاند، اجرام فلکی، اور آفاق اسی کے بنائے ہوئے ہیں جیسا کہ اس نے متعدد مقامات پر قرآن حکیم میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ درج ذیل آیتِ کریمہ میں مشرکین کی زبان سے اسی بات کے اقرار کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَo لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُo(۱)

’’اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ نے، آپ فرما دیجئے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتےo جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے، بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے (ازخود) سزاوارِ حمد ہےo‘‘

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۵۔۲۶

قدرت و صلاحیتِ تخلیق سے توحیدِ خداوندی پر استدلال

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے سے متعلق صفات کا ذکر کر کے کفار و مشرکین سے سوال کیا کہ کیا وہ بت اور تماثیل جن کی تم پرستش کرتے ہو تخلیق کرنے کی وہ صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ خالق ہونے کے ناطے رکھتا ہے۔ پھر وہ اس امر کی تائید و توثیق کرتا ہے کہ جب یہ بت کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء اور کوئی عبادت و پرستش کے لائق اور حق دار نہیں۔ اللہ کی ذات ہی ہر چیز کے پیدا کرنے کی ابتداء اور اس کا اعادہ کرتی ہے اور اس کے لئے ہر بات آسان ہے۔ اس نے تمام کائنات بنائی۔ زمین و آسمان اور ان میں مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے اور وہی وقتِ معین پر ہر چیز کو ختم اور سامانِ ہستی کو نیست و نابود کر دے گا۔ ایک زلزلہ اور شدید جھٹکے کے نتیجے میں تمام کائنات ہست سے نیست میں بدل جائے گی۔

اللہ رب العزت کی ذات قادرِ مطلق ہے۔ سب دانائی اور حکمت کا وہی مالک ہے۔ کائنات میں کوئی دانائی و حکمت میں اس جیسا نہیں اور نہ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس کائنات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی نہیں۔

توحید فی الربوبیت میں شرک کے دو درجے ہیں: ذات اور خلق۔ اب اگر کوئی شرک کا الزام عائد کر رہا ہے تو اسے اس حوالے سے وضاحت کرنا ہوگی کہ یہ شرک، توحید فی الربوبیت کے کس درجے کی نفی ہے۔ توحید فی الخلق کی نفی ثابت ہو جانے سے ہی شرک فی الخلق ہو گا ورنہ نہیں۔ اگر کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی خالقیت کسی اور کے لئے ثابت کرتا ہے تو یہ شرک فی الخلق ہو گا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زمین و آسمان کو کوئی اور بھی پیدا کر سکتا ہے، خواہ جزوی طور پر ہی کیوں نہ ہو تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الخلق ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چھ آسمان تو اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں مگر ایک کسی اور نے بنایا ہے یا کوئی شخص اس جہانِ ارضی کا خالق کسی اور کو مانے یا یہ دعویٰ کرے کہ سورج، چاند، ستارے فلاں نے بنائے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی ایسا عقیدہ ہی نہیں رکھتا تو پھر شرک فی الخلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

• شرک فی الخلق والایجاد

توحید فی الخلق کی طرح شرک فی الخلق کا عقیدہ بھی قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ توحید فی الخلق کے مظاہر کی اس صراحت کے بعد اس کی تغلیط و تردید میں کچھ کہنے کی جسارت کرے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ط قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○(۱)

’’آپ (ان سے دریافت) فرمایئے کہ کیا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تخلیق کی ابتداء کرے پھر (زندگی کے معدوم ہو جانے کے بعد) اسے دوبارہ لوٹائے، آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی (حیات کو عدم سے وجود میں لاتے ہوئے) آفرینش کا آغاز فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ (بھی) فرمائے گا، پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو؟‘‘

تفسیر القرآن بالقرآن کے استفہامیہ انداز میں اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ مبارکہ میں بطورِ استدلال فرمایا کہ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور بھی کائنات کو خلق کرنے اور عمل تخلیق کا اعادہ کرنے پر قادر ہے؟ پھر اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ تخلیق کرنا اور اس کا اعادہ کرنا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے۔ اس طرح توحید فی الخلق اور شرک فی الخلق کا فرق بڑی صراحت کے ساتھ واضح کرنے کے ساتھ اس کی تعریف بھی بیان فرما دی۔

۲۔ سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

(۱) یونس، ۱۰: ۳۴

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ○[1]

”اور یہ (مشرک) لوگ جن (بتوں) کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں○“

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین کو چیلنج کیا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا کہ نہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں۔ اس وضاحت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تعریف خود ہی بیان کر دی اور شرک کو اس بنیاد پر رد کیا کہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ اب اگر یہ عقیدہ کسی غیر کے لئے اس شانِ خالقیت کے ساتھ مانا جائے گا تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ کسی مخلوق کے لئے لفظِ خالق کا استعمال مجازی معانی میں ہوا ہے۔ اس لئے کہ حقیقی معنی میں کوئی بھی خالق نہیں ہوسکتا جس معنی میں اللہ تبارک و تعالیٰ خالق ہے۔ اگر اس معنی میں کوئی یہ عقیدہ کسی اور کے لئے رکھے خواہ پیغمبر ہی کے لئے کیوں نہ ہو تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ شرک ہوتا ہی تب ہے جب شانِ خالقیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لیا جائے۔ جب آپ نے کسی کو مخلوق مانا اور خالق نہیں مانا تو شرک فی الخلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیتِ مبارکہ کے الفاظ ”لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ“ سے ثابت ہے کہ خالقیت کا دعویٰ کرنے والے تو خود مخلوق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی غیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے اور اس کے ساتھ مجازی طور پر صفتِ خلق بھی منسوب ہو جائے تب بھی شرک نہیں ہوگا۔

۳۔ قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا○[2]

(۱) النحل، ۱۶: ۲۰

(۲) الفرقان، ۲۵: ۳

’’اور ان (مشرکین) نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے لیے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ (ہی مرنے کے بعد) اٹھا کر جمع کرنے کا (اختیار رکھتے ہیں)o‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید بیان کر دی۔ اب اگر کوئی اس کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی شان یکتائی میں تضاد پیدا کرتا ہے تو وہ مشرک قرار پائے گا۔ عقیدۂ توحید کے قرآنی تصور نے خالق و مخلوق کے حوالے سے صفتِ خلق کی وضاحت کر دی کہ نظریۂ تخلیق کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ عقیدۂ توحید و شرک کا قرآنی تصور اس ابہام کو دور کر کے یہ واضح کر دیتا ہے کہ حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

پس دوسروں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں موت و حیات کے مالک نہیں اور نہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے مالک ہیں تو اس عقیدے سے شرک فی الخلق کی نفی ہو جاتی ہے۔ شرک فی الخلق تب ہو گا جب کوئی کسی غیر اللہ کو زندگی و موت کا خالق مانے۔ لیکن وہ جو خود پیدا ہوا ہے اور جسے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، موت کا خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ وہ قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھے گا اور قیامت کے دن کا خالق اللہ رب العزت ہے تو وہ توحید پر ہے۔ اور اگر کوئی یہ عقیدہ نہیں رکھتا تو وہ مشرک ہے۔

قرآن میں اعجازِ مسیحائی کا جامع بیان

اللہ تعالیٰ احسن الخالقین (سب سے بہتر پیدا کرنے والا) ہے وہ بچے کی پیدائش کے وقت یہ بھی فیصلہ کرتا ہے کہ اسے اندھا پیدا کرنا ہے یا بینا۔ اپنے اسی فیصلے کے مطابق وہ رحمِ مادر سے نابینا بچہ (Blind by Birth) پیدا فرماتا ہے جبکہ دوسری طرف قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیان کیے گئے ہیں کہ وہ مٹی سے پرندے کی شکل جیسا پتلا بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو

جاتا۔ برص کے مریض کو اپنے دست مسیحائی سے ٹھیک کر دیتے۔ مادر زاد نابینا کو بینائی عطا کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتے۔ اسی طرح بن دیکھے کھائے پیئے اور ذخیرہ کئے ہوئے مال ومتاع کا بتا دیتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ لا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًام بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَ اُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ج وَ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَo(۱)

’’اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا (ان سے کہے گا) کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہوo‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خلق کے فعل کی نسبت اپنی طرف کرنا مادر زاد اندھے کو بینائی دینا اور مردے کو زندہ کر دینا یہ سارے عمل انہوں نے واحد متکلم کے صیغے سے بیان کئے۔ ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَھُوَ

(۱) آل عمران، ۳: ۴۹

الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُo[1]

’’جس نے موت اور زندگی کو (اس لیے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے، اور وہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہےo‘‘

موت اور زندگی کا خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اسی کی شانِ خلاقی ہے جبکہ دوسری طرف قرآن کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرندے میں زندگی پیدا کر دی اور اڑا دیا۔ گویا جس کو اللہ تعالیٰ نے موت دی اسے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی دی۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس نابینا بچہ لے کر آتے اور آپ علیہ السلام اسے اپنے معجزے سے بینا کر دیتے۔ وہ یہ نہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اسے بینائی عطا کرے گا بلکہ اسے بینا کرنے کا عمل اپنی طرف منسوب کرتے کہ اسے میں بینائی عطا کرتا ہوں۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے بینائی نہیں دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو بینائی دے دی ماں کے پیٹ سے بغیر بینائی کے پیدا ہونا کسی حادثے یا بیماری کا نتیجہ نہیں بلکہ پیدائشی ہے کیا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی توحید فی الخلق میں مداخلت سے تعبیر نہیں ہوگا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی شخص کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا اور وہ قبر میں مدفون بھی ہو گیا پھر جب اس کی لاش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لائی جاتی تو وہ باذن اللہ کہہ کر معجزاتی طور پر اس کے مردہ جسم میں زندگی کی روح پھونک دیتے اور وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جاتا۔ کیا یہ عمل شرک فی الخلق ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرتے وقت قُمْ بِاِذْنِ اللہ کہہ دینا اس تصور کی وضاحت ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی خالقِ حقیقی ہے۔ بینائی اور زندگی دینے کے حوالے سے کہے گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ سے تصورِ شرک کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ الفاظ کہنے پر مامور تھے اور ان کو یہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا۔ لہٰذا اس معجزے کے نتیجے میں ہونے والے مافوق الفطرت اعمال کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ خود ہے۔

(۱) الملک، ۶۷: ۲

انبیاء و اولیاء ''بِاِذْنِ اللہ'' مختار ہوتے ہیں

انبیائے کرام علیھم السلام، اولیاء، صوفیاء اللہ تعالیٰ کے منتخب اور مقبول بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کچھ معاملات میں اختیار دے دیتا ہے جن کے دائرے میں رہ کر وہ اس اختیار کو بروئے کار لاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مختار و مجاز ہوتے ہیں۔ اس کی مثال قانون کی زبان میں یہ ہے کہ کوئی عرض گزار اس امر کا مجاز ہوتا ہے کہ چاہے وہ خود اصالتاً اپنے مقدمہ کی پیروی کرے یا وہ وکالتاً کسی کو بطورِ نائب اس امر کا اختیار سونپ دے۔ کسی موکل کے نمائندے عدالت میں اس کے وکلاء ہوں یا عدالتی قانون دان، وہ اپنے موکل کی وکالت کرتے ہوئے یا تو سیدھی سادھی زبان میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے فریق کے ساتھ یہ زیادتی ہوئی اور اس کا فلاں حق مجروح ہوا ہے، یا بصورتِ دیگر استعاراتی زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں: میرا فلاں حق سلب ہوا، میری فلاں جائداد کو نقصان پہنچا اور فلاں اموال سرقہ کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ دیکھا جائے تو حقیقت میں وکیل کے ساتھ ذاتی طور پر وہ کچھ نہیں ہوا ہوتا جو وہ بیان کر رہا ہے بلکہ جس کی نمائندگی کر رہا ہے اس کے ساتھ ہوا ہوتا ہے۔ لیکن وکیل کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے موکل کی ترجمانی میں صیغہ واحد غائب کی بجائے صیغہ واحد متکلم ادا کرے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت کے تحت کسی مردے کو زندہ کرنے اور لاعلاج مریض کو شفا یاب کرنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو ان کا ایسا کرنا بلاتشبیہ و بلامثال اسی طرح ہے جیسے وکیل اور نمائندہ مدعی کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہے لیکن وہ ذمہ داری مجازی معنی میں ہوتی ہے حقیقی معنی میں نہیں۔

سورۂ آل عمران کی زیرِ نظر آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اپنے خالق ہونے کا اعلان کرایا۔ ساتھ ہی مٹی سے پرندہ بنانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میں اللہ کے حکم سے مٹی سے پرندے بناتا ہوں'' اور پھر سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کی تصدیق فرماتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عمل کی تائید میں وہی الفاظ دہرائے: اے

عیسٰی! تو نے میرے اذن سے مٹی سے پرندے بنائے، بیماروں کو تندرستی اور زندگی دی، کوڑھیوں کو شفا یاب کیا اور مردوں کو زندہ کیا۔ یہ ساری باتیں جب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے ہوئیں تو خود بخود شرک کی نفی ہوگئی۔

فعلِ الٰہی کی نسبت مجازاً اپنی طرف کرنا شرک نہیں

خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مارنا اور زندہ کرنا حقیقی معنی میں اسی کے ساتھ مختص ہے۔ لیکن وہ چاہے تو اپنے مقبول بندے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف مٹی سے پرندوں کے پیدا کرنے کے عمل کو منسوب کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی صفت، صیغۂ واحد حاضر کے استعمال سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت سے بیان ہوئی۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ اپنے مفہوم میں بڑے واضح ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو پرندوں کا خالق کہنے سے شرک کا ارتکاب ہوا تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ شرک کا مرتکب کون ہو رہا ہے؟ جبکہ خالق کائنات نے خود قرآن مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزاتی عمل تخلیق کی تائید فرمائی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں مٹی سے پرندوں کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف کرتا ہوں تو ایسے میں شرک اور توحید میں فرق کی توضیح توجیہہ کیا ہوسکتی ہے؟ کیا ایسی صورت میں شرک سے بچنے کی کوئی سبیل ہے؟ ہاں ہے وہ یہ کہ اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا یا دعویٰ ہوا اس کو شرک سے پاک رکھنے اور اس کو تابع توحید بنانے کا ایک ہی طریقہ اور کلمہ ہے اور وہ ہے بِاِذْنِ اللہ یعنی اللہ کے اذن سے۔ اس طرح وہ چیز جو بادی النظر میں ناممکن اور توحید کے منافی ہے ممکن اور عین توحید ہو جاتی ہے۔

اس ضمن میں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھوں پرندے پیدا کرنے کے عمل میں یہ پانچ الفاظ اس ترتیب سے بیان ہوئے یعنی:

۱۔ اَخْلُقُ ۲۔ فَاَنْفُخُ ۳۔ اُبْرِئُ

۴۔ اُحْيِ ۵۔ اُنَبِّئُکُمْ

قرآن حکیم میں کئی جگہ اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ ان الفاظ کو شرک سے

کس چیز نے محفوظ رکھا ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان پانچوں الفاظ کے سیاق و سباق سے بِاِذْنِ اللہ ہٹا دیں تو یہ شرک ہو گا۔ کیا کوئی یہ کہنے کی جسارت کرسکتا ہے کہ اللہ رب العزت شرک کو اپنے قرآن کا مضمون بنا کر معاذ اللہ شرک کی تعلیم خود اپنے پیغمبر کی زبان سے دے رہا ہے؟ جبکہ پیغمبر تو آتے ہی توحید سکھانے کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام قرآن مجید بھی سراسر توحید پر مبنی ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بھی ہرگز شرک نہیں بلکہ یہ بھی دراصل توحید پر لوگوں کا ایمان مضبوط کرنے کے لئے رونما ہوا۔ اس لئے یہ بھی عملِ توحید ہے اور اسے توحید بنانے والے ''**باذن اللہ**'' کے الفاظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت کسی عمل میں شامل ہوگئی تو یہ ساری چیزیں تابع توحید ہو گئیں۔

نوازشات وعنایاتِ الٰہیہ کو اللہ کی عطا کہنا شرک نہیں

یہاں یہ بات بڑی قابلِ غور ہے کہ آیت مذکورہ بالا کے کلمات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بالصراحت ان امور کی نسبت اپنی طرف کی اور اپنے لئے **خالق، نافخ، باری، خالق الموت** اور **خالق الحیات** کی صفات بیان کیں، حالانکہ ان افعال کا فاعلِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ''**باذن اللہ**'' کے کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہو کر ظاہری الفاظ اور معانی سے قطع نظر توحید قرار پایا اسی طرح سرورِ کائنات نبیِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بھی توحید قرار پائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو پوری زندگی معجزہ ہے۔ جب ''**بِاِذْنِ اللہ**'' کی شق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو شرک نہیں رہنے دیا اور یہ مضمون توحید پر مبنی ہو گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ کا بیان کیسے شرک سے تعبیر ہوسکتا ہے؟ ہم اللہ رب العزت کے نبی پیغمبر اور ولی کے بارے میں خلاف واقعہ کوئی چیز بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ان سے صادر ہوتا ہے وہ ''**بِاِذْنِ اللہ**'' ہی ہوتا ہے وہ کسی چیز کے ذاتی مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ یہی عقیدہ قاطعِ شرک ہے کیونکہ باذن اللہ نوازشات وعنایاتِ الٰہیہ کو اللہ کی عطا کہنا ہرگز شرک نہیں۔ البتہ الفاظ کے حقیقی اور استعاراتی مفہوم میں فرق اور تمیز روا رکھنی بہرحال ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تخلیق کی قدرتِ

کاملہ کو اس کے بندوں سے منسوب کرنے کے نتیجے میں توحید اور شرک کا بیان خلط مبحث ہو کر رہ جائے گا۔

معنی و اطلاق کی تبدیلی سے شرک باقی نہیں رہتا

اظہار کے دو مختلف طریقے ہیں اور وہ دونوں قرآن مجید میں مذکور ہیں جن میں پہلا حقیقی اور دوسرا مجازی مفہوم کا حامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی صفت اور خصوصیت کی درجہ بندی کرتے ہوئے بعض صفات و خصوصیات کو حقیقی اور بعض کو استعاراتی معنوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اوّل الذکر خصوصی اور امتیازی صفات ہیں جبکہ مؤخر الذکر محض استعاراتی و مجازی مفہوم رکھتی ہیں۔ شرک کی نفی اور توحید کا تحقق و اثبات تبھی ممکن ہے اگر امتیازی اور خصوصی صفت میں حقیقی اعتبار سے خالق کے ساتھ کسی اور کا اشتراک نہ مانا جائے۔

ان صفات و خصوصیات کے حوالے سے جو اللہ رب العزت نے انبیاء و رسل اور مخلوق میں قدرِ مشترک کے طور پر پیدا کی ہیں الفاظ، تصورات اور جملوں کے استعمالِ عام کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں: جیسے لفظِ شہید اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے بھی۔ رؤوف، رحیم اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے اور اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کے لئے بھی اور سمیع بصیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور انسان کے لئے بھی۔ ان مثالوں کے قرآنی حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ مخلوق کے لئے ان خصوصیات اور اختیارات کا استعمال مجازی اور استعاراتی مفہوم میں لیا گیا ہے اور وہ جائز ہے البتہ اگر یہی خصوصیات و صفات اور امتیازات اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں تو وہ حقیقی مفہوم میں ہوں گی نہ کہ مجازی مفہوم میں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معنی اور اطلاق کی تبدیلی سے شرک کا امکان باقی نہیں رہتا۔

مظاہرِ توحید و شرک میں دو کلیدی صفات

خالق اور مخلوق کے درمیان اشتراکِ صفات کے حوالے سے توحید و شرک کے تمام تر مظاہر کو سمجھنے کے لئے دو فنی اور تکنیکی چیزیں کلیدی درجہ رکھتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی صفت کا امتیاز و اختصاص حقیقی، مستقل اور غیر متبدل صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے مانا

جائے دوسری یہ کہ اس امتیاز و اختصاص میں اشتراک کومخلوق کے لئے مجازی، فانی اور متبدل معانی کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ یہی دو امکانات ہیں، ان کے سوا کوئی تیسرا امکان نہیں۔ ان کلیدی صفات کا فہم توحید اور شرک کے فرق کو سمجھنے کے لئے بنیادی تقاضا ہے۔ اس فرق کو خالق اور مخلوق کے درمیان ملحوظ رکھا جائے تو توحید باری تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ماننا خارج از امکان ہو جائے گا۔ توحید اور شرک دونوں الگ الگ اور واضح تر ہوجائیں گے دونوں کو سمجھنے میں کوئی شک وشبہ اور التباس واقع نہیں ہو سکے گا۔

میلاد اور عرس منانا نفی شرک کا اعلان ہے

مندرجہ بالا اصول کے تحت حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد اور کسی بزرگ کا عرس منانا نفی شرک اور اعلانِ توحید ہے۔ اگر اس بات کا کوئی امکان حیطۂ خیال میں ہوتا کہ کوئی متنفس بغیر پیدا ہوئے اس دنیائے رنگ و بو میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوسکتا ہے تو وہ وجود حضور ختمی مرتبت ﷺ کا ہوتا لیکن جب ہم اعلانیہ ببانگ دہل حضور ﷺ کا میلاد مناتے ہیں تو پھر شرک کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔ حضور ﷺ مخلوق میں بلند ترین ہستی ہیں لیکن خدا نہیں پس آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کا جشن منانا توحید باری تعالیٰ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کا عُرس منانا بھی اِس امر کا واضح اظہار کرنا ہے۔ کہ وہ مخلوق ہیں، پیدا ہوتے ہیں اور وصال فرماتے ہیں اس لیے خالق نہیں ہیں۔ کیونکہ صفتِ خالقیت کا ان پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

باب پنجم

توحید فی الاُلوہیت

اور

شرک فی الاُلوہیت

۱۔توحید فی العبادت	• شرک فی العبادت
۲۔توحید فی القدرت	• شرک فی القدرت
۳۔توحید فی الدعا	• شرک فی الدعا
۴۔توحید فی العلم	• شرک فی العلم

www.MinhajBooks.com

توحید فی الالُوہیت

علمائے عقائد نے توحید فی الالُوہیت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

هو استحقاقُه سبحانه و تعالى أن يُعبَد وحدَه لا شريکَ له. [1]

’’یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خصوصی استحقاق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک نہیں۔‘‘

اس کی وضاحت مزید یوں کی گئی ہے:

هو إفراد الله ﷻ بجميع أنواع العبادة الظاهرة و الباطنة قولًا و عملاً، و نفي العبادة عن كل ما سوى الله تعالى كائناً من كان. [2]

’’توحیدِ اُلوہیت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہری و باطنی قولی اور فعلی جملہ عبادات میں یکتا ہونا۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہر ایک چیز کی عبادت کی نفی کی جائے۔‘‘

توحید فی الاُلوہیت کو توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اسی کی ذات اِس قابل اور لائق ہے کہ اِس کی عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ

---

(۱) ابن ابی العز الدمشقی، شرح العقيدة الطحاوية، ۱:۱۲۵

(۲) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۱

تَتَّقُوْنَo(۱)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو تم سے پیشتر تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤo''

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَo(۲)

''کیا تم واقعی اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود (بھی) ہیں؟ آپ فرما دیں: میں (تو اس غلط بات کی) گواہی نہیں دیتا، فرما دیجئے: بس معبود تو وہی ایک ہی ہے اور میں ان (سب) چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہوo''

۳۔ سورۃ الانعام میں ایک اور مقام پر فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَo(۳)

''(ان سے) فرما دیجئے کہ تم یہ تو بتاؤ اگر اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مُہر لگا دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ایسا ہے جو یہ (نعمتیں دوبارہ) تمہارے پاس لے آئے؟ دیکھئے ہم کس طرح گوناگوں آیتیں بیان کرتے ہیں۔ پھر (بھی) وہ روگردانی کئے جاتے ہیںo''

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرة، ۲: ۲۱

(۲) الأنعام، ۶: ۱۹

(۳) الأنعام، ۶: ۴۶

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا:

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○[۱]

''اور (مشرکین) اللہ کے سوا ان (بتوں) کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور (اپنی باطل پوجا کے جواز میں) کہتے ہیں کہ یہ (بت) اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں، فرما دیجئے: کیا تم اللہ کو اس (شفاعتِ اصنام کے من گھڑت) مفروضہ سے آگاہ کر رہے ہو جس (کے وجود) کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں (یعنی اس کی بارگاہ میں کسی بت کا سفارش کرنا اس کے علم میں نہیں ہے)۔ اس کی ذات پاک ہے اور وہ ان سب چیزوں سے بلند و بالا ہے جنہیں یہ (اس کا) شریک گردانتے ہیں○''

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ج اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ○[۲]

''اور اللہ نے فرمایا ہے تم دو معبود مت بناؤ، بیشک وہی (اللہ) معبودِ یکتا ہے، اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو○''

۶۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا○[۳]

(۱) یونس، ۱۰: ۱۸
(۲) النحل، ۱۶: ۵۱
(۳) الإسراء، ۱۷: ۳۹

’’(اے انسان!) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا (ورنہ) تو ملامت زدہ (اور اللہ کی رحمت سے) دھتکارا ہوا ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گاo‘‘

۷۔ سورۃ الاسراء میں ہی ایک اور مقام پر فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًاo(۱)

’’فرما دیجئے: اگر اس کے ساتھ کچھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ (کفار و مشرکین) کہتے ہیں تو وہ (مل کر) مالکِ عرش تک پہنچنے (یعنی اس کے نظام اقتدار میں دخل اندازی کرنے) کا کوئی راستہ ضرور تلاش کر لیتےo‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں ارشاد فرمایا:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَo(۲)

’’اللہ نے (اپنے لئے) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو ضرور (الگ) لے جاتا اور یقیناً وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرتے (اور پوری کائنات میں فساد بپا ہو جاتا)۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیںo‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo(۳)

’’اور تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے (خودساختہ) معبود کو نہ پوجا کرو، اس کے سوا

(۱) الإسراء، ۱۷: ۴۲

(۲) المؤمنون، ۲۳: ۹۱

(۳) القصص، ۲۸: ۸۸

کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، حکم اسی کا ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے o‘‘

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسٓ میں ارشاد فرمایا:

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّ لَا يُنْقِذُوْنِ o اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ o اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِo(۱)

’’اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گےo کیا میں اس (اللہ) کو چھوڑ کر ایسے معبود بنالوں کہ اگر خدائے رحمان مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ مجھے اُن کی سفارش کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیںo بے شک تب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گاo بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں، سو تم مجھے (غور سے) سنوo‘‘

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ صٓ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ق وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُo رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُo(۲)

’’فرما دیجئے، میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا سب پر غالب ہےo آسمانوں اور زمین کا اور جو کائنات اِن دونوں کے درمیان ہے (سب) کا رب ہے بڑی عزت والا، بڑا بخشنے والا ہےo‘‘

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل میں ارشاد فرمایا:

(۱) یس، ۳۶:۲۲۔۲۵

(۲) ص، ۳۸:۶۵۔۶۶

وَ اذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًاo رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَ کِيْلًاo[۱]

’’اور آپ اپنے رب کے نام کا ذِکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہیںo وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو اُسی کو (اپنا) کارساز بنا لیںo‘‘

مطالعۂ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بالکل منکر نہیں تھے بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کو ایک اور سب سے بالا و برتر ہستی مانتے تھے مگر ان کا شرک توحید فی الالوہیت کے باب میں تھا اسی بناء پر ان کے ہاں عقیدۂ توحید کے باب میں خرابی، توحیدِ ربوبیت کی نسبت توحیدِ الوہیت میں زیادہ تھی۔ قبل از اسلام یہود اور دیگر مشرکین عرب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کی طرح اپنے بتوں کو مختلف قبائل سے منسوب کر کے اس کی پوجا کرتے تھے۔ کچھ لوگ تو قبروں کو براہ راست سجدہ کرتے اور بعض قبائل ان قبروں کے اوپر اس مدفون کا بت یا ان کی تصاویر بنا کر رکھ لیتے اور اس کو سجدہ کرتے تھے۔ سجدہ کرتے ہوئے ان کا تصور یہی ہوتا تھا کہ یہ بت اور مدفون شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع ہیں۔ ان کا یہی عمل دراصل شرک فی الاُلوہیت تھا۔

امام بخاری نے ان کے اس مشرکانہ عمل کو اس طرح روایت کیا ہے۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے متعلق فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.[۲]

(۱) المزمل، ۷۳: ۸۔ ۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مکانها مساجدا، ۱: ۱۶۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور و اتخاذ الصور، ۱: ۳۷۶، رقم: ۵۲۹

’اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجود بنا لیا تھا (یعنی وہ براہِ راست قبروں کی عبادت کرتے تھے)۔‘‘

۲۔ اس طرح ایک اور روایت میں ان کے اس مشرکانہ رجحان اور وطیرہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید واضح فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ وَ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

’’حضرت اُمِ حبیبہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں بت اور مورتیاں تھیں، پس انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس میں اس کی مورتی بنا لیتے۔ وہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ، أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَ أَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَ أَمَّا يَغُوثُ كَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ عِنْدَ سَبَإٍ، وَ أَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَ أَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الْكَلَاعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِن قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجدا، ۱:۱۶۵، رقم: ۴۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور و اتخاذ الصور، ۱:۳۷۵، رقم: ۵۲۸

الشَّیُطَانُ إِلَی قَوُمِهِمُ أَنِ انُصِبُوا إِلَی مَجَالِسِهِمُ الَّتِي کَانُوا یَجُلِسُوُنَ أَنُصَابًا وَ سَمُّوهَا بِأَسُمَاءِهِمُ فَفَعَلُوا فَلَمُ تُعُبَدُ حَتَّی إِذَا هَلَکَ أُولٰئِکَ وَ تَنَسَّخَ الُعِلُمُ عُبِدَتُ.(۱)

’’جو بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے وہی بعد میں اہل عرب نے اپنے معبود بنا لئے۔ **ود** بنی کلب کا بت تھا جو دومۃ الجندل کے مقام پر رکھا ہوا تھا۔**سواع** بنی ہذیل کا بت تھا، **یغوث** بنی مراد کا بت تھا، پھر یہی بنی غطیف کا بھی الٰہ بن گیا جو سبا کے پاس جوف میں تھا۔ **یعوق** قبیلہ ہمدان کا اور**نسر** ذی الکلاع کی آلِ حمیر کا بت تھا۔ یہ حضرت نوح کی قوم کے نیک آدمیوں کے نام ہیں جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن جگہوں پر وہ اللہ والے بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنا کر رکھ دو اور ان بتوں کے نام بھی ان صالحین کے نام پر ہی رکھ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا کر دیا لیکن ان کی پوجا نہیں کرتے تھے جب وہ لوگ دنیا سے چلے گئے اور علم بھی کم ہو گیا تو ان کی پوجا و پرستش ہونے لگ گئی۔‘‘

مندرجہ بالا تینوں روایات سے درجِ ذیل امور واضح ہوئے:

۱۔ مشرکین نے پہلے زمانوں کے انبیاء و صالحین کی قبور کو ہی مسجود یا مسجود الیہ بنا لیا تھا۔ اور وہ ان کی عبادت کرتے تھے۔ یہ مشرکینِ یہود و نصاریٰ کا معمول تھا، کہ وہ ان قبروں کو سجدہ بھی کرتے تھے، اپنی نمازوں میں انہیں قبلۂ توجہ بھی بناتے تھے اور انہیں اپنا معبود بھی تصور کرتے تھے۔ ان تینوں امور کی تصریح حدیث البخاری: ۴۲۷ کی شرح میں امام عسقلانی اور امام عینی نے کی ہے۔ اور اسے سب نے امام بیضاویؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

۲۔ عیسائی مشرکین نے اپنے کنیساؤں میں بھی (جو کہ انکی عبادت گاہیں تھیں)

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ودًا ولا سواعًا ولا یغوث ولا یعوق، ۴:۱۸۷۳، رقم: ۴۶۳۶

صالحین سے منسوب بت رکھے ہوئے تھے، جنکی وہ عبادت کرتے اور تعظیم بھی کرتے مستزاد یہ کہ ان کی قبروں اور بتوں کو اپنا معبود (آلھہ) تصور کرتے تھے۔

۳۔ مشرکینِ مکہ کے مختلف قبائل نے بھی کعبۃ اللہ کے اردگرد اور دیگر مقامات پر انہیں بتوں کے نام پر ''تھان'' (چبوترے) بنا رکھے تھے۔ ان پر بسا اوقات انہیں جھوٹے خداؤں (آلھہ) کے بت بھی نصب ہوتے اور وہ انہی چبوتروں پر ان بتوں کے لئے جانور بھی ان کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے تھے، جسے قرآن مجید میں ''وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ'' کہا گیا ہے۔

۴۔ وہ مشرکین، ذبح کے بعد انہی چبوتروں پر ان جانوروں کے خون بھی ان بتوں کی عبادت اور تقرّب کی نیت سے مَل دیتے تھے۔

۵۔ وہ اس خود ساختہ مشرکانہ عبادت کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

ان تمام مشرکانہ امور کو قرآن و حدیث کے ذریعے رد کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا حدیث کے ان الفاظ ''اتخذوا قبور انبیاء هم مساجدا'' سے تمام محدثین اور شارحین نے بلا اختلاف یہ مراد لیا ہے:

مفاد الحديث منع إتخاذِ القبر مسجداً، ومدلول الترجمة إتخاذِ المسجد على القبر. (۱)

یعنی حدیث کا مفاد قبر کو مسجود بنانے سے منع کرنا ہے، اور ترجمۃ الباب کا مدلول مسجد کا قبر کے اوپر بنانے سے منع کرنا ہے تا کہ قبر، نہ تو معبود اور مسجود لہ بنائی جائے، اور نہ ہی مسجود الیہ بنائی جائے۔ یہی وضاحت امام کرمانی، امام عینی اور دیگر سب ائمہ نے کی ہے۔ اسی کی تصریح امام قرطبیؒ نے شرح صحیح مسلم میں بھی کی ہے، قرطبی روایتِ صحیح مسلم ''لا تصلوا الی القبور'' کی توضیح میں لکھتے ہیں: أی لا تتخذوها قبلة. (۲) ''یعنی قبور کو

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۲۰۱

(۲) قرطبی، المفہم، ۲: ۶۲۸

قبلہ نہ بناؤ۔‘‘

یہی معنی امام سیوطی نے **مرقاۃ الصعود** میں بیان کیا ہے:

المعنی أنھم کانوا یسجدون إلی قبورھم.

’’اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی قبور کو سجدہ کیا کرتے تھے۔‘‘

پھر بیان کرتے ہیں:

وقیل: النھی عن السجود علی قبور الأنبیاء، وقیل: النھی عن اتخاذھا قبلۃً یصلی إلیه.

’’یہ کہا گیا ہے کہ نہی اس امر کی ہے کہ انبیاء کی قبور پر سجدہ نہ کیا جاے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں قبلۂ نماز نہ بنایا جائے یعنی ان کی سمت منہ کرکے نماز نہ پڑھی جائے۔‘‘

ملّا علی القاری نے ’’الأوجز‘‘ میں بھی یہی لکھا ہے:

سبب لعنھم إما لأنّھم کانوا یسجدون لقبور أنبیائھم تعظیمًا لھم ...... وإما التوجه الی قبورھم حالة الصلاة.

’’یہود و نصاریٰ پر لعنت کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی قبور کو ان کی تعظیم کی خاطر سجدہ کرتے تھے اور یا یہ تھا کہ وہ حالتِ نماز میں ان قبور کی طرف چہرہ کرتے تھے۔‘‘

ان تمام امور سے نہ تو انبیا و صالحین کے مزاراتِ مقدّسہ کی زیارت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے قرب و جوار سے حصولِ برکت کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اسکے برعکس صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرح میں امام عسقلانی اور امام عینی سمیت سب نے تصریح کی ہے:

فأمّا من اتّخذ مسجدًا فی جوار صالحٍ، وقصد التبرک بالقرب منه، لا التعظیم له و لا التوجه نحوه فلا یدخل فی ذالک الوعید. (۱)

’’پس اگر کسی نے اولیاء و صالحین کے مزار کے قریب مسجد بنائی اور اس کے قرب سے حصول برکت کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ تعمیر مسجد قبر کی تعظیم یا اسے قبلۂ توجہ بنانے کے لئے نہ ہو، سو ایسا عمل اس ممانعت میں داخل نہیں ہوتا۔‘‘

یہی جواز قاضی البیضاویؒ نے بیان کیا ہے۔ اسی کو امام الطیبیؒ نے بھی وضاحۃً بیان کیا ہے۔ اسی قول کو تائیدًا علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی ’’فیض الباری‘‘ میں متذکرہ حدیث کے تحت بیان کیا ہے۔ بلکہ اختتام پر یہ کلمات بھی نقل کئے ہیں۔

فلا بأس به و یُرجی فیه النفع ایضًا. (۲)

’’اس میں (یعنی مزارات اولیاء و صالحین کے قرب میں مسجد بنانا اور اس سے تبرک کرنا یعنی حصولِ برکت کا ارادہ کرنا جائز ہے۔ اس میں) کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے نفع و فیض کی اُمید بھی رکھنی چاہیئے۔‘‘

حتی کہ قاضی بیضاوی کے اس قولِ جواز کو اور مذکورہ بالا ساری تفصیل کو علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی فتح الملھم بشرح صحیح الإمام مسلم میں بیان کیا ہے۔(۳) رہ گئی قبورِ صالحین کی زیارت تو یہ خود سنت ہے۔ جس کی تصریح امام عسقلانی نے ’’فتح الباری‘‘ میں کی ہے اور بنیاد اس کی احادیثِ صحیحہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کا حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا عمل ہے اور ان کی قبور مقدسہ کے پاس

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۲۵
۲۔ عینی، عمدۃ القاری، ۴: ۱۷۴

(۲) انور شاہ کشمیری، فیض الباری، ۲: ۵۸

(۳) شبیر احمد عثمانی، فتح الملھم، ۳: ۳۵۴، ۳۵۵

کھڑے ہو کر دعا کرنا بھی جائز ہے۔ جس کی تائید امام شافعی، امام ابن حبان، امام ابن ابی حاتم الرازی، خطیب بغدادی، امام ابن عساکر، امام ذہبی، امام نووی، امام سخاوی، امام ابن حجر، حافظ ابن کثیر، امام سیوطی سے لیکر امام ابن عابدین رضی اللہ عنہم تک سب ائمہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کی تصریحات سے ملتی ہے۔

آج جو لوگ مزاراتِ انبیاء و اولیاء کی تعظیم کو شرک کے زمرے میں شامل کرتے ہیں اور مزارات پر حاضری کو خلافِ توحید سمجھتے ہیں انہیں دراصل مشرکین کے اسی عمل سے مغالطہ ہوتا ہے حالانکہ مشرکین کا عمل مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر واضح اور صریح شرک تھا۔ ان دونوں افعال میں بعد المشرقین ہے۔ دونوں کو ایک جیسا سمجھنے سے قبل ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ شرک کا اطلاق کرتے ہوئے اس کی حقیقت اور تاریخ کو ملحوظ رکھا کریں۔ توسل تعظیم اور عبادت میں واضح فرق کو سامنے رکھے بغیر فتوی لگانے سے ہی فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

اہلِ اسلام کا عمل اس سے بالکل برعکس ہے۔ مسلمان مزارات پر صرف اس لیے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی قربت، محبت اور اطاعت کی وجہ سے قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں پر کسی ولی کا بت اور مورتی بنائی جاتی ہے، نہ اس کی پوجا پاٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی چبوترے پر جانور ذبح کر کے خون ملا جاتا ہے۔ الغرض اسبابِ شرک میں کوئی سبب اہلِ اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ رہا قبروں کا احترام کرنا اور ان پر دعا و توسل کے لئے جانا تو یہ نصِ حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا.(۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، باب استئذان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربه عزوجل فی زيارة قبر أمه، ۲: ۶۷۲، رقم: ۹۷۷

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب الجنائز عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی الرخصة فی زيارة القبور، ۳،۴: ۳۷۰، رقم: ۱۰۵۴ و زاد: (فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْآخِرَةَ)

۳۔ ابوداود، السنن، كتاب الجنائز، باب فی زيارة القبور، ۳: ۲۱۸، رقم: ۳۲۳۵

’’میں تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا، پس اب زیارت کیا کرو۔‘‘

اہلِ اسلام صالحین کی قبور پر نہ تو مشرکین کی طرح جانور ذبح کرتے ہیں نہ ان کی عبادت کرتے ہیں نہ وہاں بت رکھے ہوئے ہیں نہ ان کے مجسمے اور نہ انہیں سجدہ کیا جاتا ہے اور نہ اُن سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ بلکہ فرمانِ رسالت ﷺ کی روشنی میں ان کی حاضری کا مقصد صرف اور صرف اصلاحِ احوال اور تذکیرِ آخرت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ان سے حصول برکت اور ان کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی جاتی ہے سو ان میں کوئی عمل بھی نہ تو شرک کے زمرے میں آتا ہے، نہ بدعت کے، اور نہ ہی ممانعت و کراہت کے، یہ سب امور یا تو سنت ہیں، یا مستحسن اور جائز ہیں۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث ما اُھِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِہٖ کے باب میں آ رہی ہے۔ آئندہ فصلوں میں توحید فی الاُلوہیت اور شرک فی الاُلوہیت کی اقسام پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

فصل اوّل

توحید فی العبادت

اور

شرک فی العبادت

www.MinhajBooks.com

توحید فی العبادت

عبادت میں توحید اور شرک کی حقیقت متعیّن کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے عبادت کے حقیقی مفہوم کو سمجھا جائے۔ مفہومِ عبادت اور تصورِ عبادت سمجھنے میں بعض لوگوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ بہت سے دوسرے تصورات کو عبادت کے ساتھ گڈ مڈ اور خلط ملط کر دیا گیا ہے اور بعض ظاہری مماثلت رکھنے والی چیزوں کی بنیاد پر بہت سی ایسی چیزوں کو عبادت سمجھ لیا گیا ہے جو درحقیقت عبادت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کا تصور ہی غلط مراد لے لیا جائے تو پھر اس سے حاصل کردہ اور اخذ کردہ نتائج بھی درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے یہ ایک اصولی بات ہے کہ محض غلط تصور کی بنیاد پر شرک کا فتویٰ صادر کر دینا درست نہیں۔ صحیح فہمِ دین کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کی شرح و تعبیر اور اس کے صحیح اطلاق کو سمجھا جائے۔ بصورتِ دیگر غلط تصور کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی غلط اور اس کی بنیاد پر لگائے گئے فتویٰ کا حکم بھی غلط ہوگا اور پھر ایسا فہم دین بھی یقیناً غلط ہوگا کیونکہ سرے سے بنیاد ہی غلط ہے۔ لٰہذا ضروری ہے کہ تمام شرعی اور مذہبی معاملات پر بحث اور فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے صحیح تصور کو سمجھا جائے۔

عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو سکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تعظیم کی اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ ترین مقام پر ہے۔ عبادت بندے کی طرف سے اس عظیم ترین ذات کے لئے بغایت درجہ ادب و تعظیم، خاکساری اور عجز و تذلل کی آئینہ دار ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے۔ یہ چیز اس امر کی متقاضی ہے

کہ صرف اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

جمہور مفسرین کا نقطۂ نظر

کسی عقیدہ اور مکتبِ فکر کے مسلمہ مفسرین اور اجل ائمہ لغت و ادب کے درمیان عبادت کی تعریف کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا عبادت کے صحیح تصور اور درست معنی و مفہوم سمجھنے کے لئے ان ائمہ و مفسرین کی تشریحات و تعبیرات ماننا ازبس ضروری ہے۔ اکثر مفسرینِ کرام نے سورہ فاتحہ کی آیت ''اِیَّا کَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کے ذیل میں عبادت کی تعریف بیان کرتے ہوئے 'غایت الخضوع و التذلل' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، چند معروف مفسرین کی تعریفات درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والعبادة غاية التذلل من العبد و نهاية التعظيم للرب سبحانه و تعالٰى لانه العظيم المستحق للعبادة ولا تستعمل العبادة إلا فى الخضوع لله تعالٰى لانه مولى أعظم النعم. (۱)

''اور عبادت بندے کی طرف سے عجز و انکساری کی بلند ترین کیفیت اور رب تعالیٰ کے لئے تعظیم کے بلند ترین درجے کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، اور عبادت کا لفظ فقط اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عظیم ترین نعمتوں کا مالک ہے۔''

۲۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إن العبادة عبارة عن نهاية التعظيم. (۲)

''عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت سے عبارت ہے۔''

---

(۱) خازن، تفسیر الخازن، ۱: ۱۷

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۱: ۲۴۲

۳۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و العبادة الطاعة مع التذلل والخضوع.(۱)

”عبادت، عاجزی اور انکساری کے ساتھ اطاعت بجا لانے کا نام ہے۔“

۴۔ امام زمخشری لکھتے ہیں:

والعبادة أقصى غاية الخضوع والتذلل.(۲)

”عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔“

۵۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وفي الشرع عبارة عما يجمع كمال المحبة والخضوع والخوف.(۳)

”شریعت کی رو سے عبادت محبت و تعظیم اور خوف کی انتہائی حالتوں کا مجموعہ ہے۔“

۶۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وهي أقصى غاية الخضوع والتذلل.(۴)

”عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔“

۷۔ امام شوکانی کے نزدیک:

والعبادة أقصى غايات الخضوع والتذلل.(۵)

---

(۱) بغوی، معالم التنزیل، ۱:۴۱
(۲) زمخشری، الکشاف، ۱:۱۳
(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۲۵
(۴) نسفی، مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ۱:۵
(۵) شوکانی، فتح القدیر، ۱:۲۲

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جن کا شمار برصغیر کے اجل علماء میں ہوتا ہے بہت بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مفسرِ قرآن بھی تھے۔ ان کی تفسیر ’’المظہری‘‘ سند کا درجہ رکھتی ہے۔ عبادت کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے بھی وہی لفظ استعمال کئے ہیں جن میں عبادت کا صحیح تصور مذکور ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والعبادة أقصى الخضوع والتذلل. (۱)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۹۔ امام محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والعبادة أعلى مراتب الخضوع. (۲)

’’عبادت، تعظیم کے عمل کی بلند ترین کیفیت کو کہتے ہیں۔‘‘

۱۰۔ امام ابو سعود لکھتے ہیں:

والعبادة أقصى غاية التذلل والخضوع. (۳)

’’عبادت، عاجزی اور انکساری کی بلند ترین کیفیت کا نام ہے۔‘‘

۱۱۔ لغتِ قرآن کے امام، امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

العبودية: اظهارُ التَّذَلُّلِ، وَالْعِبَادَة أبلغ مِنهَا، لانها غايةُ التذَلُّل. (۴)

’’عبودیت (بندگی) سے مراد عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے لیکن عبادت کا

(۱) ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر المظہری، ۱: ۹

(۲) آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۱: ۸۶

(۳) أبو سعود العمادی، تفسیر أبی سعود، ۱: ۱۶

(۴) راغب اصفہانی، المفردات: ۵۴۲

درجہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبادت عاجزی کی انتہائی کیفیت کا نام ہے۔‘‘

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی تعریف میں عبد کا لفظ لائے ہیں جو دو معنوں میں استعمال کیا گیا ہے:

۱۔ غلام ۲۔ انسان، بندہ

عبودیہ غلامی کو کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عبودیہ کی آخری ترقی یافتہ شکل عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبد کا لفظ بندگی اور عبادت کے معنی میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور شخص اپنے نوکر اور خدمت گار کے لئے استعمال نہیں کرسکتا۔ یعنی کوئی شخص اپنے غلام اور خدمت گزار کو یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ وہ عبد ہے اور میری عبادت کرتا ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اپنے غلام کو مجازی معنی میں عبد تو کہہ سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا مالک تو ہے، لیکن جو خدمت وہ اس کے لئے سرانجام دیتا ہے عبادت نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

۱۲۔ امام طبرسی لکھتے ہیں:

والعبادة ضرب من الشكر و غاية فيه لأنها الخضوع بأعلى مراتب الخضوع مع التعظيم بأعلى مراتب التعظيم ......(۱)

’’عبادت شکر کی ایک قسم ہے اور اس کے انتہائی درجے کا نام ہے کیونکہ عبادت عاجزی و تعظیم کے بلند ترین مراتب میں سے ایک ہے۔‘‘

مذکورہ بالا تعریفات میں اَقصیٰ مضاف اور **غاية الخضوع والتذلل** مضاف الیہ ہے پس ’’**أقصى غاية الخضوع والتذلل**‘‘ کا معنی عجز و تذلل اور انکسار و تعظیم کا انتہائی درجہ ہے۔ امام شوکانی نے غایات کا لفظ استعمال کیا ہے جو غایۃ کی جمع ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ’عبادت‘ عجز و انکساری کی بلند ترین کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے۔ پس عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس عمل میں عاجزی و انکساری کی بلند ترین کیفیت کے

(۱) طبرسی، مجمع البیان، ۱:۲٦

ساتھ تعظیم کا انتہائی درجہ شامل ہو۔ اس کے علاوہ ایسے عمل کو جو اس سے کم تر درجے میں ہو اُسے عبادت تصور نہیں کیا جا سکتا۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں غیر مقلدین بھی امام مانتے ہیں) نے بھی دیگر مفسرین کی طرح تعظیم کی بلند ترین سطح کو عبادت قرار دیا ہے اور بعض لوگوں کے ان نظریات اور دعووں کو رد کر دیا ہے جن کے مطابق محض ادب و احترام پر مبنی کوئی بھی عمل شرک قرار پاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد عاجزی، تذلل، خاکساری اور عجز و انکسار کا انتہائی درجہ ہوتا ہے اور وہ تعظیم جو محض ادب و احترام پر مشتمل ہو عبادت نہیں۔ عبادت کا مدِمقابل شرک ہے، ادب و احترام اور تعظیم پر مبنی کسی عمل کا شرک سے کوئی مقابلہ اور تضاد نہیں بلکہ تعظیم کا متضاد عمل بے ادبی، گستاخی اور توہین ہے۔

مشرکین کے شرک کی اصل وجہ

قرآن مجید کی وہ آیات جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے، ان کو خدا بنانے اور ان کو دعوائے ربوبیت میں خدا کا شریک بنانے کے واضح اقرار کا اعلان کرتی ہیں ان میں فقط عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو واسطہ بنانے یا کسی کا وہ ادب و احترام اور تعظیم جو درجۂ عبادت میں نہ ہو، اس حکم میں شامل نہیں۔ کفار و مشرکین بتوں کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ ہیں۔ پس اس وجہ سے ان کا یہ عقیدہ شرک ٹھہرا۔

وہ کہتے تھے ’’مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى‘‘ (الزمر، ۳۹:۳) ’’ہم ان (بتوں) کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔‘‘
یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدۂ تقرب کی واضح تکذیب کی ہے کیونکہ اگر وہ مشرکین اپنے اس قول میں صادق ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ

ان کے نزدیک ان بتوں سے زیادہ قابلِ تعظیم ہوتا اور وہ لوگ غیراللہ کی عبادت نہ کرتے۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ اسلام میں کسی کو تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے، اس تصور کو بت پرستی کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ توسل کی مشروعیت کے باعث مسلمان ہمارے بتوں کی عبادت کرنے کو نظرانداز کر دیں گے یا نرم گوشہ اختیار کر لیں گے۔ وہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ بتوں کی پوجا کرنے سے ہماری غرض و غایت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں۔ ان کے اس استدلال کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا کیونکہ شرک کو کسی بھی عمل اور نیت کے ذریعے پاک اور حلال نہیں کیا جا سکتا۔

مشرکین کے جھوٹ کی حقیقت

اللہ پاک نے مومنین کو کفار کے بتوں کو گالیاں دینے سے روکا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[(۱)]

”اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔“

اس آیتِ کریمہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے امام عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر طبری، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے ردِ عمل میں کفار بھی اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی اور مسلمانوں کو تاکیدی الفاظ میں ان جھوٹے معبودوں کے متعلق تنقیص کا کلمہ کہنے سے روک دیا۔ کیونکہ یہ بت پرست جن بتوں کے بارے میں صمیمِ قلب سے الٰہ ہونے اور نفع و ضرر کے مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے ان کے متعلق مسلمانوں کا کلمۂ تنقیص ان بت پرستوں کے غصہ کا سبب بنتا تھا۔ وہ مغلوب

(۱) الانعام، ۶:۱۰۸

الغضب ہو کر جواب میں مسلمانوں کے حقیقی الٰہ اور سچے رب کو برا کہنے لگتے تھے۔ بتوں کی تنقیص برداشت نہ کرنا اور اللہ رب العالمین کو برا بھلا کہنا انہوں نے اپنا شیوہ بنا لیا تھا ان کا یہ عمل دراصل ان کے اندر کا جھوٹ اور فریب تھا جس کے اظہار میں وہ طبعًا مجبور تھے۔ حالانکہ وہ دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت معبودِ حقیقی کی قربت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دجل کا پردہ چاک کیا۔ اگر وہ لوگ اپنے اس دعویٰ میں صادق ہوتے تو بتوں کو برا کہنے والوں سے انتقام و بدلہ لینے کی وجہ سے اللہ ﷻ کو برا کہنے کی جراٗت نہ کرتے چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا مرتبہ و مقام بتوں سے کم تھا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کرتے تھے اور ان بتوں کا احترام اللہ تعالیٰ کے احترام سے زیادہ کرتے تھے۔ متعدد آیاتِ قرآنی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ان مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مرتبہ ان بتوں سے کم تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○[1]

”انہوں نے اللہ کے لئے انہی (چیزوں) میں سے ایک حصہ مقرر کر لیا ہے جنہیں اس نے کھیتی اور مویشیوں میں پیدا فرمایا ہے پھر اپنے گمانِ (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے (خود ساختہ) شریکوں کے لئے ہے پھر جو (حصہ) ان کے شریکوں کے لئے ہے سو وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو (حصہ) اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے، (وہ) کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں○“

اگر ان کفار و مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مرتبہ ان معبودانِ باطلہ سے کم نہ ہوتا تو وہ ان کو اس طرح اللہ تعالیٰ پر ترجیح نہ دیتے جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے،

(۱) الانعام، ۶:۱۳۶

اسی بناء پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ''سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ'' (وہ کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں)۔

۳۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ ج وَ اِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ o(۱)

''اور جب تنہا اللہ ہی کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن لوگوں کے دل گھٹن اور کراہت کا شکار ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور جب اللہ کے سوا اُن بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے (جنہیں وہ پوجتے ہیں) تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں o''

تاریخی تناظر میں اس کی مثال قبولِ اسلام سے پہلے غزوۂ احد کے موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا وہ قول ''أَعْلُ ھُبَل'' ہے جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ جب لشکرِ کفار و مشرکین نے مؤمنین کو عارضی خسارے میں مبتلا کیا تو ابوسفیان نے اپنے بت ھُبل کی علویت کا نعرہ بلند کیا: ''أَعْلُ ھُبَل''۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کہا: اَللّٰہُ أَعْلٰی وَ أَجَلُّ (اللہ ہی سب سے بلند و برتر ہے)۔ یہ سن کر پھر ابوسفیان نے کہا: لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (ہمارے لئے عزیٰ بت ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں)۔ اس کے جواب میں پھر مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کہا: اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلٰی لَکُمْ (اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں)۔(۲)

اس بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مشرکین اگرچہ بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بناتے تھے مگر ان کا یہ بیان محض دھوکا فریب اور دجل تھا جسے قرآن نے کئی مقامات پر رد کر دیا اور ان کی بت پرستی کو شرک جیسے گناہ عظیم کے زمرے میں ہی رکھا۔

(۱) الزمر، ۳۹:۴۵

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد، ۴:۱۴۸۶، رقم: ۳۸۱۷

• شرک فی العبادت

عبادت بلا شرکتِ غیرے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اگر عبادت کا عمل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے انجام دیا جائے تو وہ شرک فی العبادت ہوگا اور اس کے مرتکب کو مشرک اور کافر قرار دیا جائے گا۔ تاہم اگر عملِ صالح کی کوئی ایسی صورت ہو جو نہ تو عبادت ہو اور نہ وہ اقسامِ توحید کے کسی اور درجہ پر ہو تو اس کے کرنے والے کو مشرک اور کافر نہیں گردانا جائے گا۔ یہ بہت نازک سا فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ذیل میں مختلف پہلوؤں کی روشنی میں اس کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

۱۔ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہے

عبادت کے لائق اور مستحق فقط اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں حقیقت و مجاز کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔[۱] لہٰذا عبادت کا کسی کے لئے مجازاً اثبات بھی شرک ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے واضح ہوتا ہے۔

۱۔ سورۂ ہود میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌo اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللهَ ط اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍo[۲]

”اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے ان سے کہا) میں تمہارے لئے کھلا ڈر سنانے والا (بن کر آیا) ہوں o کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں تم پر بڑے دن کے عذاب (کی آمد) کا خوف رکھتا ہوں o“

۲۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں فرمایا:

(۱) حقیقت اور مجاز کے قرآنی تصور پر مشتمل باب آگے آ رہا ہے۔

(۲) هود، ۱۱: ۲۵۔۲۶

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ.(۱)

’’فرما دیجئے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان سے (جھوٹے معبودوں) کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔‘‘

۲۔ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

اللہ رب العزت نے مظاہر فطرت کو اپنی قدرت کی نشانیاں قرار دیا اور ان کی عبادت سے منع فرمایا۔

۱۔ سورۃ النمل میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَO(۲)

’’میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے پایا ہے اور شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کے لئے خوب خوش نما بنا دیئے ہیں اور انہیں (توحید کی) راہ سے روک دیا ہے سو وہ ہدایت نہیں پا رہےO‘‘

۲۔ سورۃ حم السجدۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ط لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَO(۳)

’’اور رات اور دن اور سورج اور چاند اُس کی نشانیوں میں سے ہیں، نہ سورج کو سجدہ کیا کرو اور نہ ہی چاند کو، اور سجدہ صرف اللہ کے لئے کیا کرو جس نے ان (سب) کو پیدا فرمایا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہوO‘‘

(۱) الانعام، ۶:۵۶
(۲) النمل، ۲۷:۲۴
(۳) حم السجدۃ، ۴۱:۳۷

۳۔ غیر اللہ کو بطورِ معبود پکارنا شرک ہے

۱۔ ایک مقام پر توحیدِ اُلوہیت اور توحیدِ ربوبیت کے دلائل دینے کے بعد قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (۱)

''پس تم اللہ کے لئے شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم (حقیقت حال) جانتے ہو۔''

۲۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا. (۲)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔''

۳۔ اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اور تثلیث سے منع فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ. (۳)

''اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، (اس عقیدہ سے) باز آ جاؤ (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ بے شک اللہ ہی یکتا معبود ہے۔''

۴۔ حضرت ہُود علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید فی الالوہیت پر ایمان لانے اور شرک سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ (۴)

''اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں،

---

(۱) البقرۃ، ۲:۲۲

(۲) النساء، ۴:۳۶

(۳) النساء، ۴:۱۷۱

(۴) الاعراف، ۷:۶۵

کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے؟‘‘

۵۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (۱)

’’حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے، اسی نے حکم فرمایا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔‘‘

۶۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللهِ اِلٰهًا آخَرَ. (۲)

’’اور (اے انسان!) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا۔‘‘

۷۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور عبادت میں ہر قسم کی شرکت کو رد کیا ہے۔ اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (۳)

’’فرما دیجئے: میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں (اس کے سوا اور تمہاری مجھ سے کیا مناسبت ہے ذرا غور کرو) میری طرف وحی کی جاتی ہے (بھلا تم میں یہ نوری استعداد کہاں ہے کہ تم پر کلامِ الٰہی اتر سکے) وہ یہ کہ تمہارا معبود، معبودِ یکتا ہی ہے پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی

(۱) يوسف، ۱۲:۴۰

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷:۳۹

(۳) الکهف، ۱۸:۱۱۰

امید رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے o‘‘

اس آیتِ کریمہ میں شرک سے باز رہنے کا قطعی حکم دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں حکم دیا گیا کہ اے لوگو! اس کائناتِ ارضی و سماوی اور ان کے اندر پائی جانے والے ہر شئے کی تخلیق اور مالکیت میں کوئی اللہ رب العزت کا شریک نہیں۔ وہی رب حقیقی ہے۔ وہی اس چیز کا حق دار ہے کہ اس کے سامنے جبینِ نیاز جھکائی جائے پس تم پر لازم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

۸۔ سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًاo[1]

’’پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی پرستش مت کیا کروo‘‘

۹۔ وہ بدبخت جو ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معبودِ حقیقی کے سوا اور کسی کی عبادت کرتا ہے، اس کا انجام درج ذیل آیتِ مبارکہ میں بیان فرمایا گیا:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ لا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ لا فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَo[2]

’’اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش کرتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی سند نہیں ہے سو اس کا حساب اس کے رب ہی کے پاس ہے۔ بیشک کافر لوگ فلاح نہیں پائیں گےo‘‘

کسی کو واسطہ اور ذریعہ سمجھنا منافیٔ توحید نہیں

اللہ تعالیٰ کی ذات مستعانِ حقیقی ہے جبکہ انبیاء و اولیاء اور اہلِ علم و فن کو

(۱) الجن، ۷۲:۱۸

(۲) المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

''مستعانِ مجازی'' سمجھتے ہوئے ان سے مدد مانگنا عین توحید ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق روا رکھ کر استغاثہ کرنا شرعاً و عقلاً جائز ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی سے دعا کرنی چاہیے اور اسی کو مستعانِ حقیقی سمجھنا چاہیے۔ اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے اور مصائب و آلام میں اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔ کسی ماسوا اللہ کو حقیقی مددگار سمجھنا شرعاً جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی از خود کسی کو نہ کسی گناہ سے روک سکتا ہے نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔ انبیاء و اولیاء سے مجازاً مدد مانگی جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں لفظِ ''دُعا'' نداء کے معنی میں عام استعمال ہوا ہے اور کبھی نداء اور دعا باہم ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔

ایک دوسرے کی مدد و حمایت و نصرت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دیا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○ [1]

''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے○''

۴۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا عینِ توحید ہے

بعض لوگ عبادت اور تعظیم کے درمیان تشکیک اور غلط فہمی پیدا کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جب آپ اہل اللہ کی تعظیم بجالاتے ہیں تو یہ شرک فی العبادت کے زمرے میں آتا ہے حالانکہ عبادت کا صحیح معنٰی و مفہوم پچھلے صفحات میں ہم نے تفصیل سے واضح کر دیا ہے کہ عبادت کا درجہ اور حقیقت جدا ہے اور تعظیم کی تعریف اور درجہ الگ ہے۔ دونوں کا

(۱) المائدة، ۵: ۲

ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط ممکن نہیں۔

شرعاً عجز و انکساری اور تعظیم کے انتہائی درجے کا نام عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے قطعاً جائز نہیں جب کہ اللہ رب العزت کے کسی برگزیدہ بندے حتیٰ کہ ان سے منسوب اشیاء کا ادب و احترام اور تعظیم از روئے قرآن ایک جائز امر ہے۔

سورۂ حج میں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○(۱)

’’اور جو شخص اللہ کی نشانیوں (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسب وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) کی تعظیم کرتا ہے تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہ لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)○ تمہارے لئے ان (قربانی کے جانوروں) میں مقررہ مدت تک فوائد ہیں پھر انہیں قدیم گھر (خانہ کعبہ) کی طرف (ذبح کے لئے) پہنچنا ہے○‘‘

عبادت اور تعظیم پر مزید تفصیلات ’’کتاب التوحید جلد دوم‘‘ میں ملاحظہ کریں۔

۵۔ وسیلہ اختیار کرنا خود ردِّ شرک ہے

’’توسّل‘‘ ایک مستقل عنوان ہے جس پر ہماری علیحدہ کتاب بھی موجود ہے اور اس پر قدرے تفصیل سے بحث آئندہ جلد میں آ رہی ہے تاہم یہاں اتنا واضح کرنا ضروری ہے کہ توسل شرک نہیں بلکہ شرک سے انکار اور انحراف ہے کیونکہ شرک تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات کو مطلوب اور منتہائے مقصود ماننا ہے جبکہ وسیلہ شرک کے انکار سے عبارت ہے۔ جب اہلِ ایمان حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں یا کسی کو ذاتِ باری

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲-۳۳

تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں تو اس طرح وہ شرک کے تصور کی نفی کر رہے ہوتے ہیں۔ وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہوتا ہے اور شرک کی جڑ کٹتی ہے کیونکہ ذواتِ مقدسہ اور بزرگ ہستیوں کا وسیلہ پکڑنے کا مطلب ہے کہ وہ ہستیاں اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اس سے بہت قریب ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایسے اللہ والے بھی ہیں جو نوافل اور تلاوتِ قرآن کی کثرت اور ذکر و عبادت سے اللہ رب العزت کی نظر میں محبوبیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا توسل تقرب اِلی اللہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے ان کے وسیلہ کو شرک یا بدعت قرار دینا خلافِ حقیقت بات ہے۔ اسے صرف وہ لوگ بدعت و شرک کہتے ہیں جو حقیقت سے ناواقف ہیں۔ وسیلہ تو وسیلہ ہی رہتا ہے کبھی عبادت نہیں ہوسکتا، وسیلہ کی چاہے کتنی بھی تعظیم و تکریم کی جائے اسے الٰہ اور معبود کا قائم مقام نہیں سمجھا جاسکتا۔ وسیلہ تو ایک ذریعہ ہے جو کسی مقصود و مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

وسیلہ دراصل اس بات کا انکار ہے کہ اللہ کی ہستی کے سوا کوئی معبود اور بھی ہے جسے منتہائے مقصود جانا اور مانا جائے۔ صاحبِ وسیلہ یعنی جس کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے وہ خود مخلوق ہوتا ہے جو واسطہ یا ذریعہ بنتا ہے۔ جب کوئی مسئلہ اور تنازع پیدا ہوجائے جس سے خالق و مخلوق کے تعلق میں بگاڑ اور تعطل رونما ہوجائے تو اس بگاڑ اور تعطل کو ختم کرنے اور بندہ و مولا کے تعلق کو پھر سے بحال کرنے کے لئے کسی عظیم شخصیت کو توسل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اسلام نے توحید کا یہ عقیدہ بالتصریح بیان کردیا ہے کہ جو مخلوق ہو وہ خالق نہیں ہوسکتا، اس سے اسلام نے تمام جھوٹے خداؤں اور معبودانِ باطلہ کی نفی کر دی اور حتمی طور پر اس بات کا قطعی اعلان کر دیا کہ چاہے کوئی ہستی خواہ بعداز خدا بزرگی کے مقام پر فائز پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ہی کی کیوں نہ ہوں خدا نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں۔

فصل دوم

توحید فی القدرت

اور

شرک فی القدرت

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

توحید فی القدرت

توحید فی القدرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا اختیار و قوت کا مالکِ حقیقی اور قادر بالذات ہے یعنی وہ تصرفات جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں مثلاً اس کے خالق و قادرِ مطلق ہونے، نفع و نقصان کا مالک اور متصرف بالذات ہونے کا اِثبات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ماننا توحید فی القدرت کہلاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ مَنْ م بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○[1]

’’آپ (ان سے) فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟‘‘

یعنی یہ کسی معمولی ہستی کی کوئی عامیانہ بات نہیں بلکہ ایک قادر و قدیر، خبیر و علیم، متصرفِ امر اور کلی اختیار و قوت کے سرچشمہ، ذاتِ لم یزل، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بات ہے جس کی حاکمیت اور قدرت کو کسی غیر کیلئے ثابت کرنا شرک فی القدرت بن جاتا ہے۔

توحید فی القدرت کا قرآنی تصور

یہ بات بڑی قابلِ توجہ ہے کہ قرآن، تعریفات، تکنیکی اصطلاحات اور تصورات کی کتاب نہیں اس لئے یہ ان شرعی اصطلاحات اور تصورات کی کوئی جامع تعریف وضع نہیں کرتی لہٰذا کسی عقیدہ اور تصور کا اخذ و استنباط قرآنی آیات سے استدلال پر مبنی ہوتا ہے۔

---

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۸

ائمہ فقہاء و محدثین اور علمائے تفسیر نے آیاتِ قرآنی ہی سے استشہاد و استنباط کرکے بتایا ہے کہ صحیح عقیدہ و تصور کیا ہے؟ پس جو چیزیں قرآن مجید نے الگ الگ مقامات پر بیان کر دیں ان کا سیاق و سباق سے بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے پورا تصور سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی مثال روز مرہ زندگی سے یوں دی جاسکتی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ میں فلاں آدمی کا مافی الضمیر سمجھ گیا ہوں یعنی جو کچھ پیغام اس نے اثنائے گفتگو بیان کرنا چاہا میں اس کو پا گیا ہوں۔ قرآن مجید نے توحید فی القدرت کا جو عقیدہ مختلف مقامات پر بیان کیا ہے اگر اسے کسی غیر کے لئے ثابت کیا جائے تو وہ شرک فی القدرت ہوگا اور اگر اسی معنی اور مفہوم میں وہ تصور کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں تو پھر وہ شرک نہیں رہے گا۔ ذیل میں ہم اس اجمال کی تفصیل چند ایک قرآنی آیات بیان کرکے واضح کریں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے

سورۃ المائدۃ میں فرمانِ الٰہی ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌo(۱)

’’(اے انسان!) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی (ساری) بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہےo‘‘

یہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و اختیار اور قدرت کے باب میں بتایا گیا ہے کہ اس کا تسلّط و اختیار اور حکمرانی تمام ارضی و سماوی طبقات پر ہے اور تمام عوالمِ ارضی و سماوی مکمل طور پر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ چاہے تو ہر ایک کو معاف کردے اور چاہے تو سزا دے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکومت و اختیار کلی طور پر اس کی ذات میں مرتکز ہے اور وہی مطلقاً مالک و مختار ہے۔ انسان کو باور کرایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں پر بادشاہت اللہ

(۱) المائدۃ، ۵:۴۰

تعالیٰ کی ہے۔ وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، ہر چیز کا مالک ہے۔ عذاب اور بخشش کا مالک بھی وہی ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مفہوم بڑی صراحت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

۲۔ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام پر قدرتِ کاملہ کا مالک

کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام پر قدرتِ کاملہ کا مالک صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو یہ قدرت حاصل ہی نہیں کہ وہ اس کائنات کی مثل کوئی کائنات تخلیق کرے یا اس کے نظام میں اپنی مرضی سے کوئی رد و بدل کر سکے۔

قرآن مجید میں اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍo وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍo(۱)

’’(اے سننے والے!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق (پر مبنی حکمت) کے ساتھ پیدا فرمایا اگر وہ چاہے (تو) تمہیں نیست و نابود فرما دے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئےo اور یہ کام اللہ پر (کچھ بھی) دشوار نہیں ہےo‘‘

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت اور قدرت کی تعریف تمام کائناتِ سماوی وارضی اور مافیہا کی تخلیق کے حوالے سے کی گئی ہے کہ وہی ذات ہر چیز کی خالق ہے اور اسے کلی اختیار اور قدرت حاصل ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کائنات کے خاتمے پر قادر ہے

توحید فی القدرت پر ایمان لانے کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اللہ پاک کائنات اور اس کے جملہ نظام کا خالق ہے، اسی طرح اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ جس

(۱) ابراہیم، ۱۴:۱۹۔ ۲۰

ذات نے یہ سلسلۂ کائنات پیدا کیا ہے وہ اس کو اپنی قدرت و حکمت کے ساتھ ختم بھی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ط فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ○(۱)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے (وہ) اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ وہ ان لوگوں کی مثل (دوبارہ) پیدا فرما دے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر بھی ظالموں نے انکار کر دیا ہے مگر (یہ) ناشکری ہے○‘‘

جیسا کہ بیان ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے دو اجزاء ہیں: پہلا جزو یہ ہے کہ وہ خالق ہے اور اسی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ دوسرا جزو یہ کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ یعنی اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کے مصداق اگر چاہے تو اس طرح کی اور مخلوق لے آئے خواہ وہ پہلی مخلوق کے ہوتے ہوئے ہو یا اس کو ختم کرنے کے بعد اور پھر اس نے سب کے خاتمے کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ خاتمے کا وقت مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور دوبارہ مخلوقات کو پیدا کرنا بھی اس کے دائرہ اختیار میں ہے۔ جن کفار و مشرکین نے اللہ رب العزت کی بجائے کسی اور کو خالق اور رب خیال کر کے اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو ماننے سے انکار کر دیا، قرآن نے انہیں ظالم قرار دے کر ان کے اس عمل کو ناشکری سے تعبیر کیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کا خالق و مالک ہے

یہ کائنات بے شمار جاندار اور بے جان مخلوقات کا مجموعہ ہے، زندگی اس کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے، اسی سے اس کائنات کا حسنِ رنگ و بو قائم ہے۔ انسان ہو یا

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۹۹

حیوان، درخت ہوں یا پرندے سب اسی کارخانۂ قدرت کے مظہر ہیں۔ ان مظاہرِ کائنات میں زندگی کی طرح موت بھی قدرت کی ایک بڑی حجت ہے۔ الغرض موت اور زندگی جس کا اظہار کائنات میں ہر آن، ہر جگہ اور ہر لمحہ جاری و ساری ہے اس کا خالق و مالک صرف اللہ ہے۔ اس متصرفِ حقیقی کے بغیر کوئی قوت کسی جاندار کو نہ زندہ کر سکتی ہے اور نہ موت سے ہمکنار کرنے کی مجاز ہے۔ سورۃ الحج میں ارشادِ ربانی ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo (۱)

’’یہ (سب کچھ) اس لئے (ہوتا رہتا) ہے کہ اللہ ہی سچا (خالق اور رب) ہے اور بیشک وہی مُردوں (بے جان) کو زندہ (جاندار) کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر بڑا قادر ہےo‘‘

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و اختیار کی تعریف اس حوالے سے بھی کی کہ وہ زندگی اور موت کا خالق ہے۔ سورۃ العنکبوت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ط اِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo (۲)

’’فرما دیجئے: تم زمین میں (کائناتی زندگی کے مطالعہ کے لئے) چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور و تحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی (زندگی کی) ابتداء کیسے فرمائی پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر (ارتقاء کے مراحل سے گزارتا ہوا) نشوونما دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہےo‘‘

یہاں ایک بار پھر اللہ رب العزت نے ارضی و سماوی کائنات کی تخلیق کو اپنے حکم و اختیار کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ تخلیق کا آغاز کرنے والا بھی وہی ہے اور تخلیقِ نو کرنے والا اور

---

(۱) الحج، ۶:۲۲

(۲) العنکبوت، ۲۰:۲۹

پہلی تخلیق کو نئی تخلیق سے بدلنے والا بھی وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا دائرہ دنیوی موت و حیات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہی ہے جو انسان کو مرنے کے بعد قبروں سے زندہ بھی کرے گا، قرآن نے انسان کو قدرتِ الٰہیہ کے اسی تصرف کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

قُلِ اللهُ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ وَلٰـکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ (۱)

’’فرما دیجئے: اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے اور پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن کی طرف جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘

سورۃ التغابن میں اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَرَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَذٰلِکَ عَلَی اللهِ یَسِیۡرٌ ○ (۲)

’’کافر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے۔ فرما دیجئے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم، تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں بتا دیا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے ○‘‘

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بہ جا اپنی قدرت کو صراحت کے ساتھ ان اصطلاحوں کے ذریعے بیان فرمایا ہے۔

۵۔ بصارت و سماعت کا حقیقی اختیار اسی کے پاس ہے

قرآن حکیم میں قدرتِ الٰہی کا حقیقی تصور سمجھنے اور اس امر کا یقین کرنے کے لئے کہ کسی دوسرے کے لئے وہی قدرت ثابت کرنے سے شرک کیسے لازم آتا ہے، اس

(۱) الجاثیۃ، ۴۵:۲۶

(۲) التغابن، ۶۴:۷

ارشادِ ربانی پر غور کرنے سے معلوم ہوگا:

یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ط کُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ قلا وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ o(۱)

''یوں لگتا ہے کہ بجلی ان کی بینائی اُچک لے جائے گی، جب بھی ان کے لئے (ماحول میں) کچھ چمک ہوتی ہے تو اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل سلب کرلیتا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہےo''

اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا کہ گھٹا ٹوپ بادلوں کی تاریکی میں آسمانی بجلی ان کفار و مشرکین کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چلنے لگتے ہیں اور جب تاریکی کا ماحول انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو ان کے قدم رک جاتے ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ نے واضح کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں سلب کر لیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں اللہ رب العزت کی قوت و اختیار کا تعیّن اس کی حاکمیت و اختیار کی مطابقت سے کیا گیا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اختیار کرنے اور گمراہی میں مبتلا ہونے کی مثال بجلی سے دی گئی ہے کہ جب وہ چمکتی ہے اور گرجتی ہے تو اچانک گرد و پیش کا ماحول روشن ہوجانے سے کافر لوگ اس میں چلنے لگتے ہیں جبکہ اندھیرے میں ان کے قدم رک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے کہ ان کی سماعت اور بصارت یعنی ان کی بینائی اور سننے کی قوت ختم کردے۔ اس طرح کی بیسیوں آیات دراصل اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت کیا ہے؟ قرآن مجید میں اس توضیح کا مقصد توحید فی القدرت کا بیان ہوتا ہے۔

(۱) البقرة، ۲: ۲۰

• شرک فی القدرت

اللہ رب العزت کی صفات وتصرفات قدرتِ مطلقہ اور شانِ خالقیت کو کسی غیر کے لئے مطلق اور بالذات ثابت کرنا شرک فی القدرت ہے۔ اس کے علاوہ باقی تصرفات کو اگر غیر کے لئے ثابت بھی کر دیا جائے تو اس سے شرک واقع نہیں ہو گا کیونکہ ایسے تصرفات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں بلکہ اس نے اپنے بندوں کو ان کی قوت و طاقت ودیعت فرما رکھی ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی قدرت، طاقت اور ملکہ عطا کر دے اور وہ اسے بروئے کار لائے تو یہ ہرگز شرک نہیں ہو گا بلکہ منشاء اور حکمِ الٰہی کی تعمیل ہوگی۔ شرک اس وقت ہو گا جب تصرف بالذات کی وہ شان جو قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے کسی غیر کے لئے خواہ تھوڑے عرصے کے لئے ہی کیوں نہ ہو ثابت کی جائے۔ قرآن سے اس کی چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ تغیرِ روز وشب کی قدرت

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف بالذات کی شان ہے کہ اگر وہ قیامت تک رات مسلط کرنے کا فیصلہ کر دے تو کسی کو طاقت حاصل نہیں جو اس کی جگہ دن کی روشنی لا سکے۔ سورۃ القصص میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰـہٌ غَیْرُ اللہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ ط اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ (۱)

”فرما دیجئے: ذرا اتنا بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روزِ قیامت تک ہمیشہ رات طاری فرما دے (تو) اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے۔ کیا تم (یہ باتیں) سنتے نہیں ہو؟“

گردشِ لیل ونہار پر قدرت و اختیار فقط اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے وہی ذات رات

(۱) القصص، ۲۸: ۷۱

کو دن اور دن کو رات میں بدلنے پر قادر ہے۔ اللہ ﷻ نے اس کے بدلنے کی طاقت کسی کو نہیں دی۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد کسی غیر کے لئے رکھے گا تو وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی قوت و طاقت کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يُقَلِّبُ اللهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○[1]

''اور اللہ رات اور دن کو (ایک دوسرے کے اوپر) پلٹتا رہتا ہے، اور بیشک اس میں عقل و بصیرت والوں کے لئے (بڑی) رہنمائی ہے○''

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ز كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○[2]

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور (اسی نے) سورج اور چاند کو مسخّر کر رکھا ہے، ہر کوئی ایک مقرر میعاد تک چل رہا ہے اور یہ کہ اللہ ان (تمام) کاموں سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے○''

۲۔ اللہ ﷻ کے سوا کوئی رازقِ حقیقی نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بہ جا اپنے حقیقی رازق ہونے اور معبودانِ باطلہ کی رزق پر قدرت و اختیار کی نفی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

www.MinhajBooks.com

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

(۱) النور، ۲۴:۴۴

(۲) لقمٰن، ۳۱:۲۹

وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَo[1]

''اور اللہ کے سوا ان (بتوں) کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں سے ان کے لئے کسی قدر رزق دینے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ہی کچھ قدرت رکھتے ہیںo''

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ.[2]

''پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو۔''

مذکورہ بالا آیات میں بڑے حسن و خوبی کے ساتھ واضح کر دیا گیا کہ رزق دینے کا اختیار اللہ جل مجدہ کے سوا اور کوئی نہیں رکھتا کہ آسمانوں اور زمین میں اسبابِ رزق کا مالک صرف وہی ہے۔

افراد اور وسائل کو ذریعہ اور سبب ماننا شرک نہیں

ہمارا زیر بحث موضوع توحید فی الالوہیت کا ذیلی عنوان توحید فی القدرت ہے۔ یعنی موت و حیات، رزق اور نفع و نقصان کا حقیقی مالک و متصرف اللہ تعالیٰ کو ماننا توحید اور کسی اور کو ان امور میں حصہ دار اور ساجھی ماننا شرک ہے۔ حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہے لیکن عطائے رزق کے اسباب اسی کے پیدا کردہ ہیں، ہم حصول رزق کے لئے محنت مزدوری کرتے ہیں جس کے سبب زمین سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ ان اسباب میں افراد بھی ہیں ایک شخص دوسرے کے لئے رزق کا سبب بنتا ہے۔ یہ جملہ اسباب اختیار کرنا انسان کی مجبوری بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی۔ اب اگر کوئی کہے کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا

(۱) النحل، ۱۶:۷۳

(۲) العنکبوت، ۲۹:۱۷

کسی شخص سے رزق حاصل کرنا شرک ہوگا تو یہ تصور حماقت اور نا سمجھی کہلائے گا توحید نہیں۔

اسی طرح والدین اولاد کی ولادت کا سبب بنتے ہیں، استاد اور عالم علم دینے کا سبب ہیں اور مالک ملازم کے ذریعۂ معاش کا سبب ہوتا ہے۔ الغرض یہ ساری چیزیں اللہ جل مجدہ عطا فرماتا ہے، شان و شوکت وہی دیتا ہے لیکن وہ ان چیزوں کا خود سبب نہیں بنتا بلکہ مخلوق میں سے ہی کسی کو بناتا ہے، اللہ جل مجدہ خود مُسَبِّبُ ہے مُسَبَّب نہیں۔ سبب اور مسبَّب ہمیشہ مخلوق ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ خالقِ اسباب ہے۔ سبب ہمیشہ ذرائع ہوتے ہیں جن کا شمار مخلوق میں ہوتا ہے۔ سبب میں اچھے لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور برے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم جس عقیدے کو شرک قرار دیتا ہے وہ دراصل مشرکین کا یہ بنیادی تصور ہے جس کے مطابق وہ اپنے ان جھوٹے معبودوں کے ساتھ نفع و نقصان کا ایسا عقیدہ وابستہ کر لیتے تھے جو خالق کی شان کے لائق اسی کے لئے ہونا چاہئے۔ مثلاً ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی ایسی ماورائی طاقت ہے جو کسی کو نقصان اور فائدہ پہنچانے کی مالک و مختار ہے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ ہے لیکن دوسری طرف اگر ہم نقصان اور فائدہ کا موجب بننے کے معنی کو عمومی پیرائے میں لیں تو پھر ہر ایک امر شرک کے زمرہ میں چلا جائے گا اور ہر چیز اپنا جواز کھو دے گی۔

یہ بات خاص طور پر ذہن نشین کرنے والی ہے کہ اگر کوئی کسی غیرِ خدا کو بھی حقیقی مسبِّب جانے اور مانے تب توحید فی القدرت میں شرک ہوگا، ورنہ نہیں۔ لہٰذا کسی راسخ العقیدہ مسلمان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مسبِّبِ حقیقی مانتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو وہ فقط وسیلہ، ذریعہ اور سبب تو مانتے ہیں لیکن اس سے اوپر کوئی نہیں جاتا کیونکہ یہ آخری حد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں کسی کے رزق کے مجازی مالک ہونے کی نفی کی ہے اور نہ ہی کسی کے رزق کے سبب ہونے کو شرک قرار دیا ہے۔ اگر کوئی اس سے مختلف عقیدہ یا یقین رکھے کہ اصل اور مطلق اختیار و حاکمیت کا مالک جس طرح اللہ رب العزت ہے کوئی اور بھی کلی یا جزوی طور پر اس جیسا مالک ہوسکتا ہے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا شریک اور ساجھی ہے یا ہوسکتا ہے تو یہ عقیدہ یقیناً

شرک ہے۔ اس کے برعکس اگر عقیدہ یہ ہو کہ والدین، سرپرست اور حکمران کی طرح انبیاء و اولیاء کو اختیار و قدرت اسی نے عطا کی ہے تو پھر شرک کا قطعاً کوئی امکان باقی نہیں رہتا اور عقیدۂ توحید میں کسی بھی شرک کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

۳۔ نفع و نقصان کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے

سورۃ الاعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ. (۱)

”آپ (ان سے یہ بھی) فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں ہوں مگر (یہ کہ) جس قدر اللہ نے چاہا، اور (اسی طرح بغیر عطاءِ الٰہی کے) اگر میں خود غیب کا علم رکھتا تو میں از خود بہت سی بھلائی (اور فتوحات) حاصل کر لیتا۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں بذاتِ خود کسی چیز کا اس طرح مالک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو اپنی ذات کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں اور نہ میں اس اختیار کا مالک ہوں کہ تمہارے لیے نفع یا نقصان کا موجِب بن سکوں۔ نفع اور نقصان پہنچانے کا کوئی شخص فی نفسہٖ اختیار نہیں رکھتا اس لئے کہ اس کا اختیار اس بالاتر ہمہ مقتدر قوت کے پاس ہے جو حکم اور اختیار رکھنے والی ہے اور وہی فرماں روا ہے۔ وہ جس کو چاہے جتنا چاہے اور جب تک چاہے نفع و نقصان کا موجب بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نفع بخشی اور اذیت رسانی کی بالقوۃ صلاحیت اور قابلیت مخلوق میں پیدا کی اور اسے نفع و نقصان کا موجب بنایا۔ اس نفع بخشی اور فیض رسانی میں انبیاء و اولیاء، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہوتے ہیں۔ حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دنیوی و اخروی نعمتوں کا قاسم و مختار بنایا تو یہ تقسیم اور اختیار ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ اسی

(۱) الاعراف، ۷:۱۸۸

لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي.(۱)

’’میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جبکہ اللہ عطا کرتا ہے۔‘‘

انبیاء و اولیاء تو اس کے محبوب بندے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق، قربت اور محبت کا ہوتا ہے۔ ہم تو جڑی بوٹیوں، معدنیات اور اشیائے خوردنی کی تاثیرات کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا سمجھتے ہیں۔ اسی نے ہی زہر کو یہ خاصیت بخشی ہے کہ وہ نقصان کا باعث بنے اور اسی نے سانپ کو بالقوۃ ہلاکت کا موجب بنایا ہے۔ استاد اور دوائی میں فائدہ رسانی کی اہلیت بھی اُسی نے ودیعت کی ہے۔ اگر وہ دوائی کو فائدہ پہنچانے سے روک دے تو کوئی اسے لوگوں کیلئے مفید نہیں بنا سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفع و نقصان اور خیروشر کا مالک حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں جو افراد اور ذرائع ان خصوصیات کے حامل ہیں وہ مجازی ہیں اور انہیں یہ صلاحیت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ جیسے مالکِ رزق ہے ویسے وہ مالکِ نفع وضرر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ کسی کے نفع و نقصان کا سبب، وسیلہ یا ذریعہ ہونے کی نفی نہیں کی اور یہ عقیدہ عین توحید ہے۔ وسیلہ کی نفی اس وقت شرک بنتی ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی اور کو ان امور کا مالک وقادر بالذات مانا جائے۔

لَا اَمْلِکُ میں قدرت بالذات کی نفی ہے

پاکستان، یورپی ممالک یا کہیں بھی رہائش پذیر عوام الناس کا فہم قرآن عربی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر ان اردو یا انگریزی تراجم پر منحصر ہوتا ہے جو انہیں دستیاب ہوتے ہیں۔ وہ کئی مقامات پرٹھوکر کھاجاتے ہیں مثلاً محولہ بالا آیت میں لَا اَمْلِکُ کا لفظی ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ’’میں اختیار نہیں رکھتا‘‘ صحیح فہمِ قرآن نہ رکھنے والے لوگ، لفظِ اختیار

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھه فی الدین، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

کی گہرائی میں جائے بغیر اس کو کسی اور مفہوم میں لیتے ہیں جس سے لا محالہ ادبِ مصطفیٰ ﷺ میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ (قُلْ لَّآ اَمْلِکُ) کا صحیح معنی یہ ہے کہ میں اس اختیار و اقتدار کا مالک نہیں جو بالذات کسی کو نقصان یا نفع دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

اس قرآنی ارشاد کا حقیقی معنی ومفہوم حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قدرت بالذات کی نفی ہے۔ قدرت عطا کئے جانے کی نفی نہیں اور اس سے یہ باور کرانا مقصود ہے کہ طاقت واختیار میرے قبضے میں نہیں جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچاتی ہے یا کسی کے حال اور اخلاق کو درست رکھتی ہے۔ کہ اس اختیار کا مالکِ حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے میں نہیں، ذہن نشین کرنے والی بات یہ ہے کہ لَا اَمْلِکُ میں قدرت بالعطاء کی نفی نہیں۔

اسی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید کے ایک اور مقام پر غور کیجئے:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○(۱)

”تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو، بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے ○“

آیتِ متذکرہ بالا میں مشرکین کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں شرک فی الالوہیت کی روش بد کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور انہیں ایک ناقابلِ تردید عقلی دلیل پیش فرمائی کہ دیکھو! خالق، اِلٰہ اور معبود کو رازق بھی تو ہونا چاہیئے حالانکہ یہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتے۔ دوسرے الفاظ میں مشرکین کو یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ رزق دینے کا اختیار رکھنے والی ذات ہی سرچشمۂ قوت و حاکمیت ہے لہٰذا تمہارے معبودانِ باطلہ کی اصل

(۱) العنکبوت، ۲۹:۱۷

حقیقت جب کھل کر تمہارے سامنے آ چکی ہے تو تمہیں چاہئے کہ ان کی عبادت سے بھی باز آجاؤ اور رزق فقط اللہ وحدہ لا شریک سے مانگو۔ مذکورہ آیت میں بتوں سے رزق دینے کے اختیار کی نفی کرنے کے لئے بھی لَا یَمْلِكُوْنَ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اس کی وضاحت ایک اور مقام پر اس طرح ہے:

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۵ لا اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۵ لا اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝(1)

’’(ان کافروں کے سامنے) فرمایئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ (خود ہی) فرما دیجئے: اللہ ہے۔ (پھر) آپ (ان سے دریافت) فرمایئے: کیا تم نے اس کے سوا (ان بتوں) کو کارساز بنا لیا ہے جو نہ اپنی ذاتوں کے لئے کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ کسی نقصان کے۔ آپ فرما دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہوسکتی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح (کچھ مخلوق) خود (بھی) پیدا کی ہو، سو (ان بتوں کی پیدا کردہ) اس مخلوق سے ان کو تشابہ (یعنی مغالطہ) ہوگیا ہو، فرما دیجئے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے، وہ سب پر غالب ہے۝‘‘

یہاں بھی (لَا یَمْلِكُوْنَ) کے کلمات ذاتی قوت و اختیار رکھنے کی نفی کر رہے ہیں۔ اس سے شرک کا رد کیا گیا ہے یعنی لَا یَمْلِكُوْنَ کے الفاظ کا استعمال ردِ شرک کیلئے ہوا ہے۔

(۱) الرعد، ۱۳:۱۶

پھر تیسرے مقام پر یہی مضمون اس طرح بیان ہوا:

قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ○(۱)

’’فرما دیجئے: کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے کسی نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا، اور اللہ ہی تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○‘‘

آیاتِ متذکرہ بالا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تصور کو واضح کرنے کیلئے لفظ (یَمۡلِکُ) کے استعمال سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ نفع و نقصان کا حقیقی مالک دراصل قادرِ مطلق کی ذات ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایسی آیات وارد ہوئی ہیں جہاں یَمۡلِکُ کا لفظ نہیں بلکہ یہ ارشاد ہے کہ وہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اس لئے نفع یا نقصان کے مالک ہونے کا معنی بغیر بیان کئے یہی متعین کیا گیا ہے۔ چونکہ قرآن مجید ملکیت کے باب میں ایک خاص معنی متعین کر چکا ہے کہ وہی رب ہی نفع و نقصان کا مالکِ بالذات ہے۔ اس تعین سے اس کے معنی میں عمومیت کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اب جہاں بھی نفع و نقصان کی بات ہوگی تو اس سے مراد مالکِ حقیقی اور قادر بالذات اللہ رب العزت کی ذات ہی ہوگی۔ اگر لفظ (یَمۡلِکُوۡنَ) استعمال نہ بھی ہوتو پھر بھی کوئی یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ ملک، اختیار اور قبضہ کی اصطلاحات کی یہ تعبیر غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ملکیت کسی اور سے بھی منسوب ہوسکتی ہے۔ نہیں، قرآن مجید نے جو بات کہہ دی اس پر دو معیار نہیں ہو سکتے۔

مثال کے طور پر سورۃ الانبیاء میں ’مِلک‘ کا لفظ لائے بغیر بیان کیا گیا ہے:

قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمۡ ○(۲)

---

(۱) المائدۃ، ۵:۷۶

(۲) الانبیاء، ۲۱:۶۶

”(ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں o“

اس آیت کریمہ میں لفظ یَمْلِکُوْنَ استعمال نہیں ہوا لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں مالک ہونے کا معنی نہیں بلکہ عام نفع اور نقصان کی بات کی گئی ہے۔ سانپ کا زہر بھی نقصان کا باعث ہے اور ظالم و جابر حکمران بھی نقصان دینے کا موجب ہیں۔ استاد، والدین، شیخ، ڈاکٹر اور اربابِ اقتدار واختیار نفع و نقصان کا باعث بنتے ہیں تو کیا ان کی نفع بخشی اور ضرر رسانی پر شرک کا حکم لگا دیا جائے گا؟ اگر ایسا ہو تو سارے کا سارا نظام شرک پر مبنی ہو جائے گا اور توحید محض ایک مجرد تصور (Abstract Concept) بن کر رہ جائے گی۔ شرک کا یہ تصور اسلام کی نظر میں قابلِ قبول اور قابلِ عمل نہیں۔

یاد رکھیں کہ اس عالم اسباب میں بس دو ہی حقیقتیں ہیں۔ ایک جو نفع و نقصان کا سبب بنتی ہیں اور دوسری جو نفع و نقصان کی مالک ہیں۔ مثلاً زہر اگر بطور دوائی استعمال کیا جائے تو یہ فائدہ دیتا ہے جبکہ سانپ کا ڈسنا یا کسی دوسری صورت میں زہر کا استعمال مضر اور مہلک ہوتا ہے لیکن سانپ اور زہر فی نفسہ کسی کو نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اسی طرح دوائی ایک مریض کو صحت یاب کرنے یا صحت کی بحالی میں مددگار ہے لیکن وہ اپنے طور پر صحت دینے کا اختیار نہیں رکھتی۔ بیماری اور صحت کی مالک اور نقصان و فائدہ دینے کا اختیار دوائی میں نہیں، وہ تو محض ایک سبب ہے۔ اس طرح حکیم یا ڈاکٹر بیمار لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ استاد طلباء کے لئے علم پہنچانے کی صورت میں نفع کا ذریعہ بنتے ہیں، ایک طاقتور شخص کمزور لوگوں کو فائدہ دیتا ہے، امراء زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے غرباء ومساکین کا سہارا بنتے ہیں۔ غرضیکہ مثبت پہلو میں ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں معاشرے کیلئے مفید ہے۔ جبکہ اس کے برعکس منفی لحاظ سے غلط کار اور بدقماش لوگ جیسے قاتل اور ڈاکو معصوم اور نہتے لوگوں کیلئے تباہی اور نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ ان امثلہ کی روشنی میں کیا درج بالا افراد کو اپنے اپنے شعبوں میں نفع و نقصان کا مالک مانا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی کہا جائے گا کہ وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں بلکہ ان خوبیوں کا اظہار کرنا ان کے اختیار میں رکھا گیا ہے۔

اس پوری بحث سے آیتِ کریمہ کے الفاظ کے معنی متعین کرنا پڑیں گے جو یہ ہے کہ ’’**بالذات کوئی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔**‘‘ نفع و ضرر رسانی کا عمل نظام کائنات کا حصہ ہے ہر شخص دوسرے کو نفع و نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے لہٰذا سرے سے اس بحث کا شرک سے کوئی تعلق نہیں۔ شرک صرف اسی صورت متصور ہوگا جب کسی غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھا جائے۔

۴۔ سرچشمۂ اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَنْ م بِيَدِهِ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○(۱)

’’آپ (ان سے) فرمائیے کہ وہ کون ہے؟ جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جاسکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو○ وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں، (تو) آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے○‘‘

اس آیت میں لفظ (بِيَدِهِ) اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور قدرتِ کاملہ کو ظاہر کرتا ہے کہ تمام کائنات کو ایک نظم کے ساتھ چلانے کا اختیار اس نے اپنے ہاتھوں میں رکھا ہوا ہے۔ کسی اختیار کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کا اعلان اس مفہوم میں ہے کہ وہی تمام اختیارات کا سرچشمہ اور مالک ہے۔ رزق کے اسباب فراہم کرنے، زندگی اور موت پیدا کرنے، ایک مخلوق کو مٹا کر دوسری مخلوق سے بدلنے کا اختیار بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ یہ اختیار و قدرت کسی نے اسے عطا نہیں کی کیونکہ اس کے اوپر کوئی بالادست ہستی ہے ہی نہیں جو اسے اختیار و حاکمیت دینے والی ہو بلکہ تمام اختیار و اقتدار اور قدرت مطلقاً اسی کے ہاتھ

(۱) المؤمنون، ۲۳:۸۸۔ ۸۹

میں ہے۔ وہی سرچشمۂ طاقت وقدرت اور کلّی اختیار واقتدار کا مالک حقیقی ہے۔

اس سے یہ مترشح ہوا کہ قدرت و اختیارِ الٰہیہ کا مفہوم اس کے مالک ہونے میں مضمر ہے اور مطلقاً کامل زمامِ اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس تصور کو قرآن نے اچھی طرح واضح کرتے ہوئے دو چیزوں میں امتیاز قائم کیا ہے۔

اولاً: یہ کہ وہ اختیار جو لوگوں کو ودیعت کیا گیا ہے اللہ رب العزت کا عطا کردہ ہے۔

ثانیاً: یہ کہ انہیں یہ اختیار و اقتدار ایک نعمت کے طور پر دیا گیا ہے اور یہ ان کے پاس ایک امانت ہے۔

۵۔ ہدایت و گمراہی کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر سبب کئی ہیں

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○(۱)

”(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہوگئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا، اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے اور اس میں اختلاف بھی فقط انہی لوگوں نے کیا جنہیں وہ کتاب دی گئی تھی، باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں (اور انہوں نے یہ اختلاف بھی) محض باہمی

(۱) البقرة، ۲:۲۱۳

بغض و حسد کے باعث (کیا) پھر اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ حق کی بات سمجھا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کے آخری حصہ میں اللہ رب العزت نے فرما دیا کہ ہدایت کا مالک حقیقی وہی ہے لیکن ہدایت کے سبب کئی ہو سکتے ہیں ان اسبابِ ہدایت میں سرِ فہرست انبیاء علیہم السلام اور ان پر اترنے والی کتب ہیں۔ ان انبیاء اور کتب کو ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ اور سبب کس نے بنایا؟ اسی اللہ نے جو ہدایت کا مالک ہے۔ لہٰذا ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے قرآن مجید کا ارشاد ہے:

یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo(۱)

''اللہ اس (رسول ﷺ) کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے اور انہیں اپنے حکم سے (کفر و جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و ہدایت کی) روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ کی سمت ہدایت فرماتا ہے۔''

سورۃ الشوریٰ میں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے کو بذاتِ خود حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا گیا ہے:

نَهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo(۲)

''ہم اِس (قرآن) کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں، اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے

(۱) المائدۃ، ۵:۱۶

(۲) الشوریٰ، ۴۲:۵۲

ہیں o"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیدیا کہ اے میرے بندو! میرے حبیب کا ہدایت دینا اور ہمارا ہدایت دینا دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اور صرف انہی کو ہدایت نصیب ہوتی ہے جو اس حقیقت کی معرفت اور اس سے وابستگی رکھتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اور صفات لوگوں کیلئے نفع رساں ہے۔ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے باہر نکالنا اور انہیں ہدایت و ایمان سے منور کرنا ہے۔ آپ ﷺ بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر لائے اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیمات سے بہرہ ور فرمایا۔

اسی مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں مزید اجاگر کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لا یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ o(۱)

"اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے حمایتی شیطان ہیں، وہ انہیں (حق کی) روشنی سے نکال کر (باطل کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o"

یعنی شیطانی اور رحمانی قوتیں دونوں اپنی اپنی جگہ مصروف عمل ہیں۔ ایک قوت مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے اور دوسری ضرر رسانی کی کاوشوں میں مگن ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ سے پہلے ہر پیغمبر کو نوعِ انسانی کی بہتری اور فلاح کیلئے مبعوث کیا گیا جبکہ کفار و مشرکین اور ابلیسی قوتیں فلاح کے ان راستوں سے انسان کو بہکانے پر

(۱) البقرة، ۲:۲۵۷

تلی ہوئی ہیں اور بقول اقبالؒ ’’ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاریاں‘‘ جاری ہیں۔

پس اس عالمِ اسباب میں کوئی فائدے کا باعث بنتا ہے اور کوئی نقصان کا۔ وہ اختیار جو ضرر رسانی اور فائدہ بخشی کا باعث ہے اس ذات کے پاس ہے جس نے ہر ایک میں بالقوۃ یہ استعداد پیدا کی کہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ تمام رُسل، انبیاء اور صلحاء عامۃ الناس کو ہدایت سے بہرور کرنے پر مامور ہوئے۔ جبکہ شیطان اور اس کے حمایتی کفار ومشرکین لوگوں کیلئے نقصان کا باعث ہوئے پس یہ ہر دو گروہ نفع ونقصان کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں کہ چاہے تو لوگ انبیاء وصلحا کی پیروی کر کے ان سے فائدہ حاصل کر لیں یا شیطانی بہکاوے میں آ کر خسارہ مول لیں۔

۶۔ مخلوق کو مجازاً مالک ومختار جاننا شرک نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ لا وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَo فَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُهُمْ ط اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَo(۱)

’’وہ بت اُن کی مدد کی قدرت نہیں رکھتے اور یہ (کفار ومشرکین) اُن (بتوں) کے لشکر ہوں گے جو (اکٹھے دوزخ میں) حاضر کردیئے جائیں گےo پس اُن کی باتیں آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں، بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیںo‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں معبودانِ باطلہ کی مدد کی طاقت نہ رکھنے سے مراد ان کی قدرت اور ملکیت کی نفی ہے۔

لفظِ مالک قرآن مجید میں حقیقی معنی میں اللہ رب العزت کے لئے استعمال ہوا

(۱) یٰسین، ۳۶: ۷۵۔ ۷۶

ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہوا:

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ○[۱]

’’(اللہ ہی) روزِ جزا کا مالک ہے○‘‘

سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الۡمُلۡکِ تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○[۲]

’’(اے حبیب! یوں) عرض کیجئے: اے اللہ! سلطنت کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت عطا فرما دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت عطا فرما دے اور جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہے○‘‘

ان دونوں آیات میں اللہ رب العزت کی مالکیت اور قدرت کا بیان صراحت سے دوٹوک انداز میں ہوا ہے لیکن قرآن مجید میں ہی دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے لفظِ مالک کو مشرکین و منکرین کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے، لیکن یہ مالکیت واضح طور پر مجازًا بیان ہوئی ہے، ارشاد ہوا:

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَھُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَآ اَنۡعَامًا فَھُمۡ لَھَا مٰلِکُوۡنَ ○[۳]

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی

(۱) الفاتحۃ، ۱: ۳

(۲) آل عمران، ۳: ۲۶

(۳) یٰسین، ۳۶: ۷۱

(مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں o‘‘

لفظِ مالک کے مجازاً استعمال سے عام ملکیت مراد ہے جب کوئی لفظ مجازی معنیٰ میں آئے تو اس کا شرک کے ساتھ اس لئے کوئی تعلق نہیں رہتا کہ اس مقام پر اس سے حقیقی ملکیت مراد نہیں ہوتی۔

لوگ چیزوں کا مالک ہونے کے باعث ان کے استعمال اور تصرف سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے بعض لوگ زمین، بعض مکان اور بعض بہت ساری چیزوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے لئے لفظِ مالک کا استعمال شرک نہیں ہوگا کیونکہ اس لفظ کے استعمال سے ان کی حقیقی ملکیت مراد نہیں ہوتی بلکہ مجازی ملکیت ہونے کے اعتبار سے الفاظ بھی مجاز کا معنی دے رہے ہوتے ہیں، اس لئے وہ شرک ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جیسے سورۂ یوسف میں عزیزِ مصر کو ’’رب‘‘ کہا گیا تو یہ شرک نہ ہوا کیونکہ اس سے مربی اور حکمران مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص تھا اگر کبھی مجازاً اور عرفاً استعمال کر لیا جائے تو بھی معنی اور اطلاق مختلف ہونے کی بنا پر شرک نہیں رہتا۔ شرک صرف اسی صورت میں بنتا ہوتا ہے جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے مالکیت اور قدرتِ حقیقی مراد لی جائے بصورتِ دیگر نہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًاo (1)

’’آپ فرما دیں کہ میں تمہارے لئے نہ تو نقصان (یعنی کفر) کا مالک ہوں اور نہ بھلائی (یعنی ایمان) کا (گویا حقیقی مالک اللہ ہے میں تو ذریعہ اور وسیلہ ہوں)o‘‘

اس آیت سے اگر کوئی یہ معنی اخذ کرے کہ حضور نبی اکرم ﷺ بھی عام انسان کی طرح ایک انسان ہیں اور کسی چیز کے مالک و مختار نہیں تو اسے اس کی بدبختی اور

(۱) الجن، ۷۲: ۲۱

بدعقیدگی کے سوا اور کس چیز پر محمول کیا جائے۔ ایسے شخص کا انجام آخرت میں بجز خسارے کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی اور آپ ﷺ کو عطا کردہ اختیارات و تصرفات تمام لوگوں کے لئے نفع رساں ہیں۔ آپ ﷺ جیسی بلند رتبہ صفات کے حامل ہستی کے اختیارات و تصرفات کا انکار کرنا محض جہالت اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

مجازی معنی میں کسی کو مددگار اور کارساز کہنا شرک نہیں

اگر عقیدہ یہ ہو کہ فلاں ''بِاِذْنِ اللہ'' کسی کو نفع دے سکتا ہے اور مشکل میں اس کا مددگار اور کارساز ہوسکتا ہے تو یہ مجازی معنی میں ہوگا حقیقی معنی میں نہیں اور یہ ہرگز شرک نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے اردو اور فارسی میں ''مولا مشکل کشا'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو مجازی طور پر ایسا کہنا جائز ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی بنا پر دنیوی اور اخروی امور میں وسیلہ، مددگار اور کارساز سمجھنا شرک نہیں البتہ اگر کوئی ان کو نفع و نقصان کا بالذات مالک مانتے ہوئے ان سے مدد و نصرت مانگے تو یہ شرک ہوگا اور اگر کسی نے اولیاء کرام کو مددگار مانا اور انہیں سبب اور ذریعہ کے طور پر لیا تو پھر یہ شرک نہیں ہوگا۔

یہاں پر یہ باریک اور نہایت اہم نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی یعنی انبیاء کرام اور اولیاء و صالحین کو مستقل طور پر اس طرح تصرف میں شریک سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان کی شرکت کے بغیر دنیا کا نظام نہیں چلا سکتا شرک ہے جیسے سلاطین و امراء اپنے نائبین حکام کے بغیر سلطنت کا انتظام نہیں چلا سکتے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ایسا عقیدہ رکھا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ انبیاء کرام اور اولیاء و صالحین کی محبت اور ادب و تعظیم تو واجب ہے لیکن ان کے اختیار و قدرت میں غلو کرنا درست نہیں۔ پس افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ ہی صراط مستقیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نیک اور متقی بندوں کو اولیاء کہا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

اَ لَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○[۱]

’’خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ وغمگین ہوں گے○‘‘

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے رسول ﷺ کو ولی کہا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے مومنین ومتقین کو بھی اس لقب سے ملقّب کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ○[۲]

’’بے شک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، اپنے رسول ﷺ اور مؤمنین تینوں کو ولی کہا اور اس امر کی تخصیص کرتے ہوئے اِنَّمَا کلمۂ حصر کے تابع کر دیا ہے کہ بیشک تمہارا ولی بالذات تو اللہ ہی ہے۔ ولی کا جو معنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہی معنی رسول کے لئے اور مؤمنوں کے لئے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنوں کے لئے بادی النظر میں ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ اللہ جل مجدہٗ پر اس کا اطلاق حقیقی اور دوسروں کے لئے مجازی ہے۔ ’’اِنَّمَا‘‘ محض حرفِ تاکید نہیں بلکہ کلمۂ حصر ہونے کی وجہ سے اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ تمہارا ولی تو صرف اللہ تعالیٰ اس کا رسول ﷺ اور مؤمنین ہیں، مراد یہ ہے کہ تمہارے مددگاروں میں بس اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور ایمان والے ہیں اور چوتھی کوئی ذات نہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ

(۱) یونس، ۱۰: ۶۲

(۲) المائدۃ، ۵: ۵۵

قرآن میں جہاں کسی کے ولی ہونے کی نفی کی گئی ہے وہاں غیر مومنین یعنی کافر، فاسق اور فاجر لوگ ہی مراد ہوں گے۔

آیتِ کریمہ سے لوگوں کو یہ باور کرایا گیا کہ اللہ تعالی کی قدرت میں توحید تبھی ہوگی جب اس سے وہی مراد لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ملکیت مراد ہو گی تو وہ حقیقی، بالذات اور دائمی ہو گی جبکہ رسول ﷺ اور مومنین کے لئے وہ بالذات نہیں بلکہ بالعطاء ہوگی۔ اللہ جل مجدہٗ کی توحید فی القدرت میں قدرت و ملکیت حقیقی ہے جبکہ دوسروں کے لئے سبب اور وسیلہ کے معنی میں ہے۔ لیکن اس میں نفع یا نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے گا۔ اس کی صفت کا کسی اور پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ وہ لامتناہی اور غیر محدود ہے جبکہ مخلوق کے لئے جو بھی معنی لیا جائے گا اس کی حد ہوگی۔ اگر عطا ہے تو عطا کی حد ہوگی خواہ اس کی وسعت ساری کائنات کو ہی کیوں نہ محیط ہو مگر وہ بالذات نہیں بالعطاء ہوگی۔ دائمی نہیں عارضی ہوگی۔ مخلوق حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے جب بھی حادث اور قدیم کا ذکر آئے گا تو مخلوق اور خالق کے حوالے سے تخصیص ہوگی اور یہ بدیہی امر ہے کہ تخصیص کئے بغیر شرک کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔

۷۔ تکوینی امور میں انبیاء و اولیاء مأذون من اللہ ہوتے ہیں

مذکورہ بالا عنوانات اور ان کی وضاحت سے یہ امر واضح ہوا کہ شرک تبھی ہو گا جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے بالذات فیض پہنچانے، عطا کرنے، نقصان پہنچانے اور کسی مشکل کو دور کرنے کا ذاتی تصرف دائمی طور پر ثابت کیا جائے۔

بدقسمتی سے بعض لوگوں نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی وہ شانیں جو اللہ رب العزت کی بارگاہ سے انہیں معجزۃً اور کرامۃً عطا کی گئیں ان کو بھی ماننے سے انکار کیا اور ان کے اثبات کو شرک کے ساتھ خلط ملط کر کے ان کی طرف شرک منسوب کر دیا حالانکہ اگر کسی کو بالذات متصرف نہ مانا جائے بلکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ اس کا اپنا اذن نہیں بلکہ اذنِ الٰہی ہے اور وہ عطائے الٰہی سے کسی امر پر متصرف ہوئے تو ایسا عقیدہ رکھنا ہرگز شرک

نہیں۔ صحیح بخاری اور بہت سی کتبِ حدیث میں ایک حدیثِ قدسی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَزَالُ عَبْدِیْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهُ فَاِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَ رِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَ اِنْ سَاَلَنِی لَاُعْطِيَنَّهُ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ. (۱)

’’میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔‘‘

اس حدیثِ قدسی کی رو سے وہ مقامِ قرب جو کسی بندۂ مرتضٰی کو مجاہدہ اور کثرتِ عبادت و نوافل سے حاصل ہو جاتا ہے وہ نہ کسی کافر کو میسر ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی مشرک اور بت پرست کو۔ یہ مقام حضور نبی اکرم ﷺ، انبیاء علیھم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے کرام کو ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ وہ نفلی عبادت کرتے کرتے اور جادۂ سلوک کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۵، رقم: ۶۱۳۷

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۰۶، رقم: ۷۸۳۳

۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول، ۲: ۲۳۲

۴۔ ابن المبارک، الزھد، ۱: ۳۶۵، قم: ۱۰۳۲

۵۔ بیہقی، الزھد الکبیر، ۲: ۲۶۹، رقم: ۶۹۶

www.MinhajBooks.com

منزلیں طے کرتے ہوئے اللہ جل مجدہ کے اتنے قریب ہو جاتے ہیں کہ اس کے محبوب بن جاتے ہیں۔ جب بندہ نیابتِ الٰہیہ کے اس منصب پر فائز کر دیا جاتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اس میں اپنا اذن جاری کر دیتا ہے اور وہ ماٗذونین یعنی صاحبانِ اذن کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ پھر اس مقام پر جو کچھ اس عبدِ الٰہی سے صادر ہوتا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن اور اس کی عطاء سے ہوتا ہے اور اس بندے کا ہر عمل اذنِ الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت کو مولانا رومؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

گفتۂ او گفتۂِ اللّٰہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللّٰہ بود

(اس کا بولنا اللہ تعالیٰ کا بولنا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ بولنا اللہ کے بندے کے منہ سے جاری ہوتا ہے۔)

متکلمین، محدثین اور علماء نے اس موضوع پر بہت زیادہ علمی ابحاث کی ہیں اس پر ان کے دو مؤقف سامنے آئے ہیں۔

پہلا مؤقف

بعض نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے ہاتھوں معجزات وکرامات اور تصرفات صرف اس وقت صادر ہوتے ہیں جب اللہ چاہتا ہے۔ یہ اذنِ الٰہی ان کے لئے دائمی نہیں بلکہ جب کبھی کوئی نیا موقع دوبارہ معجزے یا کرامت کا متقاضی ہو تو پھر نئے سرے سے اذن جاری ہوتا ہے۔ مگر یہ مؤقف کتاب وسنت اور جمہور اہلِ اسلام کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

دوسرا مؤقف

اس مؤقف کی تصریح جمہور ائمہ، محدثین اور علمائے کرام نے فرمائی ہے۔ اس کی تائید نصوص وشواہد اور قرائن سے بھی ملتی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ط مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ.[1]

’’اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور (جسے چاہتا ہے نبوت اور حقِ شفاعت سے نوازنے کے لئے) منتخب فرما لیتا ہے، ان (منکر اور مشرک) لوگوں کو (اس امر میں) کوئی مرضی اور اختیار حاصل نہیں ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی عطا سے جب کوئی بندہ اس کا مقرب بن جاتا ہے تو اسے اس درجے سے آگے درجہ مأذونیت پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اس مقام پر جو اذن اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے اسے اگر من جانب اللہ دیکھیں تو وہ معجزات و کرامات قدرتِ الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں۔ اگر من جانب العبد دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجۂ مقربیت و مأذونیت پر فائز ہونے کے باعث، معجزات و تصرفات اور کرامات کا صدور اور اس کی استعداد اس محبوب بندے میں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ اس درجۂ مأذونیت کی برکات اور ثمرات کی وجہ سے وہ اس درجہ مختار بنا دیئے جاتے ہیں کہ اللہ رب العزت انہیں مخلوق میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرما دیتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے فیضیاب ہونے کے بعد پھر بھی مختار بالذات نہیں ہوتے بلکہ بہ عطائے الٰہی اور باذنِ الٰہی مختار ہوتے ہیں چونکہ مقرب ہونے کے باعث مأذون ہیں لہٰذا جب تک مأذون رہیں تب تک مختار بھی رہتے ہیں اس کو قانونی زبان میں اختیارات کی تفویض (Delegation of Powers) کہتے ہیں۔ ایک کام کے لئے جب ایک بار اختیار دے دیا گیا تو اس کے استعمال میں ہر بار اجازت نہیں لینا پڑتی بلکہ یہ اجازت اس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک بندہ اس درجۂ ماذونیت پر فائز رہتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے مرتبۂ نبوت و رسالت اور مرتبۂ ولایت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اپنے تصرفات میں اس قدر مختار ہوتے ہیں کہ بقول حکیم الامت علامہ اقبالؒ اس مقام پر فائز کر دیئے جاتے ہیں کہ

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کا مصداق بن جاتے ہیں۔

---

(۱) القصص، ۲۸:۶۸

۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ دائرۂ ماذونیت میں مختارِ کل ہیں

بعض کلمات کا اطلاق بعض جگہوں میں مختلف معنی دیتا ہے۔ مثلاً لفظِ کُل جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا تو حقیقی معنی میں ہوگا مگر جب یہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی بندۂ مرتضٰی کے لئے استعمال ہوگا تو اضافی معنی میں ہوگا۔ حضور ﷺ کے لئے مختارِ کُل اسی معنی میں مراد لیا جاتا ہے۔ جب یہی لفظِ کُل مخلوق کے لئے استعمال ہو تو اس کے اطلاقات اور مفاہیم درجہ بدرجہ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک چیز کسی دوسری چیز کے مقابلے میں کُل ہے تو وہی چیز کسی دوسری کے مقابلے میں جزو ہوگی۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، اس طرح جیسے ہماری یہ کائنات دنیا کے مقابلے میں کُل ہے مگر یہی کائنات باقی سب کائناتوں کے مقابلے میں جزو ہے۔

انسانی علم جتنا بھی لامحدود اور وسیع ہو جائے وہ ''ما کان اور ما یکون'' (جو ہو چکا اور جو ہوگا) کی حدود کے اندر ہی رہتا ہے اس سے آگے اس کی حدیں ختم ہوجاتی ہیں۔ یہی ''کُل'' انسانی علم جب حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کے علم کے مقابلے میں رکھا جائے گا تو مخلوق کا سارا علم حضور ﷺ کے علم کے مقابلے میں محض جزو ہوگا اور آپ ﷺ کا علم تمام مخلوق کے علم کو محیط ہوگا۔ مگر جب حضور نبی اکرم ﷺ کا ''کُل'' علم اللہ رب العزت کے علم کے مقابل لایا جائے تو یہ اس کا جزو ہوگا۔ اسی طرح حضور ﷺ کے اختیارات، اختیاراتِ الٰہی کے مقابلے میں جزو اور بعض ہیں جبکہ باقی ساری مخلوق کے اختیارات و تصرفات، اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ کے مقابلے میں جزو ہوں گے۔ حضور ﷺ کے کلی اختیارات و تصرفات اذنِ الٰہی سے جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے اور جو چیز آپ ﷺ کے دائرۂ ماذونیت میں ہے اس میں آپ ﷺ مختارِ کُل ہیں اور آپ ﷺ کا یہ منصب و درجہ ابدالآباد تک قائم رہے گا۔

۹۔ اختیار کی تفویض سنّتِ الٰہیہ ہے

توحید فی القدرت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت کا اختیار جس قدر چاہا

اپنے انبیاء کو تفویض کر دیا۔ جو دنیاوی اور شرعی امور میں قوانین وضوابطِ الٰہی کے تابع ہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ○[1]

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اوراپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے○‘‘

اللہ تعالیٰ نے اولو الامر (بااختیار حاکم اور امیر) کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ترتیب سے اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ اور بااختیار حاکم (اولو الامر) کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اولو الامر سے مراد وہ امیر ہے جو اسلامی ریاست میں اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند ہو۔ اس طرح وہ سب سربراہان، حکام اور صاحبانِ اقتدار جن کو اسلامی ریاست مقرر کرے اولو الامر کے زمرے میں آتے ہیں اور وہ سب مشروط الاطاعت ہیں۔ قرآن نے ایک مقام پر کہا ہے کہ سب امر یعنی اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ.[2]

’’فرما دیں کہ سب امر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘

---

(۱) النساء، ۴: ۵۹

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۴

جبکہ سورۂ نساء کی آیت: ۵۹ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ ریاستِ اسلامی کے مقتدر اور مختار صاحبانِ امر کی اطاعت کی جائے اگر تصورات میں تخصیص کئے بغیر عام ڈگر اختیار کی جائے اور خالق و مخلوق کے لئے لفظِ ''امر'' کو ایک ہی شمار کیا جائے تو انتشار، افراتفری اور عقیدۂ توحید میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایک واضح، مناسب اور برمحل نقطۂ نظر اپنایا جائے اور وہ یہی ہے کہ خالقِ کائنات کی طرف ''امر'' کی نسبت ذاتی طور پر ہے جبکہ مخلوق کی طرف نسبت اس کی طرف سے تفویض کردہ ہے۔

ا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا احکامِ منصوصہ میں استثناء کا اختیار

اللہ تعالیٰ نے احکامِ حلّت و حرمت جاری کرنے کا اختیار اپنے رسول ﷺ کو عطا کر دیا کہ آپ ﷺ کسی بھی چیز کو اجازت اور رخصت کا اختیار بروئے کار لا کر حلال قرار دے سکتے ہیں اور کسی بھی شے کو منع اور نہی فرما کر حرام میں بدل سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہٰہُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَ عَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝(۱)

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امّی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو

(۱) الاعراف، ۷:۱۵۷

انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اوران سے ان کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر(نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم وتوقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد ونصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo‘‘

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو حرام قرار دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی حرمت کے احکام میں استثناء پیدا کیا ہے۔ مثلاً وہ جانور جسے شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے اس کا کھانا حلال ہے اگر وہ درست طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو اور اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ جانور مردار اور حرام تصور ہوگا۔ اس قرآنی حکم میں حضور ﷺ نے استثناء کرتے ہوئے مچھلی اور ٹڈی کو حلال فرمایا۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ: اَلْحُوتُ وَ الْجَرَادُ.(۱)

’’ہمارے لئے دو مردار حلال کئے گئے ہیں: مچھلی اور ٹڈی۔‘‘

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں اس استثناء کا ذکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ، فَأمَّا الْمَيْتَتَانِ: فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ، وَ أمَّا

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الصيد، باب صيد الحيتان و الجراد، ۲: ۱۰۷۳، رقم: ۳۲۱۸

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۵۷

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

الدَّمَانِ: فَالكَبِدُ وَالطِّحَالُ.(۱)

’’ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں دو مردار تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔‘‘

مردار اور خون کی حرمت کا اعلان حکمِ قرآنی ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات سے اس حکم میں استثناء کرتے ہوئے مردار مچھلی، ٹڈی اور خون کلیجی اور تلی کو حلال قرار دیا۔ مچھلی کو ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی موت فطری طور پر ہوتی ہے۔ پس ہم مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی کو جو قرآنی حکم کے مطابق ’’میتۃ اور دم‘‘ کی تعریف میں آتے ہیں، حلال کے طور پر کھاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں ان اشیاء کی حلت کا استثنائی حکم نہیں دیا گیا۔ یہاں اس بنیادی نکتہ کا فہم ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو بطورِ شارع قانون سازی کا اختیار تفویض کیا گیا۔ جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیثیت صرف قرآن کے شارح ہی کی نہیں بلکہ آپ ﷺ کو بطور شارع (قانون دہندہ) کے قرآن کے علاوہ بھی بعض چیزوں کو حرام و حلال کرنے کا اختیار عطا ہوا۔ یہ معاملہ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت اور آپ ﷺ کے مقنّن اور قانون ساز شارع ہونے کی حیثیت کا ہے۔ قرآن نے آپ ﷺ کی ان دو جہتوں کو جدا جدا بیان کیا ہے۔ بعض شرعی معاملات میں قرآن مجید کا واضح حکم (قانون) موجود نہیں ہے وہاں حضور نبی اکرم ﷺ شارع یعنی صاحبِ اختیار فرمان دہندہ کی حیثیت سے قانون سازی کرتے ہیں۔ دوسری حیثیت اللہ تعالیٰ کے قانون پر رائے دہی اور تشریح سازی کی ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار بروئے کار لاتے ہیں۔ اس اعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ جو کچھ اپنی زبان سے فرما دیں اور جس بات کا اظہار کریں وہ قانون بن جاتا ہے، یہی حاکمانہ حیثیت امر کہلاتی ہے۔

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۷، رقم: ۵۷۲۳

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۲۵۴، رقم: ۱۱۲۸

۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵: ۲۱، رقم: ۵۶۲۷

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

۲۔ حضور ﷺ کا غیر منصوص احکام میں تشریعی اختیار

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ غیر منصوص احکام آپ ﷺ کو تفویض کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے حکم سے حضور نبی اکرم ﷺ کو شارع مقرر کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

و قَدْ اَقَامَ اللہ مقام نفسه فی أمر و نهیه و أخباره و بیانه. (۱)

''اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو امر، نہی اور خبر دینے اور بیان کرنے میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔''

ملا علی قاریؒ تفویضِ احکام کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ثم عد ائمتنا من خصائصه علیه السلام انه یخص من شآء بما شاء کجعله شهادة خزیمة بن ثابت شهادتین (رواه البخاری) وکترخیصه فی النیاحة لأم عطیة فی آل فلان خاصة (رواه مسلم) قال النووي للشارع أن یخص من العموم ما شاء وبالتضحیة بالعناق لأبي بردة بن نیار وغیره. (۲)

''یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ (فقہاء و محدثین) نے اس امر کو حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ آپ ﷺ جس کو چاہیں جس حکم کے ساتھ خاص کرلیں جس طرح آپ ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلی گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا (اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ تنازعات یعنی اختلافی معاملات میں قرآنی حکم کے مطابق ایک شخص کی گواہی جائز نہیں) اور اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام

(۱) ابن تیمیه، الصارم المسلول: ۴۱

(۲) علی القاری، مرقات المصابیح، ۲: ۳۲۳

عطیہ رضی اللہ عنہ کو فلاں خاندان کے لئے نوحہ کرنے کی اجازت دے دی (اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے جب کہ نوحہ کرنے کی ممانعت تھی) اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ شارع علیہ السلام کے لئے جائز ہے کہ آپ ﷺ عمومِ احکام میں سے جسے چاہیں خاص فرما لیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی کی اجازت عطا فرمائی تھی (جبکہ دوسروں کے لئے ایک سال کی عمر سے کم کی قربانی جائز نہیں ہے)۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم، (۴: ۹۶) میں یہی لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو عمومِ احکام میں تشریعی اختیارات من جانب اللہ تفویض کئے گئے ہیں۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ محدثینِ کرام اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مع كُلِّ صَلٰوةٍ.(۱)

''اگر مجھ پر اپنی امت یا (فرمایا) لوگوں کا مشقت میں پڑنا گراں نہ گزرتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔''

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ۱: ۳۰۳، رقم: ۸۴۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الطهارت، باب السواك، ۱: ۲۲۰، رقم: ۲۵۲

۳۔ ترمذی، السنن، ابواب الطهارت، باب ماجاء فی السواك، ۱: ۳۴، رقم: ۲۲

۴۔ ابوحنيفة، المسند، ۱: ۲۰۶، روايته عن على بن الحسين

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۸۷، رقم: ۷۸۴۵

ائمہ حدیث نے مسواک کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مسواک کو امت پر دشوار سمجھتے ہوئے واجب نہ کیا حالانکہ آپ ﷺ کے لئے کوئی امر مانع نہیں تھا۔ اس سے یہ امر متحقق ہوا کہ غیر منصوص احکام میں حضور نبی اکرم ﷺ کو تشریعی اختیارات حاصل ہیں۔ جن قرآنی آیات اور احادیث میں یہ آیا ہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کیا جاسکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ احکام کو حرام یا حرام کردہ احکام کو حلال نہیں کیا جاسکتا۔

تفویض کردہ احکام کا معنی منصوص احکام نہیں ہیں بلکہ اس سے غیر منصوص احکام مراد ہیں۔ منصوص احکام میں تو رد و بدل فی الواقع کفر ہے۔ پس منصوص اور غیر منصوص کی تفریق کرنا ضروری ہے ورنہ بہت سی احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بہت سی اشیاء کی حرمت اور حلت کو بیان فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں ہے مثلاً درندوں اور گدھوں کے گوشت کی حرمت بھی حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ غیر منصوص احکام میں آپ ﷺ کے تشریعی اختیار کا تفویض ہونا مسلمہ امر ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ ایک شخص روزہ توڑ دیتا ہے جس کا کفارہ از روئے حکم شریعت غلام آزاد کرنا، ساٹھ لگاتار روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسے از روئے شرع کفارہ ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ جواب میں عذر پیش کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اس میں کفارہ ادا کرنے کی ہمت نہیں یعنی وہ نہ غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ ہی ساٹھ روزے رکھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ وہ نفی میں جواب دیتا ہے، پھر کہیں سے صدقہ کی کھجوریں آ جاتی ہیں۔ آپ ﷺ اسے کھجوریں دے کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ لے جاؤ اور اسے غرباء میں تقسیم کرو۔ وہ شخص دوبارہ کھڑا ہو کر عرض کرتا ہے: یا رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کوئی نہیں۔ اس پر آپ ﷺ اس قدر مسکرائے کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ

نے فرمایا ’’یہ کھجوریں لے جاؤ خود بھی کھاؤ اور اہلِ خانہ کو بھی کھلاؤ یہی تمہارا کفارہ ہے۔‘‘(۱)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو قانون بنانے اور قانون سے مستثنیٰ کرنے کا مطلق اختیار ہے۔

ثابت ہوا کہ اگر درجہء مأذونیت پر فائز کوئی محبوب بندہ اپنا اختیار ایک دن اور ایک لمحہ کے لئے بروئے کار لایا تو اس اختیار کا اس کے لئے ثابت ہونا شرک نہیں۔ اگر وہ اختیار جو بندۂ مرتضیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کو بارگاہ ایزدی سے دائمًا عطا کر دیا گیا ہے اسے آپ ﷺ کے لئے ثابت کرنا کیسے شرک ہو گا؟ شرک ایک ایسی چیز ہے جس میں قلت و کثرت کی کوئی قید نہیں۔ جو کام ایک لمحے کے لئے شرک ہے وہ ساری زندگی کے لئے بھی شرک ہے۔

خلاصۂ بحث

۱۔ قرآن و سنت کی نصوصِ قطعیہ سے یہ امر متعین ہو گیا کہ **ہر چیز کا مالکِ حقیقی ربّ لم یزل ہے** اور مخلوق مالک نہیں بلکہ باعث، واسطہ، ذریعہ اور سبب ہے پس مخلوق کو مسبِّب بنانا شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کو باعث، سبب اور ذریعہ کہنا کفر ہے۔ مالک اور باعث میں بعد المشرقین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مالک ہونا ہے باعث و سبب ہونا نہیں ہے تو مالک کو باعث اور باعث کو مالک کہنا بہت بڑا التباس ہے۔

۲۔ **صحت و بیماری کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق اس ضمن میں وسیلہ، ذریعہ اور واسطہ ہیں مالک بالذات نہیں ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب إذا جامع فی رمضان، ۲:۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان علی الصائم، ۲:۷۸۱، رقم: ۱۱۱۱

۳۔ **نفع و نقصان کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق نفع و نقصان کی مالک نہیں بلکہ سبب اور واسطہ و ذریعہ ہے۔ اگر مخلوقِ خدا کو باعث اور ذریعہ ماننا شرک ہو تو سارا نظام زندگی شرک کی آماجگاہ بن جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو نفع و نقصان کا مالک اور مخلوق کو باعث سمجھنا شرک نہیں۔

۴۔ **ہدایت کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء اور اولیاء اس کے حکم سے ہادی و مہدی ہیں۔ اس لیے وہ ہدایت کے حصول کیلئے باعث، سبب اور واسطہ ہیں۔ اگر انہیں ہدایت دینے والا نہ مانا جائے تو پھر نظامِ نبوت و رسالت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ پس ہدایت کے باب میں انبیاء و اولیاء کو واسطہ و سبب ماننا عین توحید ہے، شرک نہیں ہے۔

۵۔ **رزق اور وسائلِ رزق کا مالکِ حقیقی** اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق رزق کی مالک نہیں سبب ہے یعنی رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے لیکن وہ اس کا خود سبب نہیں بنتا بلکہ وہ مخلوق میں سے کسی کو سبب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رزق کا مالک اور مسبِّب ہے، سبب اور وسیلہ نہیں بلکہ مالک اور رازق ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل سوم

توحید فی الدّعاء

اور

شرک فی الدّعاء

www.MinhajBooks.com

توحید فی الدُّعا

دُعا مومن کا ہتھیار اور عبادت کا مغز ہے۔ یہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق اور قربت کا ذریعہ ہے۔ دُعا اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور بندگانِ خدا کا محبوب عمل بھی۔ اصلاً، حقیقتاً اور شرعاً دُعا اللہ تعالیٰ کے حضور مانگی جاتی ہے اور یہ اسی کے لئے خاص ہے۔ پس توحید فی الدُعا سے مراد یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کو مستجیب الدعوات (دُعائیں قبول کرنے والا) تسلیم کیا جائے۔ اِسی کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے جائیں اور شدائد و مصائب اور مشکلات و آلام میں اُسی کے حضور گڑگڑا کر گریہ و زاری کی جائے۔

فقط اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس کی بارگاہ میں دُعا کرنا توحید فی الدعا ہے جبکہ اِس کے برعکس غیر اللہ کو حقیقی فریاد رس سمجھ کر اُن سے دعا کرنا شرک فی الدعا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

دُعا کے حوالے سے ایک عام غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ''دَعَا یَدْعُو" کے ذریعے قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللهِ اَحَدًاo"(1)

''پس اللہ کے ساتھ کسی اور کی پرستش مت کیا کروo''

اسی مضمون پر مشتمل بہت سی آیات سے برخود غلط استدلال کرتے ہوئے یہ نکتہ اٹھایا جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو نداء "یا'' کے ساتھ مخاطب کرنا اور متوجہ کرنا شرک ہے

(1) الجن، ۷۲:۱۸

چنانچہ بعض لوگ بتوں کی پرستش کے بارے میں نازل ہونے والی آیات سے مغالطہ پیدا کر کے ان کو اہل اللہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اِس مغالطہ آفرینی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ''دعا یدعو'' کا صحیح معنی و مفہوم نہیں سمجھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ دُعا کا معنی اور اس کے اطلاقات کو قرآنی آیات کے تناظر میں صحیح سیاق و سباق سے دیکھا جائے۔

قرآن حکیم میں لفظِ دُعا کے معانی

لفظِ دُعا، دَعْوٌ یا دَعْوَۃٌ سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی بلانا یا دعا کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ دُعا تین مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ دُعا بمعنی دعوت (Invitation)

۲۔ دعا بمعنی التجا (Supplication)

۳۔ دُعا بمعنی عبادت (Worship)

اب ہم بالترتیب مذکورہ بالا تینوں معانی کی مثالیں قرآنِ حکیم سے پیش کرتے ہیں:

۱۔ دُعا بمعنی دعوت

دُعا کا پہلا اور معروف معنی دعوت دینا یعنی بُلانا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

۱۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (۱)

''(اے حبیبِ مکرم!) فرما دیجئے: یہی میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر (قائم) ہوں، میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

(۱) یوسف، ۱۲:۱۰۸

۲۔ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ۔[۱]

’’(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔‘‘

۳۔ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ۔[۲]

’’اور ہم نے انہیں (دوزخیوں کا) پیشوا بنا دیا کہ (وہ لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔‘‘

۴۔ وَ یٰقَوۡمِ مَالِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ ؁[۳]

’’اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو؁‘‘

۵۔ وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ؁[۴]

’’اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے: بیشک میں (اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں؁‘‘

۶۔ کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡھُمۡ اِلَیۡہِ۔[۵]

’’مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے (وہ توحید کی بات) جس کی طرف آپ انہیں

(۱) النحل، ۱۶:۱۲۵

(۲) القصص، ۲۸:۴۱

(۳) المؤمن، ۴۰:۴۱

(۴) حم السجدۃ، ۴۱:۳۳

(۵) الشوریٰ، ۴۲:۱۳

بلا رہے ہیں۔‘‘

۷۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔[(۱)]

’’یاد رکھو تم وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔‘‘

۸۔ مزید ارشاد ہوا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝[(۲)]

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ رسول (ﷺ) تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بیشک (اللہ) تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو ۝‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی میں دعا بمعنی دعوت اِستعمال ہوا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ داعی الی اللہ ہیں اور مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ دُعا بمعنی التجا

دَعَا یَدْعُو کا دوسرا اطلاق پکارنا ہے یعنی بعض جگہ **دعا یدعو** دعا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے حضور اس کے عاجز بندے دعا کرتے ہیں اور وہ ان دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جب کوئی سائل اپنے ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے تو اس وقت التجا کی صورت میں دعا عبادت شمار ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) محمد، ۴۷:۳۸

(۲) الحدید، ۵۷:۸

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ.[1]

''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(ادعونی) وحدونی قال رسول اللہ ﷺ: الدعاء هو العبادة۔[2]

''ادعونی کا معنی ہے صرف مجھ ہی سے دعا کرو، جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دُعا عبادت ہے۔''

اس حدیثِ پاک کی رو سے وہ دُعا شرک ہے جو غیر اللہ سے ہو اور بطورِ عبادت ہو لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ محض پکارنا ہرگز عبادت نہیں۔

ذاتِ باری تعالیٰ حقیقی معین و مغیث اور مددگار ہے۔ قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی اکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ تک کئی انبیاء علیہم السلام کی وہ دعائیں مذکور ہیں جنہیں باری تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اسی طرح سابقہ اُمم کے لوگوں کا مختلف احوال میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا ذکر بھی قرآن مجید میں ملتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں جن آیاتِ مبارکہ میں دَعَا يَدْعُوْ بمعنی ''دعا'' استعمال ہوا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ۔[3]

''اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی۔''

۲۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ

(۱) المؤمن، ۴۰:۶۰

(۲) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر

(۳) آل عمران، ۳:۳۸

تَدْعُوْنَ ج اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَo بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَo(۱)

’’آپ (ان کافروں سے) فرمائیے: ذرا یہ تو بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ پہنچے تو کیا (اس وقت عذاب سے بچنے کے لئے) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ (ایسا ہرگز ممکن نہیں) بلکہ تم (اب بھی) اسی (اللہ) کو ہی پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہے تو ان (مصیبتوں) کو دور فرما دیتا ہے جن کے لئے تم (اسے) پکارتے ہو اور (اس وقت) تم ان (بتوں) کو بھول جاتے ہو جنہیں (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہوo‘‘

۳۔ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا......(۲)

’’ارشاد ہوا: بے شک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم دونوں ثابت قدم رہنا۔‘‘

۴۔ قُلِ ادْعُوا اللهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔(۳)

’’فرما دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، جس نام سے بھی پکارتے ہو (سب) اچھے نام اسی کے ہیں۔‘‘

۵۔ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ......(۴)

’’اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع

(۱) الانعام، ۶: ۴۰۔ ۴۱

(۲) یونس، ۱۰: ۸۹

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۱۰

(۴) الزمر، ۳۹: ۸

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

کرتے ہوئے پکارتا ہے پھر جب (اللہ) اُسے اپنی جانب سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اُس (تکلیف) کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے دعا کیا کرتا تھا۔‘‘

۶۔ لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ ز وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ○[۱]

’’انسان بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے برائی پہنچ جاتی ہے تو بہت ہی مایوس، آس اور امید توڑ بیٹھنے والا ہو جاتا ہے ○‘‘

۷۔ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ○[۲]

’’اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرنیوالا ہوجاتا ہے ○‘‘

۸۔ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○[۳]

’’سوانہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں (اپنی قوم کے مظالم سے) عاجز ہوں پس تو انتقام لے ○‘‘

مذکورہ بالا تمام آیات میں دعا کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کو حقیقی معین و مغیث جان کر اُسی سے ہی دُعا کی جائے بلاشک و ریب وہی مجیب الدعوات ہے۔

۳۔ دُعا بمعنی عبادت

محاورۂ قرآنی میں یہ بات بڑی عام اور متداول ہے کہ جہاں عبادت کا معنی مراد ہو وہاں قرآن یدعون کا استعمال کرتا ہے اور عموماً جہاں ’’دعا‘‘ من دون اللہ یا مع اللہ کے ساتھ استعمال ہو، وہاں عبادت مراد ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اس معنی کے حوالے سے کثیر آیات وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حم السجدہ، ۴۱:۴۹

(۲) حم السجدۃ، ۴۱:۵۱

(۳) القمر، ۵۴:۱۰

۱۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔(۱)

’’اور آپ ان (شکستہ دل اور خستہ حال) لوگوں کو (اپنی صحبت و قربت سے) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو صرف اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے رہتے ہیں۔‘‘

۲۔ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ۔(۲)

’’فرما دیجئے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان (جھوٹے معبودوں) کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔‘‘

۳۔ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا۔(۳)

’’فرما دیجئے: کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہمیں نہ (تو) نفع پہنچا سکے اور نہ (ہی) ہمیں نقصان دے سکے۔‘‘

۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔(۴)

’’بے شک جن (بتوں) کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ بھی تمہاری ہی طرح (اللہ کے) مملوک ہیں۔‘‘

۵۔ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ۔(۵)

’’سو ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے۔‘‘

---

(۱) الانعام، ۶:۵۲

(۲) الانعام، ۶:۵۶

(۳) الانعام، ۶:۷۱

(۴) الاعراف، ۷:۱۹۴

(۵) هود، ۱۱:۱۰۱

www.MinhajBooks.com

۶۔ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ۔[(۱)]

’’اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک تھے جن کی ہم تجھے چھوڑ کر پرستش کرتے تھے۔‘‘

۷۔ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا۝[(۲)]

’’ہم اس کے سوا ہرگز کسی (جھوٹے) معبود کی پرستش نہیں کریں گے (اگر ایسا کریں تو) اس وقت ہم ضرور حق سے ہٹی ہوئی بات کریں گے۝‘‘

۸۔ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ ط ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ۝ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ط لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِیْرُ۝[(۳)]

’’وہ (شخص) اللہ کو چھوڑ کر اس (بت) کی عبادت کرتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکے اور نہ ہی اسے نفع پہنچا سکے، یہی تو (بہت) دور کی گمراہی ہے۝ وہ اسے پوجتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ کیا ہی برا مددگار ہے اور کیا ہی برا ساتھی ہے۝‘‘

۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ۔[(۴)]

’’بیشک جن (بتوں) کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی (بھی) پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس (کام) کیلئے جمع ہو جائیں۔‘‘

(۱) النحل، ۱۶:۸۶

(۲) الکہف، ۱۸:۱۴

(۳) الحج، ۲۲:۱۲۔۱۳

(۴) الحج، ۲۲:۷۳

۱۰۔ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ.[1]

”اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش کرتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی سند نہیں ہے۔“

۱۱۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ.[2]

”اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ (ہی) کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیر حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے اور نہ (ہی) بدکاری کرتے ہیں۔“

۱۲۔ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ○ مِنْ دُوْنِ اللهِ ط قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا.[3]

”پھر ان سے کہا جائے گا: کہاں ہیں وہ (بت) جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا، وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہوگئے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کی پرستش نہیں کرتے تھے۔“

۱۳۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ.[4]

”اور وہ سب (بت) اُن سے غائب ہوجائیں گے جن کی وہ پہلے پوجا کرتے تھے۔“

(۱) المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

(۲) الفرقان، ۲۵:۶۸

(۳) المؤمن، ۴۰:۷۳۔ ۷۴

(۴) حم السجدہ، ۴۱:۴۸

۱۴۔ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ.[۱]

’’اور جن کی یہ (کافر لوگ) اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ (تو) شفاعت کا (کوئی) اختیار نہیں رکھتے۔‘‘

دُعا بمعنی عبادت: جمہور مفسرین کی صراحت

مندرجہ بالا تمام آیاتِ مبارکہ کے ایسے مقامات میں جہاں دُعا کا معنی عبادت ہے وہاں اس سے مراد بتوں کی عبادت لی گئی ہے۔ عبادت کے معنی میں دعا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لئے جائز نہیں جیسا کہ کفار و مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن اس مفہوم کو انبیاء اور اولیاء عظام کو توسلاً پکارنے پر منطبق کرنا صریحاً منشاء قرآن کی خلاف ورزی ہے۔ ایسے مقامات پر جمہور مفسرینِ کرام نے بھی دعا یدعو سے عبادت مراد لیا ہے محض پکارنا نہیں، چند ایک حوالہ جات ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ تفسیر ابنِ عباس

رئیس المفسرین سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر ’تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس‘‘ میں آیاتِ قرآنی میں دعا یدعو سے مشتق الفاظ جب مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ ہوں تو ان کے معانی ’’عبادت و پرستش‘‘ اور مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد ’’کفار و مشرکین کے بت اور طواغیت‘‘ ہیں۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الأوثان.

یہاں تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ ہے (یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو) اور مِنْ

(۱) الزخرف، ۴۳:۸۶

دُوْنِ اللهِ کا معنی مِنَ الأَوْثَانِ (بت) ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تَدْعُوْنَ سے محض پکارنا مراد نہیں لیا بلکہ ان کے نزدیک اس کا معنی عبادت کرنا ہے جبکہ مِنْ دُوْنِ اللهِ کا معنی بت ہیں۔[1]

۲۔ سورۃ الانعام، ۶:۷۱

(اَنَدْعُوْ) تأمروننا ان تعبد (مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا) ان عبدناه فی الدنیا و الآخرة (وَلَا يَضُرُّنَا) إن لم نعبده فی الدنیا والآخرة.[2]

أَنَدْعُوْا کا معنی ہے کہ تم ہمیں یہ کہتے ہو کہ ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہمیں دنیا اور آخرت میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے خواہ ہم عبادت کریں اور نہ ہی ہمیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں خواہ ہم ان کی عبادت نہ بھی کریں۔

۳۔ سورۃ الانعام، ۶:۱۰۸

(وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ) يعبدون.[3]

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ کا معنی ہے اور (اے مسلمانو!) تم ان جھوٹے معبودوں کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔

یہاں بھی يَدْعُوْنَ کا معنی محض پکارنا نہیں بلکہ يَعْبُدُوْنَ عبادت اور پرستش کرنا، ہے۔

۴۔ سورۃ الأعراف، ۷:۱۹۴

(إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الأصنام.[4]

اس آیت کریمہ میں بھی تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ عبادت کرنا اور مِنْ دُوْنِ اللهِ کے معنی مِنَ الْأَصْنَامِ یعنی بت ہیں۔

(۱-۴) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

۵۔ سورۃ الاعراف، ۱۹۷:۷

(وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِهٖ) مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنَ الأوثان.[۱]

اور جن (بتوں) کو تم اس کے سوا پوجتے ہو۔

یہاں بھی تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ ہے (جن کی تم عبادت کرتے ہو) اور من دونه سے مراد أوثان (بت) ہیں۔

۶۔ سورۃ یونس، ۱۰۶:۱۰

(وَلَا تَدْعُ) لا تعبُد.[۲]

وَلَا تَدْعُ سے مراد لا تعبد (عبادت نہ کرو) ہے۔

۷۔ سورۃ ھود، ۱۰۱:۱۱

(یَدْعُوْنَ) یعبدون.[۳]

یَدْعُونَ کا معنی یَعْبُدُوْنَ (وہ پوجتے تھے) ہے۔

۸۔ سورۃ النحل، ۸۶:۱۶

(کُنَّا نَدْعُوْا) نعبد.

کُنَّا نَدْعُوْا کا معنی کُنَّا نَعْبُدُ (جس کی ہم عبادت کرتے تھے) ہے۔

۹. سورۃ الکھف، ۱۴:۱۸

(لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ) لن نعبد من دون الله.[۴]

لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ کا معنی لَنْ نَعْبُدَ مِنْ دُوْنِ اللهِ (ہم اللہ کے سوا ہرگز کسی

(۱-۴) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

(جھوٹے) معبود کی عبادت نہیں کریں گے) ہے۔

۱۰۔ سورۃ الحج، ۲۲:۱۲

(یَدْعُوْا) یعبد. (۱)

یدعوا کا معنی یعبد (عبادت کرنا ہے) ہے۔

۱۱۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الأوثان. (۲)

''بیشک جن (بتوں) کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔''

اس آیت کریمہ میں بھی تدعون کا معنی تعبدون (تم عبادت کرتے ہو) ہے اور من دون اللہ کا معنی من الأوثان (بت) ہے۔

۱۲۔ سورۃ المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

(وَمَنْ یَّدْعُ) یعبد (مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ) من الأوثان. (۳)

اور جو شخص اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرتا ہے۔

اس آیت میں بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر کے مطابق یَدْعُ کا معنی یَعْبُدُ اور اِلٰھًا آخر کا معنی اوثان ہے۔

۱۳۔ سورۃ الفرقان، ۲۵:۶۸

(وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ) لا یعبدون مع الله (اِلٰهًا اٰخَرَ) من الأصنام. (۴)

لا یَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ کا معنی لَا یَعْبُدُوْنَ مَعَ اللهِ (وہ لوگ اللہ کے ساتھ عبادت

(۱-۴) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

نہیں کرتے) اِلٰهًا اٰخَرَ کا معنی من الأصنام (بتوں میں سے) ہے۔

۱۴۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(بَلْ لَّمْ نكُنْ نَّدْعُوْا) نعبد.[۱]

نَّدْعُوْا کا معنی نَعْبُدُ (ہم عبادت نہیں کرتے تھے) ہے۔

۱۵۔ سورۃ الزخرف، ۴۳:۸۶

(وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ) يعبدون (مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ).[۲]

''اور جن کی یہ (کافر لوگ) اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ (تو) شفاعت کا (کوئی) اختیار نہیں رکھتے۔''

یہاں بھی یدعون کا معنی یعبدون ہے۔

۱۶۔ سورۃ الجن، ۷۲:۱۸

(فَلَا تَدْعُوْا) فلا تعبدوا.[۳]

فلا تدعوا کا معنی فلا تعبدوا (پرستش مت کیا کرو) ہے۔

۲۔ تفسیر بغوی

امام بغوی کے نزدیک بھی جب مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ دَعَا يَدْعُوْ کا استعمال ہو تو عبادت کا معنی دیتا ہے۔ سورہ النحل کی آیت ۸۶ کے تحت وہ رقمطراز ہیں:

(كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ) أربابًا و نعبدهم.[۴]

(۱-۳) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس

(۴) بغوی، معالم التنزیل، ۳: ۸۱

كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ کا معنی ہے وہ جھوٹے معبود جن کی ہم تجھے چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔

۳۔ تفسیر نسفی

معروف مفسر امام نسفی کے نزدیک بھی جب تدعون کے الفاظ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ آئیں تو اس سے مراد عبادت ہوتی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۹۴ کے تحت وہ لکھتے ہیں:

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ) أی تعبدونهم و تسمونهم آلهة.(۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ کا معنی ہے (بے شک جن بتوں کی) تم عبادت کرتے ہو اور انہیں معبود سمجھتے ہو۔

۴۔ تفسیر ابنِ کثیر

امام ابنِ کثیر نے بھی مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ یدعون اور تدعون کا معنی عبادت کیا ہے۔

۱۔ سورۃ **ھود، ۱۱:۱۰۱**

(فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ) أوثانهم (الَّتِىْ) يعبدونها و يدعونها (مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ) ما نفعوهم ولا انقذهم لما جاء أمر الله بإهلاكهم.(۲)

---

(۱) نسفی، مدارک التنزیل، ۲:۱۶۸

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲:۴۶۰

فَمَا أَغْنَتْ عَنْھُمْ اٰلِھَتُھُمْ سے مراد اوثانھم (ان کے بت) ہے جن کی وہ عبادت کرتے اور پکارتے (مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ) کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انہوں نے کبھی بھی انہیں نفع پہنچایا اور نہ وہ انہیں اس وقت بچا سکے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ فرمایا۔

۲۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ) أی لو اجتمع جميع ما تعبدون من الأصنام و الانداد على ان يقدروا على خلق ذباب واحد.[۱]

اس آیت کا معنی ہے یعنی اگر وہ سب بت اور جھوٹے معبود بھی جمع ہو جائیں جن کی تم عبادت کرتے ہو تب بھی وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ ایک مچھر کی بھی تخلیق کر سکیں۔

۳۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(لَمْ نَکُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا) أی جحدوا عبادتهم.[۲]

اس میں آیت کا معنی ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت بجا لانے کا انکار کیا تو پتہ چلا کہ ہر جگہ ''دَعَا یَدْعُوْ'' کا معنی محض پکارنا نہیں بلکہ جب وہ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ضمن میں ہو تو قرآنی اصول کے مطابق وہاں اس سے مراد عبادت ہوتی ہے اور یہی شرک ہے۔

۵۔ تفسیر الجلالین

عالم اسلام کے دینی تدریسی حلقوں میں متداول معروف تفسیر جلالین میں بھی

---

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳:۲۳۵

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۸۸

قرآنی اصول کے مطابق مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ یدعون اور تدعون کا معنی عبادت ہے۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون۔ (۱)

اس آیت کریمہ میں تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ (تم عبادت کرتے ہو) ہے۔

۲۔ سورۃ الاعراف، ۷:۱۹۴

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ) تعبدون۔ (۲)

”بے شک جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو۔“

تَدْعُوْنَ سے مراد تَعْبُدُوْنَ (تم عبادت کرتے ہو) ہے۔

۳۔ سورۃ یونس ۱۰:۱۰۶

(وَلَا تَدْعُ) تَعْبد. (۳)

وَلَا تَدْعُ کا معنی وَلَا تَعْبُدُ (اور تم عبادت نہ کرو) ہے۔

۴۔ سورۃ ھود، ۱۱:۱۰۱

(یَدْعُوْنَ) أی یَعبدون. (۴)

یَدْعُوْنَ کا معنی یَعْبُدُوْنَ (عبادت کرتے تھے) ہے۔

۵۔ سورۃ الحج، ۲۲:۱۲

(یَدْعُوْا) یعبد (مِنْ دُوْنِ اللهِ) من الصنم (مَا لَا یَضُرُّهٗ) إن لم یعبده (وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ) إن عبده. (۵)

(۱-۵) تفسیر الجلالین

یَدْعُوْا کا معنی یَعْبُدُ (عبادت کرتا ہے) ہے مِنْ دُوْنِ اللهِ کا معنی من الصنم (بت) ہے مَا لَا یَضُرُّهٗ کا معنی ہے جو اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے اگرچہ عبادت نہ بھی کریں اور وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ کا معنی (جو اسے نفع نہیں پہنچا سکتے اگرچہ اس کی عبادت بھی کریں) ہے۔

۶۔ سورۃ الحج، ۲۲:۷۳

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ) أی غیره و هم الأصنام.[۱]

تَدْعُوْنَ یعنی تَعْبُدُوْنَ (عبادت کرتے ہیں) مِنْ دُوْنِ اللهِ سے، اللہ کے ما سوا بت مراد ہیں۔

۷۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(مِنْ دُوْنِ اللهِ) معه و هی الأصنام

مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد أصنام (بت) ہیں۔

(بَلْ لَّمْ نَکُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا) أنکروا عبادتهم إیاها.[۲]

اس آیتِ کریمہ میں کفار ومشرکین نے بتوں کی عبادت بجا لانے کا انکار کیا ہے محض پکارنے کا نہیں۔

۸۔ سورۃ الزخرف، ۴۳:۸۶

(وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ) یعبدون أی الکفار.[۳]

اس آیت میں بھی یَدْعُوْنَ کا معنی یَعْبُدُوْنَ (کفار کا بتوں کی عبادت کرنا) ہے۔

(۱-۳) تفسیر الجلالین

۹۔ سورۃ الجن، ۷۲:۱۸

(وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ) مواضع الصلاة (لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا) فيها (مَعَ اللهِ اَحَدًا) بأن تشركوا كما كانت اليهود و النصارى اذا دخلوا كنائسهم و بيعهم أشركوا.(۱)

اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ مساجد اللہ کے لئے نماز کی جگہ ہیں بس اس میں اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو، کہ تم اس طرح شرک کرو جس طرح یہود و نصاریٰ جب اپنی عبادت گاہوں میں جاتے تھے اور شرک کرتے تھے۔

۶۔ تفسیر فتح القدیر

علامہ شوکانی نے بھی اپنی تفسیر ''فتح القدیر'' میں دَعَا یَدْعُوْ جب مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عبادت کیا ہے۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ) أمره الله سبحانه أن يعود إلى مخاطبة الكفار و يخبرهم بأنه نهى عن عبادة ما يدعونه و يعبدونه من دون الله.(۲)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم دیا کہ کفار کی باتوں کا جواب دیا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو بطور عبادت پکارنے سے منع فرمایا ہے جن کی یہ کفار اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔

(۱) تفسير الجلالين

(۲) شوكانى، فتح القدير، ۲: ۱۲۲

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۲۔ سورۃ الانعام، ۶:۷۱

(قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ) أی کیف ندعوا من دون الله أصناما لا تنفعنا بوجه من وجوه النفع إن أردنا منها نفعا و لا نخشی ضرها بوجه من الوجوه، ومن کان هکذا فلا یستحق العبادة.(۱)

قُلۡ اَنَدۡعُوۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ سے مراد ہے: ہم کس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کی عبادت کریں جو ہمیں کسی طرح بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے خواہ ہم ان سے کسی نفع کی توقع رکھیں اور نہ ہمیں ان سے کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ پس جن کی اتنی سی حیثیت ہو وہ ہرگز عبادت کے لائق نہیں ہوسکتے۔

۳۔ سورۃ ھود، ۱۱:۱۰۱

(فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ) أی فما دفعت عنهم أصنامهم التی یعبدونها من دون الله شیئا من العذاب.(۲)

(فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ) سے مراد ہے جن بتوں کی وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے وہ ان کفار سے اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ ٹال سکے۔

۴۔ سورۃ النحل، ۱۶:۸۶

(الَّذِیۡنَ کُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِکَ) أی الذین کنا نعبدهم من دونک.(۳)

(الَّذِیۡنَ کُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِکَ) سے مراد ہے: یہی ہمارے شریک تھے ہم

(۱) شوکانی، فتح القدیر، ۲:۱۳۰

(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۲:۵۲۴

(۳) شوکانی، فتح القدیر، ۳:۱۸۷

تجھے چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے تھے۔

۵۔ سورۃ الحج، ۱۲:۲۲

(يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ) أى يعبد متجاوزا عبادة الله الى عبادة الاصنام (مَا لَا يَضُرُّهٗ) إن ترک عبادته، (وَلَا يَنْفَعُهٗ) إن عبده لکون ذلک المعبود جمادا لا يقدر على ضرر ولا نفع.

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کی عبادت کرتا ہے جو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اگرچہ وہ اس کی عبادت ترک بھی کرے اور نہ وہ بت اسے کوئی نفع پہنچا سکتا ہے خواہ وہ اس کی عبادت بھی کرے اس لئے کہ وہ جس بت کی عبادت کرتا ہے وہ تو ایک بے جان چیز ہے جو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہی نہیں۔

۶۔ سورۃ الحج، ۷۳:۲۲

(اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ) والمراد بما يدعونه من دون الله: الاصنام التى كانت حول الكعبة و غيرها.

و قيل المراد بهم السعادة الذين صرفوهم عن طاعة الله لكونهم أهل الحل والعقد فيهم.

و قيل الشياطين الذين حملوهم على معصية الله، والأول أوفق بالمقام و أظهر فى التمثيل.(۱)

’’اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ سے مراد ایک تو وہ بت ہیں جو کعبۃ اللہ کے اردگرد تھے یا اس کے علاوہ دیگر بت جن کی مشرکین اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے۔

(۱) شوکانی، فتح القدير، ۳: ۴۲۹

دوسرا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے وہ سردار اور وڈیرے مراد ہیں جنہوں نے لوگوں کو اللہ کی اطاعت سے روکا کیونکہ وہی ان کے ارباب بست وکشاد تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد وہ شیاطین ہیں جنہوں نے ان کو اللہ کی معصیت پر ابھارا۔ مذکورہ معانی میں سے پہلا معنی مقام ومحل اور تمثیل کے اعتبار سے زیادہ موافق ہے۔‘‘

۷۔ سورۃ المؤمنون، ۲۳:۱۱۷

(وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ) يعبده مع الله أو يعبده وحده.(۱)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ساتھ کسی اور بت کی عبادت کرتا ہے یا اکیلے صرف بت کی عبادت کرتا ہے۔

۸۔ سورۃ المؤمن، ۴۰:۷۴

(بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا) أی لم نكن نعبد شيئا.(۲)

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا سے مراد ہے: ہم تو پہلے کسی بھی چیز کی عبادت نہیں کرتے تھے۔

۹۔ سورۃ الزخرف، ۴۳:۸۶

(وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ) أی لا يملك من يدعونه من دون الله من الأصنام.(۳)

www.MinhajBooks.com

(۱) شوکانی، فتح القدیر، ۳:۵۰۱

(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۴:۵۰۲

(۳) شوکانی، فتح القدیر، ۴:۵۶۷

وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ سے مراد ہے: یہ کفار اللہ کے سوا جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ (تو شفاعت کا) اختیار نہیں رکھتے۔

۷۔ تفسیر روح المعانی

امام محمود آلوسی بھی اپنی تفسیر ’’روح المعانی‘‘ میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کے ساتھ دَعَا یَدْعُوْ کا معنی عبادت کرتے ہیں۔

۱۔ سورۃ الانعام، ۶:۵۶

(تَدْعُوْنَ) أی تعبدونهم.[۱]

تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَهُمْ (تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو) ہے۔

۲۔ سورۃ الاعراف، ۷:۱۹۴

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ) ...... أی ان الذین تعبدونهم (مِنْ دُوْنِ اللهِ).[۲]

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ کا معنی ہے یعنی بے شک جن بتوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔

۳۔ سورۃ الجن، ۷۲:۱۸

(فَلَا تَدْعُوْا) اَیْ فَلَا تعبدوا فیها.[۳]

فَلَا تَدْعُوْا یعنی مسجدوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو۔

---

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۷:۱۶۸

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۹:۱۴۳

(۳) آلوسی، روح المعانی، ۲۹:۱۰۴

۸۔ الفوز الکبیر

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ برصغیر پاک و ہند کے ان علماء ربانیین میں سے ہیں جو غیر متنازع شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ہر مسلک کے مسلمانوں کے ہاں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ علوم القرآن پر ان کی اتنی گرفت ہے کہ ان کی تصنیف لطیف ''الفوز الکبیر'' سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے قرآنی اصول کا تعین کرتے ہوئے بطور نمونہ چند ایک آیات کے معانی بھی بیان کئے ہیں چنانچہ سورۃ الانعام، ۶: ۵۶ کے تحت وہ لکھتے ہیں:

(تَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللهِ) تَعْبُدُوْنَ. (۱)

تَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللهِ کا معنی ہے: جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ یہاں انہوں نے بعض لوگوں کی طرف سے پیدا کردہ اس مغالطے کا رد کر دیا جو آیات کی غلط تفسیر و تاویل کرکے محض کسی کو پکارنے پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ وہ اپنے استدلال کی بنیاد یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں ''تدعون'' آیا ہے تعبدون نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک بھی قرآن کے ایسے مقامات پر تَدْعُوْنَ/ یَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ اور یَعْبُدُوْنَ یعنی عبادت و پرستش ہے۔

قرآن حکیم میں وارد شدہ الفاظ کے صحیح اور درست معنی کا تعین وہ شخص کر سکتا ہے جس نے قرآن مجید کا عمیق اور گہرا مطالعہ کیا ہو اور جسے علوم القرآن پر دسترس حاصل ہو۔ پس وہ اکابر ائمہ و مفسرین جو علماء ربانیین میں سے ہیں اور علومِ قرآن میں جن کی تحقیق و مہارت میں کسی کو شک و شبہ نہیں انہوں نے جو معانی و مفاہیم متعین کئے اس پر کسی سطحی علم رکھنے والے شخص کی رائے کا کوئی وزن نہیں۔

آیات کی غلط تفسیر و تاویل کے ذریعے ممانعت کا اطلاق استغاثہ اور توسُّل جیسے

(۱) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر: ۱۳۰

جائز شرعی امور پر نہیں کیا جا سکتا۔ کفار و مشرکین بزعمِ خویش اللہ جل مجدہ کے خلاف اپنے جھوٹے معبودوں اور بتوں کو پکارتے تھے لہٰذا اگر کوئی عقیدتاً (معاذ اللہ) اللہ کے مقابلے میں کسی کو پکارے تو یہ شرک اور کفر ہے۔

امام سیوطی (سورۂ یونس، ۱۰: ۳۸) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وَ ادْعُوْا) لِلْإعانة عليه.[1]

''تم اللہ کے مقابلے میں اپنے جھوٹے معبودوں کو پکارو۔''

جب ہم انبیاء اور اولیاء سے استعانت و استغاثہ کی بات کرتے ہیں تو کبھی بھی انہیں اللہ کے مقابلے میں نہیں لاتے۔ بعض لوگ جن آیات کا حوالہ دے کر شرک کا الزام لگاتے ہیں ان کا سیاق و سباق دیکھنے سے اس بات کا صاف پتا چلتا ہے کہ یہ آیات کفار و مشرکین کیلئے نازل ہوئی ہیں اور ان کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ لہٰذا ان کا اطلاق مسلمانوں پر کرنا صریحاً گناہ ہے۔ اجل مفسّرین کے نزدیک روئے زمین پر بد ترین مخلوق وہ ہیں جو کفار اور مشرکین کے حق میں اتری ہوئی آیات کا مسلمانوں اور مومنین پر اطلاق کرتے ہیں۔

اِستعانت و استغاثہ کی صورت میں نبی یا ولی کے توسُّل سے جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعاً بالکل جائز ہے منافی توحید نہیں کیونکہ اس میں اللہ جل مجدہٗ کے اس برگزیدہ بندے سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے۔ اس موضوع پر آئندہ ابواب توسُّل اور استعانت کے ذیل میں مزید تفصیلات آ رہی ہیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) تفسیر الجلالین

• شرک فی الدُّعاء

توحید فی الدعاء کے باب میں شرک اس وقت ہوتا ہے جب وہ دُعا بمعنی عبادت ہو جیسا کہ کفار و مشرکین کے متعلق قرآن حکیم میں بصراحت ذکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر غیر سے عبادت کی نفی کے لئے قرآن مجید میں لفظ مِنْ دُوْنِ اللهِ استعمال ہوا ہے ۔ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے استعمال میں حکمت یہ ہے کہ عبادتِ الٰہی کا مقام اتنا اونچا اور ارفع ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے ثابت نہیں اس لئے کہ معبودانِ باطلہ ''ادنیٰ، گھٹیا، کم تر اور حقیر'' ہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللهِ کے غیر موزوں اور غلط اطلاقات کی طرح بعض لوگ لفظ دعا کا بھی غلط اطلاق کرتے ہیں اور قرآن میں وارد شدہ ''دعا'' کا معنی ہر جگہ ''ندا'' اور ''پکار'' کرتے ہیں کہ غیر اللہ تعالیٰ کو پکارنا شرک ہے حالانکہ مِنْ دُوْنِ اللهِ کی طرح دَعَا یَدْعُو کا دائرۂ اطلاق اور مراد بھی ہر جگہ سیاق وسباق کے پیشِ نظر متعین کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کو مستعان و مجیب حقیقی مان کر انبیاء علیہم السلام سے استغاثہ کرے، کسی سے مدد طلب کرے، کسی روحانی شفاخانے سے علاج کروائے یا دم درود اور دعا کیلئے کسی نیک صالح بندے کے پاس جائے تو یہ ہرگز شرک نہیں ہاں اگر وہ شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مخلوق بھی اللہ رب العزت کے اذن کے بغیر مستقل، بنفسہ نفع و ضرر کی مالک ہے تو یہ عقیدہ یقیناً شرک ہے۔

ایسی تمام آیاتِ مبارکہ کا سیاق و سباق کے حوالے سے جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے دشمن (اصنام، بت اور طواغیت وغیرہ) ہیں جن کو مشرکینِ عرب اپنا حاجت روا اور نجات دہندہ سمجھتے تھے اس لئے غیر اللہ کو حقیقتاً حاجت روا سمجھ کر ان سے دُعا کرنا شرک ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کیلئے مجازاً حاجت روا اور مشکل کشا ہو سکتا ہے، مجازی اور عرفی معنی میں ایسا کہہ دینا شرک نہیں کیونکہ

حقیقی حاجت روا، کارساز تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانا اور سمجھا جاتا ہے مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء و اولیاء وصلحاء کے وسیلے سے دعا کرنا مسنون ہے جس کا حکم خود قرآن نے ان الفاظ میں دیا ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. (1)

''اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو۔''

خلاصۂ بحث

گذشتہ صفحات میں ہم نے توحید فی الدعا کے تحت دَعَا یَدْعُوْ کے درست اطلاقات کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی کے صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے سیاق وسباق اور محاورۂ قرآن کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری امر ہے۔ یونہی ہر جگہ الفاظِ قرآنی کا غلط اطلاق کر کے کسی کو مشرک و بدعتی قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ بات تو ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک کو سمجھنے کیلئے تصورات کا صحیح ادراک نہایت ضروری ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم افراط وتفریط سے ہٹ کر اعتدال کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی پر عمل پیرا ہوں۔ یہی دین کا تقاضا ہے اور یہی اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا منشاء بھی اور اسی میں ہم سب کی نجات ہے۔

www.MinhajBooks.com

(1) المائدة، 5: 35

فصل چہارم

توحید فی العلم
اور
شرک فی العلم

www.MinhajBooks.com

توحید فی العلم

توحید فی العلم سے مراد یہ ہے کہ ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا مالکِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے باقی ہر کسی کا علم اس کی عطا کا مظہر ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ عِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ. (۱)

''اور غیب کی کنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا۔''

۲۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ○ (۲)

''فرما دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اللہ کے (وہ عالم بالذّات ہے) اور نہ ہی وہ یہ خبر رکھتے ہیں کہ وہ (دوبارہ زندہ کرکے) کب اٹھائے جائیں گے ○''

ان آیات میں توحید فی العلم کے عقیدے کو متحقق کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور عالم بالذات ہے۔ وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفتِ علم سے متصف ہے۔ مخلوق میں

---

(۱) الانعام، ۶:۵۹

(۲) النمل، ۲۷:۶۵

سے کوئی بھی از خود موجود و شہادت اور پوشیدہ و غیب کا علم نہیں جانتا۔ یہی توحید فی العلم ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور حضور ﷺ مطلع علی الغیب ہیں

اللہ تعالیٰ عالم الغیب (از خود غیب کا جاننے والا) ہے، وہ تنہا اور اکیلا ہی اس صفت کا مالک ہے۔ مذکورہ آیات سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ جس علمِ غیب کی نفی اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے لئے فرمائی ہے اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے لہٰذا حضور ﷺ کے لئے علمِ غیب ثابت کرنا بھی شرک ہے۔ درست عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی عالم الغیب ہے اور وہی عالم بالذات ہے کسی اور کے لئے علم غیب حقیقی اور بالذات ثابت کرنا واقعتاً شرک ہے۔ مگر ہم انبیاء علیھم السلام اور خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ مطلع علی الغیب (علمِ غیب سے سرفراز کئے گئے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے آپ کو ”مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ“ کا علم عطا فرمایا۔ حضور ﷺ کا یہ علم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں چونکہ بالذات اور حقیقی نہیں بلکہ عطائی اور متناہی ہے اس لئے یہ شرک ہرگز نہیں ہوگا۔

آیت مذکورہ بالا میں اس امر کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائناتِ انسانی میں کوئی فرد بھی اپنی ذاتی استعداد سے ان اُمورِ غیبیہ پر مطلع نہیں ہوسکتا، ہاں مگر رب ﷻ اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔ ان آیات میں ذاتی علم غیب کی نفی اور عطائی کا ثبوت ہے۔

نبوّت اور علمِ غیب کا تعلق

اللہ تعالیٰ جس پر اپنی عنایت اور شفقت فرماتا ہے اس کو اپنے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے اور جس کو چاہے مطلع نہ کرے، یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے یعنی عطا و اطلاع ثابت و جائز ہے۔ پس علمِ غیب کا انبیاء علیھم السلام کے لئے ثابت ہونا حق ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو علمِ غیب نہ دیا جائے تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا، کیونکہ نبوت دینے کا معنی ہی غیب پر مطلع کرنا ہے۔ یہ امر لفظِ ''نبی'' کے مادہ اشتقاق سے عیاں ہے۔ نَبِیٌّ، نبأٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ''خبر''۔ قرآن مجید میں لفظِ نَبَأٌ بمعنی ''خبر'' کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ وضاحت کے پیشِ نظر دو آیاتِ مبارکہ درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا:

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ.(۱)

''(اے نبی مکرم!) آپ ان لوگوں کو آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں (ہابیل وقابیل) کی خبر سنائیں جو بالکل سچی ہے۔''

اسی طرح سورۃ صٓ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ۝(۲)

''فرما دیجئے: وہ (قیامت) بہت بڑی خبر ہے ۝''

اسی لفظِ نَبَأٌ سے نَبِیٌّ اس کا فاعل ہے جس کا معنی ہے ''خبر دینے والا''۔ خبر ہمیشہ وہی چیز ہوتی ہے جو سننے والے کے لئے نئی ہو اور اسے قبل ازیں اس سے متعلق علم نہ ہو۔ گویا نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ خصوصی علم دیکر مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس حقیقت کی خبر دے سکے جس سے متعلق اس کی قوم لاعلم اور بے خبر ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو انبیاء علیہم السلام کو علمِ غیب نہ دیا جائے تو نبوت کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا کیونکہ نبوت دینے کا معنی ہی غیب پر مطلع کرنا ہے۔

الغرض علمِ غیب انبیاء علیہم السلام اور مقربین کے لئے تسلیم کرنا ضروری ہے مگر علمِ غیب ثابت کر کے اس کی بنیاد پر انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو عالم الغیب حقیقی کہنا درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی عالم الغیب کی شان فقط اللہ رب العزت کی ہے مثلاً

(۱) المائدۃ، ۵:۲۷

(۲) صٓ، ۳۸:۶۷

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں اپنے متعلق ارشاد فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لا وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَo(۱)

’’میں آسمانوں اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں، اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہوo‘‘

۲۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

عَالِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ط وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُo(۲)

’’(وہی) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی بڑا حکمت والا خبردار ہےo‘‘

اطلاع علی الغیب کا اثبات

مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ اور انکی تشریح کی روشنی میں اس بات کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ حقیقی عالم الغیب ہے لیکن اس نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ میں یہ علم کسی کو عطا نہیں فرماؤں گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے انبیاء و رسل کو جو علم دیا ہے کیا وہ غیب کی خبروں پر مشتمل علم نہیں؟ وحی کے ذریعے ملنے والا علم قطعی اور دائمی علم ہے تو یہاں اس نفی کا مفہوم کیا ہوگا، اس سوال کا جواب آیات و احادیث کے علاوہ ائمہ مفسرین کی آراء سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًاo اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

(۱) البقرۃ، ۲:۳۳

(۲) الانعام، ٦:۷۳

فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًاo(۱)

”(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتاo سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصۂ نبوت اور معجزۂ رسالت ہے)، تو بیشک وہ اس (رسول ﷺ) کے آگے اور پیچھے (علمِ غیب کی حفاظت کے لئے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہےo“

آیت کے چند تفسیری نکات

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی غیب کو جاننے والا ہے اس نے اپنے لئے عالم الغیب فرمایا۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ (پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا) کہہ کر کاہنوں، نجومیوں، کفار و مشرکین وغیرھم سب کی نفی کر دی جو اپنے ذرائع سے غیب کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیب کا علم جاننے والا صرف میں ہوں اور اپنے غیب کے علم پر کسی کافر مشرک جیسے ناپسندیدہ شخص کو آگاہ نہیں کرتا مگر چونکہ رسول اور نبی میرے پسندیدہ بندے ہوتے ہیں اس لئے انہیں علمِ غیب عطا کرتا ہوں۔

۳۔ تمام رسول، اللہ کے پسندیدہ اور مقبول بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر رسول کو پسند کرتا ہے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے یہ مراد نہیں کہ (معاذ اللہ) وہ بعض رسولوں کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند کرتا ہے۔ ایسا کہنا بھی کلمہ کفر ہے۔ اس میں بعض کی بعض پر فضیلت کا بیان ہے۔

۴۔ اس آیت میں مِنْ تبعیضیہ نہیں یعنی مراد بعض رسول نہیں بلکہ یہاں مِنْ بیانیہ ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ اور مرتضٰی رسولوں کو علمِ غیب عطا کرتا ہے۔ پتہ چلا کہ رسولوں کو علمِ غیب عطا ہونا عین توحید ہے خلافِ توحید نہیں۔

(۱) الجن، ۷۲: ۲۶۔۲۷

۵۔ ایک ہی مقام پر ایک آیت میں نفی اور متصلاً دوسری میں اثبات ہے تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ وہ ان کو علم غیب سے نہیں نوازتا جو اہل نہیں ہیں بلکہ جو اہل ہیں ان کو عطا کرتا ہے۔

۶۔ (فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا) کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ ''وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ اور مطلع نہیں کرتا۔'' کلمہ ''یُظْهِرُ'' کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ایک معنی یہ بھی ہے ''اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے غیب پر مسلط اور غالب نہیں ہونے دیتا۔'' حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے باب میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ لا وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ○[1]

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے ○''

اس آیت کریمہ میں لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کا معنی ہے ''تاکہ آپ ﷺ کو ہر دین (والے) پر غالب کردے۔'' عربی قاعدے کی رو سے جب اِظْهَار کے ساتھ عَلٰی بطورِ صلہ آئے تو اس کا معنی ''غلبہ و تسلط'' ہوتا ہے۔

پس اس قاعدہ کی رو سے یہاں بھی اظہار کا عَلٰی کے ساتھ آنے کی وجہ سے مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں ہونے دیتا یعنی اس کے غیب پر کوئی مسلط اور حاوی نہیں ہوسکتا، کسی کو تصرف اور غلبہ پانے کی قدرت نہیں ہے۔ وہ غیب کے علم کا نہ صرف جاننے والا ہے بلکہ غیب کے علم کا مالک بھی ہے۔ وہ ایسا مالک ہے کہ اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت اور قدرت حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے عطا کئے بغیر اس کا علم لے سکے اور نہ کوئی ازخود عالم

(۱) التوبۃ، ۹:۳۳

بالذات بن سکتا ہے۔

۲۔ سورۂ آل عمران میں اطلاع علی الغیب کے اثبات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ○(۱)

''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے۔ سوتم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے○''

اس آیت میں روئے خطاب کفار، مشرکین، عام انسانوں اور بالخصوص منکرین کی طرف ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ وہ تمہیں علم غیب پر مطلع کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى○(۲)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)○''

علم اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ یہ انسانیت کا امتیاز اور وجہِ شرف و تکریم ہے۔ کوئی چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے وہ اسی قدر مشکل الحصول بھی ہوتی ہے۔ یہی علم تو ہے جس کی بناء پر اللہ رب العزت نے انسان کو فرشتوں پر فوقیت عطا فرمائی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے

(۱) آل عمران، ۳:۱۷۹

(۲) النجم، ۵۳:۳۹

اپنی اس نعمت کو بھی دوسری نعمتوں کی طرح محنت و اہلیت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ یہ تو عام علم کی بات ہے رہا علم لدنی اور علم حقائق الاشیاء یعنی معرفت تو اس کے لئے اہلیت صرف اور صرف اس کے فضل کی مرہونِ منت ہے۔ جہاں تک تعلق ہے غیب کے علم کا تو علم کے باب میں غیب کی ڈگری سب سے اونچی ڈگری ہے جو اس کا اہل ہوگا وہی ڈگری لے گا اس کے برعکس کی مثال ایسے ہے جیسے پرائمری کلاس کے طالبعلم کو ماسٹر کی ڈگری دے دی جائے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جو طالبعلم میٹرک پاس بھی نہیں اور وہ کہے کہ مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری دے دو؟ اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مطلع علی الغیب کے درجہ پر فائز نہیں کرتا۔ وہ عوام میں سے ہر ایک کو اولوا الامر نہیں بناتا، یہ اس کی شان نہیں۔ اس کی شان یہ ہے:

يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.

وہ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے غیب کے لئے منتخب کر لیتا ہے، مجتبیٰ بنا لیتا ہے۔ سورۂ جن میں مرتضیٰ فرمایا اور یہاں مجتبیٰ۔ وہ فرماتا ہے! میں نے تمہیں مجتبیٰ قرار دے دیا اور (تمہیں علم غیب دے دیا) اب تم امت میں سے جسے پسند کرو علم غیب دے دو۔

۳۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ.(۱)

”(اے محبوب) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔“

بعض لوگ کٹ حجتی کی بنا پر یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ جو علم دے دیا جائے وہ غیب نہیں رہتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! یہ جو ہم آپ پر وحی فرما رہے ہیں اور بذریعہ وحی جو علم ہم آپ کو دے رہے ہیں ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ (یہ غیب کی خبریں ہیں) تو اس کے بعد اسے غیب ماننے میں کیا امر مانع ہوسکتا ہے؟ یہ بات ایک نئی بحث اور شوشہ چھوڑنے کے مترادف ہے کہ ”جو علم دے دیا جائے وہ علم غیب نہیں رہتا۔“

(۱) آل عمران، ۳:۴۴

کیا ایسے لوگ خدا سے بھی بڑے معلم ہیں؟ وہ تو خود فرما رہا ہے کہ جو علم ہم نے اپنے محبوب ﷺ کو دیا غیب ہے لہٰذا علم غیب کی اصطلاح سے انکار کا راستہ فتنہ گری اور دین میں رخنہ اندازی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے علم الغیب سے انکار جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ یہ جو ہم اپنے پیغمبر کی طرف وحی فرما رہے ہیں، غیب کی خبریں ہیں۔ گویا نبیوں کو وحی کی صورت میں جو علم ملتا ہے وہ غیب ہی تو ہوتا ہے۔

۴۔ اسی مضمون کو سورۂ ہود میں یوں بیان فرمایا:

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ.(۱)

”یہ (بیان ان) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔“

قرآن میں علمِ غیب پر مشتمل ایک ہی مضمون دو جگہ دو صیغوں کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ دونوں آیات میں پُرلطف بات یہ ہے کہ روئے سخن اور صیغۂ خطاب رسولِ محتشم حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے کہ اے محبوب! ان خبروں کا نزول آپ پر غیب سے ہو رہا ہے اور آپ کو علم بالوحی کے ذریعے ان سے مطلع کیا جا رہا ہے۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کو عطا کر رہے ہیں۔ یہ گویا اس امر کا اعلان ہے کہ علمِ رسول عطائی ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے مطلع علی الغیب ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے

مندرجہ بالا سطور میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے علمی خزانوں اور چشموں کے قاسم و مختار ہیں، اللہ تعالیٰ سے لے رہے ہیں اور مخلوق میں تقسیم کر رہے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عطاؤں میں کمی نہیں اسی طرح حضور ﷺ کی نوازشات میں انقطاع نہیں۔ اسی لئے ارشاد باری ہوا:

(۱) ہود، ۱۱:۴۹

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ○ (۱)

”اور وہ (یعنی نبی اکرم ﷺ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں (مالکِ عرش نے ان کے لئے کوئی کمی نہیں چھوڑی)○“

حضور نبی اکرم ﷺ کو غیب پر اتنا مطلع کیا گیا ہے کہ وہ غیب بتانے میں بخل بھی نہیں کرتے یعنی رسول ﷺ نہ صرف خود غیب جانتے ہیں بلکہ اسے بانٹتے بھی ہیں۔ اس نکتے کو یوں سمجھا جائے کہ جس کے پاس پیسہ ہی نہ ہو، جو خود غریب و مفلس اور کنگال ہو اور کھانے کو بھی نہ ملے وہ کسی کو دے یا نہ دے کوئی اس کے بارے میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ بخیل ہے یا نہیں۔ بخیل تو اسے کہتے ہیں جس کے پاس دولت ہو اور وہ چھپا کر رکھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ میرا رسول غیب پر بخیل نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ رسول ﷺ کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنہیں وہ بانٹتے بھی ہیں۔ صرف اپنے لئے چھپا کے نہیں رکھتے بلکہ جو حقدار ہوتا ہے اسے بتا بھی دیتے ہیں۔ قرآن کی آیتوں میں تضاد نہیں ہوسکتا دونوں کلام حق ہیں۔ پس دونوں میں جب تطبیق کریں گے تو فرق سامنے آ جائے گا۔

تطبیق بین الآیات

جب خدا کے غیب جاننے کی بات ہوگی تو بالذات جاننے کی بات ہوگی اور معنی یہ ہو گا کہ بتائے بغیر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ جب کسی بندے کی نسبت غیب بتانے کی بات ہوگی اور اس میں بخل نہ برتنے کی بات ہوگی تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب بتا دیا ہے اور اس کے بتانے سے جانتا ہے اور عطا ہونے سے بانٹتا ہے۔ طالبانِ حق کو دینے میں بخیل نہیں چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اور آج سے تا قیامت عرفاء و اولیاء اور علماء کے پاس علوم کے جتنے بھی خزانے جمع رہے یا ہوں گے سب کے سب اسی خزانہ علمِ نبوی کا فیضان ہے۔

(۱) التکویر، ۸۱: ۲۴

نبی کا بنیادی فریضہ ہی ایمان بالغیب کی دعوت ہے

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ تمام خزائن غیبی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں سے وہ اپنے محبوب ﷺ کو جتنا چاہے عطا کرتا ہے۔ آپ ﷺ ان امورِ غیبیہ کو کمالِ امانت و دیانت سے آگے پہنچانے میں کوئی بخل نہیں کرتے بلکہ علم الغیب کا سرمایہ اپنی امت میں بانٹ دیتے ہیں۔ امت اس سے مستفید ہوتی رہتی ہے کیونکہ نبی و رسول کا بنیادی فریضہ بھی ایمان بالغیب کی دعوت ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا علم الغیب اپنے رسولِ مقبول ﷺ کو عطا فرماتا ہے جو وہ آگے امت کے منتخب افراد کو منتقل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عالم بھی ہے اور معلم بھی

یہاں اللہ کی دو شانیں اجاگر کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ عالم ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اس کے ساتھ معلم بھی ہے گویا اللہ سب سے بڑا عالم بھی ہے اور معلم بھی، سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہوا:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○[1]

”(وہ) رحمٰن ہی ہے○ جس نے (خود رسولِ عربی ﷺ کو) قرآن سکھایا○“

اللہ تعالیٰ نے اپنا علم انسان کو عطا کر دیا اور وہ انسانِ کامل حضور ﷺ ہیں جو تلمیذ الرحمٰن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی زیرنگرانی تعلیم و تعلّم سے آپ ﷺ درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ علم الغیب کے باب میں جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کا تقابل دوسرے انبیاء سے کرتے ہیں تو ہم بحثیت معلّم آپ ﷺ کے مقامِ فضیلت کو بیان کرتے ہیں اور اس تناظر میں آپ ﷺ کے اس پیغمبرانہ کردار پر بات ہوتی ہے جو علم کو آگے منتقل کرنے سے متعلق ہے۔ ایک اچھا معلم وہ ہے جو اپنے علم کو صرف اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ اسے ایک

(۱) الرحمن، ۵۵: ۱۔۲

ورثہ کے طور پر ان لوگوں کو منتقل کرتا رہے جو متلاشیانِ علم ہوں۔ علم میں آپ ﷺ جیسا کمال رکھنے والا شاگرد اور کون ہوسکتا تھا جس کا معلم خود رب کائنات ہو۔ اس سے پہلے جب تک علمِ الٰہی حضور نبی اکرم ﷺ کو منتقل نہیں ہوا تھا آپ ﷺ کچھ نہیں جانتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنا علمی خزانہ اپنے پیغمبر ﷺ کو منتقل کر دیا تو پھر وہ علم کے بحرِ ناپیدا کنار کے مالک بن گئے۔ آپ ﷺ کے مقامِ علم اور وسعتِ علم کا اندازہ کوئی فردِ بشر نہیں کرسکتا۔ کوئی بدبخت ہی ہوگا جو یہ کہے کہ آپ ﷺ کچھ نہیں جانتے یا آپ ﷺ کا علم فلاں حد تک فلاں وقت تک محدود ہے۔ ہاں عطائے الٰہی سے قبل ایسا کہنا ممکن تھا لیکن جب آپ ﷺ تلمیذ الرحمٰن بن گئے تو پھر کوئی علم ان کی رسائی اور دسترس سے باہر نہ رہا اور ایسی کوئی بات نہ رہی جو وہ نہ جانتے ہوں۔ گویا ذاتِ محمد ﷺ کائنات میں سب سے بلند درجہ مقامِ علم پر فائز ہوگئی اور آپ ﷺ تمام انسانیت کے معلّم بن گئے۔ معلّم بھی ایسے کہ ان کے پائے کا پوری کائنات میں ازل سے ابد تک نہ کوئی تھا اور نہ کبھی ہوگا۔

• شرک فی العلم

توحید فی العلم کے برعکس شرک فی العلم یہ ہے کہ جس ذاتی، قدیم اور لامتناہی علم کا ثبوت خالصۃً اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے ہے غیر کے لئے بھی ویسے ہی علم کے اثبات کا عقیدہ رکھا جائے۔

مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال اور مقام، اللہ رب العزت کی عطا سمجھ کر علم کا ثابت کیا جانا شرک نہیں۔ کیونکہ علم کا سرچشمہ رب العالمین ہے اور وہی اپنی مخلوق کو حسبِ استطاعت و ظرف عطا کرتا ہے۔ اسی نے مخلوق میں سے انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام، علماء اور عوام الناس کو درجہ بہ درجہ ان کے حسبِ حال عطا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌo (۱)

’’اور ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہےo‘‘

اللہ رب العزت خود بھی علیم ہے اور اس نے انسان کو بھی علیم بنایا ہے تاہم ہر انسان کو علم اس کے حسبِ حال عطا ہوتا ہے۔

آیت الکرسی کی روشنی میں ایک اشکال کا ازالہ

توحید فی العلم اور شرک فی العلم کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں اور مغالطے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے علمِ غیب کو ثابت کرنا شرک ہے چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے باب میں وہ زیادہ بحث علم الغیب کے حوالے سے کرتے ہیں۔ اس مغالطے کو دور کرنے کے لئے آیت الکرسی کا مطالعہ بہت اہم ہے، جس سے اللہ رب العزت کی شانِ علم کا مکمل ادراک ہو جاتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ. (۱)

’’جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا) ہے اور جو کچھ ان کے بعد (ہونے والا) ہے (وہ) سب جانتا ہے، اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہےo‘‘

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا علم بحرِ بے کراں ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ علم یا تو کُلیات پر محیط ہے یا جزئیات پر۔ اب کوئی یہ دعویٰ تو کر سکتا ہے کہ اس کے پاس جو علم ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کا ایک جزو ہے، اگر اللہ رب العزت کا علم سمندر ہے تو اس کا

(۱) یوسف، ۱۲:۷۶

(۲) البقرة، ۲:۲۵۵

علم محض ایک قطرہ ہے یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم کے فیض سے اپنے دامن میں خیرات تو لے سکتا ہے لیکن اللہ رب العزت کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا علم جو ساری کائنات اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ یعنی ابتدائے کائنات سے انتہائے کائنات تک، تحت الثریٰ سے فوق العرش تک ہر شے پر حاوی ہے لیکن آپ ﷺ بھی **وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ** کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے کیونکہ حضور ﷺ کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں محض ایک جزو ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ **وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ** میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احاطۂ علم کی نفی فرمائی ہے کہ کوئی متنفس میرے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتا، بات مطلق علم کی نہیں کہ جو میں جانتا ہوں اسے کوئی اور نہیں جان سکتا۔ اس مقام پر **اِلَّا بِمَا شَآءَ** میں **اِلَّا** کلمۂ عام ہے یعنی اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس قدر علم کے جو اللہ چاہے اور جس کے لئے چاہے۔ اللہ رب العزت پر کوئی پابندی تو نہیں کہ کتنا چاہتا ہے اور کتنا نہیں چاہتا۔ وہ مالک ہے جسے جتنا چاہے عطا فرمائے۔ وہ کسی سے پوچھ کر عطا کرنے کا پابند تو نہیں۔ لہٰذا اب اس بحث میں پڑنا کہ اس سے مراد کتنا علم ہے اور کتنا نہیں؟ رسول ﷺ کے پاس کتنا علم ہے اور دیگر انبیاء کے پاس کتنا؟ یہ ایک بلاجواز بحث ہے جو بارگاہِ اُلوہیت و رسالت میں گستاخی و بے ادبی کے مترادف ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے یہاں خود اپنے علم کے باب میں استثناء پیدا کر دیا کہ مخلوق میں سے کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا سوائے اس قدر علم کے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے، جس قدر چاہتا ہے، اپنی بارگاہ سے علم عطا کرنے کے لئے اسے مستثنیٰ کر دیتا ہے اگر عقلِ سلیم سے کام لیا جائے تو بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود علم کے باب میں استثنائی شق رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم خالق ہونے کی شان کے مطابق ہے۔ مخلوق کا کل (Total) علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایک جزو ہے کیونکہ اللہ رب العزت کا علم غیر محدود اور

غیر متناہی ہے۔ اس لئے شرک فی العلم کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ شرک کا ارتکاب تب ممکن ہے اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے خواہ یہ برابری کا دعویٰ ایک چھوٹے سے جزو میں ہی کیوں نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کسی کا علم ہونے کا کوئی بھی عقیدہ ہی نہیں رکھتا تو پھر شرک کا سوال ہی نہ رہا لہٰذا آیتِ مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے ساتھ کسی اور کے علم کی برابری کے امکان کو بھی ختم کر دیا گیا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** فرما کر اپنے علم کی دو خاصیتیں اور خوبیاں بیان فرمائی ہیں جو علم الشہادت اور علم الغیب پر مبنی ہیں۔ پھر اگلے حصے میں دو کلیے بیان فرمائے:

۱۔ کلیہ عدمِ احاطہ: (**وَلَا يُحِيْطُوْنَ** کے ذریعہ)

۲۔ کلیہ استثناء: (**اِلَّا بِمَا شَآءَ** کے ذریعہ)

۱۔ علم الشہادت

جو مخلوق کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے علم الشہادۃ (knoweldge of seen) ہے، اللہ رب العزت اسے جانتا ہے۔ قرآن نے فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ.

''جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے وہ) سب جانتا ہے۔''

۲۔ علم الغیب

اس سے مراد وہ پوشیدہ علم جو مخلوق کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے جو پسِ پشت ہو رہا ہے اسے بھی اللہ رب العزت ہی جانتا ہے۔ فرمایا:

وَمَا خَلْفَهُمْ.

''اور جو کچھ ان کے بعد ہونے والا ہے (وہ بھی جانتا ہے)۔''

پس اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ خوبی ہے کہ اس کا علم، علم الشہادت پر بھی محیط ہے اور علم الغیب پر بھی۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ دونوں شانیں یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ علم الٰہی کے باب میں جب کسی کے لئے **لَا یَعْلَمُ** کی بات آتی ہے تو اس سے دونوں شانیں مراد ہوتی ہیں کہ کوئی بھی شخص ذاتی طور پر نہ علم الشھادۃ حاصل کرسکتا ہے اور نہ بغیر عطائے الٰہی علم الغیب سے آگاہی حاصل کرسکتا ہے۔ یعنی **لَا یَعْلَمُ** سے مراد **لَا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ** اور **لَا یَعْلَمُ مَا خَلْفَھُمْ** دونوں ہیں۔ اگر کلیۂ عدمِ احاطہ کا اطلاق بغیر استثناء ہر علم پر کیا جائے تو پھر ہر جاننے والا خواہ وہ علم الشھادۃ جانتا ہو یا علم الغیب مشرک قرار پائے گا اور کائنات میں ہر طرف شرک ہی شرک کارفرما ہو جائے گا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ عطاءِ الٰہی اور اذنِ الٰہی کے ساتھ کلیۂ استثناء کا اطلاق عین منشاءِ قرآن ہے۔

علم الغیب کی طرح علم الشھادۃ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے

بعض لوگ کم فہمی کی بناء پر علم الغیب پر شرک کا فتویٰ عائد کر دیتے ہیں جبکہ علم الشہادت پر شرک کا حکم نہیں لگاتے۔ یہ ایک بڑا اعتقادی التباس اور ناقابلِ معافی علمی خیانت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا اپنے علم کے بارے میں یہ فرمان تو نہیں کہ جو پردۂ غیب میں ہوتا ہے میں صرف وہ جانتا ہوں۔ اس کا فرمان تو یہ ہے کہ جو سامنے ہوتا ہے وہ بھی میں جانتا ہوں اور جو آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ بھی۔ اللہ رب العزت نے تو اپنے علم کی دونوں قسمیں برابر بیان کی ہیں۔ آیت الکرسی کے علاوہ قرآن مجید کے اور مقامات سے اس پر چند آیات مبارکہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق علم الشھادۃ اور علم الغیب کے بارے میں فرمایا:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا ۝ (۱)

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۱۰

''وہ ان (سب چیزوں) کو جانتا ہے جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اپنے) علم سے اس (کے علم) کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

۲۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○(۱)

''وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اس کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہوگیا ہو اور وہ اس کی ہیبت و جلال سے خائف رہتے ہیں○''

۲۔ سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○(۲)

''وہ ان (چیزوں) کو (خوب) جانتا ہے جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں، اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں○''

بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کو دو ٹکڑوں میں بانٹ کر صرف ایک ٹکڑے ''علم الغیب'' کے ساتھ شرک مختص کر دیا گویا ان کی نظر میں غیب کا علم کسی اور کو ہو تو شرک ہے۔ کوئی پوچھے علم الشہادت کو انہوں نے کیوں مستثنیٰ کیا؟ اس پر شرک کا فتویٰ کیوں نہیں لگاتے؟ ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی دو خوبیاں اور خاصیتیں بیان فرمائیں۔ پہلے علم الشہادت کا اثبات کیا پھر علم الغیب کا لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ پہلے علم الشہادت کو شرک کا ہدف بنائیں کیونکہ روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے لاکھوں ایسے

(۱) الانبیاء، ۲۱:۲۸

(۲) الحج، ۲۲:۷۶

واقعات ہمارے اردگرد پوری دنیا میں ہو رہے ہیں جن تک ہمارے علم کی رسائی ہے۔

اگر صرف علم کی رسائی پر ہی شرک کا اطلاق کیا جائے تو پھر نہ کوئی حال کا علم جانے، نہ ماضی کا اور نہ ہی مستقبل کا، نہ کسی کو آنکھوں کے سامنے کی خبر ہو اور نہ آنکھوں کے پیچھے کی خبر ہو تب جا کر اللہ کا علم شرک سے محفوظ ہو سکے گا لہٰذا ہمارے نزدیک یہ ساری تشریح ہی جاہلانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح اور قطعی طور پر فرما دیا ''**يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ**'' یعنی علم الٰہی کے لئے کوئی استثنائی شق نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قادر ہے جو سامنے ہو رہا ہے وہ بھی جانتا ہے اور جو پیچھے ہو رہا ہے اسے بھی جانتا ہے۔ جبکہ مخلوق کو عطاء کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی دو خصوصیات بیان فرمائیں اور دو کلیے واضح کئے **وَلَا يُحِيْطُوْنَ** کے ذریعے کلیۂ عدم احاطہ اور **اِلَّا بِمَا شَآءَ** کے ذریعے کلیۂ استثناء متعین فرمایا اور مخلوق کے لئے علم بالعطا کے اثبات کو اپنی مشیت قرار دیا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس مقام پر علم میں استثناء کی یہ شق علم شہادت کے لئے ہے۔ تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ علم شہادت کے حصول میں کسی پر کوئی قدغن نہیں؟ یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ کوئی شخص جتنا چاہے علمِ شہادت حاصل کر کے مخلوق میں سب سے بڑا عالم بن جائے تو اس سے کوئی شرک واقع نہ ہوا اور اگر کسی نے علمِ غیب کے بارے میں کوئی بات کہہ دی تو وہ شرک کا مرتکب ہو جائے؟ صحیح عقیدہ کے مطابق یہ بات درست نہیں۔ اس کا ادراک وہ شخص کرسکتا ہے جس نے قرآن کا عمیق اور گہرا مطالعہ کیا ہو۔ سو یہاں استثناء علمِ شہادت کے بارے میں ہرگز نہیں کیونکہ مشاہداتی علم حواسِ خمسہ کے ذرائع سے حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود عطا کئے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًام بَصِيْرًا○[1]

''پس ہم نے اسے (یعنی انسان کو ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے○''

(۱) الدھر، ۷۶:۲

جب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان ذرائع علم کی بدولت عالم حاضر و شہادۃ کا علم انسان کو مل گیا تو کلیہ استثناء کا اطلاق علم شہادت پر نہیں بلکہ علم غیب پر ہوگا۔ گویا کہ اللہ رب العزت نے یہاں علم الغیب کے بارے میں استثناء کی شق رکھی ہے کہ میرے اذن اور عطاء کے بغیر کوئی علم غیب نہیں جان سکتا۔ جب اس نے خود استثناء پیدا کر کے بعض کو علم غیب عطاء کر دیا تو اب شرک تب ہوگا اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ مجھے ذاتی طور پر بغیر عطائے الٰہی کے علم حاصل ہے اور مجھے یہ علم اللہ تعالیٰ یا کسی اور نے عطا نہیں کیا۔ یعنی بغیر اذنِ الٰہی کے ہر چیز جاننے کا دعویٰ شرک ہے۔ یہ صرف غیب کے بارے میں ہی نہیں بلکہ علمِ شہادت میں بھی ذاتی علم کا دعویٰ کرنے والا شرک کا مرتکب ہوگا کیونکہ ذرائع علم اور حواسِ خمسہ کا عطا فرمانے والا بھی اللہ رب العزت ہی ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ بندہ اذن و عطائے الٰہی سے اپنے لئے علم غیب کا اثبات کرے تو یہ شرک نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علمِ غیب جاننے کا دعویٰ کیا جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ارشادِ ربانی ہے:

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِيْ بُيُوْتِكُمْ.(۱)

”اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق شرک دونوں قسم کے علم میں تب واقع ہوگا جب کسی اور کے لئے مطلقاً علم ثابت کیا جائے ورنہ نہیں لہٰذا اب سارا مغالطہ دور ہو جانا چاہئے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ رب العزت کا علمِ غیب ذاتی اور قدیم ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ اور باقی انبیاء کرام کا علمِ غیب عطائی اور حادث ہے۔

علم بالذات اور علم بالعطا میں فرق

اس ضمن میں التباسات سے بچنے کے لئے چند نکات ذہن نشین کر لینے چاہئیں:

(۱) آل عمران، ۳:۴۹

۱- اللہ رب العزت ہی حقیقی عالمِ الغیب ہے کہ وہ جو علمِ غیب رکھتا ہے وہ حقیقتاً محیط بالکل ہے۔

۲- اس کا علم ذاتی ہے عطائی نہیں ہے۔

۳- اس کا علم بالقدرت ہے یعنی ایسا علم ہے جس کے ساتھ اس کو نفع ونقصان کے بدلنے پر قدرت حاصل ہے۔

پس ان تین صفات کے ساتھ متصف علم کو اللہ رب العزت کے لئے ثابت کرنا توحید ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم محض علم نہیں ہے بلکہ وہ علم ہے جو خالق کی شان کے لائق ہے۔ جس علم میں قدرت وتصرف، خالقیت اور احاطہ شامل ہے۔ یہی شان قدرت تصرف اور احاطہ کلی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے تو شرک ہے۔

پورے قرآن کا مطالعہ کر لیں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم قدرت اور تصرف کی بات فرمائی کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں علم غیب جانتا ہوں اور کسی کو عطا نہیں کرتا۔ اگر ایک آیت بھی ایسی مل جائے جس میں اللہ رب العزت نے یہ فرمایا ہو کہ میں کسی کو علم غیب پر مطلع نہیں کرتا تو ہم اپنے مؤقف سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہیں۔ پس صحیح عقیدہ یہی ہے کہ علم غیب کا بالذات مالک اللہ رب العزت ہے مگر وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے اذن سے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ عطا نہ کرنا بھی اس کی توحید میں شامل ہے تو پھر عطائی علم غیب کا اثبات بھی شرک ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن میں ایسا کہیں نہیں فرمایا بلکہ اس نے انبیاء کرام کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے جیسا کہ درج بالا آیاتِ مبارکہ میں ہم ثابت کر آئے ہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ میں علمِ عطائی کا اثبات ہے

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی مَفَاتِح (کنجیوں) کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا ہے کہ ان کا علم بھی کسی کے پاس نہیں۔ دراصل اس آیت کا غلط ترجمہ اور مفہوم اخذ کرنے کی وجہ سے استدلال بھی غلط کیا جاتا ہے۔

آیتِ مبارکہ مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱)

’’اور غیب کی کُنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر (یہ کہ) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی (ایسا) دانہ ہے اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے) ○‘‘

اس آیت کے کلمات ’’وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ‘‘ (اور غیب کی کُنجیاں اسی کے پاس ہیں انہیں اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا) قابلِ غور ہیں۔ اگر اس سے مراد یہ ہو کہ اس نے غیب کسی کو دینا ہی نہیں تو پھر غیب کے علم کی کنجیاں بنانے کا مقصد کیا ہے؟ اور پھر ایسا تالہ لگانے کا کیا جواز جس کی کنجی ہی کسی کو نہیں دینی؟ اس سے یہ پتہ چلا کہ جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے پاس علمِ غیب کی کنجیاں ہیں تو دراصل وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں جس کے لئے چاہتا ہوں اسے کنجی سے کھول کر علمِ غیب دے دیتا ہوں۔ پس کنجی کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر علم غیب کسی پر نہ کھولی جانے والی چیز ہوتی تو اس کے لئے کنجیوں کا لفظ استعمال ہی نہ کیا جاتا۔ اللہ رب العزت نے یہ فرما کر اشارہ کر دیا کہ میری مرضی پر منحصر ہے جس کے لئے چاہوں غیبی علم کا خزانہ کھول دوں اور

(۱) الانعام، ۶: ۵۹

جس کے لئے چاہوں بند کر دوں۔ ثابت ہوا کہ جن کو علم غیب نہیں دینا ان کے لئے قفل ہے اور جن کو عطا کر دیا گیا ہے ان کے لئے کنجیاں ہیں۔

لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی ہے جسے چاہے خزانۂ علم سے دامن بھر دے اور جسے چاہے محروم رکھے۔ جس کو جتنا چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسے کسی کے فتویٰ کی کوئی پروا نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے علم غیب کا خزانہ اپنے پاس رکھا ہے اور چابیاں اپنوں کے لئے رکھی ہوئی ہیں کہ جن کو عطا کرنا چاہے انہیں چابیوں کے ذریعے عطا کر دیتا ہے۔

مَفَاتِحُ الْغَیْب کا معنی ائمۂ تفسیر کی نظر میں

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں علم الغیب کی نفی نہیں بلکہ اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کا خزانہ اپنوں کو عطا کرنے کے لئے رکھا ہے۔ ائمہ تفسیر کے مطابق **مفاتح** وہ راستے اور ذرائع ہیں جن کا مالک بالذات اللہ تعالیٰ ہے جن کے ذریعہ اس کے خزانۂ علم تک پہنچا جا سکتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ آیتِ مذکورہ کے تحت ائمۂ تفسیر کی آراء درج ذیل ہیں:

۱۔ امام خازنؒ **مفاتح الغیب** کے بارے میں کہتے ہیں:

یکون المراد منه المفاتیح التي یفتح بها.

”عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس وہ چابیاں ہیں جن سے وہ کھولتا ہے۔“

یہاں **یفتح بها** اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کے لئے غیب کھولنا چاہتا ہے ان چابیوں کے ذریعہ کھول دیتا ہے۔

امام خازنؒ مزید فرماتے ہیں:

و جعل للغیب مفاتیح علی طریق الإستعارة لأن المفاتیح هی

التی یتوصل بھا إلی ما فی الخزائن المستوثق منھا بالإغلاق. فمن علم کیف یفتح بھا و یتوصل إلی ما فیھا فھو عالم.[(۱)]

’’غیب کی چابیوں کا یہ بیان بہ طریق استعارہ ہے کیونکہ چابیاں وہ آلہ ہیں جن کے ذریعے مقفل خزانے تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جسے یہ بات معلوم ہو جائے کہ کس طرح خزانہ کھولا جاتا ہے اور اس تک کیسے رسائی ہوتی ہے تو وہ شخص عالم ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اس کے پاس غیب کا سربستہ خزانہ ہے جس کا قفل وہ جس کے لئے چاہتا ہے کھولتا ہے اور عطا کرتا ہے۔

۲۔ امام قرطبیؒ کے نزدیک ان چابیوں سے مراد خزانۂ غیب ہے، وہ لکھتے ہیں:

فاللہ تعالی عندہ الغیب، و بیدہ الطرق الموصلة إلیہ، لا یملکھا إلا ھو فمن شاء إطلاعه علیھا إطلعه، وَمن شاء حجبه عنھا حجبه.[(۲)]

’’اللہ تعالیٰ کے پاس علم الغیب ہے اور اسی کے ہاتھ میں وہ راستے اور ذریعے بھی ہیں (جن کو چابیاں کہا گیا ہے) جن کے ذریعے سے اس خزانۂ غیب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے پس وہ جسے اس پر اطلاع کرنا چاہے تو اسے اس پر مطلع کر دیتا ہے اور جسے محروم رکھنا چاہے محروم رکھتا ہے۔‘‘

وہ ذرائع جو اس خزانۂ غیب تک پہنچتے ہیں ان ذرائع (چابیوں) کا مالک جس پر چاہے اس خزانہ علمی کو کھول دیتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ان ذرائع تک پہنچنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تو جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس تک پہنچا دیتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس نے علم غیب کا خزانہ اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور جن کو وہ علم غیب دینا چاہتا ہے ان

(۱) تفسیر خازن، ۲:۲۱

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۷:۲

کے لئے چابیاں رکھی ہوئی ہیں۔

علامہ زمخشری نے تفسیر الکشاف، امام نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل اور امام شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں یہی معنی بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمثیلاً چابیوں کا ذکر ہی اس لئے کیا تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ ان تک پہنچنے کا راستہ ہے اور اسے کن لوگوں پر کھولا جائے گا اور کن پر نہیں کھولا جائے گا۔ اول الذکر لوگ جن پر یہ خزانۂ غیب کھولا جائے گا وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقبول اور پسندیدہ بندے انبیاء و رسل عظام ہیں۔

انبیاء اور اولیاء کو علمِ غیب عطا کیے جانے پر ائمہ کی تصریحات

تمام غیبی علوم کے خزانے کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں لیکن وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ سورۂ لقمان کی درج ذیل آیت کے تحت مفسرینِ کرام نے اس کی صراحت کر دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ ۚ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّا ذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ○(۱)

’’بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہی بارش اتارتا ہے، اور جو کچھ رحموں میں ہے وہ جانتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا (عمل) کمائے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، خبر رکھنے والا ہے (یعنی علیم بالذّات ہے اور خبیر للغیر ہے، ازخود ہر شے کا علم رکھتا ہے اور جسے پسند فرمائے باخبر بھی کر دیتا ہے)○‘‘

مفسرین کی درج ذیل عبارات سے علم عطائی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) لقمٰن، ۳۱:۳۴

۱۔ ملا جیونؒ اس آیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ولک أن تقول أن علم هذه الخمسة و ان کان لا یملکه إلا الله لکن یجوز أن یعلمها من یشاء من مُحبّه و أولیائه بقرینة قوله تعالی إن الله علیم خبیر، علی أن یکون الخبیر بمعنی المخبر. (۱)

''اور آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان پانچ امور کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں مگر یہ جائز ہے کہ وہ اپنے محبوب بندوں اور دوستوں میں سے جسے چاہے ان امور کا علم عطا فرما دے۔ فرمانِ الٰہی کے اس قرینہ کے باعث کہ ''بیشک اللہ بہت جاننے والا ہے تو خبیر یہاں بمعنی مخبر (یعنی خبر دینے والا) ہے۔''

۲۔ علامہ صاویؒ آیتِ مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں:

(قوله: وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّا ذَا تَکۡسِبُ غَدًا) أی من حیث ذاتها و أما باعلام الله للعبد فلا مانع منه کالأنبیاء و بعض الأولیاء ...... فلا مانع من کون الله یطلع بعض عباده الصالحین علی بعض هذه المغیبات فتکون معجزة للنبی و کرامة للولی، ولذلک قال العلماء الحق أنه لم یخرج نبینا من الدنیا حتی أطلعه الله علی تلک الخمس. (۲)

''(اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا (عمل) کمائے گا) اس کا مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا البتہ اگر اللہ تعالیٰ بندے کو علم عطا فرمائے تو اس کیلئے کچھ مانع نہیں جیسے انبیاء کو اور بعض اولیاء کو۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے بعض صالح بندوں کو ان مغیباتِ (خمسہ) میں سے بعض پر اطلاع دینے سے کوئی شے مانع نہیں یہ اطلاع نبی کیلئے بطور معجزہ اور ولی کیلئے بطور کرامت ہوتی ہے۔ پس اسی وجہ سے علماء نے کہا حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) تفسیرات احمدیہ: ۶۰۷۔۶۰۸

(۲) صاوی، حاشیہ الصاوی علی الجلالین، ۳:۲۶۰

نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کو دنیا سے وصال فرمانے سے قبل ان پانچوں مغیبات سے مطلع فرما دیا تھا۔‘‘

۳۔ علامہ اسماعیل حقیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وما روی عن الأنبياء والأولياء من الأخبار عن الغيوب فبتعليم الله تعالى إما بطريق الوحي أو بطريق الإلهام والكشف...... وكذا أخبر بعض الأولياء عن نزول المطر و أخبر عما في الرحم من ذكر و أنثى فوقع كما أخبر. (۱)

’’جو غیب کی خبریں انبیاء اور اولیاء سے مروی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے یا وحی کے ذریعہ یا بطریقِ الہام و کشف (مروی ہیں)...... اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش کے اترنے کی خبر دی اور بعض نے رحمِ مادر میں لڑکا یا لڑکی کی خبر دی تو ایسے ہی ہوا جیسے انہوں نے خبر دی تھی۔‘‘

علم اور درایت میں فرق

سورۂ لقمان کی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظِ ’’علم‘‘ اور بندے کے لئے لفظِ ’’درایت‘‘ آیا ہے۔ درایت اور علم اگرچہ دونوں الفاظ ’’جاننے‘‘ کا معنی دیتے ہیں جس کی بدولت دونوں کا مفہوم تقریباً ملتا جلتا ہے لیکن عربی زبان کی فصاحت اور قرآنی اسلوب کی لطافت کے باعث دونوں میں فرق ہے۔ درایت میں کوشش اور محنت وسعی اور کسب کا معنی پایا جاتا ہے۔

۱۔ علامہ بدرالدین عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

اذ الدراية اكتساب علم الشئ بحيلة. (۲)

(۱) اسماعیل حقی، روح البیان ۷:۱۰۵

(۲) عینی، عمدۃ القاری، ۱:۲۹۳

''کسی شے کا علم کسی بھی ذریعہ اور تدبیر سے حاصل کرنا درایت ہے۔''

۲۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لفظِ درایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فعنه اشارة إلی أن العبد أن عمل حيلة و بذل فيها وسعه لم يعرف ما هو لاحق به من كسبه و عاقبته، فكيف بغيره ما لم يحصل له علم بتعليم من اللہ تعالی بتوسط الرسل أو بنصب دليل عليه.(۱)

''آیت میں درایت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جو بھی تدبیر اختیار کرے اور جتنی بھی کوشش اور طاقت ممکن ہو صرف کر دے پھر بھی وہ اپنے بارے میں نہیں جان سکے گا کہ وہ کیا عمل کرے گا اور اس کا خاتمہ اور انجام کب اور کہاں ہوگا۔ تو دوسروں کا عمل اور موت جاننے کی حقیقت تک کیسے رسائی حاصل کرسکتا ہے؟ ہاں اگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے حاصل ہونے والی تعلیمِ الٰہی سے یا دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ اس کو علم عطا فرمادے تو یہ صورت استثنائی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں بندے کے لئے درایت کی نفی ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے منتخب بندوں کو علم عطا کرنے اور امورِ غیبیہ پر مطلع کرنے کی نفی نہیں۔ ان پانچ چیزوں کا علمِ ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ان کا علم عطا فرما دیتا ہے۔

درج بالا آیتِ مبارکہ کی تائید میں جو احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں ان میں بھی ذاتی علمِ غیب کی نفی ہے نہ کہ عطائی علمِ غیب کی۔

۱۔ علامہ عبدالرؤف المناویؒ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں حدیثِ بریدہ کے تحت فرماتے ہیں:

خمس لا يعلمهن إلا اللہ علی وجه الإحاطة والشمول كليا

(۱) ثناء اللہ، التفسیر المظہری، ۷:۲۶۵

وجزئيا، فلا ينافيه إطلاع الله تعالیٰ بعض خواصه علی كثير من المغيبات حتی من هذه الخمس لأنها جزئيات معدودة و إنكار المعتزلة لذالک مكابرة. (۱)

''پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بالاستیعاب اس طرح نہیں جانتا کہ اس کا علم ہر ہر کل اور جز کو محیط اور شامل ہو۔ یہ اللہ تعالی کے اپنے بعض خاص بندوں کو بعض امورِ غیبیہ پر مطلع کرنے کے منافی نہیں حتی کہ ان امورِ خمسہ میں سے کسی پر اطلاع دے دینا بھی اطلاع علی الغیب کے منافی نہیں کیونکہ یہ چند جزئیات ہیں اور معتزلہ کا انکار حق بات کا انکار ہے۔''

۲۔ امام عبدالروف المناویؒ ایک اور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

أما قوله ﷺ: لا يعلمها إلا هو، فمفسّر بأنه لا يعلمها أحد بذاته ومن ذاته إلا هو لكن قد تعلم بإعلام الله تعالی فإن ثمة من يعلمها. (۲)

''حضور ﷺ کا فرمان کہ اللہ کے سوا ان غیوباتِ خمسہ کو کوئی نہیں جانتا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بالذات ازخود کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی توفیق خداوندی سے انہیں جان لیا جاتا ہے بیشک ایسے موجود ہیں جو انہیں جانتے ہیں۔''

۳۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مذکورہ بالا آیت کی شرح میں فرماتے ہیں:

مراد آنست کہ بے تعلیمِ الٰہی بحسابِ عقل ہیچکس اینہا را نداند آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آن را نداند مگر آنکہ وے تعالی از نزد خود کسے را بداناند

(۱) مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۳:۴۵۸

(۲) مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، ۵:۵۲۶

بوحی والہام۔(۱)

''اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اطلاع و تعلیمِ الٰہی کے بغیر کوئی شخص محض اپنی عقل کی بنا پر ان کو نہیں جان سکتا۔ یہ وہ غیبی امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر جن کو وہ اپنی طرف سے وحی والہام کے ذریعے اطلاع فرما دے وہ جان سکتا ہے۔''

قرآن میں غیر سے علمِ غیب کی نفی اس معنی میں آئی ہے کہ وہ کسی کو غالب نہیں کرتا اور غالب کا معنی ہے کہ کوئی از خود نہیں لے سکتا، جس کو جو بھی ملتا ہے بالعطاء ملتا ہے۔

حضور ﷺ کو خزانۂ غیب کا حصۂ کامل عطا کیا گیا

حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے اپنے خزانہ غیب سے حصہ وافر عطا فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○(۲)

''اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں چند اہم نکات بیان ہوئے ہیں:

۱۔ پہلا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں علم کے حوالے سے دو صیغے استعمال ہوئے ہیں ایک باب ثلاثی مجرد سے عَلِمَ يَعْلَمُ عِلْمًا سے جو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (یعنی وہ جو

(۱) عبدالحق، اشعة اللمعات، ۱:۴۴

(۲) النساء، ۴:۱۱۳

آپ ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے۔) سے عیاں ہے۔ اور دوسرا ثلاثی مزید فیہ کے بابِ تفعیل سے عَلَّمَ یُعَلِّمُ تَعْلِیْمًا سے جو عَلَّمَکَ (اس نے آپ کو علم عطا کر دیا ہے) سے آشکار ہے۔ ثلاثی مزید فیہ کے باب میں بڑی خاص بات یہ ہے کہ وہ علم جو مختلف ذرائع سے حاصل ہو یعنی کسی معلم سے ذاتی طور پر کسب کر کے حاصل کیا جائے۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ کا معلّم تو خود ربِ جلیل ہے جس نے آپ ﷺ کو عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے) کا تاج پہنا کر معلمِ کائنات بنا دیا۔ اس میں علم بالعطاء کا اثبات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر اس چیز کا علم عطا کر دیا جو آپ ﷺ بالذات نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس صفتِ علم سے متصف ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک اور ما بعد مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ کا علم نوعِ انسانی کو منتقل کر دیا۔

۲۔ اسی کے حوالے سے دوسری خاص بات یہ ہے کہ باب تفعیل میں صیغہ کے ''ع'' کلمہ پر شد آجاتی ہے جیسے علّمَ یُعلِّمُ، عَزَّمَ یُعَزِّمُ وغیرہ۔ اس شدّ کی وجہ سے اس کے معنی میں بنیادی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور اس میں سہ جہتی تعلق کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ایک خود، دوسرا اپنے سے پہلے حرف کے ساتھ اور تیسرا بعد کے حرف کے ساتھ تعلق کا قرینہ پایا جاتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ علم

i۔ کہیں سے مل رہا ہے۔

ii۔ کسی کو دیا جا رہا ہے۔

جہاں سے مل رہا ہے وہ Giving end ہے جو اللہ تعالیٰ ہے اور جہاں تقسیم کیا جا رہا ہے وہ Receiving end ہے۔

iii۔ ان دو انتہاؤں (Ends) کے درمیان صرف رابطہ اور حرفِ مشدد معلّم کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے جو علمِ الٰہی حاصل کر کے کائناتِ جن و انس میں بانٹ رہے ہیں۔

جمیع انبیاء اولیاء عرفاء اور اہل علم و حکمت از اوّل تا آخر حضور نبی اکرم ﷺ کے فیض علم و معرفت کے محتاج ہیں۔ ان سب کسبی اور وھبی علوم کا سرچشمہ حقیقی ذاتِ وحدہ لاشریک ہے۔ امام بوصیریؒ نے اپنے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کلهم من رسول الله ملتمس
غرف من البحر أو رشف من الديم

(سارے کے سارے انبیاء علیھم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کے (علم و معرفت کے) بحرِ بے کراں سے بقدر ایک چلو اور (جود و سخا کی) موسلا دھار بارش سے بقدر ایک قطرۂ آب ملتمس ہیں۔)

۳۔ تیسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ عالم ہونے کا مطلب ہے محض جاننے والا جبکہ معلم کا مطلب جاننے والا بھی ہے اور علم کو آگے منتقل کرنے والا بھی ہے۔ جو علم اپنے پاس رکھے اور شاگرد کو نہ دے وہ بخیل اور ناقص معلّم ہے۔ اس لئے کہ ان کا علم ہوتا ہی محدود ہے۔ محدود علم رکھنے والے کو ہزار اندیشے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں شاگرد ان کے برابر نہ ہو جائے یا آگے نہ بڑھ جائے مثلاً بلی شیر کو سارے گر سکھاتی ہے درخت پر چڑھنا نہیں سکھاتی اس کے برعکس اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے اگر وہ ساری کائنات کا علم بھی اپنے محبوب پیغمبر کو عطا فرما دے تب بھی اس کو کوئی خطرہ نہیں۔ اسی نے تو ارشاد فرمایا ہے:

وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (۱)

''اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے ○''

وہ علم جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کر دیا اور بحیثیت معلم، رسول اللہ ﷺ آگے علم عطا کرنے پر مامور ہوگئے اور حضور نبی اکرم ﷺ اپنی امت میں پسندیدہ اور برگزیدہ افراد کو وَ یُعَلِّمُکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

(۱) البقرة، ۲:۱۵۱

کے مصداق فیض عطا فرما رہے ہیں۔ اب رسول ﷺ اپنی امت میں سے جس محبّ، غلام کو پسند کریں گے ان کو عطا کریں گے۔ اب (عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ) کی رو سے اللہ رب العزت حضور نبی اکرم ﷺ کو عطا فرماتا ہے اور اس عطائی علم میں کوئی تخصیص نہیں نہ شہادت کی نہ غیب کی یہ علم کامل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پہلے وصول کنندہ ہوئے پھر عطا کرنے والے بن گئے اور قیامت تک اس منصب پر فائز رہیں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو مستقبل کے اخبار سے بھی مطلع فرمایا تھا، قابلِ غور نکتہ یہ ہوا کہ علم غیب خاصہ الوہیت نہیں جو اسی کے پاس ہو اور مخلوق کو نہ دے۔ یہ خاصہ نہیں بلکہ یہ وہ عام صفت ہے جو اللہ کے پاس ذاتی ہوتی ہے اور وہ جب بندے کو دیتا ہے تو عطائی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

علمِ غیب احادیث کی روشنی میں

احادیثِ مبارکہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب حضور نبی اکرم ﷺ کو علمِ غیب عطا فرمایا تھا۔ چند ایک احادیث مبارکہ ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنبَرِ، فَذَكَرَ السَّاعَةَ، وَ ذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُوْرًا عِظَاماً، ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ: فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُوْنِي عَنْ شَيءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا. قَالَ أَنَسٌ: فَأَكْثَرَ الْأَنْصَارُ الْبُكَاءَ، وَ أَكْثَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَقُوْلَ: سَلُوْنِي. فَقَالَ أَنَسٌ: فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: أَيْنَ مَدْخَلِي يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: النَّارُ. فَقَامَ عَبْدُاللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: أَبُوْکَ حُذَافَةُ. قَالَ: ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُوْلَ: سَلُوْنِي، سَلُوْنِي.

فَبَرَکَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُوْلاً. قَالَ: فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِکَ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ، وَأَنَا أُصَلِّي، فَلَمْ أَرَ کَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ. (۱)

’’ایک موقع پر جب آفتاب ڈھلا تو حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات و حادثات ہیں، پھر فرمایا: جو شخص کسی بھی نوعیت کی کوئی بات پوچھنا چاہتا ہے تو وہ پوچھے، خدا کی قسم میں جب تک یہاں کھڑا ہوں تم جو بھی پوچھو گے اس کا جواب دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ جلال کے سبب بار بار یہ اعلان فرماتے تھے کہ کوئی سوال کرو، مجھ سے پوچھ لو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ۔ پھر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حذافہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے کہ مجھ سے پوچھ لو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض گزار ہوئے۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکره من کثرة السؤال و تکلف ما لا یعنیه، ۶: ۲۶۶۰، رقم: ۶۸۶۴

۲۔ أیضاً، کتاب العلم، باب حسن برك علی رکبتیه عند الإمام أو المحدث، ۱: ۴۷، رقم: ۹۳

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب توقیره ﷺ وترك إکثار سؤال عما لا ضرورة إلیه، ۴: ۱۸۳۲، رقم: ۲۳۵۹

ہونے پر اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں (ہمیں کچھ نہیں پوچھنا)۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ گذارش کی تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ابھی ابھی اس دیوار کے سامنے مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو آج کی طرح میں نے خیر اور شر کو کبھی نہیں دیکھا۔‘‘

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ ﷺ مَقَامًا، فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّی دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ، حَفِظَ ذَالِکَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ایک روز ہمارے درمیان قیام فرما ہوئے اور آپ ﷺ نے مخلوقات کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہو جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہو جانے تک ہمیں سب کچھ بتا دیا۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔‘‘

اس حدیث سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ماضی اور مستقبل کے تمام احوال و واقعات کی اطلاع فرمائی اور یہی آپ ﷺ کی شانِ نبوت کا خاصہ ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

فيه دلالته على أنه أخبر في المجلس الواحد بجميع أحوال

www.MinhajBooks.com

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قول الله تعالى: وهو الذي يبدأ الخلق ثم يعيده وهو أهون عليه، ۳:۱۱۶۶، رقم: ۳۰۲۰

المخلوقات من ابتدائها إلى انتهائها.(۱)

’’یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہاء خبر دے دی۔‘‘

۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَيْئًا يَکُوْنُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِکَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّاحَدَّثَ بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ.(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: آپ ﷺ نے اپنے اس دن کھڑے ہونے سے لے کر قیامت تک کی کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس کو آپ ﷺ نے بیان نہ فرمایا ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔‘‘

۴۔ ایک اور مقام پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَخْبَرَنِي رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَا هُوَ کَائِنٌ إِلَى أَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ. فَمَا مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا قَدْ سَأَلْتُهُ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَسْأَلْهُ مَا يُخْرِجُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ

---

(۱) ملا علی قاری، المرقاة، ۱۱:۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبی ﷺ فيما يکون إلى قيام الساعة، ۴: ۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۱ (عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه)

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أخبر النبي ﷺ أصحابه بما هو کائن إلى يوم القيامة، ۴: ۴۸۳، رقم: ۲۱۹۱

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلها، ۴: ۹۴، رقم: ۴۲۴۰

الْمَدِيْنَةِ.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے قیامت تک رونما ہونے والی ہر ایک بات بتا دی اور کوئی ایسی بات نہ رہی جسے میں نے آپ ﷺ سے پوچھا نہ ہو البتہ میں نے یہ نہ پوچھا کہ اہلِ مدینہ کو کون سی چیز مدینہ سے نکالے گی۔''

۵۔ حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْفَجْرَ. وَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ. فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ. فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ. قَالَ: فَاَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبي ﷺ فيما يكون إلى قيام الساعة، ۴:۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۱

۲۔ حاكم، المستدرك، ۴:۴۷۲، رقم: ۸۳۱۱

۳۔ بزار، المسند، ۷:۲۲۲، رقم: ۲۷۹۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۸۶، رقم: ۲۳۳۲۹

۵۔ طيالسي، المسند، ۱:۵۸، رقم: ۴۳۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفتن و أشراط الساعة، باب إخبار النبي ﷺ فيما يكون إلى قيام الساعة، ۴:۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۲

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الفتن عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء ما أخبر النبي ﷺ أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، ۴:۴۸۳، رقم: ۲۱۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵:۹، رقم: ۶۶۳۸

۴۔ حاكم، المستدرك، ۴:۵۳۳، رقم: ۸۴۹۸

۵۔ أبويعلى، المسند، ۱۲:۲۳۷، رقم: ۲۸۴۴

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر میں ہمارے امامت فرمائی بعد ازاں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا، پھر آپ ﷺ نیچے تشریف لے آئے نماز پڑھائی بعد ازاں پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطاب فرمایا حتی کہ عصر کا وقت ہو گیا، پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ پس آپ ﷺ نے ہمیں ہر اس بات کی خبر دے دی جو جو آج تک وقوع پذیر ہو چکی تھی اور جو قیامت تک ہونے والی تھی۔ حضرت عمرو بن اخطب فرماتے ہیں: ہم میں زیادہ جاننے والا وہی ہے جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سارے واقعات کو جو آپ ﷺ سے پہلے ہو چکے تھے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا بیان فرما دیا۔ صحابہ کرام کے فَاَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا کہنے سے علم کا معیار ثابت ہوگیا، گویا ان کا یہ کہنا مقصود تھا کہ ہمارے علم کا حضور نبی اکرم ﷺ کے سوا کوئی سرچشمہ اور مبدا نہیں جو کچھ ملا ہے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے ملا ہے پس جس نے جتنا کچھ یاد رکھا وہ اتنا بڑا عالم ہوگیا اور جس نے جتنا بھلا دیا اتنا ناقص ہو گیا۔

نوٹ: تفصیلی مطالعہ کے لئے ہماری کتاب ’’عقیدہ علم غیب‘‘ کا مطالعہ کیا جائے۔

www.MinhajBooks.com

باب ششم

توحید فی الاَسماء و الصفات

اور

شرک فی الاسماء و الصفات

۱۔ توحید فی الأسماء • شرک فی الأسماء

۲۔ توحید فی الصفات • شرک فی الصفات

۳۔ توحید فی الأفعال • شرک فی الأفعال

www.MinhajBooks.com

۱۔ توحید فی الأسماء والصفات

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ ذات کے اعتبار سے واحد اور یکتا ہے اسی طرح اسماء کے اعتبار سے بھی واحد اور یکتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں کوئی اس کا شریک نہیں اور وہ شرک سے پاک ہے اس طرح اس کے خاص اسماء میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ (۱)

’’(وہ) آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دو کے درمیان ہے (سب) کا رب ہے۔ پس اس کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت میں ثابت قدم رہیے۔ کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟‘‘

- توحید فی الصفات سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ وہ صفات جو اللہ رب العزت کے لئے خاص ہیں ان کا اثبات فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہی کیا جائے اور کسی غیر کے لئے ان مختص صفات کے اثبات کا عقیدہ رکھنے سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر محدود، غیر متناہی اور بالذات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان ہی صفاتِ خاصہ کے حوالے سے چند آیاتِ قرآنی درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَ

---

(۱) مریم، ۱۹:۶۵

جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ج وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○(۱)

’’بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والا ہے وہ مُردہ سے زندہ کو پیدا فرماتا ہے اور زندہ سے مُردہ کو نکالنے والا ہے، یہی (شان والا) تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو ○ (وہی) صبح (کی روشنی) کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا ہے، اور اسی نے رات کو آرام کے لئے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب و شمار کے لئے، یہ بہت غالب بڑے علم والے (ربّ) کا مقررہ اندازہ ہے ○ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعے بیابانوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں راستے پا سکو۔ بیشک ہم نے علم

(۱) الانعام، ۶: ۹۵-۱۰۳

رکھنے والی قوم کے لئے (اپنی) نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں٥ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان (یعنی ایک خلیہ) سے پیدا فرمایا ہے پھر (تمہارے لئے) ایک جائے اقامت (ہے) اور ایک جائے امانت (مراد رحم مادر اور دنیا ہے یا دنیا اور قبر ہے)۔ بیشک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں٥ اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا پھر ہم نے اس (بارش) سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی پھر ہم نے اس سے سرسبز (کھیتی) نکالی جس سے ہم اوپر تلے پیوستہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار (بھی پیدا کئے جو کئی اعتبارات سے) آپس میں ایک جیسے (لگتے) ہیں اور (پھل، ذائقے اور تاثیرات) جداگانہ ہیں۔ تم درخت کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کو (بھی دیکھو)، بیشک ان میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں٥ اور ان کافروں نے جِنّات کو اللہ کا شریک بنایا حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا تھا اور انہوں نے اللہ کے لئے بغیر علم (و دانش) کے لڑکے اور لڑکیاں (بھی) گھڑ لیں۔ وہ ان (تمام) باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے جو یہ (اس سے متعلق) کرتے پھرتے ہیں٥ وہی آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے، بھلا اس کی اولاد کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی بیوی (ہی) نہیں ہے، اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے٥ یہی (اللہ) تمہارا پروردِگار ہے اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں (وہی) ہر چیز کا خالق ہے پس تم اسی کی عبادت کیا کرو اور وہ ہر چیز پرنگہبان ہے٥ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور وہ بڑا باریک بین بڑا باخبر ہے٥‘‘

سورۃ الانعام کی درج بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی درج ذیل صفاتِ خاصہ کا بیان ہوا ہے:

۱۔ فالِقُ الحَبّ وَالنَّوىٰ فی تُرابِ الأَرض (زمین کی مٹی میں دانے اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والا)

۲۔ مُخْرِجُ الحَيّ من المَيّت (مردہ سے زندہ کو پیدا کرنے والا)

۳۔ مُخْرِجُ الْمَيّت مِن الْحَيّ (زندہ سے مردہ کو پیدا کرنے والا)

۴۔ فَالِقُ الإِصْبَاح (صبح کی روشنی کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا)

۵۔ جاعِلُ اللَّيل سَكناً (رات کو آرام کے لئے بنانے والا)

۶۔ جاعِلُ الشَّمسِ وَالقَمَر حُسباناً (سورج اور چاند کو حساب وشمار کے لئے بنانے والا)

۷۔ جاعِلُ النُّجُوم لِهِدايَة الناس فی ظُلُماتِ البَرِّ وَ الْبَحْر (بیابانوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں لوگوں کو راستہ دکھانے کے لئے ستاروں کو بنانے والا)

۸۔ مُنْشِئُ النَّاس مِن نَفْسٍ وَاحِدةٍ (لوگوں کو ایک جان (یعنی ایک خلیہ) سے پیدا فرمانے والا)

۹۔ مُنْزِلُ الْمَاءِ مِن السَّمَاء (آسمان کی طرف سے پانی اتارنے والا)

۱۰۔ مُخْرِجُ نَباتِ كُلِّ شیءٍ وَ خَضِرًا (ہر قسم کی نباتات اور کھیتی نکالنے والا)

۱۱۔ مُخْرِجُ أشْجارِ النَّخِيل وَأعْنابٍ وَالزَّيتُون وَالرُّمَّان (کھجور، انگور، زیتون اور انار کے درخت پیدا کرنے والا)

۱۲۔ بَدِيعُ السَّمٰوات وَالأَرض (آسمانوں اور زمینوں کا موجد)

۱۴۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کا خالق)

۱۳۔ عَلِيمُ كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز کو جاننے والا)

۱۵۔ وَكِيلُ كُلِّ شَيْءٍ (ہر چیز پر نگہبان)

۱۶۔ مُدْرِکُ الْأَبْصارِ (سب نگاہوں کا احاطہ کرنے والا)

(۲) اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں فرمایا:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (۱)

”آپ (ان سے) فرما دیجئے: تمہیں آسمان اور زمین (یعنی اوپر اور نیچے) سے رزق کون دیتا ہے، یا (تمہارے) کان اور آنکھوں (یعنی سماعت و بصارت) کا مالک کون ہے، اور زندہ کو مُردہ (یعنی جاندار کو بے جان) سے کون نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ (یعنی بے جان کو جاندار) سے کون نکالتا ہے، اور (نظام ہائے کائنات کی) تدبیر کون فرماتا ہے؟ سو وہ کہہ اٹھیں گے کہ اللہ، تو آپ فرمائیے: پھر کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں؟○ پس یہی (عظمت وقدرت والا) اللہ ہی تو تمہارا سچا رب ہے، پس (اس) حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے، سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟○ اسی طرح آپ کے رب کا حکم نافرمانوں پر ثابت ہو کر رہا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے○ آپ (ان سے دریافت) فرمائیے کہ کیا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تخلیق کی ابتداء کرے پھر (زندگی کے معدوم ہو جانے کے بعد) اسے دوبارہ لوٹائے؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی (حیات کو عدم سے وجود میں لاتے ہوئے) آفرینش

(۱) یونس، ۱۰: ۳۱۔۳۴

کا آغاز فرماتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ (بھی) فرمائے گا، پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہوo‘‘

سورۂ یونس کی درج بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی درج ذیل صفاتِ خاصہ کا بیان ہوا ہے:

۱۔ رَازِقُ النَّاس مِنَ السَّماءِ وَالأرْض (لوگوں کو آسمان اور زمین سے رزق عطا کرنے والی ذات)

۲۔ مَالِکُ السَّمْع وَ الأبْصار (سماعت اور بصارتوں کا مالک)

۳۔ مُخْرِجُ الحَیِّ من المَیّت (مردہ سے زندہ کو پیدا کرنے والا)

۴۔ مُخْرِجُ الْمَیّت مِن الْحَیِّ (زندہ سے مردہ کو پیدا کرنے والا)

۵۔ مُدَبِّرُ الأمْر (امر کی تدبیر فرمانے والا)

۶۔ مُبْدِئُ الْخَلق (مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے والا)

۷۔ مُعِیدُ الْخَلق (مخلوق کو دوبارہ وجود بخشنے والا)

(۳) اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسٓ میں فرمایا:

وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ج اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَo وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِo لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ لا وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ط اَفَلَا یَشْكُرُوْنَo سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَo وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ج نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَo وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِo وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِo لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَ كُلٌّ

فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ○[۱]

’’اور اُن کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے، جِسے ہم نے زندہ کیا اور ہم نے اس سے (اناج کے) دانے نکالے، پھر وہ اس میں سے کھاتے ہیں○ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور اس میں ہم نے کچھ چشمے بھی جاری کردیئے○ تاکہ وہ اس کے پھل کھائیں اور اسے اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، پھر (بھی) کیا وہ شکر نہیں کرتے○ پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کے جوڑے پیدا کئے، ان سے (بھی) جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود اُن کی جانوں سے بھی اور (مزید) ان چیزوں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے○ اور ایک نشانی اُن کے لئے رات (بھی) ہے، ہم اس میں سے (کیسے) دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اس وقت اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں○ اور سورج ہمیشہ اپنی مقررہ منزل کے لئے (بغیر رکے) چلتا رہتا ہے، یہ بڑے غالب بہت علم والے (رب) کی تقدیر ہے○ اور ہم نے چاند کی (حرکت و گردش کی) بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ (اس کا اہلِ زمین کو دکھائی دینا گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے○ نہ سورج کی یہ مجال کہ وہ (اپنا مدار چھوڑ کر) چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے نمودار ہوسکتی ہے، اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیں○‘‘

(۴) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا:

قُلِ اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَةِ اَنۡتَ تَحۡکُمُ بَیۡنَ عِبَادِکَ فِیۡ مَا کَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ○[۲]

’’آپ عرض کیجئے: اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے

(۱) یٰسین، ۳۶: ۳۳۔۴۰

(۲) الزمر، ۳۹: ۴۶

والے، غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن (امور) کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے o‘‘

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں بیان ہونے والی صفاتِ خاصہ ہیں جو مخلوق کے لیے ثابت نہیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اِلٰـہ (معبود) اس میں کسی کا اشتراک نہیں، وہ بدیع السموات والارض یا فاطر السموات والارض ہے پوری کائنات کا خالق اور اسے عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اشتراک نہیں، وہ مالک یوم الدین ہے، یوم جزا و سزا کا مالک ہے وہی سب کا حساب لیگا اور وہی سب کو جزا و سزا سے نوازے گا، اس میں کسی کا اشتراک نہیں، وہی رازقِ حقیقی ہے۔ وہی حقیقۃً مالک نفع وضرر ہے، اسی پر سب کا توکل ہے، یہ بھی اس کا خاصہ ہے اس میں کوئی شریک نہیں مخلوق کے لئے توسل ہے اور خالق پر توکل، وہی دعاؤں کو سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

ذبح اور نذرِ عبادت اسی کا حق ہے، اس کی صفت رحمان ہے۔ یہ اس صفاتی کسی اور کے لئے جائز نہیں جبکہ رحیم مخلوق کے لئے جائز ہے۔ وہی سجدۂ عبادت کا حقدار ہے وہی موت و حیات کا خالق بھی ہے اور مالک بھی اسی طرح اسی کے گھر کا حج ہے، اسی کے گھر کا طواف ہے اسی کے نام پر قربانی ہے اسی کی رضا کے لئے اعمال اور عبادات ہیں۔ الغرض ایسی بہت سی صفات خاصّہ ہیں جن میں وہ وحدہٗ لاشریک ہے، یہی توحید فی الصفات ہے۔

کئی صفات ایسی ہیں جو خالق اور مخلوق دونوں کے درمیان مشترک (Common) ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لئے کسی اور معنی میں ہوتی ہیں اور مخلوق کے لئے کسی اور معنی میں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اس کی شان اور اس کے حال کے مطابق ہیں جبکہ مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال یہ صفات محدود، متناہی اور عطائی ہیں۔ مثلاً اللہ بھی (حَیٌّ) ’’زندہ‘‘ ہے اور ما و شما بھی لمحہ موجود میں زندہ ہیں اور اس وقت تک زندہ ہیں جب تک ہم وفات پا کر مردہ نہیں ہو جاتے گویا ۵۰، ۶۰، ۷۰ سال یا اس سے بھی اوپر کی طبعی عمر کو پہنچنے تک ہم بھی زندہ وموجود ہیں اور اللہ بھی زندہ وموجود ہے۔ تو کیا طبعی عمر کے اتنے عرصے کے اشتراک سے

ہم (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے شریک ہو گئے؟ پھر مخلوق میں تو ابتداء سے آج تک موت و حیات کا سلسلہ جاری ہے اور ابدالاباد تک جاری رہے گا جبکہ ہم میں آج کوئی ہے تو کل نہیں۔ گویا من حیث المجموع ایک اعتبار سے مخلوق بھی زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی زندہ ہے۔ لیکن کیا دونوں میں یہ جزوی (partially) شرک تصور ہو گا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کے زندہ ہونے کے معنی اور ہیں اور اللہ تعالیٰ کے زندہ ہونے کے معنی اور ہیں۔ یہ صفات میں شرک نہیں بلکہ اشتراک ہے اسکی بحث آگے ایک مستقل باب میں آئے گی۔

ان صفات کا اطلاق مخلوق کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل مختلف معنی میں ہوتا ہے مثلاً قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ شہید بیان ہوئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بھی امت کے لئے شہید ہیں۔ تو کیا معاذ اللہ قرآن نے یہ عقیدہ بیان کر کے شرک کی تعلیم دی؟ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ رؤوف و رحیم ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ بھی رؤوف و رحیم ہیں۔ تو کیا رؤوف و رحیم کا دونوں کے لئے اشتراک ماننے سے شرک لازم ہوگیا؟ نہیں۔ اس طرح کئی اسماء اور صفات ایسی ہیں جو خالق و مخلوق دونوں کے لئے بیان ہوئی جیسے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور انسان بھی سمیع و بصیر تو کیا یہ بیان شرک ہوگیا؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ قرآن میں جو مشترک صفات کا بیان ہے ان کی توجیہہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور معنی میں ہے اور مخلوق کے لئے اور معنی میں۔ یہی عقیدہ صحیحہ ہے۔

ہم جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مانتے ہیں وہ مخلوق کے لئے نہیں مانتے اس لئے ان پر شرک کا اطلاق نہیں ہو گا، شرک فی الصفات ثابت کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ صفت جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو اسے مخلوق کے لئے ثابت کیا جائے، لیکن اگر کوئی صفت اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہے مگر وہ مخلوق کے لئے بھی ثابت ہے تو اس اشتراک کی صورت میں حقیقت اور مجاز کی تقسیم دونوں میں شرک کے امکان کو ختم کر دیتی ہے۔

• شرک فی الأسماءِ والصفات

توحید فی الاسماء کے برعکس شرک فی الأسماء یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذاتی اور صفاتی ناموں میں کوئی اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ قرآن وحدیث سے جو اسماء صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو ان اسماء سے پکارنا شرک فی الاسماء ہے۔ اسی طرح اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا نام بنانا اور پکارنا خلافِ شرع اور خلافِ ادب ہے۔ بندے کی عقل ناقص اور محدود ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور مرتبہ وراء الوراء ہے، اس تک انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ اپنے مرتبے اور شان کے لائق حسین اور پاک نام وہ خود ہی رکھ سکتا ہے۔ کسی بندے کے بس میں نہیں ہے کہ اس کا کوئی نام رکھ سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۱)

’’وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا (یعنی ایجاد فرمانے والا) ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ (الغرض) سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کے لئے وہ (سب) چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہے ○‘‘

• وہ صفات جو اللہ رب العزت کا خاصہ ہیں اور جن پر خالصۃً اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر ایسی صفات کو کسی غیر کے لئے ثابت کیا جائے تو پھر شرک فی الصفات لازم آئے گا۔ جو صفت اللہ تعالیٰ کے لئے بیان کی گئی اور وہ اس کے لئے خاص ہو تو وہ قرآن کے مطابق قطعی وحتمی طور پر بلاامتیاز صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسے کسی غیر اللہ کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بنیادی اور اوّلین شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اور صفت ہے استواء علی

(۱) الحشر، ۵۹: ۲۴

العرش اس کا غیر کے لئے اثبات جائز نہیں، وہ قدیم، ازلی، اور ابدی ہے، وہ زمان و مکان سے پاک ہے۔ وہ تغیر، تکمیل اور حرکات سے منزّہ ہے، اسکی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء، وہ قیوم بالذات ہے۔ وہ احد لا شریک ہے، وہ صمد اور بے نیاز ہے، وہ نہ والد ہے نہ مولود، اسکی نہ کوئی ضد ہے نہ نِد، نہ ہمسر نہ مثال، اس کا نہ کوئی جسم ہے نہ جوہر، وہ غیر محدود اور غیر معدود ہے، نہ اس پر نیند آتی ہے نہ بڑھاپا، نہ اس کی پیدائش ہوئی نہ اس پر موت ہے، وہ ہر شے کا خالق ہے، مالک ہے، ان پر قادر مطق ہے، الغرض ان صفاتِ خاصہ کو کسی غیر کے لئے ثابت کرنا، جزوی طور پر ہو یا وقتی طور پر یہ ''شرک فی الصفات'' ہوگا۔

قرآن مجید میں ایسے سینکڑوں الفاظ وارد ہوئے ہیں جو بعض اوقات حقوق، صفات، افعال اور اسماء کے باب میں مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں لیکن جس معنی میں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں ان معانی کا اطلاق مخلوق پر نہیں کیا جاسکتا۔ بے شمار الفاظ اللہ تعالیٰ کیلئے جن معانی کے حامل ہیں، مخلوق کے لئے مختلف معانی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کیلئے امین اور قوی کے جو معنی ہیں، مخلوق کے لئے ان الفاظ کے وہ معنی نہیں ہوسکتے۔ ان الوہی صفات کے معانی و مطالب واضح اور معین ہیں۔ ان کے معانی اور تصریحات جدا جدا ہیں اور ان کے معنوی اطلاقات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ چونکہ ان صفاتِ الٰہیہ کا مفہوم اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے لہٰذا مذکورہ الفاظ کی تخصیص اللہ تعالیٰ کیلئے واضح اور متعین ہے۔ ان کا مفہوم اور معنوی اطلاقات، مضمرات و تصورات یکسر مختلف پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اور مخلوق کیلئے یہ تصورات و صفات جدا جدا معنی رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان بہت بڑا معنوی فرق و امتیاز کارفرما ہے۔ پس کسی چیز کے شرک یا عدمِ شرک کا تعیّن کرنے کے لئے یہ حقیقت ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ آیا وہ صفت مشترک ہے یا غیر مشترک۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خاص یا غیر مشترک صفت ہے اور اسے کسی غیر کیلئے ثابت کیا گیا ہے تو پھر یہ عمل شرک کے مترادف ہوگا۔

بدیہی طور پر اللہ تعالیٰ کی ایک امتیازی صفت الوُھیت ہے جو کسی کے ساتھ مشترک نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی عبادت

کی جائے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو معبود نہیں ٹھہرایا جا سکتا حتی کہ کسی کو استعاراتی یا مجازی طور پر بھی معبود نہیں کہا جا سکتا۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا ہے۔ مخلوق میں کوئی بھی رحمٰن نہیں ہوسکتا۔ رحمٰن ہونا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رحمٰن مانے تو وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ لیکن رحیم ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ دونوں میں مشترک ہے لہٰذا آپ ﷺ کو رحیم کہنے سے شرک کا ارتکاب نہیں ہوگا۔

البتہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اسی معنی میں رحیم نہیں مانیں گے جس معنی میں ہم اللہ تعالیٰ کو رحیم مانتے ہیں۔ اگر ایسا کریں گے تو شرک کے مرتکب ہو جائیں گے۔ رحیم کی صفت میں جو تصور اور حقیقت اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کے ساتھ خواہ وہ حضور ﷺ ہی کیوں نہ ہوں منسوب کرنا شرک ہوگا اگر رحیم کا معنی آپ ﷺ کے لئے آپ کی شان کے مطابق مختلف معنی میں لیا جائے تو پھر شرک نہیں ہوگا۔

www.MinhajBooks.com

۲۔ توحید فی الأفعال

وہ افعال جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں ان کا فقط اللہ رب العزت ہی کے لئے ثابت کرنا توحید فی الأفعال کہلاتا ہے مثلاً عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا، زندگی دینے والا اور موت سے ہمکنار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ اگر چاہے تو اپنے امرِ کُنْ سے ساری کائنات کو نیست و نابود کر دے۔ اسی طرح دوزخ و جنت قائم کرنا، فرشتوں کو تخلیق کرنا، انبیاء کو نبوت و رسالت عطا کرنا، وحی نازل کرنا مخلوق کے لئے ہدایت نازل کرنا، انہیں مرض اور شفا اور موت و حیات سے ہمکنار کرنا، طاعت گزراوں کو ثواب اور نافرمانوں کو عذاب دینا یہ سب افعال الٰہیہ ہیں جو افعالِ خاصہ بھی ہیں۔ خلقِ کائنات کی طرح انعقادِ قیامت بھی افعالِ خاصہ الٰہیہ میں سے ہے۔

اس دنیا میں روز و شب کا نظام، سورج کے طلوع وغروب کا نظام، بارش اور خشک سالی کا نظام، رزق کی فراہمی تنگی اور کشادگی سب اسی کے کام ہیں۔ یہ افعال کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اولاد، مال و دولت، عزت و آبرو، قوت و اقتدار اور شان و شوکت دینا اور چھین لینا اسی کے دستِ قدرت میں ہے ان افعال میں نہ کوئی اسکا شریک ہے، نہ حصہ دار، نہ معاون اور نہ مددگار۔ ان افعال کا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عقیدہ رکھنا توحید فی الأفعال کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان افعالِ خاصہ کے حوالے سے چند آیاتِ قرآنی درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○ وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًاۢ بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ کَذٰلِکَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ○ وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا ؕ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡکُرُوۡنَ ○[1]

’’بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین (کی کائنات) کو چھ مدتوں (یعنی چھ ادوار) میں پیدا فرمایا پھر (اپنی شان کے مطابق) عرش پر استوا (یعنی اس کائنات میں اپنے حکم و اقتدار کے نظام کا اجراء) فرمایا۔ وہی رات سے دن کو ڈھانک دیتا ہے (درآنحالیکہ دن رات میں سے) ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے لگا رہتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے (سب) اسی کے حکم (سے ایک نظام) کے پابند بنا دیئے گئے ہیں۔ خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔ اللہ بڑی برکت والا ہے جو تمام جہانوں کی (تدریجاً) پرورش فرمانے والا ہے ○ تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ (دونوں طریقوں سے) دعا کیا کرو، بیشک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور زمین میں اس کے سنور جانے (یعنی ملک کا ماحولِ حیات درست ہو جانے) کے بعد فساد انگیزی نہ کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے اس سے دعا کرتے رہا کرو، بیشک اللہ کی رحمت احسان شعار لوگوں (یعنی نیکوکاروں) کے قریب ہوتی ہے ○ اور وہی ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں

(۱) الاعراف، ۷: ۵۴۔ ۵۸

تو ہم ان (بادلوں) کو کسی مردہ (یعنی بے آب و گیاہ) شہر کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر ہم اس (بادل) سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم (روزِ قیامت) مُردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت قبول کروo اور جو اچھی (یعنی زرخیز) زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے اور جو (زمین) خراب ہے (اس سے) تھوڑی سی بے فائدہ چیز کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں (یعنی دلائل اور نشانیاں) ان لوگوں کے لئے بار بار بیان کرتے ہیں جو شکرگزار ہیںo‘‘

سورۃ الاعراف کی درج بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصّہ کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (زمین و آسمان کی تخلیق کرنا)

۲۔ الخَلقُ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ (چھ دنوں (یعنی ادوار) میں تخلیق کرنا)

۳۔ إغْشاءُ اللَّیل بِالنَّهَارِ (رات کے ذریعے دن کو ڈھانپنا)

۴۔ جعل نظامِ حَرَکَةِ الأرض (زمین کی حرکت کا نظام بنانا)

۵۔ تَسْخِیرُ الشَّمْس وَ القَمَر والنُّجُوم (سورج، چاند اور ستاروں کو تسخیر کرنا)

۶۔ إرسالُ الرِّیاح (ہواؤں کو بھیجنا)

۷۔ إنزالُ الْمَاء (پانی کو برسانا)

۸۔ إخراجُ الثَّمرات وَ النَّبات (ہر قسم کے پھل و نباتات اگانا)

(۲) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الإسراء میں ارشاد فرمایا:

رَبُّکُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَکُمُ الْفُلْکَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّهٗ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًاo وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ

اِلَّآ اِیَّاهُ ج فَلَمَّا نَجّٰکُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ط وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا○ اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ وَکِیۡلًا○ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ یُّعِیۡدَکُمۡ فِیۡهِ تَارَةً اُخۡرٰی فَیُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیۡحِ فَیُغۡرِقَکُمۡ بِمَا کَفَرۡتُمۡ لا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ عَلَیۡنَا بِهٖ تَبِیۡعًا○ وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا○ (۱)

’’تمہارا رب وہ ہے جو سمندر (اور دریا) میں تمہارے لئے (جہاز اور) کشتیاں رواں فرماتا ہے تاکہ تم (اندرونی و بیرونی تجارت کے ذریعہ) اس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو، بیشک وہ تم پر بڑا مہربان ہے○ اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ (سب بت تمہارے ذہنوں سے) گم ہو جاتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے رہتے ہو سوائے اسی (اللہ) کے (جسے تم اس وقت یاد کرتے ہو)، پھر جب وہ (اللہ) تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے (تو پھر اس سے) روگردانی کرنے لگتے ہو، اور انسان بڑا ناشکرا واقع ہوا ہے○ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کنارے پر ہی (زمین میں) دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاسکو گے○ یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اس (سمندر) میں پلٹا کرلے جائے اور تم پر کشتیاں توڑ دینے والی آندھی بھیج دے پھر تمہیں اس کفر کے باعث جو تم کرتے تھے (سمندر میں) غرق کر دے پھر تم اپنے لئے اس (ڈبونے) پر ہم سے مؤاخذہ کرنے والا کوئی نہیں پاؤ گے○ اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت

(۱) الإسراء، ۱۷: ۶۶۔ ۷۰

بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیاo‘‘

سورۃ الاِسراء کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصہ کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ حَملُ الناس فِی الْبَرِّ وَ الْبَحر (لوگوں کو بحر و بر میں سوار کرنا)

۲۔ ضرّ النّاسِ فی الْبَحر (سمندر میں مصیبت لاحق کرنا)

۳۔ تنجیۃُ النَّاس مِن المُصِیبَۃ فی البَحر (سمندر میں مصیبت سے نجات عطا کرنا)

۴۔ خَسفُ فی الأرض (زمین میں دھنسا دینا)

۵۔ إرسالُ الْحاصِب (پتھر برسانے والی آندھی بھیجنا)

۶۔ إرسالُ القَاصِف مِن الرِّیح (کشتیاں توڑ دینے والی آندھی بھیجنا)

۷۔ الإغراق فی البَحر (سمندر میں غرق کر دینا)

۸۔ تکرِیمُ بنی آدَم (بنو آدم کی تکریم کرنا)

۹۔ رِزقُ الناس مِن الطَّیِّبات (لوگوں کو پاکیزہ رزق مہیا کرنا)

(۳) اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَo وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ م بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَo وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَo وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَo ثُمَّ كُلِيْ

مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○[۱]

’’اور اللہ نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ (یعنی بنجر) ہونے کے بعد زندہ (یعنی سرسبز و شاداب) کر دیا۔ بیشک اس میں (نصیحت) سننے والوں کے لئے نشانی ہے○ اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) مقامِ غور ہے، ہم ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے (بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے (وجود میں آتی ہے) خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لئے فرحت بخش ہوتا ہے○ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم شکر اور (دیگر) عمدہ غذائیں بناتے ہو، بیشک اس میں اہلِ عقل کے لئے نشانی ہے○ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں (خیال) ڈال دیا کہ تو بعض پہاڑوں میں اپنے گھر بنا اور بعض درختوں میں اور بعض چھپروں میں (بھی) جنہیں لوگ (چھت کی طرح) اونچا بناتے ہیں○ پس تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسا کر پھر اپنے رب کے (سمجھائے ہوئے) راستوں پر (جو ان پھلوں اور پھولوں تک جاتے ہیں جن سے تو نے رس چوسنا ہے، دوسری مکھیوں کے لئے بھی) آسانی فراہم کرتے ہوئے چلا کر، ان کے شکموں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے (وہ شہد ہے) جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے، بیشک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے○‘‘

سورۃ النحل کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصّہ کا ذکر ہوا ہے:

۱۔ اِنْزالُ الماء مِن السَّماء (آسمان سے پانی اتارنا)

(۱) النحل، ۱۶: ۶۵-۶۹

۲۔ إحیاءُ الْأَرْض بَعْدَ مَوْتِها (زمین کو بنجر ہونے کے بعد سرسبز و شاداب کرنا)

۳۔ جَعلُ اللَّبَن فی بُطُون الأنعام (مویشیوں کے جسموں کے اندر دودھ فراہم کرنا)

۴۔ جَعلُ رِزقٍ حَسَنٍ مِنَ الثَّمَرات لِلنَّاس (لوگوں کے لئے پھلوں سے عمدہ غذائیں بنانا)

۵۔ إخْراجُ الشَّرابِ مِنْ بَطْنِ النَّحل (شہد کی مکھی کے شکم سے شہد نکالنا)

(۴) اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل میں ارشاد فرمایا:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ○ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (۱)

”فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے منتخب (برگزیدہ) بندوں پر سلامتی ہو، کیا اللہ ہی بہتر ہے یا وہ (معبودانِ باطلہ) جنہیں یہ لوگ (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں○ بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

(۱) النمل، ۲۷: ۵۹۔ ۶۴

پیدا فرمایا اورتمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی)
سے تازہ اورخوشنما باغات اُگائے، تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغات)
کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ
ہیں جو (راہِ حق سے) پرے ہٹ رہے ہیں o بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو
قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے بھاری پہاڑ
بنائے۔ اور (کھاری اور شیریں) دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی۔ کیا اللہ
کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ ان (کفار) میں سے اکثر لوگ بے علم
ہیں o بلکہ وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے
پکارے اور تکلیف دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث و
جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی
کم نصیحت قبول کرتے ہو o بلکہ وہ کون ہے جو تمہیں خشک و تر (یعنی زمین اور
سمندر) کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور جو ہواؤں کو اپنی (بارانِ) رحمت
سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟
اللہ ان (معبودانِ باطلہ) سے برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں o بلکہ وہ
کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر اسی (عملِ تخلیق) کو دہرائے گا
اور جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا فرماتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور
بھی) معبود ہے؟ فرما دیجئے: (اے مشرکو!) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو o‘‘

سورۃ النمل کی ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل افعالِ خاصہ کا بیان ہوا ہے:

۱۔ خَلْقُ السَّمٰوات وَالأرْض (زمین و آسمانوں کی تخلیق کرنا)

۲۔ إنزالُ الْماء مِن السَّماء (آسمان سے پانی اتارنا)

۳۔ إنباتُ الْحَدائِق (باغات کو اگانا)

۴۔ جَعلُ الأرضِ قَرارًا (زمین کو قرارگاہ بنانا)

۵۔ إجراءُ الأَنهار فِي الأَرض (زمین کے درمیان نہریں جاری کرنا)

۶۔ جَعلُ الرَّواسِی لِلأرض (زمین کے لئے پہاڑ بنانا)

۷۔ جَعلُ الحاجِز بَینَ البَحرَین (کھاری اور شیریں سمندروں کے درمیان آڑ بنانا)

۸۔ إجابَةُ المُضطَر (بے قرار کی دعا قبول کرنا)

۹۔ کَشفُ السُّوء (تکلیف دور کرنا)

۱۰۔ الهِدایَة فی ظُلُماتِ البَرِّ و البَحرِ (بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ دکھانا)

۱۱۔ إرسالُ الرِّیاح (ہواؤں کو بھیجنا)

۱۲۔ بَدءُ الخَلق (مخلوق کی ابتداء کرنا)

۱۳۔ إعادَةُ الخَلق (مخلوق کے عملِ تخلیق کو دہرانا)

۱۴۔ رِزقُ النَّاس مِن السَّماء وَالأرض (زمین و آسمان سے لوگوں کو رزق فراہم کرنا)

(۵) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ○(۱)

”(اے انسان!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کیے، پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، پھر وہ (تیار ہوکر) خشک ہوجاتی ہے، پھر (پکنے کے بعد) تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اسے چورا چورا کردیتا ہے، بے شک

(۱) الزمر، ۳۹:۲۱

اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہےo''

(۶) اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمن میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ ثُمَّ لِتَکُوْنُوْا شُیُوْخًا ج وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَo هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ج فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُo[۱]

''وہی ہے جس نے تمہاری (کیمیائی حیات کی ابتدائی) پیدائش مٹی سے کی پھر (حیاتیاتی ابتداء) ایک نطفہ (یعنی ایک خلیہ) سے، پھر رحم مادر میں معلّق وجود سے، پھر (بالآخر) وہی تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر (تمہیں نشوونما دیتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر (تمہیں عمر کی مہلت دیتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی (بڑھاپے سے) پہلے ہی وفات پا جاتا ہے اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ تم (اپنی اپنی) مقرّرہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور اِس لئے (بھی) کہ تم سمجھ سکوo وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف اسے فرما دیتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہےo''

(۷) اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں ارشاد فرمایا:

وَاللهُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاo ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًاo وَاللهُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاo لِّتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًاo[۱]

(۱) المؤمن، ۴۰:۶۷۔۶۸

(۲) نوح، ۷۱:۱۷۔۲۰

’’اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایاo☆ پھر تم کو اسی (زمین) میں لوٹا دے گا اور (پھر) تم کو (اسی سے دوبارہ) باہر نکالے گاo اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیاo تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھروo‘‘

(۸) اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس میں ارشاد فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓo اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّاo ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّاo فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّاo وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًاo وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًاo وَّحَدَآئِقَ غُلْبًاo وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّاo مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْo[۱]

’’پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے)o بیشک ہم نے خوب زور سے پانی برسایاo پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالاo پھر ہم نے اس میں اناج اگایاo اور انگور اور ترکاریo اور زیتون اور کھجورo اور گھنے گھنے باغاتo اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہo خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)o‘‘

کائنات (زمین و آسمان) اور تمام مخلوقات کا خالق اللہ رب العزت ہے اور اس کی خالقیت اسی کے لئے خاص ہے۔ اس طرح دن اور رات کا بدلنا، سمندروں میں جہاز اور کشتیاں بہ حفاظت رواں دواں کرنا، آسمان سے بارش نازل کرنا اور اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرنا، بادلوں اور ہواؤں کا چلانا، افعالِ الٰہی ہیں۔

☆ اَرضی زندگی میں پودوں کی طرح حیاتِ اِنسانی کی اِبتداء اور نشو و نما بھی کیمیائی اور حیاتیاتی مراحل سے گزرتے ہوئے تدریجاً ہوئی، اِسی لئے اِسے **اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا** کے بلیغ اِستعارہ کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) عبس، ۸۰: ۲۴۔ ۳۲

اللہ تعالیٰ کے افعالِ خاصّہ کا کسی اور کے لئے اثبات شرک ہے

اللہ رب العزت جن افعالِ خاصہ میں وحدہٗ لاشریک ہے انہیں اگر کسی غیر کے لئے ثابت کیا جائے تو یہ شرک ہوگا مثلاً

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق ہے یہ خالصتاً اس کا انفرادی اختصاصی فعل ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

۲۔ انسانوں اور جنوں کا خالق اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ کوئی اور جن و انس کا خالق نہیں ہوسکتا۔

۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی قیامت برپا کرنے والا ہے۔ کوئی اور قیامت برپا نہیں کرسکتا۔

۴۔ رحمِ مادر میں وہی بشر کی صورتیں بناتا ہے۔ اس فعل خاص میں کوئی اس کا شریک نہیں، جیسا کہ فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ.(۱)

’’(اللہ) وہی ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔‘‘

۵۔ وہ رازقِ حقیقی ہے۔ ساری کائنات کو رزق عطا کرنا اس کا فعلِ خاص ہے۔

۶۔ وہ خیر و شر اور نفع و نقصان کا مالک ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر نہ کسی کو خیر پہنچ سکتی ہے اور نہ شر۔ اگر وہ کسی کو خیر پہنچانا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا اور اس کے بغیر کوئی شر کو ٹال نہیں سکتا۔

۷۔ معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔

۸۔ اپنے منتخب بندوں کو نبوت عطا کرنا، ان کی طرف وحی بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ کوئی اور کسی کو نبوت عطا نہیں کرسکتا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور بالقدرت ہے جب کہ مخلوق کا علم اکتسابی اور بالعطاء ہے۔

(۱) آل عمران، ۳:۶

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

کسی اور کے بارے میں علم بالذات کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

۱۰۔ رحمٰن اس کا اسمِ خاص ہے کوئی دوسرا رحمٰن نہیں ہوسکتا۔

۱۱۔ روز و شب اور سورج کے طلوع و غروب کا نظام اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

۱۲۔ بارش اور خشک سالی کا نظام بھی اسی کے دستِ تصرف میں ہے۔

۱۳۔ رزق کی فراہمی تنگی اور کشادگی کا مالک بالذات وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

۱۴۔ اولاد، مال و دولت، عزت و آبرو، قوت و اقتدار اور شان و شوکت دینا اور چھین لینا وغیرہ وغیرہ۔ سب اسی کے افعالِ خاصہ ہیں۔ ان افعال میں کوئی اسکا شریک اور حصہ دار نہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے خاص افعال و صفات کو کسی اور کیلئے خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو ثابت کرنا شرک ہوگا۔ افعال و صفات کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوں گی یا نہیں ہوں گی۔ اگر وہ خاص اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات ہیں تو انہیں کسی اور کیلئے ثابت کرنا شرک ہوگا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ صفات عامہ ہوں تو اس میں لامحالہ دو باتیں ہوں گی: یا تو وہ مخلوق کے حسبِ حال ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے لئے بھی ان کے حسبِ حال ثابت ہیں تو شرک صادر نہیں ہوگا۔ بصورتِ دیگر اگر وہ ایسی صفات ہوں کہ جن کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا سرے سے جائز ہی نہیں (جیسے میلاد، وسیلہ، شفاعت) تو ان کو شرک نہیں گردانا جا سکتا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ انبیاء و اولیاء اور مقربین و صالحین کی دعا سے، انکی برکت سے، اور ان کے توسّل سے کسی بیمار کو تندرستی و صحتیابی مل جانا، کسی پریشان حال اور دکھی کے دکھوں کا مداوا ہوجانا، کسی بے اولاد کو اولاد کی نعمت نصیب ہونا، کسی غریب ومحتاج کا مال و دولت سے نوازا جانا حق ہے۔ یہ نہ شرک ہے نہ اشتراک، بلکہ محض توسل ہوتا ہے کیونکہ فاعلِ حقیقی جملہ امور میں اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ وہ جس کے باعث اور جس کے سبب سے جس کو جو چاہے عطا فرما دے اور جس سے جو چاہے سلب فرما لے، قدرت اور فعل اسی کا ہی رہتا ہے، سبب خواہ کوئی ہو۔ اس سے ''توحید فی الافعال'' میں حرج واقع نہیں ہوتا۔

• شرک فی الأفعال

توحید فی الأفعال کے برعکس اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اس کے خاص افعال میں شریک ٹھہرانا شرک فی الأفعال ہے۔

شرک اور اس کا محل

جیسا کہ قبل ازیں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ شرک صرف اس وقت وجود میں آتا ہے جب توحید کی واضح نفی کی جائے کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایمان اور توحید کی نفی ثابت کرنے کیلئے یہ تعیّن کرنا لازمی ہے کہ توحید کے جس درجہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس کا شمار حقوق اللہ میں ہو۔ خالصتاً یہ حق کوئی عام یا مشترک حق اور صفت نہ ہو بلکہ بلا شرکتِ غیر خالصتاً، اللہ تعالیٰ کا حق ہو یعنی اس میں اختصاص پایا جائے نہ کہ اشتراک۔ لہٰذا جو شخص کسی کے عمل کو توحید کے منافی خیال کرتے ہوئے شرک کا الزام عائد کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن و سنت کے قطعی دلائل و شواہد سے اس امر کو حتمی طور پر توحید کے منافی ثابت کرے۔ جب تک وہ ثابت نہیں کرتا اس وقت تک اس کے کسی عمل اور خیال کو مشرکانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شرک کا مدار کمیت اور توقیت پر نہیں بلکہ کیفیت و ماہیت پر ہے۔

ا۔ توحید اور شرک کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہے

قرآن حکیم نے اکثر و بیشتر مقامات پر مشرکین کے خصوصی پس منظر میں ان کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے معبودانِ باطلہ کا ذکر کیا ہے اور ان باطل عقائد کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ان کے ساتھ انہوں نے وابستہ کر رکھے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی اور کے بارے میں بھی عقیدہ اُلوہیت رکھا جائے تو ایسا کرنا شرک ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (۱)

’’انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں ○‘‘

یہود و نصاریٰ نے اپنے راہبوں، عابدوں اور عالم لوگوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اس بنا پر وہ مشرک ٹھہرائے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ. (۲)

’’اللہ رب العزت یہود کو غارت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا ڈالا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بتوں کو سجدہ کرنا منع ہے اسی طرح ماسوی اللہ کو خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو سجدہ کرنا ممنوع اور کفر و شرک ہے۔ توحید اور شرک کے ما بین

(۱) التوبة، ۹: ۳۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوٰة، باب الصلاة فی البیعة، ۱: ۱۶۸، رقم: ۴۲۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب النهی عن اتخاذ القبور مساجد، ۱: ۳۷۷، رقم: ۵۳۰

۳۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر، ۳: ۲۱۶، رقم: ۳۲۲۷

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

فرق کا فقط ایک درجہ ہے۔ ایک ذات اللہ ہے اور باقی سب ما سوی اللہ اس کے علاوہ کوئی درجہ بندی نہیں۔ ان دونوں میں کوئی اشتراک نہیں۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ اکیلا معبود برحق ہے۔ اگر کوئی اس کی ذات میں کسی اور کو شریک مانے تو یہ توحید فی الذات کی نفی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک قرار پائے گا۔

۲۔ تقریبِ میلاد النبی ﷺ عینِ توحید ہے شرک نہیں

بعض لوگ جہالت اور کم علمی کی وجہ سے میلاد جیسی مستحسن، بابرکت اور مستحب تقریبات کے انعقاد کو بھی شرک قرار دیتے ہیں۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ جیسا محبوب عمل بھی ان کے نزدیک شرک ہے۔ یہ عقیدہ ہرگز درست نہیں کیونکہ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد شرک کی کسی بھی قسم کے تحت نہیں آتا بلکہ وہ عین توحید کا اثبات ہے۔ شرک تو تب ہوگا کہ جو امر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو اور اس کو کسی اور کیلئے ثابت کیا جائے۔ اگر کوئی شخص میلاد مصطفیٰ ﷺ منانے کو شرک کہتا ہے تو گویا اس کے نزدیک میلاد منانا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حق تھا جس کو غیر کے لئے ثابت کیا گیا جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو میلاد جیسی چیزوں سے پاک ہے۔ حقیقتاً میلاد تو ہوتا ہی مخلوق کا ہے لہٰذا میلاد منانا عینِ ایمان ہے۔ اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں۔ راسخ العمل ار صحیح العقیدہ مسلمان حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد منا کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ومکرم بندے ہیں، خالق نہیں۔ اس اعتبار سے میلاد منانا قاطعِ شرک ہے نہ کہ موجبِ شرک۔

۳۔ ایک ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب

گذشتہ صفحات میں ہم نے توحید وشرک کے باب میں یہ بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص افعال، اسماء اور صفات کسی اور کیلئے ثابت کئے جائیں تو شرک صادر ہوگا ورنہ نہیں۔ اس پر کوئی یہ اعتراض وارد کر سکتا ہے کہ یہ ''خاص'' کا اضافہ ہم نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و اسماء اور صفات میں عام وخاص کی قید نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو عام اور خاص کا فرق ثابت ہو جاتا ہے اور اس حوالے سے ہم نے اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا، جیسے مندرجہ ذیل قرآنی ارشادات سے ظاہر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شہید کہا: اِنَّ اللهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا○[1]

''اور اپنے نبی مکرّم ﷺ کو بھی شہید کہا، فرمایا: وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا۔''[2]

۲۔ اپنے لئے فرمایا: اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○[3]

اپنے رسول کے لئے بھی فرمایا: بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○[4]

۳۔ اپنے لئے فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ○[5]

عام مخلوق کے لئے فرمایا: فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا○[6]

معلوم ہوا کہ ایسی درجنوں صفات اور صفاتی اسماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے لئے بھی ثابت ہیں اس فرق کے ساتھ کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں اور مخلوق کے لئے عام۔

اگر معترضین اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے اور مخلوق کے سمیع و بصیر ہونے کے بارے میں یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سمیع و بصیر ہونا اور معنی میں ہے اور مخلوق کے سمیع و بصیر ہونے کے اور معنی ہیں۔ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ ''اور معنی'' کا مفہوم قرآن کی کس آیت سے اخذ کر لیا گیا ہے۔ جبکہ وہ خاص و عام معنی کے فرق پر مبنی ہمارے موقف کو نہیں مانتے۔ اگر کوئی غیر مسلم اعتراض وارد کرے تو اور بات ہے لیکن ان کے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ جس کو وہ ''اور معنی'' سے منسوب کر رہے ہیں اسے ہم

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۵

(۲-۳) البقرة، ۲:۱۴۳

(۴) التوبة، ۹:۱۲۸

(۵) بنی اسرائیل، ۱۷:۱

(۶) الدھر، ۷۶:۱

''خاص معنی'' کہہ رہے ہیں۔

خلاصۂ بحث

ہمارے مبنی بر حق عقیدہ کی رو سے اگر خاص اور عام کا فرق پیش نظر رہے تو پھر توحید اور شرک کا صحیح تصور نکھر کر واضح ہو جاتا ہے اور سارا فساد خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ بات بات پر شرک کے فتوے یونہی صادر کرتے رہتے ہیں، وہ یہ امتیاز نہیں کرتے کہ کیا مخلوق کے لئے ثابت کرنا جائز ہے اور کیا ثابت کرنا جائز نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں؟ اس خلط مبحث سے توحید اور شرک گڈمڈ ہو جاتا ہے اور تکرار جھگڑا فساد شروع ہو جاتا ہے۔ پس مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ توحید اور شرک کے باب میں دونوں کے فرق کو سمجھا جائے اور تصورات کی تفہیم کو درست کیا جائے۔

www.MinhajBooks.com

باب ہفتم

توحید فی التحریم

اور

شرک فی التحریم

۱۔ توحید فی التحریمات • شرک فی التحریمات

۲۔ توحید فی النذور • شرک فی النذور

۳۔ توحید فی الحلف • شرک فی الحلف

www.MinhajBooks.com

گزشتہ صفحات میں ہم نے توحید کی تین اقسام توحید فی الاُلوہیت، توحید فی الربوبیت اورتوحید فی الأسماء والصفات پر سیر حاصل بحث کی، ذیل میں ہم توحید کی چوتھی قسم توحید فی التحریم کو بیان کریں گے۔

توحید فی التحریم کا مفہوم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض مقامات، بعض مہینوں اور قربانی کے جانوروں کو اپنی نشانیاں اور حرمت والا قرار دیا، انہیں اپنے لیے مختص کر کے بندوں پر ان کے ادب و احترام اورحرمت وتعظیم کو واجب کر دیا۔ شرعاً ان نشانیوں کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مبارک نام پر اٹھائی گئی قسم کا ادب و احترام اور اس کے عطا کردہ احکامات کی حلت وحرمت کا لحاظ رکھنا اور ان امور کو اللہ تعالیٰ کے لئے باعثِ حرمت وتعظیم جاننا توحید فی التحریم ہے۔

توحید فی التحریم کی اقسام

توحید فی التحریم کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

۱۔ توحید فی التحریمات

۲۔ توحید فی النذور

۳۔ توحید فی الحلف

آئندہ صفحات میں مندرجہ بالا اقسام پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

فصل اوّل

توحید فی التحریمات
اور
شرک فی التحریمات

www.MinhajBooks.com

حرمتِ تحریمات کا وجوب

توحید فی التحریمات کا بیان قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ط ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○[۱]

’’اللہ نے عزت (و ادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرمِ مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے)، یہ اس لئے کہ تمہیں علم ہو جائے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ ہر چیز سے بہت واقف ہے○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کعبۃ اللہ، شہورِ مقدسہ اور قربانی کے جانوروں کے ادب و احترام کو بیان فرمایا۔

۲۔ سورۂ بقرۃ میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں کو اللہ رب العزت نے اپنی نشانیاں قرار

---

(۱) المائدۃ، ۵:۹۷

دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ.(۱)

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

۳۔ سورۃ التوبۃ میں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ.(۲)

’’بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا ان میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) حرمت والے ہیں۔‘‘

۴۔ ان مہینوں کا ادب و احترام اور حرمت یوں بیان فرمائی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ.(۳)

’’لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: اس میں جنگ بڑا گناہ ہے۔‘‘

۵۔ سورۂ حج میں قربانی کے جانوروں کو اپنی نشانیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ.(۴)

’’اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے

(۱) البقرة، ۲:۱۵۸

(۲) التوبة، ۹:۳۶

(۳) البقرة، ۲:۲۱۷

(۴) الحج، ۲۲:۳۶

لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔‘‘

پس مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ امر مترشح ہوا کہ اللہ ﷻ کی تحریمات کا ادب واحترام اور تعظیم وتکریم بجا لانا واجب ہے۔ ان کی بے حرمتی اور اہانت کفر ہے۔

۶۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا. (۱)

’’اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت (و ادب) والے مہینے کی (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی ماہ کی) اور نہ حرمِ کعبہ کو بھیجے ہوئے قربانی کے جانوروں کی اور نہ مکہ لائے جانے والے ان جانوروں کی جن کے گلے میں علامتی پٹے ہوں اور نہ حرمت والے گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا قصد کر کے آنے والوں (کے جان و مال اور عزت و آبرو) کی (بے حرمتی کرو کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے رب کا فضل اور رضا تلاش کر رہے ہیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں مندرجہ ذیل تین تحریمات گنوائی گئی ہیں جن کی حرمت واجب ہے:

۱۔ حرمِ کعبہ کی حرمت

۲۔ چار مقدّس مہینوں کی حرمت

۳۔ قربانی کے جانوروں کی حرمت

۷۔ اسی طرح قرآن حکیم میں شعائر اللہ کی تعظیم و توقیر کو دلوں کے تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) المائدة، ۵: ۲

www.MinhajBooks.com

ذٰلِکَ ق وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○[1]

”یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)○“

اگر کوئی شخص کسی اور مقام، جگہ اور کسی جانور کی حرمت حرمین شریفین، قربانی کے جانوروں اور شعائر اللہ کی حرمت سے مماثل جانے اور ان سے اسی تعظیم کی نسبت وابستہ کرے مثلاً حرمِ مکہ کی طرح کسی اور مقام پر طواف یا عبادت کو حرم میں عبادت کے مماثل جانے، اسی طرح مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ جیسی فضیلت و تحریم کسی اور جگہ کے لئے ثابت کرے تو وہ شرک فی التحریم کا مرتکب ہو گا۔

مکہ کو ابراہیم علیہ السلام نے اور مدینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم بنایا

صحیح احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرّمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا پس اس کی حرمت واجب ہوگئی جس کو پامال کرنا شرک قرار پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تشریعی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مبارک جائے سکونت مدینہ منورہ کو حرم بنا دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عاصم راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا. وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ.[2]

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور اہلِ مکہ کے لئے دعا کی تھی،

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة، ۲: ۹۹۱، رقم: ۱۳۶۰

اور بلاشبہ مدینہ کو میں حرم بناتا ہوں جس طرح مکہّ کو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے حرم بنایا تھا۔‘‘

پس مدینہ منورہ کی تحریم حضور نبی اکرم ﷺ کے تشریعی اختیار کی بدولت ہے، حرمِ مکہ کی طرح حرم مدینہ کی حدود میں بھی کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں۔ مثلاً یہ کہ وہاں کوئی بھی جنگ و قتال نہیں کر سکتا، درخت نہیں کاٹ سکتا۔ یہ سب تحریمات صرف حرمین شریفین کے لئے ہیں۔ اب اگر کوئی اس طرح کسی اور شہر اور جگہ کو حرم بنا کر حرمین شریفین کی طرح اس کیلئے حرمت و تعظیم کے قواعد وضع کرے تو یہ بھی شرک فی التحریم ہو گا۔

• شرک فی التحریم

وہ تحریمات جو اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی ذاتِ وحدہ لاشریک کے لئے خاص ہیں وہ یا ان سے مماثل تحریمات کو غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک فی التحریم ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں کفار و مشرکین کے حوالے سے ہوا ہے جو اپنے کھیتوں اور مویشیوں کو اپنے بتوں لات و منات، ہبل و عزیٰ اور دیگر طواغیت کے نام مختص کر کے ان کا استعمال اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ قرآنِ حکیم نے ان کے اس مشرکانہ عمل پر ان کو سخت وعید سنائی کیونکہ تحریمات شعائر اللہ ہیں جن کا ادب و احترام اور تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوتی ہے۔

شرک فی التحریم کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ شرک فی التحریمات

۲۔ شرک فی النذور

۳۔ شرک فی الحلف

www.MinhajBooks.com

قرآنِ حکیم میں کفار کے باطل طرزِ عمل کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖق لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً

عَلَيْهِ ط سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○[1]

''اور اپنے خیالِ (باطل) سے (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مویشی اور کھیتی ممنوع ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا سوائے اس کے جسے ہم چاہیں اور (یہ کہ بعض) چوپائے ایسے ہیں جن کی پیٹھ (پر سواری) کو حرام کیا گیا ہے اور (بعض) مویشی ایسے ہیں کہ جن پر (ذبح کے وقت) یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب) اللہ پر بہتان باندھنا ہے، عنقریب وہ انہیں (اس بات کی) سزا دے گا جو وہ بہتان باندھتے تھے ○''

کسی چیز کو حلال و حرام ٹھہرانا خالصتاً اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا حق تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار و مشرکین کو حرمت و حلت کا کوئی حکم نہیں تھا مگر کفار و مشرکین اپنے بتوں اور طواغیت کے نام پر مویشی اور کھیتی کو مختص کر کے خیالِ باطل سے کہتے تھے کہ ان کا استعمال حرام ہے، سوائے اس شخص کے جسے وہ چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہّ کیا کہ تمہاری یہ سب تحریمات بے بنیاد اور بغیر دلیل و حجت ہیں۔ اسی لئے انہیں واضح فرما دیا کہ ان کا حلال و حرام ٹھہرانے کا یہ عمل اور ان کی یہ خود ساختہ تحریمات اللہ رب العزت پر بہتان باندھنے کے مترادف ہیں اور ایسے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ عنقریب سزا دینے والا ہے۔ انہوں نے بزعمِ خویش ان مختص کیے گئے جانوروں پر سواری کو حرام قرار دیا تھا جبکہ بعض جانوروں پر بوقتِ ذبح وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی بجائے اپنے بتوں (لات، منات اور عزیٰ) کا نام لینے جیسے قبیح شرک میں بھی مبتلا تھے۔

اسی طرح کفار و مشرکین اپنے تئیں جانوروں کے پیٹ میں بچے کو مَردوں کیلئے حلال جبکہ عورتوں کیلئے حرام جانتے اور مُردار ہونے کی صورت میں سب کے سب بلاامتیاز اس کے کھانے میں شریک ہو جاتے۔ ان کی اس روش کو بھی قرآن نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى

(۱) الانعام، ۱۳۸:۶

اَزْوَاجِنَا ج وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ط سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ط اِنَّهُ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۝ (۱)

''اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو (بچہ) ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا (پیدا) ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہوتے ہیں، عنقریب وہ انہیں ان کی (من گھڑت) باتوں کی سزا دے گا، بیشک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے۝''

یہ سب ایسی تحریمات ہیں جو خالصتاً اللہ رب العزت کا حق ہے مگر کفار و مشرکین نے اس حق کو اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف منسوب کر دیا تھا، پس اِن کا یہ عمل شرک ٹھہرا۔

شعائر اللہ کی حرمت کا قرآنی مفہوم

اہلِ ایمان کو صراحۃً شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع کیا گیا ہے، اس تحریم سے یہ حرمت ان صورتوں میں واجب کر دی گئی مثلاً یہ کہ

۱- وہاں شکار نہیں کھیلا جا سکتا۔

۲- جنگ نہیں کی جا سکتی۔

۳- اسی طرح حرمت والے مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) کی بے حرمتی اور بے ادبی ممنوع قرار پائی۔

۴- قربانی کے جانوروں (جن کے گلے میں نشانی کے طور پر پٹے باندھے ہوئے ہوں) کی بے حرمتی سے منع کر دیا گیا۔

اب اگر کوئی شخص کسی اور جگہ یا کسی اور مقام کی حرمت و تعظیم حرمین کی طرح کرے یا دیگر جانوروں کی حرمت و تعظیم بھی شعائر اللہ سمجھ کر کرے، اور ان کی بے حرمتی کو حرام جانے تو

(۱) الانعام، ۶:۱۳۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی التحریم شمار ہو گا جس کے مرتکب کفار و مشرکین ہوئے تھے۔

سورۃ المائدۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا جَعَلَ اللهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ط وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ○[1]

''اللہ نے نہ تو بحیرہ کو (امرِ شرعی) مقرر کیا ہے، اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو، لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے○''

اس آیت میں کفار و مشرکین کی اپنی طرف سے مقرر کردہ غیر شرعی امور کی وضاحت کی گئی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ بحیرہ

یہ وہ اونٹنی تھی جس کا دودھ دوہنا مشرکین بتوں کے نام منسوب کر کے دوسروں کو اس کے تمتع سے منع کر دیتے لہٰذا کوئی اس کا دودھ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یا اس سے مراد وہ اونٹنی ہوتی جو پانچ بچے دے اور جب آخری بچہ ہوتا تو اس کا کان چھید دیتے اور بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ اس سے دودھ، گوشت یا کام لینا حرام سمجھتے۔

۲۔ سائبہ

یہ بتوں کے نام موسوم وہ اونٹنی تھی جس کو وہ اپنے بتوں کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے اور اس پر باربرداری کو حرام سمجھتے۔

۳۔ وصیلہ

جو اونٹنی پہلی بار بچہ اور بچی دونوں دے۔ دوسری بار بچی دے تو اس کو بھی اپنے بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے بشرطیکہ درمیان میں بچہ نہ ہو۔

(۱) المائدۃ، ۵:۱۰۳

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

۴۔ حام

یہ وہ اونٹ ہے جس سے دس عدد اونٹنیاں بچے جنم دیں جب وہ یہ مقرر کردہ تعداد حاصل کر لیتا تو اسے اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے اور اس کو بار برداری سے مستثنٰی کر دیتے۔

غرض کفار و مشرکین خودساختہ حرمت قائم کر کے ان جانوروں سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا ازخود اپنے اوپر حرام کر لیتے اس طرح انہوں نے وہ تقدس جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور اللہ ہی کا حق تھا اسے اصنام و اوثان کی طرف منسوب کر کے شرک فی التحریم کا ارتکاب کیا۔

احترامات اور تحریمات میں فرق

جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ توحید فی التحریم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے خاص ہے۔ ان تحریماتِ الٰہیہ کو غیر کیلئے ثابت کرنا شرک ہے۔ مثلاً کفار و مشرکین کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی کھیتیوں اور مویشیوں کو اپنے بتوں کے نام پر مختص کر کے حرام کر دیتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اب انہیں ان کے علاوہ کوئی اور کھا نہیں سکتا اور نہ ان پر کوئی سواری کر سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایسے جانور مختص کرے، ان کا احترام بجا لائے اور ان کی بے حرمتی کو ازخود حرام جانے تو ایسا عقیدہ شرک ہو گا لیکن انبیاء و اولیاء کے ساتھ منسوب اشیاء کا احترام کرنا تحریم نہ ہو گا۔ احترام الگ چیز ہے اور تحریم جدا۔ ان دونوں کو خلط ملط کرنا درست نہیں ہے کیونکہ انبیاء و اولیاء سے منسوب ایام و اماکن کی تعظیم و تکریم بجا لانا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے چند ایک دلائل ملاحظہ کیجئے:

۱۔ یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا احترام

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جہاں اپنے محبوب اور برگزیدہ بندوں کی تعظیم کی تعلیم دینے کے لئے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا ہے وہیں سب سے پہلا ذکر ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش کا کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.(۱)

’’اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔‘‘

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور صرف تخلیق کا ذکر ہی نہیں بلکہ ان کی حیاتِ طیبہ کے کئی پہلوؤں کا ذکر موجود ہے جیسے جنت میں ان کے رہن سہن، تخلیق آدم علیہ السلام پر فرشتوں کی چہ مگوئیاں، شیطان رجیم کا اعتراض اور پیکرِ آدم کو سجدہ نہ کرنے کا تذکرہ۔ انسانی تخلیق سے متعلق جتنی آیاتِ مبارکہ ہیں ان کے اولین مصداق سیدنا آدم علیہ السلام ہیں جن کے احوال کو تفصیل سے قرآن مجید کی زینت بنایا گیا ہے اور یہ سارا تذکرہ ان کی عظمت اور ادب و احترام پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ یومِ نجاتِ نوح علیہ السلام کا احترام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہود سے یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور قومِ نوح اور فرعون کے غرق ہونے کا بیان کرکے کہا:

وَهٰذَا یَوْمُ اسْتَوَتْ فِیْهِ السَّفِیْنَةُ عَلَی الْجُوْدِیِّ فَصَامَهٗ نُوْحٌ وَ مُوْسٰی شُکْرًا ِللهِ تَعَالٰی. فَقَالَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وآله وسلم: أَنَا أَحَقُّ بِمُوْسٰی وَ أَحَقُّ بِصَوْمِ هٰذَا الْیَوْمِ فَأَمَرَ أَصْحَابَهٗ بِالصَّوْمِ.(۲)

’’اور اس دن جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہری تو نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں موسیٰ کا زیادہ حق دار ہوں اور میں اس دن روزہ رکھنے کا بھی زیادہ حق دار ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) البقرة، ۲: ۳۰

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۹، رقم: ۸۷۰۲
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۴۷

نے اپنے صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔‘‘

۳۔ یومِ غلافِ کعبہ کا احترام

دورِ جاہلیت میں قریش یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اس دن کو عید کے طور پر مناتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن بیت اللہ پر پہلی دفعہ غلاف چڑھایا گیا تھا جس کے سبب وہ اس دن کا اکرام و احترام کرتے ہوئے روزہ رکھتے۔ ہجرت سے قبل حضور ﷺ نے بھی اس دن روزہ رکھا۔ بعد میں یوم عاشوراء کے روزہ کی فرضیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كَانُوا يَصُومُونَ عَاشُورَاءَ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ رَمَضَانُ وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُ فِيهِ الْكَعْبَةُ، فَلَمَّا فَرَضَ اللهُ رَمَضَانَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ شَاءَ أَنْ يَصُومَهُ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ شَاءَ أَنْ يَتْرُكَهُ فَلْيَتْرُكْهُ۔(۱)

’’رمضان کے روزے فرض ہونے سے قبل وہ (یعنی اہلِ مکہ) یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور اس دن کعبہ کو غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو اس دن روزہ رکھنا چاہے تو وہ روزہ رکھ لے اور جو ترک کرنا چاہے تو وہ ترک کر دے۔‘‘

یومِ عاشوراء کا روزہ رکھنے سے مقصود دراصل غلافِ کعبہ کا احترام تھا۔

۴۔ یومِ ولادتِ یحییٰ علیہ السلام کا احترام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کو بھی تفصیل

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب قول اللہ: جعل اللہ الکعبة البیت الحرام، ۲:۵۷۸، رقم: ۱۵۱۵
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷:۲۷۸، رقم: ۷۴۹۵
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم ۹۵۱۳

سے بیان فرمایا ہے جب ان کے والد گرامی اور اللہ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کے دوران میں توسل مکانی کیا اور حجرۂ مریم علیہا السلام میں کھڑے دعا کی اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِيَّا رَبَّهٗ ج قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ لا اَنَّ اللهَ يُبَشِّرُکَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًام بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَکُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ط قَالَ کَذٰلِکَ اللهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ط قَالَ اٰيَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْکَارِ ○[1]

’’اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ○ ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے کہ) انہیں فرشتوں نے آواز دی: بے شک اللہ آپ کو (فرزند) یحییٰ (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں (کی رغبت) سے بہت محفوظ ہوگا اور (ہمارے) خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگا ○ (زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما؟ فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے بات نہیں کر سکو گے، اور اپنے

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸۔۴۱

رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہوo‘‘

واضح ہو کہ ابھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی صرف دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے قبل از ولادت ان کے بعض فضائل کا ذکر کیا۔

۵۔ ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کا احترام

سیدنا موسیٰ علیہ السلام وہ جلیل القدر نبی ہیں جنہوں نے فرعون جیسے ظالم، جابر اور سرکش شخص کو جو زمین پر خدائی کا دعویدار بنا بیٹھا تھا للکارا۔ اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کی بعثت کے ذریعہ قومِ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دی، فرعون کو غرق کر کے ہمیشہ کیلئے نشانِ عبرت بنا دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل فرعون نے قوم بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ جب اسے نجومیوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں کسی ایسے بچے کی پیدائش ہونے والی ہے جس کے ذریعہ بنی اسرائیل تمہاری محکومی سے نجات پا لے گی تو اس نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے، لڑکوں کو ذبح کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔ اس پس منظر میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی جسے اللہ رب العزت نے بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن کریم کا موضوع بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر قرآن مجید کے متعدد مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ **’’سورہ القصص‘‘** کا آغاز ہی قصۂ موسیٰ و فرعون سے ہوا ہے جو کہ ۵۰ آیات مبارکہ پر مشتمل ہے۔

پہلی ۱۴ آیاتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کے حالات، ان کی پیدائش، پھر دودھ پلائے جانے کا بیان، ان کے بامرِ الٰہی صندوق میں ڈالے جانے، فرعون کے محل کے ساتھ دریا کی لہروں کے دوش پر بہتے ہوئے صندوق کے وہاں پہنچنے کا بیان، پھر فرعون کے محل میں پرورش پانے اور رضاعت کے لئے ان کی والدہ کی طرف لوٹائے جانے اور جوانی اور بعثت یعنی ایک ایک چیز کو بیان کیا ہے۔ یہی ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کا احترام ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

۶۔ ولادتِ مریم علیہا السلام کا احترام

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کو بھی بیان کیا ہے جو اگرچہ پیغمبر نہیں لیکن ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور ایک پاکباز ولیۂ کاملہ ہیں۔ ان کی ولادت بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے بعض انبیاء علیہم السلام اور ان کی نسل کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَO ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO(۱)

’’بیشک اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سب جہان والوں پر (بزرگی میں) منتخب فرما لیا۔ یہ ایک ہی نسل ہے ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےO‘‘

یہ تمہید تھی جس سے آگے حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت کا بیان ہو رہا ہے۔ اب کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ قرآن نے گذشتہ واقعہ بیان کیا ہے تو آپ اس کو ادب و احترام کے زمرے میں کیوں شامل کر رہے ہیں؟ ایسا ذہن رکھنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ یہ اندازِ بیان اللہ تعالیٰ نے فقط اپنے خاص بندوں کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کرنے کی غرض سے اپنایا ہے جس سے ان بندوں کا ادب و احترام لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانا مقصود ہوتا ہے۔

۷۔ یومِ ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کا احترام

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام جو اللہ رب العزت کی پاکباز ولیہ تھیں۔ ان کے ذکر کے بعد ان کے فرزند اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا۔ سورۂ مریم کا ایک مکمل رکوع ذکرِ عیسیٰ علیہ السلام پر

(۱) آل عمران، ۳: ۳۳۔ ۳۴

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

مشتمل ہے جس میں ان کی ولادت سے قبل ان کی والدہ محترمہ کو بیٹے کی خوشخبری دیئے جانے سمیت تفصیلی واقعہ کا بیان قرآن مجید میں مذکور ہے جو ان کے یومِ ولادت کے احترام کو آشکار کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید کلام کی نسبت ان کے یومِ ولادت کی طرف کر کے فرماتا ہے:

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا۝ (۱)

''اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن، اور میری وفات کے دن، اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۝''

۸۔ مولدِ عیسیٰ علیہ السلام ہونے کے سبب بیتِ لحم کا احترام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے بیت اللحم کے مقام پر مجھ سے کہا:

أَنْزِلْ فَصَلِّ، فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ، فَقَالَ: أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بَيْتَ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيْسَى علیہ السلام۔ (۲)

''آپ (براق سے) اتریئے اور نماز پڑھیے تو میں نے اتر کر نماز ادا کی، پس اس نے کہا: آپ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللحم میں نماز ادا کی ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔''

(۱) مریم، ۱۹: ۳۳

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب فرض الصلاۃ، ۱: ۲۲۲، رقم: ۴۵۰

۲۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱: ۱۹۴، رقم: ۳۴۱

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۷

۹۔ یومِ نزولِ مائدۃ کا احترام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی امت کیلئے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں دعا مانگی:

اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ ج وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَo(۱)

”اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوانِ (نعمت) نازل فرما دے کہ (اس کے اترنے کا دن) ہمارے لئے عید ہو جائے، ہمارے اگلوں کے لئے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لئے (بھی)، اور (وہ خوان) تیری طرف سے نشانی ہو، اور ہمیں رزق عطا کر! اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہےo“

قرآنِ حکیم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی زبان سے یہ تصور واضح ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت اترے اس دن کی تعظیم بجا لائی جائے اور اس کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کیا جائے۔

۱۰۔ یومِ ولادتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام

انبیاء علیہم السلام کی ولادت کے واقعات کا ذکر، ان کے کمالات و برکات اور ان پر رب کریم کی عنایات کا ذکر سنتِ الٰہیہ ہے اور ان کا بار بار دہرانا قرآن کا منشاء ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے نبیوں کی ولادت کا ذکر فرما کر ان کی شان کو اجاگر کیا۔ دیگر انبیاء کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

مطالعۂ قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے امام الانبیاء

(۱) المائدۃ، ۵: ۱۱۴

رحمت عالم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا وہ فقط ذکرِ ولادت تھا مگر جب آپ ﷺ کا ذکر کیا تو اس شانِ امتیاز کے ساتھ کیا کہ سورۃ البلد کی ابتدائی تین آیات میں آپ ﷺ کی ولادت کی نسبت سے نہ صرف آپ ﷺ کے شہرِ ولادت بلکہ آپ ﷺ کے آبا و اجداد اور خود آپ ﷺ کی قسم کھائی۔

۱۱۔ حضور ﷺ نے اپنے یومِ میلاد کے احترام کی تخصیص فرمائی

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے امت کو اپنے یومِ میلاد کے احترام کی تعلیم دی جیسا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فِيْهِ وُلِدْتُ وَ فِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ۔(۱)

''اسی روز میری ولادت ہوئی، اسی روز میری بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن نازل کیا گیا۔''

حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے ولادت کی خوشی میں بکرے ذبح کئے اور ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ مَا بُعِثَ نَبِيًّا۔(۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے بعد از بعثت اپنا عقیقہ کیا۔''

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۱۱۶۲

(۲) ۱۔ مقدسی، الاحاديث المختارة، ۵: ۲۰۵، رقم: ۱۸۳۲

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۲۹۸، رقم: ۹۹۴

۳۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۸۶، رقم: ۱۳۷۱

ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ۔(۱)

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔''

محدثینِ کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہاں عقیقہ مراد نہیں کیونکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے ساتویں روز کر دیا تھا۔ لہٰذا اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی ولادت پر اظہارِ شکرِ باری تعالیٰ ہے۔

۱۲۔ ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' کے یومِ نزول کا احترام

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْیَهُوْدِ قَالَ لَهُ: یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! آیَةٌ فِي کِتَابِکُمْ تَقْرَؤُوْنَهَا لَوْ عَلَیْنَا مَعْشَرَ الْیَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِکَ الْیَوْمَ عِیْدًا، قَالَ: أَيُّ آیَةٍ؟ قَالَ: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾.

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۳۰۰، رقم: ۴۳
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۵۹۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب زیادة الإیمان ونقصانه، ۱: ۲۵، رقم: ۴۵
اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی الصحیح، کتاب المغازی (رقم: ۴۱۴۵)، کتاب تفسیر القرآن (رقم: ۴۳۳۰) اور کتاب الاعتصام (رقم: ۶۸۴۰) میں بھی بیان کیا ہے۔
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب التفسیر، ۴: ۲۳۱۳، رقم: ۳۰۱۷
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة المائدة، ۵: ۲۵۰، رقم: ۳۰۴۳

قَالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنَا ذٰلِکَ الْيَوْمَ وَالْمَکَانَ الَّذِی نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَی النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ۔(۲)

’’ایک یہودی نے ان سے کہا: یا امیرالمومنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں اگر وہ ہم یعنی قوم یہود پر اترتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، آپ نے فرمایا، کون سی آیت؟ اس نے کہا: ﴿اَلْيَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِيْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْکُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة، ۵:۳] (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطورِ) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس دن اور جگہ کو پہچانتے ہیں جس میں یہ آیت حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اس حالت میں کہ آپ ﷺ عرفات کے مقام پر جمعہ کے دن قیام فرما تھے۔‘‘

حدیث مذکور میں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ یہودی کا سوال یہ تھا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید کے طور پر مناتے، تم کیوں نہیں مناتے؟ یہاں جواب بھی اسی نوعیت کا ہونا چاہیے تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں نزول کا دن اور مقام بیان فرما دیا کہ ہم اس دن اور جگہ کو پہچانتے ہیں جہاں یہ آیت نازل ہوئی، وہ میدان عرفات یعنی یوم الحج اور یوم الجمعہ تھا۔ ظاہراً جواب کی سوال سے مطابقت نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سوال کے عین مطابق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ’عرفہ اور یوم الجمعہ‘ کے الفاظ سے ہی اس کا مکمل جواب دے دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اشارۃً بتا دیا کہ یہ یومِ حج اور یومِ جمعہ ہمارے ہاں دونوں عید کے دن ہیں، یوم الحج سالانہ عید اور جمعۃ المبارک ہفتہ وار عید۔ اس لیے یہودی اس جواب سے مطمئن ہوگیا اور دوبارہ سوال نہ کیا۔

یہ سب احترامات ہیں، تحریمات نہیں

مذکورہ بالا احترامات کی صورتیں جو قرآن حکیم سے بیان کی گئی ہیں ان کا ادب و احترام بجا لانا حکمِ شریعت ہے۔ پس یومِ تخلیقِ آدم علیہ السلام کا احترام ہو یا یومِ نجات نوح علیہ السلام، یومِ غلافِ کعبہ کا احترام ہو یا یومِ ولادتِ عیسیٰ و مریم علیھما السلام کی تعظیم، اسی طرح یومِ فتحِ موسوی علیہ السلام اور یومِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام ہو یا یومِ آیت اَکْمَلْتُ وغیرہم کا۔ یہ سب احترامات کی صورتیں ہیں، تحریمات نہیں کیونکہ تحریمات اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں جیسے شعائر اللہ صفا و مروہ اور قربانی کے جانور وغیرہ، ان کی حرمت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے۔

فصل دوم

توحید فی النّذور

اور

شرک فی النّذور

www.MinhajBooks.com

توحید فی النّذور کا مفہوم

نذر و نیاز کے بارے میں درست اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور صرف اسی کے لئے جائز ہے۔ عرف عام میں اولیاء اللہ کے لئے نذر کا لفظ استعمال کئے جانے پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ اس حوالے سے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ اس سے مراد ان کے نام پر ہدیہ اور تحفہ پیش کرنا ہے جو کہ عبادت نہیں۔ بعض لوگ نذور اور ایصالِ ثواب کو آپس میں خلط ملط کرتے ہیں اور پھر ایصالِ ثواب کے جائز طریقوں کو بھی شرک اور ناجائز کہنے لگتے ہیں یہ تصور درست نہیں۔ ایصال ثواب ثابت شدہ شرعی طریقہ ہے کوئی چیز محض کسی بزرگ کی طرف منسوب کرنے سے حرام نہیں ہوتی جسے بعض لوگ غلط فہمی کی بنا پر ''مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ'' سے تعبیر کر کے اس کا غلط اطلاق دوسری چیزوں پر کرتے ہیں۔ اِہلال کا معنی ''منسوب کرنا'' کسی طرح بھی ثابت نہیں (اسکی تفصیلات اس آیت کے ذیل میں آگے الگ باب میں آ رہی ہے)۔ شرعی نذر اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اور یہ شاملِ عبادت ہوتی ہے جبکہ اس کی نسبت اہل اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے آپ منت مان کر کھانا پکائیں یا کچھ اور کریں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی نذر ہو گی جبکہ اس کا ایصالِ ثواب حضور نبی اکرم ﷺ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا کسی اور بزرگ کی طرف منسوب کرنا امرِ جائز ہے۔ یہ عمل شرک تب ہو گا جب یہ کسی غیر کی خوشنودی کے لئے نذر مانی جائے۔

• شرک فی النذور

نذر صدقہ کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اس میں عبادت، نیاز مندی، جھکنے اور غایتِ تعظیم کے معانی پائے جاتے ہیں۔ نذر کے بارے میں درست عقیدہ یہی ہے کہ یہ

اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور صرف اسی کے لئے ماننا جائز ہے۔ اس لئے نذر شرعی نہ تو کسی رسول اور نبی کے لئے جائز ہے اور نہ ہی اولیاء وصلحاء کے لئے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ انبیاء و اولیاء کے لئے جو نذر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ مجازی معنی میں ہوتا ہے حقیقی معنی میں نہیں۔ ان کے لئے جب نذر کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نذر عرفی بمعنی ہدیہ، نذرانہ اور ایصالِ ثواب ہے جو انبیاء، اولیاء اور عام مسلمانوں کے لئے ہے اور یہ بہترین ہدیہ ہے۔ جس طرح قربانی، عبادت اور دعا، خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اسی طرح ہم نذر اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کے لئے مانتے ہیں جب کہ اس کا فائدہ **اطعام الطعام** اور صدقہ و خیرات کی صورت میں غریب، مسکین، محتاج، مفلس، یتیم اور بے سہارا افراد کو پہنچاتے ہیں۔ قربانی کی حقیقت کے بارے قرآن میں ارشاد فرمایا گیا:

لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰـكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ ؕ(۱)

’’ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔‘‘

قربانی کے اندر تقویٰ اور اخلاص کی نیت مضمر ہوتی ہے اور وہی اس کی روح ہے جبکہ گوشت سے ناداروں اور غریبوں کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ نذر خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مگر اس کے ذریعے ثواب انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو پہنچایا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اہلِ علم جب نذر کا لفظ استعمال کریں تو بہتر ہے کہ وہ اسے حقیقی معنی میں استعمال کریں۔ اگر وہ اس کو مجازی یا عرفی معنی میں استعمال کرنا چاہیں تو پھر درست عقیدے کی وضاحت بھی کر دیں تاکہ عوام میں کسی قسم کا مغالطہ اور عقیدے کا بگاڑ بوجہ جہالت پیدا نہ ہونے پائے۔

---

(۱) الحج، ۲۲:۳۷

خیرات و صدقات اور عملِ صالح کی نذر ماننا شرک نہیں

کوئی عملِ صالح بطورِ نذر مانا جا سکتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ جب ایک مرتبہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما علیل ہوئے تو ان کے لئے بطورِ نذر روزے رکھے گئے اور حقداروں کو کھانا کھلایا گیا۔(۱)

یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ ہر عملِ صالح دوگونہ تعلق کا حامل ہے:

ایک تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس میں اس عمل کی نیت اور اس کے متعلق عقیدے کا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونا ہے۔

اس عمل کا دوسرا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے مثلاً مزاراتِ اولیاء پر اظہارِ تعظیم کے لئے چادر چڑھانا جو شعائر اللہ ہونے کے باعث تعظیماً جائز عمل ہے۔ صاحبِ مزار کے ساتھ یہ تعلق اس امر کا مظہر ہے کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول مقصود ہے کہ اللہ والوں کے مزارات کی تعظیم شعائر اللہ سمجھ کر حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کی جاتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی گیارہویں شریف کی نذر مانتا ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی گیارہویں دوں گا تو جان لیجئے کہ یہ صدقہ و خیرات ہی کی ایک صورت ہے۔ اس میں نیت کے ساتھ دعا ہو گی کہ مولیٰ کریم تیری رضا کے لئے یہ کھانا پکانا، قرآن پڑھنا پڑھانا تیرے حضور پیش کیا جاتا ہے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما اور اس عمل سے جو ثواب ملے اسے میں جملہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بشمول شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ارواح کو بالخصوص پیش کرتا ہوں۔ پس اس دعا کے ساتھ ایصالِ ثواب کرنا شرک نہیں۔

اس پر مزید بحث ''وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ'' کے ضمن میں الگ باب میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۳۰:۲۴۴

نذر میں شرک کا وقوع کب ہوتا ہے؟

نذر میں شرک تب ہو گا جب اس کا حق باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے جیسا کہ کفار ومشرکین اپنے بتوں اور معبودانِ باطلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے کھیتوں اور فصلوں کی پیداوار کا حصہ اسی طرح مقرر کرتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اموال اور فصلوں میں زکوٰۃ وعشر کے حصے مقرر فرمانے کا حکم دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○[1]

"انہوں نے اللہ کے لئے انہی (چیزوں) میں سے ایک حصہ مقرر کر لیا ہے جنہیں اس نے کھیتی اور مویشیوں میں سے پیدا فرمایا ہے پھر اپنے گمانِ (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے (خودساختہ) شریکوں کے لئے ہے۔ پھر جو (حصہ) ان کے شریکوں کے لئے ہے سو وہ اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو (حصہ) اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے (وہ) کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں○"

یاد رہے کہ مشرکین کا یہ عمل (شرک فی النذر) بتوں اور اپنے جھوٹے خداؤں کے لئے ہوتا تھا لیکن اگر یہی عمل بتوں کی بجائے کسی بزرگ ہستی کے لئے اسی عقیدے کے ساتھ روا رکھا جائے تبھی یہ عمل شرک ہو گا ورنہ نہیں بلکہ اس کے برعکس جب نذر اللہ کی مانی جائے مگر اس کا ثواب انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو پہنچایا جائے تو یہ ہرگز شرک نہیں کیونکہ اس سے مقصود اللہ رب العزت کی بخشش و عطا کا حصول ہے وہ اپنے بندوں پر انتہائی شفیق و مہربان ہے اس کے عفو و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور وہ اپنی مخلوق کے

(۱) الانعام، ۶:۱۳۶

لئے رحیم و کریم ہے۔ ربّ کائنات تو معمولی سے معمولی قربانی کو بھی رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ ایک دانہ کے بدلے میں سات سو دانے عطا فرماتا ہے۔ جب ایک عمل اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی نذر کرکے اس کا ثواب کسی کو پہنچایا جائے تو وہ ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی عطا کرے گا اور اسے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں جابجا ایصالِ ثواب کی تلقین فرمائی۔

نیک عمل کا کسی کے نام انتساب

کوئی نیک عمل کر کے کسی کی روح کو ایصالِ ثواب کرنا یا اس کے نام سے منسوب کرنا یہ از روئے شرع جائز اور باعثِ ثواب عمل ہے۔ نذر و نیاز، صدقہ و خیرات اعمال خیر میں سے ہیں اور یہ خالصتاً اللہ کیلئے ہوتے ہیں مگر جس بزرگ، شیخ، دوست یا عزیز کیلئے ایصال ثواب کیا جائے اس کے نام منسوب کیے جاتے ہیں جو از روئے شرع جائز اور درست ہے۔

۱۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں کی طرف سے صدقہ کے لیے کنواں کھدوانے کو کہا۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْمَاءُ، قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ: هٰذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ.(۱)

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب فی فضل سقی الماء، ۲:۱۳۰، رقم: ۱۶۸۱

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الوصایا، باب ذکر الاختلاف علی سفیان، ۶:۲۵۴-۲۵۵، رقم: (۳۶۶۲-۳۶۶۶)

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب فضل صدقة الماء، ۲:۱۲۱۴، رقم: ۳۶۸۴

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۸۴، رقم: ۲۲۵۱۲

’’حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ام سعد کا انتقال ہو گیا ہے، (ان کے ایصالِ ثواب کے لئے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانی (پلانا) تو انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا: یہ ام سعد کا کنواں ہے۔‘‘

۲۔ اسی طرح سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ کی ایک بستی اُبُلّہ سے آئے ہوئے حاجیوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص مسجد عَشّار میں دو یا چار رکعت نفل نماز پڑھ کر میری طرف منسوب کرے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ اِبْرَاهِيْم بْنِ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُوْلُ: انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا اِلَى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْأُبُلَّةُ؟ فَقُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنكُمْ اَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِي مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ اَرْبَعًا وَ يَقُوْلُ هَذِهِ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ مِنْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ.(۱)

’’ابراہیم بن صالح بن درھم کا بیان ہے کہ میرے والد محترم نے فرمایا: ہم حج کرنے حرم کعبہ گئے تو ایک آدمی نے ہم سے دریافت کیا: کیا تمہارے علاقے میں ’’اُبلّہ‘‘ نام کی کوئی بستی ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہاں۔ اُس نے کہا: تم میں سے کون ہے جو مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ ’’مسجد عشار‘‘ میں میرے لئے دو یا چار رکعتیں پڑھے اور کہے: ان رکعتوں کا ثواب ابوہریرہ کے لئے ہے۔ میں نے اپنے خلیل ابو القاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب فی ذکر البصرۃ، ۴:۱۱۳، رقم: ۴۳۰۸

۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۳:۴۷۹، رقم: ۴۱۱۵

تعالیٰ قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہیدوں کو اٹھائے گا کہ شہدائے بدر کے سوا کوئی ان کے ساتھ کھڑا نہ ہوگا۔‘‘

ان روایات سے دو باتوں کا واضح ثبوت فراہم ہوا:

۱۔ غیر کے ایصالِ ثواب کیلئے صدقہ وخیرات اور نفل نماز جائز ہے۔

۲۔ کسی نیک عمل کو برائے ایصال ثواب غیر کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔

مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ’’ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت‘‘ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

مطلقاً تقرب اِلی الغیر شرک نہیں ہے

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کفر وشرک کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے۔ اس کے بغیر عقیدۃً وعملاً شرک واقع نہیں ہوسکتا اگر عملِ ذبح فی نفسہٖ تقرّب إلی الغیر کی نیت سے ہو تو یہ عبادت بن جائے گا اور داخلِ شرک ہوگا۔ اس اعتقاد کی نہ اجازت ہے اور نہ کوئی کلمہ گو مسلمان اس عقیدے کا حامل ہے۔

ائمہ حدیث وتفسیر کی آراء سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ذبیحہ کی حرمت کا بنیادی سبب اُس تقرّب کو قرار دیا گیا ہے جو تقرّب بذریعہ عبادت ہو جبکہ مطلق تقرب إلی الغیر شرک نہیں۔ اگر مطلقاً تقرّب الی الغیر کو شرک کہا جائے تو پھر تمام ذوی القربیٰ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پاتے ہیں۔ ان کو ذوی القربیٰ اِسی لئے کہا گیا ہے کہ ان سے قرابت کا تعلق ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس قرابت کے برقرار رکھنے کا حکم ہے۔ مطلق تقرّب إلی الغیر کو شرک سمجھ لیا جائے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے ایسے تمام احکام باطل اور ساقط قرار پائیں گے جن میں مودت فی القربیٰ کے لئے ترغیبات وارد ہوئی ہیں نیز وہ آیات جن میں حضور ﷺ کے اقرباء سے محبت ومودت کا حکم موجود ہے مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط(۱)

---

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۲۳

’’فرما دیجئے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت وقربت سے محبت (چاہتا ہوں)۔‘‘

اِس لئے ماننا پڑے گا کہ مطلقاً تقرّب إلی الغیر شرک نہیں بلکہ ایسا تقرب شرک ہے جو بطورِ عبادت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اُمت نے مسلمانوں سے متعلق ایسے معاملات میں بدگمانی سے منع کیا ہے، صاحبِ درالمختار فرماتے ہیں:

إنا لا نسیٔ الظنَّ بالمسلم أنه یتقرب إلی الآدمی بھذا النحر.[۱]

’’ہم کسی مسلمان کے بارے میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اِس فعل ذبح کے ذریعہ کسی شخص کا تقرب (بطورِ عبادت) چاہتا ہے۔‘‘

علامہ ابنِ عابدین الشامیؒ نے علامہ حصکفی کی اسی عبارت (**أنه یتقرب إلی الآدمی**) کی شرح کرتے ہوئے تقرب کو بطورعبادت تصریحاً کفر بیان کیا ہے:

أی علی وجه العبادة لأنه المکفر وھذا بعید من حال المسلم.[۲]

’’یعنی (کسی بھی انسان کا تقرب جو) بطورعبادت ہو (وہ کفر ہوتا ہے) کیونکہ وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔‘‘

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو لوگ مطلقاً تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ اور ذریعہ کی بھی نفی ثابت کرتے ہیں وہ درست نہیں کیونکہ کفار اپنے ان بتوں کو فقط ’’تقرب اِلی اللہ‘‘ کا ذریعہ نہیں مانتے تھے بلکہ ان کے آگے سربسجود ہوتے، انہیں معبود سمجھ کر ان کی پوجا بھی کرتے اور ان کے لئے جانوروں کا نذرانہ بھی عبادت کی نیت سے پیش کرتے جیسا کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ ’مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ط[۳] ’’ہم اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرّب بنا دیں۔‘‘ سے عیاں ہے۔

اس کے برعکس کوئی ادنیٰ مؤمن بھی انبیاء اور اولیاء کو معبود سمجھتے ہوئے انہیں

(۱) حصکفی، الدرالمختار، ۶: ۳۱۰

(۲) ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ۶: ۳۱۰

(۳) الزمر، ۳۹: ۳

وسیلہ اور ذریعہ نہیں بناتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ادنیٰ ترین غلام بھی آپ ﷺ کے عبد اور عابد ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے نہ کے معبود ہونے کا۔ یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جو ایک مؤمن و کافر، توحید پرست و بت پرست اور موحد ومشرک کے درمیان واضح حدِ فاصل قائم کرتا ہے۔ اسی نکتۂ آغاز سے سے دو راہیں نکلتی ہیں ایک صراط إلی اللہ اور دخول فی الجنة کا باعث بنتی ہے اور دوسری طریق إلی الشیطان اور دخول فی النار کا سبب قرار پاتی ہے۔ ان دو بالکل ہی مختلف راہوں پر چلنے والوں کو ایک ہی راہ کا مسافر سمجھنا ہرگز درست نہیں۔ کفار کے اس خود ساختہ تصور اور باطل نظریے کا قرآن نے بطلان فرمادیا ہے کہ اگر وہ اصنام و اوثان کو محض سفارشی سمجھتے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف قربت و نزدیکی کا ذریعہ گردانتے تو پھر معبودِ حقیقی پر اپنے بتوں کو ترجیح نہ دیتے اور نہ اپنے بتوں کی گالی کا بدلہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی ارفع و اعلیٰ شان میں دشنام طرازی سے لیتے اگر کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی لگاؤ اور پیار تھا تو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کیوں کرتے تھے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ○(۱)

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے ○ (اللہ کے) بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ○“

اسی طرح اگر کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ ہی کو مستقل مؤثر و مدبر اور متصرفِ حقیقی سمجھتے تھے تو انہوں نے یہ کیوں کہا؟

وَمَا یُھْلِکُنَآ اِلَّا الدَّھْرُ ج(۲)

”اور ہمیں زمانے کے (حالات و واقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا۔“

لہٰذا ”شُفَعَاءُنَا عِنْدَ اللہِ اور یُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللہِ زُلْفٰی“ کی بنیاد پر جمہور امت پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا جہالت اور زیادتی ہے۔ ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کفار و

(۱) العلق، ۹۶:۹-۱۰

(۲) الجاثیة، ۴۵:۲۴

مشرکین اپنے بتوں کو معبود سمجھتے تھے، ان کے لئے عبادت کی نیت سے نذر پیش کرتے تھے۔ چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء و رُسل ہدایت کا وسیلہ و واسطہ اور ذریعہ ہیں اور روزِ قیامت شفیع ہوں گے لہٰذا جب ہم اپنے معبودوں کے لئے شفیع اور قرب جیسے الفاظ استعمال کریں گے تو شاید مسلمان ان کے بارے میں نرم گوشہ اختیار کریں۔ پس قرآن حکیم نے واضح طور پر بتا دیا کہ ایک جائز دلیل کو بنیاد بنا کر کسی بت کو قربت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اُس کی پوجا پاٹ شروع کر دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کفار کا یہ عمل صراحتاً شرک ہے۔ ان کی اس روشِ بد کا قیاس، ایمان والوں کی انبیاء و اولیاء سے پاکیزہ عقیدت و محبت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش، شفاعت یا استعانت کا ذریعہ بنانے پر نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ایک مؤمن اور کافر کے درمیان اس بنیادی فرق کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا چاہیے تاکہ ایمان و کفر اور توحید و شرک کے درمیان تمیز اور فاصلہ قائم رہے۔

ذبیحہ کے ذریعے ایصالِ ثواب کا تصور

ہمارے ہاں جو جانور بھی ذبح کئے جاتے ہیں خواہ وہ صدقات و خیرات کی غرض سے ہوں، ولیمہ و عقیقہ کی غرض سے یا عام دعوت و اطعام کی غرض سے، شادی اور اجتماع کا موقع ہو یا عید، عرس اور میلاد کا، کبھی بھی عملِ ذبح جسے **اهراق الدم** یعنی خون بہانے کا عمل کہتے ہیں **تقرّب إلی الغیر** کی نیت سے نہیں کیا جاتا۔ عملِ ذبح ہمیشہ **خالصةً لِوَجْهِ الله** یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور **عبادةً لِلّٰه** یعنی اللہ کی عبادت کے لئے ہوتا ہے اور **بإسم الله** یعنی اللہ کے نام پر ہوتا ہے یہی عملِ ذبح اور **إهلال** کہلاتا ہے اور یہی عبادت بنتا ہے، اس میں کسی غیر کو شریک کر لیں یا اسے غیر کے تقرب کے لئے مخصوص کر دیں تو شرک ہو جائے گا۔ اگر اس میں توحید اور خالصیت برقرار رہی تو قبل ازاں یا بعد ازاں اس کا مقصد و مصرف جو بھی تھا وہ شرک نہیں بن سکتا۔ مثلاً کسی نے جانور اپنی شادی اور ولیمہ کے لئے خریدے تھے، کسی نے احباب اور اقارب کی دعوت اور مہمانداری کے لئے، کسی نے اپنے بیٹے کے عقیقہ کے لئے، کسی نے حضور نبی اکرم ﷺ کے طعامِ میلاد کے لئے اور کسی نے

اولیاء و صالحین کے ختم اور عرس کے لئے تو ان میں سے کوئی سبب بھی مانعِ توحید اور باعثِ شرک نہیں ہے۔ جس نے بھی اطعامِ طعام یعنی کھانا کھلانے میں اعتقاد سنتِ نبوی ﷺ کا رکھا، اسے بھی ثواب حاصل ہوگا اور جس نے صدقہ وخیرات کا رکھا اسے بھی ثواب حاصل ہوگا، اب یہ اس کی مرضی ہے چاہے ثواب اپنے لئے رکھے یا اولیاء و صالحین کے لئے ہدیہ وتحفہ کر دے یا حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کے لئے اس ثواب کے ہدیہ وتحفہ کرنے کو **ایصالِ ثواب** کہتے ہیں۔

ایصالِ ثواب کی دعا اور درخواست بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کی جاتی ہے۔ کہ ''یااللہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کی روح کو میری طرف سے ہدیۃً عطا فرما دے''۔ اس لئے اس میں شرک کا شائبہ پیدا کرنا سوائے لاعلمی اور جہالت کے کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ عمل کثرت کے ساتھ احادیثِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ ایصالِ ثواب میں نہ کسی غیر کی عبادت کا شائبہ وامکان ہے، نہ غیر کے لئے ذبحِ مطلق ہے، نہ ذبحِ تقرب ہے اور نہ ذبحِ تعظیم۔ ہاں اگر ایصالِ ثواب میں آرزوئے قرب ہو تو اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ مطلقاً صالحین کی محبت، اُن کا قرب وصحبت اور ان کی زیارت ومجالست، یہ سب کچھ شریعت میں نہ صرف مطلوب اور مستحسن ہے بلکہ احادیثِ نبوی ﷺ میں انکا صریح حکم اور فضیلت وارد ہوئی ہے۔

جانور کی جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے

بعض لوگ اِس باب میں ایک اور مغالطہ پیدا کرتے ہیں کہ ذبح سے مقصود غیر اللہ کو گوشت پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان پیش کرنا ہوتی ہے۔ ایسا کرنا عہدِ جاہلیت کے ساتھ مشابہ ہے کیونکہ کفار ومشرکین بھی اسی طرح بتوں کو جانوروں کی رُوح بھینٹ چڑھاتے تھے، چونکہ مسلمانوں کا ایصالِ ثواب بھی اِسی کے مشابہ ہے لہٰذا یہ شرک ہے؟ یہ ایک لغو اور بے حقیقت اعتراض ہے اور صریحاً غلط فہمی ہے۔

۱۔ اس لغو سوال کا جواب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ یوں دیتے ہیں:

و کنه ایں مسئله آنست که جان را برائے غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست۔ و ماکولات و مشروبات ودیگر اموال را نیز اگرچه از راهِ تقرب لِغیر الله دادن حرام و شرك است اما ثواب آں چیزها را که عائد بر دهنده مے شود از آن غیر ساختن جائز است۔ زیرا که ایشان را مے رسد که ثواب عمل خود را بغیر بخشند چنانچه مے رسد که مالِ خود را بغیر خود بدهد و جانِ جانور مملوك آدمی نیست تا او را بکسے تواند بخشید۔ و نیز دادن مال ازیں جهت مستوجب ثواب است که آدمیان بوئے منتفع مے شوند، وچوں مرده ها بعد از مفارقت ازیں جهاں قابل انتفاع بعین مال نمانده اند طریقِ نفع رسانیدن آنها در شرع چنین قرار یافت که ثواب اموال را بمتسحقان برسانند بآنها عائد سازند۔ و جانِ جانور اصلاً قابلِ انتفاع نیست در زندگی پس از مردگی نیز قابل انتفاع نباشد۔ آرے اضحیه از طرف مرده کردن در حدیث صحیح آمده است لیکن معینش همیں است که دادن جان برائے خدا و ثوابے که دارد بآں مرده بخشیده شود نه آنکه ذبح برائے مرده کرده آید۔(۱)

”اِس مسئلہ کی اصل حقیقت اور روح یہ ہے کہ جان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے قربان کرنا درست نہیں ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء اور دوسرے اموال کی نذر بھی اگرچہ تقرباً غیر اللہ کے لئے کرنا حرام اور شرک ہے لیکن اِن اشیاء

(۱) شاہ عبد العزیز، فتاویٰ عزیزی، ۱:۵۶

کے دینے پر ثواب غیر اللہ کو ارسال کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہ کسی شخص کے ذاتی عمل کا ثواب بغیر بخشے دوسروں کو نہیں ملتا، اسی طرح ذاتی مال میں سے کسی کو دیئے بغیر کوئی کسی کا مال نہیں پا سکتا تو جانور کی جان کا مالک تو اِنسان بھی نہیں ہے وہ اسے کسی دوسرے کو کیسے دے سکتا ہے؟ نیز مال اس نیت سے دینا کہ لوگ اِس سے نفع حاصل کریں باعثِ ثواب ہوتا ہے اور جب فوت شدہ لوگ مال سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تو شریعت نے اُس مال کا ثواب ارسال کرنے کا طریقہ اور ذریعہ مقرر کیا ہے تاکہ مرحومین اُس مال سے نفع حاصل کریں۔ جانور کی جان دینے سے کسی شخص کو حقیقۃً جب حیاتِ دُنیوی میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد کسی شخص کو جانور کی جان دینے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ تاہم فوت شدہ لوگوں کی طرف سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن اِس کا مطلب یہی ہے کہ جان اللہ جل جلالہٗ کے لئے دی جائے اور اُس عمل کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو پہنچایا جائے۔ نہ یہ کہ ذبح اس فوت شدہ شخص کے لئے کیا جائے۔‘‘

مذکورہ بالا فتویٰ سے یہ بات عیاں ہوئی کہ مقربین و صالحین کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کئے جاتے ہیں عقلاً، نقلاً و شرعاً حلال ہیں اور یہی صحیح عقیدہ ہے۔ اِس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ باطل ہے۔

۲۔ نذر اور ایصالِ ثواب کے باہمی تعلق کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ونذر اولیاء که برائے قضاء حوائج معمول و مرسوم است۔ اکثر فقهاء بحقیقت آں پے نبرده اند و آنرا بر نذر خدا قیاس کرده حکم مردود برآورده اند که اگر نذر بالاستقلال برائے آں ولی است باطل و اگر برائے خدا است و ذکر ولی برائے بیان مصرف است صحیح است۔

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ اھداء ثواب اطعام و انفاق و بذل مال بروح میت کہ امریست مسنون و از روئے احادیث صحیحہ ثابت است۔ **مثل ما ورد فی الصحیحین من حال اُم سعد و غیرھا** دریں نظر مستلزم مے شود۔ پس حاصل ایں نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً: **أھدأ ثواب ھذا القدر إلی روح فلان**۔ و ذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے مصرف و مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی میباشد از اقارب و خدمۂ۔ **وھم طریقان وأمثال ذالک**۔ وھمین است مقصود نذر کنندگان بلا شبہ و **حکمہ: أنہ صحیح یجب الوفاء بہ لانۂ قربۃ معتبرۃ فی الشرع**۔ آرے اگر آں ولی را حلالِ مشکلات بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد مے کنند ایں عقیدہ او منجر شرك وفساد مے گردد۔ و لیکن ایں عقیدہ چیز دیگر است و نذر چیزے دیگر۔[1]

’’اولیاء اللہ و صالحین کے لئے جو نذر عوام میں مشہور و معروف اور معمول بہ ہے اکثر فقہاء اُس کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھ سکے اور اُنہوں نے اس کو نذرِ باری تعالیٰ پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ نذر بالاستقلال اُس ولی کے لئے ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ولی کا ذکر برائے مصرف کے ہو تو جائز ہے۔ لیکن اِس نذر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ کھانے اور مال خرچ کرنے کے ثواب کا میت کو تحفہ بھیجنا سنتِ نبوی ﷺ ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اُمِ سعد رضی اللہ عنہ وغیرھا کے حوالے سے حدیث بیان ہوئی ہے، اس نذر میں بھی اِسی ثواب کا پہنچانا مستلزم ہے۔ لہٰذا اِس نذر کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ اس میں یوں نسبت

(۱) شاہ عبد العزیز، فتاویٰ عزیزی، ۱: ۱۲۱۔۱۲۲

کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: میں اِس مقدار کے ثواب کو فلاں رُوح کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ولی کا ذکر نذر کے عمل کو متعین کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ برائے مصرف، کیونکہ اُس ولی اللہ کے متوسلین کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس کے اقارب و خدام وغیرہ ہوتے ہیں۔ لوگ دونوں طریقوں پر ہیں اور اس کی مثالیں موجود ہیں۔ بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے اور اِس نذر کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اِس نذر کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت میں معتبر قربت کی حیثیت ہے۔ البتہ اس ولی کے حقیقی مشکل کشا کا اعتقاد کرنا یا شفیع غالب کا اعتقاد کرنا غلط ہے اور یہ عقیدہ شرک وفساد کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ رکھنا اور چیز ہے جبکہ نذر اور چیز ہے۔‘‘

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اِس فتویٰ سے صلحاء و اولیاء کے نام کئے گئے جانوروں کی حرمت کی مندرجہ ذیل وجوہ عیاں ہوئیں:

۱۔ نذر ماننے والا صلحاء و اولیاء کی نذر بقصدِ عبادت کرے تب حرام یا شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

۲۔ جانوروں کی جانوں اور رُوحوں کو اولیاء اللہ کی بھینٹ چڑھانے کی نیت سے کیا جائے تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

۳۔ نذر ماننے والا صلحاء و اولیاء اللہ کے لئے مستقل بالذات متصرف یا نافع و ضار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے ذبح کرے تو شرک ہوگا ورنہ نہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کوئی بھی صحیح العقیدہ شخص بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لئے نذر مانے ہوئے جانوروں کے ذبح میں مذکورہ بالا تینوں نیتوں یا عقیدوں میں سے کسی ایک کا بھی قصد نہیں کرتا بلکہ صرف اور صرف ایصالِ ثواب کی خاطر جانوروں کو انبیاء و اولیاء اور صالحین و مرحومین کے لئے منسوب کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً اور عبادۃً نذر اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے مگر اِس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے۔ اِس صورت میں نذر یوں مانی جاتی ہے۔

''یا الٰہی اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں جانور تیری رضا کے لئے ذبح کروں گا اور اِس نذر کا ثواب فلاں بزرگ کی رُوح کو پیش کروں گا۔'' ایسی نذر ماننا شرعاً ہر اعتبار سے جائز ہے اور اِس کے جواز میں کسی محدث، فقیہ اور مفسر کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لفظِ ''نذر'' کی تین جہات

حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ''نذر'' کے استعمال کے تین معنی اور تین جہات ہیں:

۱۔ **ایک بطور عبادت و خیرات** یہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس معنی میں نذر اور نیاز کبھی بھی غیر کی طرف منسوب نہیں کی جاتی۔

۲۔ **دوسری بطور ایصالِ ثواب** یہ اولیاء و صالحین اور مرحومین کے لئے ہوتی ہے اس معنی میں نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو ہی نہیں سکتی یہ مخلوق اور مرحومین ہی کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات سراسر ناجائز بلکہ کفر ہے۔

۳۔ **تیسری بطور اطعامِ طعام** اسے لنگر یا کھانا کہا جاسکتا ہے۔ یہ مہمانوں کے لئے ہے یا شرکاء و حاضرین اور فقراء و مساکین کے لئے۔ یہ کھانا فی نفسہٖ نہ تو اللہ تعالیٰ کو جاتا ہے اور نہ مرحومین کو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیتِ عبادت و تقرب اور بندگی و عاجزی بربنائے تقویٰ کی جاتی ہے، اولیاء و صالحین اور مرحومین کو ہدیۂ ثواب جاتا ہے اور موجود و زندہ افراد کھانے سے مستفید ہوتے ہیں۔

نذر کے ہر معنی کی نسبت اور جہت بھی جدا ہے اور مصرف بھی جدا ہے لہٰذا اس فرق کو سمجھے بغیر جن علماء نے اس پر فتوی زنی کی ہے انہوں نے ناجائز طور پر خلطِ مبحث میں مسلمانوں کو اُلجھایا ہے اور امت میں انتشارِ فکری کا باعث بنے ہیں۔

نذر کو اولیاء کرام کی طرف مجازاً منسوب کرنا جائز ہے

نذر کو اولیاء کرام کی طرف ظاہراً اور مجازاً منسوب کرنا جائز ہے، اِس سلسلہ میں

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بذاتِ خود نقل کردہ دو واقعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کی کرامات کے باب میں لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں میفرمودند فرهاد بیگ را مشکلے پیش آمد۔ نذر کرد بار خدایا اگر ایں مشکل برآمد ایں قدر مبلغ حضرت ایشاں هدیه برم، آن مشکل مندفع شود، وآں نذر از خاطر او رفت۔ بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک هلاك رسید۔ بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادمان گفته فرستادم که ایں بیماری بسبب عدم وفاءِ نذر است۔ اگر اسپ خود مے خواهی نذرے را که در فلاں محله التزام نمودۂ بفرست وے نادم شد وآں نذر فرستاد، هماں ساعت اسپ او شفا یافت۔[1]

’’حضرت شاہ عبدالرحیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ فرہاد بیگ کو کوئی مشکل پیش آئی۔ اس نے نذر مانی کہ اے بارِ الٰہ! اگر یہ مشکل حل ہوگئی تو میں اِس قدر ہدیہ حضرت شاہ صاحبؒ کے حضور پیش کروں گا۔ چنانچہ وہ مشکل حل ہوگئی مگر وہ نذر پوری کرنا بھول گیا۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد اُس کا گھوڑا بیمار ہوگیا اور ہلاکت کے قریب آ پہنچا۔ میں اِس بیماری اور ہلاکت کے سبب پر آگاہ ہوا تو ایک خادم کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے باعث ہے۔ اگر گھوڑے کی خیریت چاہتے ہو تو فلاں نذر جسے فلاں مقام پر مانا تھا پوری کرو۔ وہ اپنے اِس فعل پر شرمندہ ہوا اور نذر ارسال کی، اُسی وقت اُس کا گھوڑا شفایاب ہوگیا۔‘‘

(۱) شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین:۵۳

اِس واقعہ سے یہ امر مترشح ہوا کہ مطلقاً کسی سے نفع وضرر پہنچنے کا عقیدہ رکھنا یا محبۃً اور تعظیماً کسی کا قرب حاصل کرنے کی آرزو رکھنا شرک نہیں ہے اور نہ ہی مطلقاً تقرب لِغیر اللہ موجبِ شرک ہے۔ ساتھ ہی اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ اولیاء اور صلحاء کی طرف نذر کو مجازاً منسوب کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے والدِ گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کے حالات میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

درقصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللّٰہ دیا رفتہ بودند، شب ہنگام بود در آں محل فرمودند: مخدوم ضیافت ما میکنند چیزے خوردہ دید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد، و ملال بر یاراں غالب آمد۔ آنگاہ زنے بیاید طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ با نشینندگان درگاہِ مخدوم اللہ دیا رسانم۔ دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم۔(۱)

’’(میرے والد حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کے وقت اُس مقام پر انہوں نے کہا کہ مخدوم صاحب ہماری دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا۔ (پھر حضرت صاحبؒ بیٹھ گئے) یہاں تک کہ آدمیوں کی آمد و رفت ختم ہوگئی۔ احباب اُکتا گئے۔ اُس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا تھال لئے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر آئے گا مخدوم اللہ دیا کی خانقاہ میں بیٹھنے والوں کو کھانا پہنچاؤں گی، وہ اِسی وقت آیا ہے لہٰذا میں نے اپنی نذر پوری کر دی ہے۔‘‘

(۱) شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین: ۴۴

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے درج بالا دونوں واقعات نقل کر کے اِس امر کی تصریح کی ہے کہ نذر باوجود اس کے کہ تقرّب إلی اللہ کے لئے ہوتی ہے مگر اسے اولیاء کرام کی طرف ظاہراً اور مجازاً بغیر عبادت کی نیت کئے منسوب کرنا جائز ہے۔

جمہور مسلمین اور کفار و مشرکین کا اعتقاد ایک جیسا نہیں

ایسے امور کہ جن کا اللہ تعالیٰ سے کوئی دوستی و محبت اور ولایت وتقرب والا علاقہ اور تعلق ہی نہ ہو تو ان پر انبیاء عظام اور اولیاء کرام کا قیاس کرنا سخت نادانی ہے۔

علامہ ملا علی قاری کفار و مشرکین اور مؤمنین کے درمیان اِس توسُّل وتقرّب میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا یظن بأرباب العقول ولو کانوا کفارًا أن یعتقدوا أن الحجر ینفع و یضر بالذات. و إنما کانوا یعظمون الأحجار أو یعبدونها معللین بأن هؤلاءِ شفعاءنا عند الله و مقربونا إلی الله زلفی. فهم کانوا یمسحونها و یقبّلونها تسببا للنفع.

وإنما الفرق بیننا و بینهم: أنهم کانوا یفعلون الأشیاء من تلقاء أنفسهم ما أنزل الله بها من سلطان بخلاف المسلمین. فإنهم یصلون إلی الکعبة بناء علی ما أمر الله ویقبّلون الحجر بناء علی متابعة رسول الله ﷺ. وإلا فلا فرق فی حد الذات ولا نظرا العارف بالموجودات بین بیت و بیت و لا بین حجر و حجر. فسبحن من عظم ما شآء من مخلوقاته. من الأفراد الإنسانیة لرسول الله ﷺ، و الحیوانیة کناقة الله، و الجمادیة کبیت الله، والمکانیة کحرم الله، و الزمانیة لیلة القدر و ساعة الجمعة. و خلق خواص الأشیاء فی مکتوباته و جعل التفاوت و التمایز بین

أجزاء أرضه و سماواته.[1]

''اربابِ عقل و دانش اگرچہ کفار ہی کیوں نہ ہوں ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں کہ پتھر بذاتِ خود نفع و نقصان دیتا ہے۔ مشرکین ان پتھروں اور بتوں کو تعظیم کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے تو صرف اس علت کے پیشِ نظر کہ یہ اللہ رب العزت کے ہاں ہمارے شفیع ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب تر کرنے والے ہیں۔ پس وہ ان کو نفع حاصل کرنے کے اسباب و ذرائع سمجھتے ہوئے ہاتھ لگاتے اور بوسے دیتے تھے۔

ہمارے اور کفار و مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ ان اشیاء کو اپنی طرف سے کرتے تھے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل و حجت نازل نہیں فرمائی۔ اِس کے برعکس اہلِ ایمان (بذات خود کسی چیز کو معبود و مسجود بناتے ہیں اور نہ مستحقِ عزت و تکریم سمجھتے ہیں بلکہ وہ) کعبۃ اللہ کی طرف نماز میں رخ کرتے ہیں تو حکمِ الٰہی کی بناء پر اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں تو متابعتِ رسولِ محتشم ﷺ کی بناء پر۔ بصورتِ دیگر فی نفسہٖ بھی اور موجودات کے ساتھ صحیح عرفان رکھنے والے کی نظر میں بھی ایک مکان کا دوسرے مکان کے ساتھ اور ایک پتھر کا دوسرے پتھر کے ساتھ کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہا عزت و عظمت و بزرگی عطا فرمائی۔ افرادِ انسانی میں سے جیسے حضور ﷺ کو اور افرادِ حیوانی میں سے جیسے ناقۃ اللہ (یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو) اور افرادِ جمادات میں سے کعبۃ اللہ کو اور مکانات کے افراد میں سے حرم اللہ کو اور زمانہ کے اجزاء میں سے جیسے لیلۃ القدر اور ساعۃ جمعہ۔ اور اس نے اپنے مکتوبات میں خواصِ اشیاء کو تخلیق فرمایا اور زمینوں اور آسمانوں کے اجزاء میں باہمی تفاوت اور فرق و امتیاز پیدا کیا۔''

اِس عبارت سے یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ کفار و مشرکین اپنے طور پر خود بخود

(۱) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۵:۳۲۵

اصنام و احجار کو قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے اور بذاتِ خود ان کو سفارشی اور شفیع اعتقاد کرتے تھے اور پھر ان کی عبادت بھی کرتے تھے جبکہ اہلِ ایمان ماسوا اللہ کی عبادت کو نہ صرف حرام بلکہ کفر و شرک سمجھتے ہیں اور اپنے طور پر بھی کسی کو سفارشی و شفیع اور واسطہ و وسیلہ نہیں قرار دیتے جب تک کہ اللہ رب العزت و رسول ﷺ کی طرف سے کوئی سند اور دلیل و حجت موجود نہ ہو۔ اِس لئے جمہور مسلمین اور کفار و مشرکین کو ایک جیسا سمجھنا سراسر جہالت و گمراہی ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ جن ذواتِ مقدسہ کو خالقِ کائنات نے منصبِ شفاعت و سفارش عطا فرمایا ہے انہیں شفیع و واسطہ نہ ماننا کفر ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا انہیں اپنے طور پر بلا دلیل شرعی شفیع فرض کر لینا حرام اور پھر اِن کی پوجا پاٹ کرنا کفر ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں شفاعت بالجبر اور شفاعت بالقہر کی نفی کی گئی ہے۔

۲۔ قرآن حکیم میں شفاعت بالاذن کا اثبات کیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کی شفاعت بالدعاء و الالتجاء کی نفی نہیں فرمائی بلکہ جبر و قہر اور زبردستی پر مبنی شفاعت کی نفی فرمائی ہے۔

کفار و مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے بارے میں بزعمِ خویش یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اپنی من مانی کاروائی کرا لیں گے اور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ان کے سامنے مجبور ہو کر ان کی بات مان لے گا۔ کفار و مشرکین شفاعت کے حصول کا ذریعہ عبادت کو قرار دیتے ہیں جب کہ اہلِ اسلام اس کو کفر گردانتے ہیں۔ اصنام و اوثان کو نہ سلام کرنا جائز ہے نہ ان کا ادب و احترام جائز ہے اور نہ ان کی اتباع و اطاعت چہ جائیکہ عبادت کی جائے۔ جب کہ انبیاء و اولیاء کا ادب و احترام اور تعظیم و تکریم لازم، ان کی اتباع و اطاعت لازم۔ ان کی تعظیم و توقیر اور اتباع و اطاعت اللہ تعالیٰ کے ہاں قربت و وصل کا معتبر، معتمد، مستند اور مقبول ذریعہ ہونے کے ساتھ ایمان کی کامل ضمانت بھی ہے۔

اہلِ ایمان اور کفار و مشرکین کے اعتقاد و اعمال میں فرق

قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کے عقیدہ صحیحہ اور

کفار و مشرکین کے باطل اعتقاد میں واضح فرق ہے پس جو لوگ اپنی کم علمی اور کج فہمی کی وجہ سے اہلِ اسلام کے صالح اعمال و اعتقاد کو کفار و مشرکین کے باطل اعتقاد پر قیاس کر کے فتویٰ صادر کرتے ہیں وہ خود سخت گمراہی کے مرتکب ہیں۔ اہلِ ایمان اور کفار و مشرکین کے اعتقاد و اعمال میں واضح اور بیّن فرق مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ کفار و مشرکین اصنام و اوثان اور صور و تماثیل کے بارے میں ایسے اختیارات و تصرفات مانتے تھے جو نہ ان کو اللہ ﷻ نے عطا فرمائے اور نہ ہی وہ بت اس اہل تھے۔

۲۔ کفار و مشرکین نے اپنے بتوں میں الوھیتِ خداوندی کا اقرار کیا حالانکہ انہیں ''الوھیت'' خداوندی عطا ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ہی وہ قدرت خداوندی کے عطاء و ایجاد کے لائق ہے۔ ماسویٰ اللہ کو شریک تسلیم کرنا اور الٰہ بنانا ممتنعات میں ہے اور وہ متعلقاتِ قدرت میں سے نہیں ہیں۔

۳۔ کفار و مشرکین نے اپنے معبودانِ باطلہ کو دنیوی وزراء، امراء اور گورنروں پر قیاس کیا جو اپنے دائرہ کار میں خود بخود متصرف و مدبر ہوتے ہیں اور حاکم اعلیٰ ان کے تصرفات اور تدبیرات میں رکاوٹ نہیں بنتا جب کہ اللہ ﷻ ہر ہر امر میں خود مؤثر حقیقی اور مدبر حقیقی ہے مثلاً ملک الموت قبض روحوں میں سبب اور واسطہ ہے خالقِ موت خود اللہ ﷻ ہے۔ ہدایتِ خلائق میں انبیاء و اولیاء سبب اور واسطہ ہیں مؤثر حقیقی اللہ ﷻ ہے۔

۴۔ کفار و مشرکین نے اللہ جل شانہ کو تدبیرِ کائنات میں ان معبودانِ باطلہ کا محتاج سمجھا اور اکیلے و تنہا تدبیر و تصرف میں قاصر جانا۔

۵۔ کفار و مشرکین نے بزعمِ خویش باطل تدبیر و تصرف کی وجہ سے بتوں کو لائقِ عبادت سمجھا حالانکہ عبادت کمالاتِ ذاتیہ کی متقاضی ہے۔ عطائی کمالات، اتباع و اطاعت کا دار و مدار ہو سکتے ہیں لیکن عبادت کا کسی بھی درجے میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ کفار و مشرکین نے اپنے معبودانِ باطلہ کو الوھیتِ خداوندی کا درجہ دے دیا اور اللہ

تعالیٰ کے مبعوث کیے گئے انبیاء و رُسل عظام علیہم السلام کو رسول و نبی ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ ان کی ایذاء رسانی اور توہین و تحقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

۷۔ کفار نے انبیاء و رُسل عظام علیہم السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت اور تحلیل و تحریم میں ان کی اتباع و اطاعت کی بجائے مخالفینِ اسلام رؤسا کی اطاعت اور اقتداء کو ترجیح دے کر انبیاء و رُسلِ عظام کو (معاذ اللہ) قتل تک کیا۔

بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان ان تمام کفریات اور شرکیہ عادات و رذائل سے محفوظ و مامون ہیں۔ اس لئے کسی بھی صورت ایک کلمہ گو مسلمان و مؤمن کو ایک کافر و مشرک کے ساتھ ملاتے ہوئے ہرگز ایک جیسا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جو بھی ان دلائلِ قاطعہ کے ہونے کے باوجود ایسا کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ذہنی خباثت اور بدبختی و شقاوت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل سوم

توحید فی الحلف

اور

شرک فی الحلف

www.MinhajBooks.com

توحید فی الحلف کا معنی و مفہوم

توحید فی التحریم کی تیسری قسم توحید فی الحلف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعی حلف صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر اُٹھایا جا سکتا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر نہیں۔ شرعی حلف سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام پر مستقبل میں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھانا ہے جس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضور علیہ السلام کا حلف غیر اللہ کا حلف تصور نہیں ہوگا اسی طرح قرآن مجید پر اللہ تعالیٰ کا حلف ہو سکتا ہے کیونکہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس کی حرمت اور حیثیت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حلف کی ہوتی ہے تو یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا کثرت سے اپنے آباؤ اجداد اور معبودانِ باطلہ لات و عزیٰ وغیرہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے اسلام میں دورِ جاہلیت کی اس چیز کی سخت ممانعت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ عُمَرَ، يَقُوْلُ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ. قَالَ عُمَرُ: فَوَاللهِ! مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا.[1]

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأيمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائکم، ٦:٢٤٤٩، رقم: ٦٢٧١

٢۔ مسلم، الصحيح، کتاب الأيمان، باب النهی عن الحلف بغير الله، ٣:١٢٦٦، رقم: ١٦٤٦

٣۔ نسائي، کتاب الأيمان والنذور، باب الحلف بالآباء، ٧:٤، رقم: ٣٧٦٧

’’میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں آباؤ اجداد کی قسم اٹھانے سے منع فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت کی قسم! جب سے میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے کبھی بھی قصداً یا سہواً ایسی قسم نہیں کھائی۔‘‘

صحیح مسلم اور سنن ابنِ ماجہ کی ایک اور روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِي وَلَا بِآبَائِكُمْ.(۱)

’’نہ تم بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے آباؤ اجداد کی۔‘‘

• شرک فی الحلف

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کے نام کی قسم کھائی جائے اصنام اور معبودانِ باطلہ کی قسم اٹھانا شرک فی الحلف ہے جو اپنے پرستاروں سمیت دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے ان کے نام کی قسم اٹھانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی تلافی کیلئے دوبارہ کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأيمان، باب من حلف باللات والعزىٰ فليقل لا إله إلا الله، ۳:۱۲۶۸، رقم: ۱۶۴۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الكفارات، باب النهى أن يحلف بغير الله، رقم: ۲۰۹۵

(۲) ۱۔ بخارى، الصحيح، كتاب الأيمان والنذور، باب لا يحلف باللات والعزىٰ ولا بالطواغيت، ۶:۲۴۵۰، رقم: ۶۲۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأيمان، باب من حلف باللات والعزىٰ فليقل لا إله إلا الله، ۳:۱۲۶۷، رقم: ۱۶۴۷

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

''جس نے قسم کھائی اور اپنی قسم میں لات و عزیٰ کہا تو اسے چاہیے کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہے۔''

پس معلوم ہوا کہ اعتقاداً غیر اللہ کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کے مانند جاننا شرک ہے لیکن اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اٹھائے تو اسے چاہیے کہ توبہ استغفار کرے اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کی تلافی فرما دے گا چونکہ غیر اللہ کا حلف شرعی حلف نہیں اس لئے اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔

قرآن اور تعظیمی قسمیں

قرآن حکیم میں جہاں بعض اشیاء اور بعض اماکن وغیرہ کی قسمیں کھائی گئیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور ﷺ کی حیاتِ مقدسہ اور آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کے بعض اعضاء کی بھی قسمیں کھائیں ہیں، یہ قسمیں حضور ﷺ کی عظمت و فضیلت بیان کرنے کے لئے کھائی گئیں۔ ذیل میں ایسی آیات کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ نورِ محمدی ﷺ کی قسم

اللہ رب العزت نے حضور اکرم ﷺ کو روشن ستارہ کہہ کر قسم اٹھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ○(۱)

''قسم ہے روشن ستارے (محمد ﷺ) کی جب وہ (چشم زدن میں شبِ معراج اوپر جا کر) نیچے اترے ○''

یہاں النجم سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کی نورانی ذات ہے۔

......۳۔ ترمذی، السنن، کتاب النذور والأیمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی کراھیة الحلف بغیر ملة الإسلام، ۴:۱۱۶، رقم: ۱۵۴۵

(۱) النجم، ۵۳:۱

علامہ قرطبی نے امام جعفر الصادق سے النجم کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین رضی الله عنه: وَالنَّجْمِ: يعني محمدا صلی الله علیه وآله وسلم (اِذَا هَوٰى)، إذا نزل من السماء ليلة المعراج.[۱]

’’حضرت امام جعفر الصادق سے مروی ہے کہ النجم سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اِذَا هَوٰى کا مطلب ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج آسمان سے نیچے تشریف لائے۔‘‘

علامہ آلوسیؒ نے بھی امام جعفر الصادق کا درج ذیل قول نقل کیا ہے:

و قال جعفر الصادق رضی الله عنه: ”النجم“ هو النبي صلی الله علیه وآله وسلم، و هويه: نزوله من السماء ليلة المعراج.[۲]

’’النجم سے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ھوی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج سے واپس تشریف لانا مراد ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کی قسم

معروف مفسر امام عبدالرحمٰن السلمی نے النجم سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ اطہر لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

عن جعفر بن محمد في قوله: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى﴾ (وَالنَّجْمِ) قلب محمد صلی الله علیه وآله وسلم.[۳]

’’حضرت امام جعفر صادق، اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ النجم سے مراد قلبِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔‘‘

(۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۷: ۸۳
(۲) آلوسی، روح المعانی، ۲۷: ۴۵
(۳) ابوعبدالرحمن السلمی، حقائق التفسیر، ۲: ۲۸۳

۳۔ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم

۱۔ سورۃ الطارق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الطَّارِقُ ○ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ○ (۱)

''آسمان (کی فضائے بسیط اور خلائے عظیم) کی قَسم اور رات کو (نظر) آنے والے کی قَسم ○ اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو (نظر) آنے والا کیا ہے ○ (اس سے مراد) ہر وہ آسمانی کرّہ ہے (خواہ وہ ستارہ ہو یا سیارہ یا اَجرامِ سماوی کا کوئی اور کرّہ) جو چمک کر (فضا کو) روشن کر دیتا ہے ○''

قاضی عیاض مالکیؒ نے ''الشفاء'' میں ''النجم الثاقب'' سے مراد ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لی ہے، جس نے سراجاً منیرًا کی شان کے ساتھ آسمانِ رسالت پر چمک کر ظلمت بھری کائنات کو نورِ ایمان سے روشن کر دیا ہے۔

۲۔ سورۃ الفجر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَالْفَجْرِ ○ (۲)

''اس صبح کی قَسم (جس سے ظلمتِ شب چھٹ گئی) ○''

اس سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی ہے جن کی بعثت سے کفر و شرک اور جہالت کی شبِ ظلمت کا خاتمہ ہوا اور صبحِ ایمان پھوٹی۔ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں امام ابنِ عطا فرماتے ہیں:

الفجر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لأن منه تفجر الإیمان. (۳)

''الفجر سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ایمان کے چشمے

(۱) الطارق، ۸۶: ۱۔۳

(۲) الفجر، ۸۹: ۱

(۳) الشفاء، ۱: ۲۲

پھوٹتے ہیں۔‘‘

قرآن مختلف انداز میں کبھی تمثیل و تشبیہہ سے کبھی رمز و اشارہ سے کبھی کنایہ و مجاز سے اور کبھی صراحت و وضاحت سے حضور ﷺ کے حسنِ سراپا اور نورِ مجسم کا ذکر کرتا ہے تاکہ آپ ﷺ کی شخصی عظمت کا پہلو خوب اجاگر ہو۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی قسم

قرآن مجید میں خالقِ کائنات نے اپنے حبیب ﷺ کی عمرِ مبارک کی قسم بھی کھائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ○[۱]

’’(اے حبیبِ مکرم!) آپ کی عمرِ مبارک کی قَسم، بیشک یہ لوگ (بھی قومِ لوط کی طرح) اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیں○‘‘

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ رفعتِ ذکر اور شرفِ رفیع کے پیشِ نظر اللہ رب العزت نے اس آیتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی پوری زندگی کی قسم کھائی ہے۔

۵۔ آپ ﷺ کے آباء و اجداد کی قسم

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب سے اس قدر محبت ہے کہ ہر وہ چیز جسے حضور ﷺ سے نسبت ہو جاتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت کے باعث لائقِ قسم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ○[۲]

’’(اے حبیبِ مکرّم! آپ کے) والد (آدم یا ابراہیم علیہما السلام) کی قَسم اور (ان کی) قَسم جن کی ولادت ہوئی○‘‘

---

(۱) الحجر، ۱۵:۷۲

(۲) البلد، ۹۰:۳

یہاں والد کے لفظ کا اطلاق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے آباؤ اجداد میں سے کسی بھی پاک صلب پر کیا جاسکتا ہے، جس میں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متمکن رہا۔ آیتِ کریمہ میں والد کے نام کا ذکر نہ کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ ہر والد کی نسبت مولود سے ہوتی ہے۔ جب تک اولاد نہ ہو والدیت متحقق نہیں ہوتی اس لئے قرآن مجید نے والد کے ذکر کے فوراً بعد ''وَمَا وَلَدَ'' کہہ کر اس عظیم المرتبت مولود کی قسم کھائی ہے جس کا تقدّس اس کے آباؤ اجداد کے لئے ایسے شرف و اعزاز کا باعث بنا کہ خود پروردگارِ عالم ان کی بھی قسم کھا رہا ہے۔ اس قسم میں والد کا عموم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فیضانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک سب آباء لائق قسم ہو گئے ہیں۔

۶۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک جائے سکونت کی قسم

خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں اس شہر کی بھی قسم کھائی ہے جس کی خاک کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پاؤں کے تلووں کو چھونے کا شرف حاصل ہوا، ارشاد ہوتا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَ اَنْتَ حِلٌّ م بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (۱)

''میں اس شہر (مکہ) کی قَسم کھاتا ہوں ۝ (اے حبیبِ مکرّم!) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں ۝''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ (۲)

''اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قَسم ۝''

(۱) البلد، ۹۰: ۱۔۲

(۲) التین، ۹۵: ۳

۷۔ چہرۂ انور اور گیسوئے عنبریں کی قسم

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اعضاء مبارکہ یعنی چہرۂ انور اور گیسوئے مبارک تک کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالضُّحٰیo وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰیo(۱)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) قسم ہے چاشت (کی طرح آپ کے چہرۂ انور) کی (جس کی تابانی نے تاریک روحوں کو روشن کر دیا)o (اے حبیبِ مکرّم!) قسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی) جب وہ (آپ کے رُخِ زیبا یا شانوں پر) چھا جائےo‘‘

یہاں تشبیہ کے پیرائے میں چاشت کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ زیبا کا ذکر وَالضُّحٰی کہہ کر اور آپ ﷺ پر شانوں کو سیاہ رات کی طرح چھائی ہوئی زلفوں کا ذکر وَالَّیْلِ کہہ کر قسم اٹھائی ہے۔

۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کی قسم

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر یعنی قرآن حکیم کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حٰمٓo وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِo(۲)

’’حا میم (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)o اس روشن کتاب کی قسمo‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

---

(۱) الضحیٰ، ۹۳: ۱۔۲

(۲) الدخان، ۴۴: ۱۔۲

قٓ۟ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ۟[(۱)]

قٓ (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)۟ قسم ہے قرآنِ مجید کی۟‘‘

قاضی عیاضؒ ’’الشفاء‘‘ میں آیتِ مذکورہ سے پہلے حرف ’’ق‘‘ کی شرح وتفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں ’’ق‘‘ سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا قلبِ اطہر ہے جس پر قرآن نازل ہوا اور جو اپنی قوت و استقامت کے اعتبار سے بھی زیادہ مستحکم تھا جب یہ بارِ امانت پہاڑوں اور سمندروں نے اٹھانے سے انکار کر دیا تو حضور ﷺ کا قلبِ انور ہی تھا جسے بارگاہِ صمدیّت سے اس قدر قوت و طاقت عطا ہوئی تھی کہ تیئیس سالہ مبارک حینِ حیات اس پر قرآن اتارا جاتا رہا لیکن کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا بلکہ اس قرآن کی بدولت اسے بے پایاں قوت اور طمانیت کا خزینہ بنا دیا گیا۔ علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں:

قال إبن عطا: أقسم بقوة قلبِ حبيبه حيث تحمل الخطاب والمشاهدة و لم يوثر ذلک فيه لعلو حاله.[(۲)]

’’ابن عطا فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے جو عین حق کا مشاہدہ اور شرف تکلف حاصل کرنے کے باوجود غشی وغیرہ سے محفوظ رہا۔‘‘

حلفِ تعظیمی جائز ہے

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب ﷺ کی خاطر قسم کھائی۔ جب اللہ تعالیٰ خود قسم کھانے میں عار نہیں فرماتا تو وہ ہمیں کیسے منع کر سکتا ہے۔ اللہ رب العزت نے جب اپنی

(۱) ق، ۵۰:۱

(۲) اسماعیل حقی، روح البیان، ۹:۱۰۰

ذات کی قسم کھائی تو اپنے رب ہونے کی نسبت اپنے محبوب ﷺ کی طرف کی، ارشاد فرمایا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ.(۱)

’’پس (اے حبیب) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنا لیں۔‘‘

۱۔ لوح و قلم کی قسم

قرآن مجید میں لوح و قلم کی قسم کھاتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَo مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍo(۲)

’’نون (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) قلم کی قسم اور اُس (مضمون) کی قَسم جو (فرشتے) لکھتے ہیںo (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہیںo‘‘

اس طرح قسم اٹھانا، **حلف فی الاکرام**، **حلف فی التعظیم**، **حلف فی المحبت** کی ایک قِسم ہے جو جائز ہے۔

۲۔ مبارک راتوں کی قسم

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں ارشاد فرمایا:

وَلَیَالٍ عَشْرٍo وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِo وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِo هَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍo(۳)

---

(۱) النساء، ۴:۶۵

(۲) القلم، ۶۸:۱۔۲

(۳) الفجر، ۸۹:۲۔۵

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

’’اور دس (مبارک) راتوں کی قَسم o اور جفت کی قَسم اور طاق کی قَسم o اور رات کی قسم جب گزر چلے (مراد ہر شب ہے یا بطورِ خاص شبِ مزدلفہ یا شبِ قدر) o بیشک ان میں عقلمند کے لئے بڑی قسم ہے o‘‘

مذکورہ آیات مبارکہ میں وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے مراد ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں یا پہلے عشرہ محرّم کی راتیں ہیں یا اوّل عشرہ ذی الحجہ کی راتیں ہیں جو برکات و درجات سے معمور ہیں۔ جبکہ وَالشَّفْعِ سے مراد سال بھر کی عام جفت راتیں ہیں اور وَتْر سے مراد سال بھر کی برکت والی طاق راتیں ہیں، مثلاً شبِ معراج، شبِ برأت اور شبِ قدر وغیرہ جو پے در پے رجب، شعبان اور رمضان میں آتی ہیں۔

۳۔ جہاد کے گھوڑوں کی قسم

اللہ تعالیٰ نے غازیانِ اسلام کے گھوڑوں اور پتھروں پر دوڑتے ہوئے ان کی ٹاپوں سے پیدا ہونے والی چنگاریوں کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا o فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا o فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا o[1]

’’(میدانِ جہاد میں) تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی قَسم جو ہانپتے ہیں o پھر جو پتھروں پر سم مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں o پھر جو صبح ہوتے ہی (دشمن پر) اچانک حملہ کر ڈالتے ہیں o‘‘

دیگر قرآنی قسمیں

مطالعۂ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے مختلف ذاتوں اور اشیاء کی قسمیں اٹھائیں۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں مثلاً:

(۱) العادیات، ۱۰۰:۱۔۳

اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت کی قسم اٹھائی،(1) نفسِ لوّامہ کی قسم اٹھائی،(2) ہواؤں کی قسم اٹھائی،(3) ملائکہ مقربین کی قسم اٹھائی،(4) آسمانی کرّوں کی قسم کھائی،(5) زمین کی قسم اٹھائی،(6) سورج کی قسم اٹھائی،(7) چاند کی قسم اٹھائی،(8) دن کی قسم اٹھائی،(9) رات کی قسم اٹھائی،(10) صبح کی قسم اٹھائی،(11) زمانہ کی قسم اٹھائی،(12) ثمرات بہشت کی قسم اٹھائی،(13) پہاڑوں کی قسم اٹھائی(14)۔

(۱) القيامة، ۷۵:۱، البروج، ۸۵:۲۔۳، (۲) القيامة، ۷۵:۲، (۳) المرسلت، ۷۷:۱۔۵، (۴) النزعت، ۷۹:۱۔۵، (۵) التكوير، ۸۱:۱۵،۱۶، البروج، ۸۵:۱، الطارق، ۸۶:۱، (۶) الشمس، ۹۱:۶، (۷) الشمس، ۹۱:۱، (۸) الشمس، ۹۱:۲، (۹) الشمس، ۹۱:۳، الليل، ۹۲:۲، (۱۰) الشمس، ۹۱:۴، الليل، ۹۲:۱، التكوير، ۸۱:۱۷، (۱۱) التكوير، ۸۱:۱۸، (۱۲) العصر، ۱۰۳:۱، (۱۳) التين، ۹۵:۱، (۱۴) التين، ۹۵:۲۔

باب ہشتم

توحید فی الأحکام

اور

شرک فی الأحکام

www.MinhajBooks.com

احکام حکم کی جمع ہے۔ علوم و فنون کی فنی اصطلاح کے لحاظ سے حُکمُ سے مراد

اَثْرُ الشَّیءِ إِنَّمَا یَتَرَتَّبُ عَلَیْهِ.(۱)

''وہ نتیجہ یا اثر ہے جو اسی چیز پر لاگو اور جاری ہوتا ہے۔''

حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حسب فرمان امت پر فرض کی گئی ہے۔

بنیادی طور پر حکمِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حکمِ کونی ۲۔ حکمِ شرعی

۱۔ حکمِ کونی

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو کائنات کو وجود میں لانے کے لئے جاری ہوا۔ جس طرح کہ درج ذیل آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قضاء میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ.(۲)

''پھر دو دِنوں (یعنی دو مرحلوں) میں سات آسمان بنا دیے۔''

۲۔ اللہ تعالیٰ نے امر میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) شربینی، مغنی المحتاج، ۴:۳۹۵

(۲) حم السجدة، ۴۱:۱۲

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○[1]

’’اس کا امرِ (تخلیق) فقط یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو (پیدا فرمانا) چاہتا ہے تو اسے فرماتا ہے ہو جا، پس وہ فوراً (موجود یا ظاہر) ہو جاتی ہے۔ (اور ہوتی چلی جاتی ہے)○‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ نے امر میں ہی حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا○[2]

’’اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم وہاں کے امراء اور خوشحال لوگوں کو (کوئی) حکم دیتے ہیں (تاکہ ان کے ذریعہ عوام اور غرباء بھی درست ہو جائیں) تو وہ اس (بستی) میں نافرمانی کرتے ہیں پس اس پر ہمارا فرمانِ (عذاب) واجب ہو جاتا ہے پھر ہم اس بستی کو بالکل ہی مسمار کر دیتے ہیں○‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ○[3]

’’اور نہ کسی دراز عمر شخص کی عمر بڑھائی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (یہ سب کچھ) لوحِ (محفوظ) میں ہے، بیشک یہ اللہ پر بہت آسان ہے○‘‘

۵۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ہی حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) یٰس، ۸۲:۳۶

(۲) الإسراء، ۱۶:۱۷

(۳) فاطر، ۱۱:۳۵

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○(۱)

''اور بلا شبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے (بیان کے) بعد یہ لکھ دیا تھا کہ (عالمِ آخرت کی) زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے ○''

۶۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○(۲)

''سو میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا جب تک مجھے میرا باپ اجازت (نہ) دے یا میرے لئے اللہ کوئی فیصلہ فرما دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ○''

۷۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○(۳)

''(ہمارے حبیب نے) عرض کیا: اے میرے رب! (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے، اور ہمارا رب بے حد رحم فرمانے والا ہے، اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان (دل آزار) باتوں پر جو (اے کافرو!) تم بیان کرتے ہو ○''

۸۔ اللہ تعالیٰ نے تحریم میں حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً.(۱)

---

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۵

(۲) يوسف، ۱۲: ۸۰

(۳) الأنبياء، ۲۱: ۱۱۲

''(ربّ نے) فرمایا پس یہ (سرزمین) ان (نافرمان) لوگوں پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔''

۹۔ ایک اور مقام پر تحریم میں ہی حکمِ کونی کے بارے میں فرمایا:

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ (۲)

''اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر ڈالا ناممکن ہے کہ اس کے لوگ (مرنے کے بعد) ہماری طرف پلٹ کر نہ آئیں ○''

۲۔ حکمِ شرعی

علمائے اصول کے نزدیک حکم سے مراد ''خطاب الشارع''(۳) یعنی اللہ تعالیٰ کا قدیم و ازلی فرمان ہے، کیونکہ تمام احکام ربّانی ازل میں جاری ہوئے، مگر ان کا وجوب صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے بندوں کو اس کا امر فرماتا ہے۔ عام طور پر علمائے اصول حکم کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

الحکم خطاب الله المتعلق بأفعال المکلفين بالاقتضاء أو التخيير أو الوضع۔(۴)

''حکم وہ ضابطہ عمل ہے جو وحی الٰہی سے نمو پاتا ہے جو بعض امور کے کرنے یا نہ

---

(۱) المائدة، ۵:۲۶

(۲) الأنبياء، ۲۱:۹۵

(۳) ۱۔ غزالی، المستصفی من علم الأصول، ۱:۸

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، ۱:۱۳۵

۳۔ کشاف اصطلاحات الفنون، ۱:۳۸۰

(۴) ۱۔ صدرالشريعة، التوضيح، ۱:۲۸

۲۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، ۱:۱۳۶

۳۔ قاضی، شرح العضد، ۱:۲۲۲

کرنے کی طلب یا ان میں اختیار و اباحت یا محض استقرار و اعلان پر مبنی ہوتا ہے۔‘‘

بعض ائمہ نے افعال المکلفین کی جگہ اَفْعَالُ الْعِبَادِ کہا ہے۔ مطلب اور مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ آمدی نے حکم شرعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

خطاب الشَّارِعِ الْمُفِيْدُ فَائدةً شَرْعِيَّةً. (۱)

’’حکم شرعی سے مراد شارع کا وہ خطاب ہے جس سے کوئی شرعی فائدہ یا دوسرے لفظوں میں کوئی شرعی مسئلہ معلوم ہو جائے۔‘‘

حکمِ شرعی کے باب میں چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (۲)

’’اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا:

يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ. (۳)

’’اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے۔‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں فرمایا:

وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (۴)

’’اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱:۱۳۶

(۲) البقرۃ، ۲:۱۸۵

(۳) النساء، ۴:۲۸

(۴) الحج، ۲۲:۷۸

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْآ اِلَّآ اِیَّاہُ.(۱)

’’اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی.(۲)

’’بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا۔‘‘

۶۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا.(۳)

’’بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔‘‘

۷۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ.(۴)

’’اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کردیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور

www.MinhajBooks.com

(۱) الإسراء، ۱۷:۲۳

(۲) النحل، ۱۶:۹۰

(۳) النساء، ۴:۵۸

(۴) المائدۃ، ۵:۴۵

دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے۔‘‘

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ. (۱)

’’اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔‘‘

۹۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ط اِنَّ اللهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُo (۲)

’’تمہارے لئے چوپائے جانور (یعنی مویشی) حلال کر دیئے گئے (ہیں) سوائے ان (جانوروں) کے جن کا بیان تم پر آئندہ کیا جائے گا (لیکن) جب تم احرام کی حالت میں ہو، شکار کو حلال نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہےo‘‘

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنۃ میں فرمایا:

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ط (۳)

’’یہی اللہ کا حکم ہے، اور وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما رہا ہے۔‘‘

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ. (۱)

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۸۳

(۲) المائدۃ، ۵: ۱

(۳) الممتحنۃ، ۶۰: ۱۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

’’تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اﷲ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہوا اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا، اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسوں (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرو (یا حصے تقسیم کرو)۔‘‘

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۲)

’’تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش

(۱) المائدۃ، ۵:۳

(۲) النساء، ۴:۲۳

پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo‘‘

اسلام میں چونکہ دین و سیاست میں تفریق نہیں، اس لئے حکم سے مراد **حکم فی الدین و العبادۃ** کے علاوہ **حکم فی الحکومۃ و السیاسۃ** بھی علما نے مراد لیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں خوارج کا موقف یہی تھا کہ سیاسی امور کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو سکتا ہے مخلوق کے حکم کے مطابق نہیں۔ یہی وجہ ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کے منہ سے یہ لفظ سنا تھا تو فرمایا تھا:

كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ. (۱)

’’کلمہ تو حق ہے، مگر مقصود اس سے باطل ہے۔‘‘

’’حکم‘‘ قرآن کی صورت میں نازل شدہ وحی الٰہی کے الفاظ کو نہیں بلکہ اس قانونی ضابطے یا قانونی قدر (Legal Value) کو کہتے ہیں جو الفاظِ وحی سے ثابت (Establish) ہوتی ہے۔ جس کی ائمہ فقہ و اصول نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت کر دی ہے۔

فقہ اسلامی میں شارع یعنی واضع قانون یا قانون دہندہ کی حیثیت صرف

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲:۷۴۹، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵:۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵:۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲

خدائے لم یزل اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ خدا کی حاکمیت حقیقی اور اصلی ہے جبکہ رسول ﷺ کی حاکمیت خدا کے نائب اور مظہر ہونے کے اعتبار سے نیابتی وتفویضی ہے۔ آپ ﷺ خدا کی طرف سے تشریعی اختیارات کے حامل ہونے کی بنا پر ابدالاباد تک انسانیت کے لئے مطاع مطلق ہیں لہٰذا کسی بھی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی دراصل خدا ہی کے اوامر ونواہی کہلاتے ہیں۔

تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کا مشترکہ حق ہے

احکامِ شریعت کے حوالے سے حرام و حلال کے متعلق بعض لوگوں کے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ تحلیل وتحریم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ثابت ہے یعنی کسی امر کو حرام قرار دینا یا حلال کر کے اس کی حدود متعین کرنا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے معنوں میں ایسا کہنے والے امر و نہی میں رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت کا انکار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو بھی یہ اختیار تفویض فرمایا ہے کہ وہ بعض چیزوں کو حرام قرار دیں اور بعض کو حلال۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ.(۱)

”اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔“

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ سے اس چیز کی صراحت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریم حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی ثابت فرمائی ہے۔ بعض لوگ بلاوجہ اور بلاجواز تحریم رسول کو شرک کہہ دیتے ہیں لہٰذا اس کے معنی کو متعین کرنا ہو گا۔ شرعاً جب کسی امر کو بجا لانے سے روک دیا جائے تو وہ حرام قرار پاتا ہے۔ اسی طرح کسی جگہ اور مقام کو احتراماً اور تعظیماً باعثِ حرمت قرار دیا جائے تو اس میں بعض افعال تقدس کے سبب ممنوع قرار پاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ جگہ حرم یعنی محترم ہو جاتی ہے۔ جہاں احترامًا بعض افعال کے بجا

(۱) التوبة، ۹:۲۹

لانے کی ممانعت ہوتی ہے۔ ان ممنوع افعال سے رکنا ہی اس کی حرمت ہے۔

حرمت، حرام اور تحریم میں ایک معنوی ربط پایا جاتا ہے۔ جب کسی چیز کو حلال کر دیا جاتا ہے تو گویا وہ حرمت کی قیود ات سے آزاد ہو جاتی ہے۔ کسی چیز کی حرمت اور تحریم کے اسباب تو کئی ہو سکتے ہیں لیکن تحریم اور حرام میں ممانعت مشترک ہے۔ اس ممانعت میں کبھی جان کی حفاظت پیشِ نظر رکھی جاتی ہے اور کبھی اس چیز کا تقدس اور تعظیم ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔

درجہ بالا آیتِ مبارکہ نبی اکرم ﷺ کی تحریم کو اللہ کی تحریم ثابت کر رہی ہے جبکہ قرآن حکیم کی سورۃ الاعراف میں اس سے بھی ایک قدم آگے حضور نبی اکرم ﷺ کے تشریعی اختیارات کو بطور خاص بیان فرمایا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (۱)

”یہ رسول انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔“

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی دو شانوں کا ذکر ہے:

پہلی شان: امر و نہی کے اختیار کے اعتبار سے آمر و ناھی (حکم دینے والے اور منع فرمانے والے) کی ہے۔

دوسری شان: تحلیل و تحریم کے الوہی اختیار کی وجہ سے محرّم و محلّل (حرام ٹھہرانے والے اور حلال ٹھہرانے والے) کی ہے۔ تحریم و تحلیل حضور نبی اکرم ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق ہے لہٰذا یہ کہنا بلا جواز ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں اور یہ صرف اللہ کا حق ہے اور یہ کہ کسی اور کے لئے اس حق کا اثبات شرک ہے یہ کہنا نری

(۱) الاعراف، ۷:۱۵۷

جہالت اور انکارِ قرآن ہے۔

حرم کی حدود رسول اکرم ﷺ نے متعیّن فرمائیں

علاوہ ازیں بعض کے نزدیک یہ تصور بھی کیا جاتا ہے کہ کسی کی تعظیم وتکریم کے لئے حدیں مقرر کرنا شرک ہے کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ یہ بات بھی درست نہیں صحیح احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا تو اس کی حرمت واجب ہو گئی جس کو پامال کرنا گناہ قرار پایا۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے تشریعی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مبارک جائے سکونت مدینہ منورہ کو حرم بنا دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْدَثُ فِيهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.

(هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَ زَادَ مُسْلِمٌ: لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا). (1)

’’مدینہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک حرم ہے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ اس میں کوئی فتنہ بپا کیا جائے جو اس میں فتنہ کا کوئی کام ایجاد کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔اور مسلم نے ان الفاظ کا

(1) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل المدینۃ، باب حرم المدینۃ، ۲: ۶۶۱، رقم: ۱۷۶۸،

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ و دعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ و بیان تحریمھا و تحریم صیدھا و شجرھا و بیان حدود حرمھا، ۲: ۹۹۴، رقم: ۱۳۶۶

اضافہ کیا ہے کہ ''قیامت کے دن اس کا فرض ونفل کچھ بھی قبول نہ ہوگا۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا. لَا يُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا. (۱)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم مقرر کیا تھا اور میں دونوں کالے پتھروں والے میدانوں کے درمیان مدینہ کو حرم مقرر کرتا ہوں نہ وہاں کوئی درخت اور جھاڑی کاٹی جائے اور نہ ہی وہاں کوئی جانور شکار کیا جائے۔''

پس مدینہ منورہ کی تحریم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریعی اختیار کی بدولت عمل میں آئی ہے لہٰذا حرم مکہ کی طرح حرم مدینہ کی حدود میں بھی کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں۔ مثلاً یہ کہ وہاں کوئی بھی جنگ وقتال نہیں کر سکتا، درخت نہیں کاٹ سکتا۔ یہ سب تحریمات صرف حرمین شریفین کے لئے ہیں۔ اب اگر کوئی اس طرح کسی اور شہر اور جگہ کو حرم بنا کر حرمین شریفین کی طرح اس کیلئے حرمت وتعظیم کے قواعد اپنی طرف سے وضع کرے تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ حدود سے تجاوز اور شرک فی التحریم ہوگا۔

مدینہ منورہ میں حرمت کی حدیں مقرر کرنے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حرم کی حدیں بھی مقرر فرمائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو ہی حرم قرار دیا تھا۔ نصِ قرآنی کے مطابق مکہ ومکرمہ میں حرم صرف خانہ کعبہ ہے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کو بلدِ حرم ٹھہرایا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے اردگرد چاروں اطراف حدودِ حرم کا تعین فرمایا جس کا تذکرہ صحیح حدیث میں یوں کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ و دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا بالبرکۃ و بیان تحریمھا و تحریم صیدھا و شجرھا و بیان حدود حرمھا، ۲: ۹۹۲، رقم: ۱۳۶۲
۲۔ أحمد بن حنبل فی المسند، ۱: ۱۸۴

وَ قَّتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَة وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ المنَازِلِ وَ لِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَ لِمَنْ اَتٰى عَلِيهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهِلُّهُ مِنْ اَهْلِهِ وَ كَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر کیا، اہلِ شام کے لئے جحفہ کو، اہلِ نجد کے لئے قرن کو اور اہلِ یمن کے لیے یلملم کو۔ یہ مواقیت ان علاقوں کے رہنے والوں کے لیے بھی ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی جو دوسرے علاقوں سے ان مواقیت کی حدود میں آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو اور جو لوگ ان مواقیت کے اندر ہوں وہ اسی جگہ سے احرام باندھیں حتی کہ اہلِ مکہ، مکہ مکرمہ (کے مقام تنعیم) سے احرام باندھیں۔‘‘

حدیثِ مبارکہ میں شہر مکہ کی حدودِ حرمت کا تذکرہ ہے جو ظاہر ہے خانہ کعبہ کی حدود کے علاوہ حدود کا تعین ہے حالانکہ اللہ پاک نے تو صرف خانہ کعبہ کو ہی حرم قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ(۲)

(۱) ۱۔ بخاری الصحیح، کتاب الحج، باب مہل أہل مکة للحج والعمرة، ۲: ۵۵۴، رقم: ۱۴۵۲

۲۔ بخاری الصحیح، کتاب الحج، باب مہل أہل الشام، ۲: ۵۵۵، رقم: ۱۴۵۴

۳۔ مسلم، کتاب الحج، باب مواقيت الحج، ۲: ۸۳۸، رقم: ۱۱۸۱

۴۔ ابو داؤد، السنن، کتاب المناسك، باب فی المواقيت، ۲: ۱۴۳، رقم: ۱۷۳۷

(۲) المائدة، ۵: ۹۷

”اللہ نے عزت (و ادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرمِ مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے)۔“

مذکورہ آیت اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بلدِ حرام کو قرآن نے حرم قرار نہیں دیا اور نہ حدود حرم (میقات) کو قرآن نے متعین کیا بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے شہرِ مکہ کو حرم ٹھہرایا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے مکۃ المکرّمہ کے چاروں طرف حدود حرم کا تعین فرما دیا جہاں سے حج اور عمرہ کرنے والے کے لئے بغیر احرام آگے بڑھنا جائز نہیں ہے ایسے مقامات کو اصطلاحِ شریعت میں مواقیت کہتے ہیں۔ حدودِ حرم کا فاصلہ ہر جانب مختلف ہے۔ مسجدِ حرام سے یہ اطراف درجہ ذیل فاصلے پر ہیں:

۱۔ مدینہ منورہ کی جانب سے تین میل کے فاصلہ پر مقامِ تنعیم (مسجدِ عائشہ رضی اللہ عنہا) پر حرم کی حد ہے۔

۲۔ جدہ کی طرف سے حدِ حرم ۱۰ میل کے فاصلہ پر مقام شُمیس ہے۔

۳۔ عراق کی طرف سے سات میل کے فاصلہ پر جبلِ شنبہ تک

۴۔ طائف کی طرف سے بطن عرنہ تک سات میل کے فاصلہ پر ہے۔

۵۔ جعرانہ کی طرف شعبِ آل عبداللہ بن خالد تک حدِ حرم نو میل ہے۔

۶۔ یمن کے راستے پر سات میل کے فاصلہ پر حدِ حرم ہے۔

ان حدود کے اندر کا خطہ زمین بلد الحرم ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ”حدیں مقرر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ کہ نبی و رسول ﷺ بھی حدودِ تکریم و تعظیم مقرر نہیں کر سکتے لہٰذا جو یہ عقیدہ رکھے گا مشرک ہو جائے گا“ ایسا عقیدہ رکھنا انکارِ قرآن و سنت ہے۔

• شرک فی الأحکام

تحلیل و تحریم وہ شرعی حق ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے خاص ہے۔ انبیاء و رسل عظام علیھم السلام اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے مظہر و نمائندگان ہوتے ہیں اس لئے اس کی منشاء اور اذن و اجازت کے مطابق بعض امور کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہراتے ہیں اگر کسی غیر نبی کو یہ حق دے دیا جائے تو اِس کے معنی یہی ہوئے کہ اُسے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حق میں شریک کر لیا گیا۔ نصاریٰ اس غلو کی علامت بن گئے۔ انہوں نے اپنے احبار و رُھبان کو وہ حقوق دے دیئے جو صرف اللہ و رسول کے لئے خاص تھے۔ قرآن حکیم میں اِن کی یہ گمراہی اِس طرح ظاہر کی گئی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (۱)

''انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں○''

احبار و رُھبان جس چیز کو حلال قرار دیتے اِن کے پیروکار اُسے حلال سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام قرار دیتے وہ اُسے حرام سمجھتے تھے۔ اب بھی اگر کسی غیر نبی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حقِ تحلیل و تحریم میں شریک کر لیا جائے اور اس کے احکامات اور تعلیمات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یا اس کے مثل مان لیا جائے تو یہ شرک فی الاحکام ہو گا۔

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۱

امر و نہی میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کا اشتراک

امر اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم اور فرمان ہے جس پر عمل فرائض دینی میں شامل ہے۔ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے امتیاز و اختصاص پایا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے لئے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ارشاد فرمایا جس کی رو سے ''امر'' مطلقاً اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہاں امر کا اطلاق اس کی ذات پر ہونا جس مفہوم میں ہے وہ الفاظ کی یکسانیت کے باوجود معنی کے اعتبار سے مختلف ہے۔ امر کا لفظ جب اللہ رب العزت کی حاکمیتِ اعلیٰ اور اس کی مطلق فرمانروائی اور متصرف کل ہونے کی طرف راجع ہو تو پھر اس کی مطلق اور مثالی صفت کا مظہر بن جاتا ہے اور جب یہ لفظ حضور اکرم ﷺ اور آپ کی امت کے لئے بولا جائے تو اس کے معانی مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس معنوی تبدیلی کے ادراک سے امر کے معنٰی میں کوئی التباس نہیں رہتا اور شرک کے امکان سے متعلق تمام شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں۔

یہ بدیہی امر ہے کہ خلق اور امر دونوں اللہ تعالیٰ کی امتیازی اور اختصاصی صفات ہیں لیکن قرآن حکیم میں ایسی آیات بھی ہیں جن میں امر و نہی کی صفت غیر اللہ یعنی دیگر مخلوق سے بھی منسوب ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔'' یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا منصبِ نبوت ہے جس کی بجا آوری میں آپ ﷺ بھلائی کے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، اِسے اصطلاحاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نام دیا جاتا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے باب میں یہی الفاظ قرآن نے حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے واجب الاطاعت لوگوں (اولی الامر) کے لئے بھی استعمال کئے ہیں کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بجا لانے پر مامور ہیں۔ اس طرح امر اور نہی دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے صاحبانِ امر لوگوں کی صفت اور خصوصیت بھی ہے۔

ذیل میں بعض آیات کا تقابلی جائزہ اس تصور کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے ممد و معاون ہے:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر

۱۔ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے

۱۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط (۱)

”حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔“

۲۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ قف (۲)

”جان لو! حکم (فرمانا) اسی کا (کام) ہے۔“

۳۔ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o (۳)

(۱) الانعام، ۶:۵۷

(۲) الانعام، ۶:۶۲

(۳) القصص، ۲۸:۷۰

قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر

• اقتدار و اختیار کی صفت انبیاء کرام کو عطا ہوئی

۱۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط (۴)

”اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے۔“

۲۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ. (۵)

”پس آپ ان کے درمیان ان (احکام) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں۔“

• احکامِ شریعت کے عدمِ نفاذ پر مخلوق کو وعید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

(۴) البقرة، ۲:۲۱۳

(۵) المائدة، ۵:۴۸

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر	قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر
’’اور (حقیقی) حکم و فرمانروائی (بھی) اسی کی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے o‘‘ ۴۔ فَالْحُکْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْکَبِيْرِo [1] ’’پس (اب) اللہ ہی کا حکم ہے جو (سب سے) بلند و بالا ہے o‘‘	فَاُولٰئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَo [3] ’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے، سو وہی لوگ کافر ہیں o‘‘ ۲۔ وَ مَنْ لَّمْ يَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَo [4] ’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں o‘‘ ۳۔ وَ مَنْ لَّمْ يَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo [5] ’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں o‘‘

۲۔ مطلق فرماں روائی اللہ ہی کی ہے

۱۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ط [2]

’’فرما دیں کہ سب کام اللہ ہی کے ہاتھ

• احکاماتِ الٰہیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریعی اختیارات

گزشتہ صفحات میں ہم سورۃ الاعراف اور سورۃ التوبہ کی آیات پر سیر حاصل بحث کر

(۱) المؤمن، ۴۰: ۱۲

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۴

(۳) المائدة، ۵: ۴۴

(۴) المائدة، ۵: ۴۵

(۵) المائدة، ۵: ۴۷

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر

میں ہیں۔‘‘

۲۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط(۱)

’’خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔‘‘

قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر

چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ان اختیاراتِ تشریعی کا اجمالی ذکر ہم اسی حصۂ کتاب کے دوسرے باب کی فصل ’’توحید فی القدرۃ‘‘ میں بھی کر آئے ہیں۔

• اُمت مصطفوی ﷺ میں بھی صاحبانِ امر ہیں

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج(۲)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی۔‘‘

۲۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط(۳)

’’اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا

(۱) الاعراف، ۷: ۵۴

(۲) النساء، ۴: ۵۹

(۳) النساء، ۴: ۸۳

www.MinhajBooks.com

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کا ذکر	قرآن حکیم میں مخلوق کے امر و حکم کا ذکر
	خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ (بجائے شہرت دینے کے) اسے رسول (ﷺ) اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو (کسی) بات کا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں اس (خبر کی حقیقت) کو جان لیتے۔‘‘
	۳۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○[1]
	’’تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ○‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۱۰

اگر یہ بات درست مان لی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں دے سکتا تو پھر ان قرآنی آیات کا انکار لازم آئے گا جن میں اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو فرمایا کہ احکاماتِ الٰہی کو تم نافذ کرو اور جو ایسا نہ کرے تو وہ کافر، ظالم اور فاسق و فاجر ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے

توحید فی الاحکام کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریعی حیثیت کے بارے میں راقم خود اپنی ایک عربی تصنیف ''مَکانَۃُ الرِّسالَۃِ وَحُجِّیّۃُ السُّنّۃ'' کا ایک حصہ مع ترجمہ ذیل میں وضاحت کے لیے شامل کر رہا ہے:

إنّ مصدر التّشريع فی عهد النبي ﷺ كان كتاب الله و سنّة رسوله ﷺ إنَّ اللهَ تعالىٰ قَرَنَ اتّباعَ النّبيِّ ﷺ بالإيمانِ بِهِ ﷺ وَ قَرَنَ الإيمانَ بِهِ ﷺ مع الإيمانِ باللهِ تعالى. فلا يجوزُ أنْ يُّفرَّقَ بَيْنَ الإيمانِ بالرّسولِ ﷺ و اتّباعِهِ ﷺ كما لا يجوزُ بين الإيمانِ باللهِ تعالى والإيمان بالرّسول ﷺ. فكلُّ واحدٍ مِّن هٰذين الاَمرينِ يَسْتَلْزِمُ الآخَرَ، فإقْرارُ الاوّلِ يَسْتَوْجِبُ قبولَ الثّانِی، و إنْكارُ الثّانِیْ يَسْتَوْجِبُ ردَّ الأوّلِ. فلا يمكن أنْ يُّقْبَلَ واحدٌ و يُرَدَّ الآخر.

فَانّ هٰذه الأُصُوْلَ بينة و ثابتةٌ مِن قولِهِ تعالى: ﴿مَا قَدَرُوْا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ إِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيءٍ﴾[1]. هٰذه الآيةُ دآلّةٌ على أَنّه لا يوجدُ ولا يُقْبَلُ الاعتراف بقدر اللهِ تعالى ولا بعظمة أُلُوهيّتِهِ قطعاً اِلّا بإقرار الرِّسالةِ والنُّبوّة. لأنّ الرِّسالةَ والنُّبوّةَ هی واسطةٌ وحيدةٌ و وسيلةٌ فريدةٌ لمعرفة وجودهِ تعالى و اُلُوهيّتِهِ

(۱) الأنعام، ۶: ۹۱

ولِتبليغِ شريعتهِ إلى عبادهِ ولتشكُّلِ طاعتهِ لأحكَامهِ وَ أوامرهِ، حيثُ اجتبىٰ الله ﷻ الرُّسُلَ العِظامَ واختارَهم للأَخْذِ من الخالق والإيصالِ إلى الخلق، واصطَفَاهُمُ للقَبُولِ من الخالق والإفُضَالِ على الخلق. واختصهم بالعطاء من الخالق والقَسْمِ بين الخَلْقِ، وَ شَرَّفَهُم بالسماع من الخَالِقِ والرّواية للخلق. و عزّزهم بالوحيِ من الخالقِ والهَدْىِ للُخَلْقِ. وَ أَكرَمَهُم بالكتابِ من الخالقِ والسُّنّةِ للخلقِ.

فلا بُدَّ أن نؤمِنَ باللهِ تعالى وَ نُقِرَّ بِالتَّوحيد و نَعُرِفَ قدرَ الأُلوهيَّة بوَاسِطَةِ الرّسالة و معرفةِ عَظَمَتِها و حُجيّة أُسُوَتِها و اتّباعِ سنَّتِهَا كَمَا قَالَ اللهُ تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾[1] فإنّ هٰذه الآيَة صرَّحت بأنّ اللهَ تعالى لا يُعطِي أمرَهُ ولا يُوصِلُ كلاَمَهُ مباشرةً إلى عالَمِ البشريّةِ والانسانيّة إلاّ بواسطةِ النُّبوّة والرِّسالة.

فإنّه يَصْطَفِي من عبادِهِ أحداً فيَجعلَهُ نبيًّا و رسولًا و يشرِّفه بخطابهِ و يُنزِلُ عليهِ كلاَمَهُ وهو، اى النّبيّ ﷺ يُخاطِبُ الانسانَ وَكَالَةً عنهُ تعالى و يُكَلِّمُ البَشَرَ نيابةً عنهُ تعالى و يُخبِرُهم عن أمرهِ و نهيهِ. فُيَقرِّر اللهُ تعالى خطابَ النّبيِّ علىٰ أنّهُ خِطَابهُ، و كلاَمَ النّبيِّ علىٰ أنَّهُ كلامَهُ، و إخبارَ النّبيِّ علىٰ أَنَّهُ اَخْبَارُهُ، و بيان النّبيّ أنَّهُ بيانهُ، و طاعةَ النّبيِّ على أنها طاعتهُ، و معصيّةَ النّبيِّ على أنها

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۵۱

معصيّتهٗ، و جعلَ سنّةَ النّبيّ سبيلهٗ، و اتّباعَ النّبيّ دليلهٗ، فأعلَنَتِ الملائكةُ بنفس الامرِ كما رویٰ جابر بن عبدالله رضي الله عنه: فَمَن أطاع محمداً فقد أطاعَ الله، ومن عَصى محمّداً فقد عَصى الله، و محمّدٌ فَرُقٌ بين النّاسِ.(۱)

و قال رسولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم، كما رویٰ أبوهريرة رضي الله عنه: من أطَاعنِی فقد أطَاع الله ومن عصانی فقد عصٰی الله. (متّفقٌ عليه).(۲)

و قال تعالی: ﴿اَللهُ أَعلَمُ حَيثُ يَجعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾(۳). هٰذهِ الآية دلّت على أنّ الرِّسالةَ نعمةٌ عظيمةٌ، و منزلةٌ رفيعةٌ، ولا يعلم إلّا اللّٰهُ تعالى بمن يُّكرِمهٗ بهٰذهِ المَكَانَةِ و بمَن يّجعَلُهٗ مَحَلَّ الرِّسالة، لأنّ قولَ الرَّسولِ صلى الله عليه وآله وسلم ليس كمثل قولِ أحدٍ من البشرِ إنّما هو قولٌ مِن عند اللهِ تعالى كما قال الله عزوجل: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ إلاَّ وَحْیٌ يُّوْحٰی﴾(۴) و فِعلَ الرّسولِ صلى الله عليه وآله وسلم ليس كمثل فعل أحدٍ من البشرِ إنّما هو فعلٌ بإذن اللهِ تعالى كما قال عزوجل: ﴿وَمَا

---

(۱) أخرجه البخاری فی الصحيح، كتاب: الاعتصام بالكتاب والسنة، باب: الاقتداء بِسُنَنِ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، ۶:۲۶۵۵، الرقم: ۶۸۵۲

(۲) أخرجه البخاری فی الصحيح، كتاب: الأحكام، باب: قول الله تعالى: أَطِيْعُوا اللهَ وَ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُوْلِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ: [النساء: ۵۹]، ۶:۲۶۱۱، و فی كتاب: الجهاد، باب: يقاتل مِن وراء الإمام و يُتّقٰى به، ۳:۱۰۸۰، الرقم: ۲۷۹۷، و مسلم في الصحيح، كتاب: الإمارة، باب: وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية و تحريمها فی المعصعية، ۳:۱۴۶۶، الرقم: ۱۸۳۵

(۳) الانعام، ۶: ۱۲۴

(۴) النجم، ۵۳:۳۔۴

رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰـكِنَّ اللهَ رَمٰى﴾[1] و صراطَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثلِ صراطِ أحدٍ من البشرِ، انّما هو صراط اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا﴾[2]. و رِضَى الرَّسُوْلِ ﷺ ليس كَمِثْلِ رِضٰى أحدٍ من البشرِ انّما هو رِضَى اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾[3].

و عَطَاءَ الرّسولِ ﷺ ليس كَمِثْلِ عطاءِ أحدٍ من البشرِ إنّما هو عطاءُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰـهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾[4]. و فضلَ الرَّسُوْلِ ﷺ ليس كمثلِ فضلِ أحدٍ مِّنَ البشرِ إنّما هو فضلُ اللّهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِيْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللهِ رَاغِبُوْنَ﴾[5]. و إغناءَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثلِ إغناءِ أحدِ مِّنَ البشر إنّما هو إغناءُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا إِلَّآ اَنْ أَغْنٰـهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[6]. و إنعَامَ الرّسول ﷺ ليس كمثلِ إنعامِ أحدٍ مّنَ البشر انّما هو إنعامُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾[7].

والأدبَ مَعَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثلِ أدبِ أحد مّنَ البشر إنّما هو الأدبُ مع اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[8].

و تعظيمَ الرّسولِ ﷺ ليس كَمِثْلِ تعظيم أحدٍ مّن البشرِ إنّما هو

(۱) الانفال، ۸:۱۷
(۲) الانعام، ۶:۱۲۶
(۳) التوبة، ۹:۶۲
(۴) التوبة، ۹:۵۹
(۵) التوبة، ۹:۵۹
(۶) التوبة، ۹:۷۴
(۷) الاحزاب، ۳۳:۳۷
(۸) الحجرات، ۴۹:۱

تَعْظِيمُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ط وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝﴾(١).

والبَيعةَ على يدِ الرّسولِ ﷺ لَيسَ كمثلِ بيعةِ أحدٍ مّن البشر انّما هى بيعةٌ باللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ ط يَدُاللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾(٢). و دعاءَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثل دعاءِ أحدٍ من البشرِ انّما هو دعاء اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾(٣). و قولِه: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾(۴).

و مُلْكَ الرَّسُولِ ﷺ ليس كمثل ملكِ أحدٍ مِن البشر انّما هو ملكُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾(۵). و إطاعةَ الرّسولِ ﷺ ليس كمثلِ اطاعةِ أحدٍ مّن البشرِ انّما هى اطاعةُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ ج وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾(٦) و قولِه: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ ط وَ مَنْ يُّطِعِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾(٧) و قولِه: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا

(١) الفتح، ۴۸:۸۔۹
(٢) الفتح، ۴۸:۱۰
(٣) النور، ۲۴:۶۳
(۴) الانفال، ۸:۲۴
(۵) الانفال، ۸:۱
(٦) النساء، ۴:۸۰
(٧) النساء، ۴:۱۳

الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ﴾[١] و **معصيّة الرسول** ﷺ ليس كمثل معصيّةِ أحدٍ مّنَ البشر انّما هى معصيّة اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾[٢]، و قوله: ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾[٣].

وَ **مُشاقَّةَ الرَّسُولِ** ﷺ ليس كمثلِ مشاقّةِ أحدٍ مّن البشرِ انّما هى مشاقّةُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوْا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[٤]. و قولهِ: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ج وَمَنْ يُّشَآقِّ اللهَ فَاِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[٥]. و **البراءَةَ مِّنَ الرّسول** ﷺ ليس كمثلِ براءَةِ أحدٍ مّن البشرِ إنّما هى براءَةُ اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿بَرَآءَةٌ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[٦].

و **اَذانٌ مّن الرّسولِ** ﷺ ليس كمثلِ اَذانِ أحدٍ مّن البشرِ إنّما هى اذانٌ من اللهِ تعالى كما قال ﷻ: ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾[٧]. و **أذيّةَ الرَّسُولِ** ﷺ ليس كمثلِ أذيّةِ أحدٍ من البَشَرِ إنما هى اذيّةُ الله تعالى، كما قال ﷻ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

(١) محمد، ۴۷:۳۳
(٢) النساء، ۴:۱۴
(٣) جن، ۷۲:۲۳
(۴) الانفال، ۸:۱۳
(۵) الحشر، ۵۹:۴
(٦) التوبة، ۹:۱
(۷) التوبة، ۹:۳

اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾.[۱]

وَ غضّ الأصوَات عندَ الرَّسُول ﷺ تَعظِيماً لهٗ ليس كمثل إكرام أحدٍ مِنَ البشر إنّما هی عبادةُ الله و تقوی القلوب كما قال ﷻ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾[۲].

و محبّةَ الرّسول ﷺ ليس كمثل محبة أحدٍ من البشر إنّما هی محبةُ الله تعالی. كما قال ﷻ: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾[۳]. و اتّباعَ الرَّسُول ﷺ ليس كمثل إتباعِ أحدٍ من البشر إنّما هی محبة الله و مغفرةً منه كما قال ﷻ: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[۴].

والدعوةَ إلی الرّسُول ﷺ ليس كمثل الدعوة إلی أحدٍ مّن البشر إنّما هی الدعوةُ إلی الله تعالی كما قال ﷻ: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۷
(۲) الحجرات، ۴۹:۳
(۳) التوبة، ۹: ۲۴
(۴) آل عمران، ۳: ۳۱

يَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا﴾(۱)، و قوله: ﴿اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْکُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾(۲). **و مُحَادّةَ الرّسُول** ﷺ ليس کمثل مُحَادّة أحدٍ من البشر إنّما هی محادّةُ الله تعالی کما قال ﷻ: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِکَ الْخِزْیُ الْعَظِيْمُ﴾(۳)، و قوله: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّيْنَ﴾(۴). **و تحريمَ الرّسُول** ﷺ ليس کمثل تحريم أحدٍ من البشر إنما هو تحريمُ الله تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾(۵). **و قضاءَ الرَّسُول** ﷺ ليس کمثل قضاء أحدٍ من البشر إنما هو قضاء الله تعالی کما قال ﷻ: ﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾(۶).

’’عہدِ نبوی ﷺ میں شریعت کے مآخذ قرآن اور سنتِ رسول ﷺ تھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو آپ ﷺ پر ایمان سے مشروط فرما دیا ہے اور آپ ﷺ پر ایمان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ منسلک فرما دیا ہے۔ پس آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اتباع میں فرق کرنا اسی طرح جائز نہیں جس طرح ایمان باللہ اور ایمان بالرّسالت میں فرق کرنا اس طرح جائز نہیں۔ یہ تمام امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے ایک کا اقرار دوسرے کی قبولیت کو مستلزم ہے اور دوسرے کا انکار

(۱) النساء، ۴: ۶۱
(۲) النور، ۲۴: ۵۱
(۳) التوبة، ۹: ۶۳
(۴) المجادله، ۵۸: ۲۰
(۵) التوبة، ۹: ۲۹
(۶) الاحزاب، ۳۳: ۳۶

پہلے کا رد ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ دونوں میں سے کسی ایک کو قبول کرلیا جائے اور دوسرے کو رد۔ یہ تمام اصول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہیں: ’’اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری‘‘۔

’’یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اقرارِ رسالت و نبوت کے بغیر نہ تو اللہ تعالیٰ کی قدر اور عظمتِ اُلوہیت کو پانا ممکن ہے اور نہ اس کے بغیر قدر و عظمت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ رسالت و نبوت وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی اُلوہیت کی معرفت کا تنہا واسطہ اور منفرد وسیلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بندوں تک پہنچانے اور اس کے احکام و اوامر کی اطاعت کی عملی صورت کے لئے بھی وسیلہ و واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رُسلِ عظام کو خالق سے شریعت لے کر مخلوق تک رسائی کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں خالق سے عطائیں وصول کر کے مخلوق کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے مختص فرمایا۔ انہیں خالق سے سماعت اور مخلوق کو بیان کا شرف بخشا۔ انہیں خالق کی طرف سے وحی لے کر مخلوق کو ہدایت دینے کا اعزاز تفویض کیا۔ ان (میں سے بعض انبیاء) کو کتاب ہدایت سے بھی نوازا اور ان کے طریقوں کو مخلوق کے لئے سنت بنا دیا۔ پس ضروری ہے کہ ہم رسالت کے واسطہ و معرفت، اسوۂ رسول کی حجیت اور اتباع کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، توحید کا اقرار کریں اور الوہیت کی قدر جانیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور

رسول ہی ہوگا)، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔‘‘

’’یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو واسطۂ نبوت و رسالت کے بغیر نہ تو عطا فرماتا ہے اور نہ اس کا کلام براہِ راست عالمِ بشریت اور انسانیت تک پہنچ سکتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو منتخب فرما کر اسے نبی بناتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے۔ وہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہو کر انسان کو مخاطب فرماتے ہیں اور بطور نائبِ باری تعالیٰ مخلوق سے کلام فرماتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے امر و نہی سے آگاہ فرماتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ خطابِ نبی کو اپنا خطاب، کلامِ نبی کو اپنا کلام، خبرِ رسول کو اپنی خبر، بیانِ نبی کو اپنا بیان، طاعتِ نبی کو اپنی طاعت، معصیتِ نبی کو اپنی معصیت، سنتِ نبی کو اپنا راستہ اور اتباعِ نبی ﷺ کو اپنی رہنمائی قرار دیتا ہے۔ اور ملائکہ نے بھی اسی چیز کا اعلان کیا جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: (کچھ فرشتے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا ......) ’’جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ اچھے اور برے لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں۔‘‘ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ خوب جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے۔‘‘ یہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ رسالت عظیم نعمت اور منزلِ رفیع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کسے اس مرتبہ پر فائز کرنا ہے اور کسے اپنی رسالت کا حقدار ٹھہرانا ہے کیونکہ:

’’**فرمانِ رسول ﷺ** کسی عام فرد بشر کے قول کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: ''اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے ○ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے○''

''**فعلِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی طرح کا فعل نہیں بلکہ وہ تو اذنِ الٰہی سے صادر ہونے والا فعل ہے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: ''اور (اے حبیب محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

''**صراطِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر میں سے کسی کے راستہ کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور یہ (اسلام ہی) آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔''

''**رضائے رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی رضا کی طرح نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)۔''

''**عطائے رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی عطا کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا۔''

''**فضل رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے فضل کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اسی کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ

کرتے تو یہ بہتر ہوتا)۔“

”**غنائے رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے غنا کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا غنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور وہ (اسلام اور رسول ﷺ کے عمل میں سے) اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔“

”**انعامِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے انعام کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جس پر اللہ نے انعام فرمایا تھا اور اس پر آپ نے (بھی) اِنعام فرمایا تھا۔“

”**ادبِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کے ادب کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا ادب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہوجائے)، بیشک اللہ (سب کچھ) سننے والا خوب جاننے والا ہے۔“

”**تعظیمِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی تعظیم کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ٥ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو ٥“

”**بیعتِ رسول** ﷺ کسی عام فردِ بشر کی بیعت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں

پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔‘‘

’’**ندائے رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے بلاوے کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا بلانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو (جب رسولِ اکرم ﷺ کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول ﷺ کی ذاتِ گرامی تمہاری مثل کیسے ہوسکتی ہے)۔‘‘

’’**ملکیتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی ملکیت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اے نبیِّ مکرّم) آپ سے اموالِ غنیمت کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیجئے: اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔‘‘

’’**اطاعتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی اطاعت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے اسے وہ بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔‘‘ اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے: ’’اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔‘‘

’’**معصیتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی معصیت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلّت انگیز

عذاب ہے۔'' اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے: ''مگر اللہ کی جانب سے اَحکامات اور اُس کے پیغامات کا پہنچانا (میری ذِمّہ داری ہے)، اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو بیشک اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

''**مخالفتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی مخالفت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے۔ ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے شدید عداوت کی (ان کا سرغنہ کعب بن اشرف نامور گستاخِ رسول تھا)، اور جو شخص اللہ (اور رسول ﷺ کی) مخالفت کرتا ہے تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

''**لاتعلقی رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی بیزاری و لاتعلقی کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے بیزاری (و دست برداری) کا اعلان ہے ان مشرک لوگوں کی طرف جن سے تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا (اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے تھے)۔''

''**اعلانِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے اعلان کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''(یہ آیات) اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کی طرف حجِ اکبر کے دن اعلانِ (عام) ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول (ﷺ) بھی (ان سے بری الذّمہ ہے)۔''

''**اذیتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی اذیت دینے کی مثل نہیں بلکہ وہ تو

اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لئے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

’’**غضِ صوت عند الرسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی تکریم کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دلوں کا تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’بیشک جو لوگ رسول (ﷺ) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چُن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔‘‘

’’**محبتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی محبت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔‘‘

’’**اتباعِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے اتباع کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی طرف سے مغفرت کا باعث ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

’’**دعوت الی الرسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی طرف دعوت کی مثل نہیں

بلکہ وہ تو دعوت الی اللہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں۔‘‘ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم (سراپا) اطاعت پیرا ہو گئے۔‘‘

’’**محادت و عداوتِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی محادت و عداوت کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی محادت و مخالفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے۔‘‘ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ’’بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔‘‘

’’**تحریم رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کی تحریم کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی تحریم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔‘‘

’’**قضاءِ رسول ﷺ** کسی عام فردِ بشر کے قضاء و حکم یا فیصلہ کی مثل نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اور نہ کسی مؤمن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو۔‘‘

حضور ﷺ احکام میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہیں

(علامہ ابنِ تیمیہ کا موقف)

مندرجہ بالا مضمون کی تائید علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی کی ہے۔ علامہ موصوف نے اپنی کتاب ’’الرسالة التدمّرية‘‘ میں اسی طرح تسلسل کے ساتھ ان صفات کا تذکرہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کے درمیان مشترک ہیں۔ اس بحث کو ہم آئندہ باب ۱۰ کے آخر میں درج کر رہے ہیں۔ یہاں ہم موضوع زیرِبحث سے متعلق علامہ ابن تیمیہ کی مشہورِ زمانہ کتاب ’’الصارم المسلول‘‘ کا اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں انہوں نے قرآنی آیات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ امر و نہی جیسے احکامِ الٰہیہ میں اللہ کے نائب ہیں، وہ لکھتے ہیں:

أنه قَرَن أذاه بأذاه كما قَرَن طاعته بطاعته، فمن آذاه فقد آذى الله تعالى، و قد جاء ذلک منصوصًا عنه، و من آذى الله فهو كافرٌ حلالُ الدَّمِ، يُبَيِّنُ ذلک أنَّ الله تعالى جَعَلَ محبة اللهِ و رسولِه و إرضاءَ الله و رسولِه و طاعةَ اللهِ و رسولِهِ شيئًا واحدًا. فقال تعالى: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [التوبة، ۹: ۲۴] و قال تعالى: ﴿وَ اَطِيْعُوا اللهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ [آل عمران، ۳: ۱۳۲] في مواضع متعددة و قال تعالى: ﴿وَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ [التوبة، ۹: ۶۲] فوحَّدَ الضمير، و قال أيضًا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ﴾ [الفتح، ۴۸: ۱۰] و قال أيضًا: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [الانفال، ۸: ۱]

و جعل شِقَاقَ الله و رسوله و محادَّةَ الله و رسوله و أذى الله و رسوله و معصيَةَ الله و رسوله شيئًا واحدًا، فقال: ﴿ذَالِکَ بِاَنَّهُمُ شَآقُّوا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [الانفال، ۸:۱۳] و قال: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ﴾ [المجادلة، ۵۸:۲۰] و قال تعالى: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ [التوبة، ۹:۶۳] و قال: ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ [النساء، ۴:۱۴].

حق الله و حق رسوله متلازمان

و في هذا وغيره بيان لتلازم الحقين و أن جهة حرمة الله تعالى و رسوله جهة واحدة، فمن آذى الرسول فقد آذى الله، و من أطاعه فقد أطاع الله، لأن الأمَّةَ لا يَصِلُون ما بينهم و بين ربهم إلّا بواسطة الرسول، ليس لأحدٍ منهم طريقٌ غيرهُ، ولا سببٌ سواه، **و قد أقامه الله مقَامَ نفسِهِ في أمرِهِ و نَهْيِهِ و إخبارِهِ و بيانِه، فلا يجوز أن يُفَرَّقَ بين الله و رسوله في شيءٍ من هذه الأمور**.(۱)

’’اللہ رب العزت نے اپنی ایذا کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ایذا اور اپنی اطاعت کو آپ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ متصل جوڑ کر ایک چیز بنا دیا، احادیثِ مبارکہ میں بطورِ نص آپ ﷺ سے منقول ہے، اور جو شخص اللہ کو ایذا دے وہ کافر اور مباح الدم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت، اپنی رضا مندی اور نبی اکرم ﷺ کی رضا مندی اور اپنی اطاعت اور حضور ﷺ کی اطاعت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ (اور ان کے درمیان ہر قسم کے فرق اور تفریق کو ختم کر دیا ہے) پس ارشادِ باری

(۱) ابن تیمیہ، الصارم المسلول علی شاتم الرسول: ۴۵-۴۶

تعالیٰ ہے: ''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔''

''اور باری تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو۔'' اس طرح کے ارشادات قرآن مجید میں متعدد مقامات میں فرمائے ہیں۔ اور فرمایا: ''اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے (رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)۔''

''اس آیتِ کریمہ یُرۡضُوۡهُ میں اللہ اور رسول ﷺ کے لئے ضمیر واحد لائی گئی ہے (تاکہ کوئی دوئی، غیریت اور ثنویت نہ رہے)

''پھر ارشاد فرمایا: ''(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔''

''اور فرمایا: ''(اے نبی مکرم!) آپ سے اموالِ غنیمت کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیجئے: اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول ﷺ ہیں۔''

''اسی طرح اللہ تعالیٰ نے (ان آیات میں) اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت، اللہ اور رسول ﷺ کی عداوت، اللہ اور رسول ﷺ کی اذیت اور اللہ اور رسول ﷺ کی معصیت و نافرمانی کو ایک ہی چیز قرار دیا۔ پس فرمایا: ''یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے۔''

''اور فرمایا: ''بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عداوت رکھتے

ہیں۔‘‘

’’پھر فرمایا: ’’جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے۔‘‘

’’اور فرمایا: ’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے۔‘‘

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق باہم لازم و ملزوم ہیں

’’مذکورہ بالا آیات اور اس طرح کی دیگر آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق باہم لازم و ملزوم ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی عزت و حرمت کو ایک ہی حرمت قرار دیا ہے پس جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی، اور جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اس لئے کہ امت میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا سوائے واسطۂ رسول ﷺ کے۔ واسطۂ رسول ﷺ کے علاوہ تعلق باللہ استوار کرنے کا کسی کے پاس کوئی اور راستہ اور سبب نہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنا قائم مقام بنایا ہے، امر و نہی میں علم کی خبر دینے اور بیان کرنے میں۔ پس ان امور میں سے کسی ایک میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان تفریق اور دوئی جائز نہیں۔‘‘

اسی باب میں قاضی عیاض نے ’’الشفاء‘‘ میں سیدنا امام جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ عنہ کا درج ذیل قول نقل فرمایا ہے:

عَلِمِ اللہُ عجزَ خلقهِ عن طاعتهِ فَصَّرفهم ذالک، لکی یعلموا أنّهم لا ینالون الصفو مِن خدمتهِ، فأقام بینهم و بینهُ مخلوقاً مِن جنسِهم فی الصُّورة و أَلْبَسهُ مِنْ نَعتِهِ الرأفةَ والرحمةَ و أخرجَهُ الی الخلقِ سفیراً صادقاً و جَعَلَ طاعتَهُ طاعتَهُ و موافقتَهُ موافقتَهُ. فقال تعالی: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ﴾ (النساء: ۸۰) و قال اللہ تعالی:

(۱) قاضی عیاض، الشفاء، ۱: ۱۶

﴿وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)۔(۱)

’’حضرت امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کی اطاعت میں عاجز دیکھا تو ان کو اس کی معرفت کرائی تاکہ وہ جان لیں کہ وہ اس کی خدمت و عبادت صفائی قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان صورتاً مماثلت کر کے ان کی جنس میں سے ایک مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) پیدا فرمائی اور ان کو اپنی صفتِ رأفت و رحمت سے نوازا اور اس مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) کو ان لوگوں کے لئے سفیر و واسطہ اور پیامبر بنایا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی موفقت کو اپنی موافقت کہا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔‘‘

’’ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔‘‘

www.MinhajBooks.com

تصورِ شرک

اور

چند اہم توضیحات

۱۔ توحید و شرک اور حقیقت و مجاز کا قرآنی تصور

۲۔ توحید و شرک اور صفات و افعال میں اشتراک

۳۔ توحید کے تناظر میں ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کا صحیح مفہوم

۴۔ توحید کے تناظر میں ’’وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ‘‘ کا صحیح مفہوم

۵۔ تعظیم اور عبادت میں فرق

www.MinhajBooks.com

باب نہم

توحید و شرک

اور

حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر

www.MinhajBooks.com

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی لفظ کا استعمال اور اس کا کسی امر پر اطلاق بطریقِ حقیقت بھی جائز ہے اور بطریقِ مجاز بھی۔ مگر اس شرط کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ مجاز کا استعمال وہاں کیا جائے جہاں مجاز کا محل ہو۔ ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بہت سے امور میں حقیقت و مجاز کے الفاظ کا استعمال کرتے رہتے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً اگر کسی کا بچہ جاں بہ لب ہو اور ڈاکٹر کے علاج سے اس کی جان بچ گئی تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر کے اعجازِ مسیحائی نے میرے بچے کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ اس اندازِ گفتگو میں حقیقت اور مجاز دونوں بیان ہوئے ہیں۔ درحقیقت بچانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر ڈاکٹر شفایابی کا وسیلہ اور ذریعہ بن گیا۔ اس طرح ایک اور مثال کسی ڈرائیور کی ہے، جس کی گاڑی کے نیچے آکر حادثاتی طور پر بچہ کچلا گیا اور باپ کہنے لگا کہ اس ڈرائیور نے میرے بچے کو مار دیا حالانکہ ڈرائیور محض بچے کی حادثاتی موت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور حقیقت میں مارنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ایسے امور میں حقیقت اور مجاز پر مبنی دونوں الفاظ بولے جاتے ہیں۔ پس دینا، لینا، مارنا، جلانا وغیرہ تمام امور میں حقیقت ومجاز کا استعمال ایک معمول کی بات ہے۔

ا۔ حقیقت ومجاز کے لئے بعض الفاظ کا استعمال

اس ضمن میں بعض الفاظ توسُّل کے پیرائے میں بول دیے جاتے ہیں اور اس سے توکُّل مراد نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کی نسبت کہہ دیا جاتا ہے کہ ''آپ کی نظرِ کرم، نگاہِ عنایت و توجہ سے میری زندگی کے شب و روز کٹ رہے ہیں'' تو یہ الفاظ مجاز وتوسل کے معنی میں ہیں حقیقت کے معنی میں نہیں۔ اس طرح کے بے شمار کلمات، اشعار اور جملے بمعنی توسل بیان ہوتے ہیں بمعنی توکل نہیں۔ حتی کہ اگر کوئی لفظ استعانت اور استغاثہ کے طور پر

حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی استعمال ہوگا تو وہ بھی توسُّل کے معنی میں ہوگا توکُّل کے معنی میں نہیں کیونکہ توکل کا اطلاق مستعانِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کریمانہ ہے اور اسی کی طرف سب امور لوٹائے جاتے ہیں۔

۲۔ عبادت میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں

سورۃ الفاتحہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ○

”(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں○“

اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس فرمانِ الٰہی کی موجودگی میں ہمارے لئے کسی اور سے مدد لینا جائز نہیں کیونکہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور حقیقی معین و مددگار اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے اور مانتے ہیں تو کسی غیر سے مدد لینے کا کیا جواز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف عبادت ایک ایسا عمل ہے جس میں حقیقی، مجازی اور استعاراتی تقسیم نہیں کی جاتی۔ عبادت میں سرے سے حقیقت اور مجاز کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس میں مجاز کا سوال ہی خارج از بحث ہے کیونکہ عبادت یا تو عبادت ہے یا پھر نہیں ہے۔ جبکہ استغاثہ یعنی مدد میں عبادت سے کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی، اس کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ استغاثہ حقیقی

۲۔ استغاثہ مجازی

www.MinhajBooks.com

نظامِ زندگی باہمی مدد و استعانت کے سہارے چل رہا ہے

اس تقسیم کو بہرحال ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس طبعی اور مادی دنیا میں زندگی کا انحصار انسانوں کے ایک دوسرے سے باہمی تعامل وتعاون پر رکھا

ہے۔ جہاں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی پڑتی ہے اور مدد لینا بھی پڑتی ہے۔ ہمارے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بطور معیار موجود ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی مدد کی، انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے باہر نکالا اور انسانی زندگی کو اخلاقِ عالیہ سے سنوارا تاکہ وہ نیکوکار انسان، بھلے اور اچھے مسلمان بن جائیں۔ گویا یہ اس امر کی تعلیم ہے کہ امتِ مسلمہ کے افراد کو ایک دوسرے کی مدد کرنا، نصیحت اور خیر خواہی پر مبنی سلوک کرنا عملی طور پر ان کی مدد و استعانت ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے استاد اپنے شاگردوں کی، والدین اپنے بچوں کی، بزرگ نوجوانوں کی اور بھائی بہنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ طاقتور کمزور کی مدد کرے، حاکم رعایا کی اور ہمسایہ پڑوسی کی۔ جب تمام دینی اور دنیاوی نظام اس باہمی مدد و استعانت کے سہارے پر چل رہے ہیں تو کس منطق سے اسے شرک تصور کیا جائے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور عقیدۂ توحید محض مذاق بن کر رہ جائے۔

ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے گئے ہیں

فی الحقیقت یہ تمام کائنات ایک دوسرے کی مدد و استعانت کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے انسان تو انسان، ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے جاتے ہیں جنہیں قرآن نے مُدَبِّراتُ الْاَمْر سے موسوم کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○[1]

''پھر ان (فرشتوں) کی قسم جو مختلف امور کی تدبیر کرتے ہیں ○''

یہ سب ایک نظام کے تحت ہے جس کے مطابق باہمی مدد و استعانت جائز ہے۔ اس اصول کی روشنی میں انبیاء اور اولیاء سے استعانت کا جواز خود بخود فراہم ہو جاتا ہے۔

(۱) النازعات، ۷۹:۵

۳۔ حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں

عملی زندگی میں حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں تین ہوسکتی ہیں:

۱۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں حقیقت و مجاز کی تقسیم قابلِ عمل نہیں۔ ان مبنی برحقیقت امور میں کسی امر کے لئے مجاز ثابت کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال عبادت کی ہم دے چکے ہیں جس میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں۔

۲۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں حقیقت و مجاز کی تقسیم ممکن تو ہے مگر تقسیم کی ضرورت اس لئے نہیں پڑتی کہ جو امور اللہ تعالی کے لئے ثابت ہیں وہ اس کی شان کے لائق ہیں اور اسی طرح جو امور مخلوق کے لئے ثابت ہیں وہ ان کے حسبِ حال ہیں۔

۳۔ بعض امور ایسے ہیں جن کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے اور مخلوق کے لئے بھی مگر جب ان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہو گی تو وہ حقیقی معنی میں ہوں گے اور جب مخلوق کے لئے ہوں گے تو وہ مجازی معنی میں ہوں گے جیسے انبیاء و اولیاء سے مدد طلب کرنا وغیرہ۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ بعض لوگ توحید سے متعلق چند آیات سیاق و سباق سے جدا کر کے لے لیتے ہیں اور ان کا اطلاق ایسے امور پر بھی کر دیتے ہیں جہاں حقیقت و مجاز کی تقسیم لازم ہے۔ اس سے لامحالہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ ہم حقیقت و مجاز پر مبنی ہر حکم کو اس کی حقیقت اور حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ یہاں پر قرآن مجید کی آیات سے حقیقت و مجاز کے استعمال اور اطلاق کے نمونہ کی آیات ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ حقیقت و مجاز کا اطلاق قرآن حکیم کی روشنی میں

۱۔ لفظِ ''خَلق'' کا استعمال اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لئے

قرآنِ حکیم میں بعض مقامات پر حقیقت و مجاز کا صراحۃً استعمال کیا گیا ہے اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:

اَ لَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط(۱)

’’خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

اَنِّیٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ. (۲)

’’میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں۔‘‘

پہلی آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے لئے ’’خلق‘‘ اور دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے لئے ’’خَلق‘‘ کا لفظ استعمال کیا۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے کہ لفظِ ’’خَلق‘‘ پہلی جگہ حقیقی معنی میں اور دوسری جگہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

یہ اسلوبِ قرآنی ہے کہ کبھی فعل کو دن کی طرف، کبھی زمانے کی طرف، کبھی حالات کی طرف اور کبھی کسی برگزیدہ بندے کی طرف منسوب کر دیتا ہے جیسے اللہ عزوجل کا برگزیدہ بندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندگی، بینائی اور شفا کا وسیلہ بنے تو ان صفات کو ان کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان ہے کہ وہی کسی کو زندگی، موت اور شفا دیتا ہے۔ وہی کسی کو ہدایت دیتا ہے اور کسی کا مقدر گمراہی ٹھہرا دیتا ہے۔ کلام کے اس اسلوب کو کوئی نادان ہی شرک پر محمول کرے گا۔

۲۔ لفظِ وَهَّاب کا حقیقی اور مجازی استعمال

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ کا توسلِ مکانی کرتے ہوئے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے دعا مانگی، اس دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) الاعراف، ۷:۵۴

(۲) آل عمران، ۳:۴۹

قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○[1]

’’عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ○‘‘

دُعا کے الفاظ میں رَبِّ هَبْ لِیْ مذکور ہے جس سے اللہ رب العزت کی شانِ عطا کا بیان ہو رہا ہے۔

اَلْوَهَّابُ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی نام سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا مانگی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ م بَعْدِیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○[2]

’’عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسّر نہ ہو، بیشک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے ○‘‘

اللہ تعالیٰ کو ’’اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ‘‘ اے رب! ’’بے شک تو ہی وہاب ہے‘‘ کہہ کر پکارا جائے تو وہ اپنے خزانۂ غیب سے بے نواؤں کو جھولیاں بھر بھر کر نعمتیں عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حقیقی معنوں میں وہاب ہے مگر اس کے وہاب ہونے کی اس صفت کی مجازاً مخلوق کی طرف نسبت بھی جائز ہے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہما السلام کے پاس انسانی شکل وصورت میں آئے تو آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ صلے لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ○[3]

(۱) آل عمران، ۳:۳۸

(۲) ص، ۳۸:۳۵

(۳) مریم، ۱۹:۱۹

’’میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروںo‘‘

قرآن حکیم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بصورتِ بشری اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مقبول بندی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آنے کو بیان کیا کہ وہ ان کی خلوت گاہ میں حاضر ہو کر گویا ہوئے:

’’میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔‘‘

صیغۂ واحد متکلم لِاَهَبَ لَکِ کا مفہوم یہ ہے کہ میں ’’آپ کو عطا کروں۔‘‘

حضرت مریم علیہا السلام کو جبریل امین علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تمہیں بیٹا دینے آیا ہوں صرف مجازی معنوں میں ہے کیونکہ حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ رب العزت ہے۔ یہاں جبریلِ امین علیہ السلام بیٹا دینے اور خوشخبری سنانے کا وسیلہ بنے اگرچہ بظاہر انہوں نے یہ عمل اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور کیے جانے پر اپنی طرف منسوب کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو اپنا پیغام رساں بنا کر بھیجتا ہے تو اسے اس کام کی ہمت اور طاقت بھی عطا فرماتا ہے۔

مجازی معنی میں جبرائیل علیہ السلام بھی اس لئے وہاب ہیں کہ وہاب اسے کہتے ہیں جو کسی کو کچھ دیتا ہے۔ گو وہاب، اللہ کی صفت ہے اور حقیقت میں وہی ہر نعمت کا دینے والا ہے لیکن اگر مجازی معنوں میں کسی کو وہاب کہہ دیا جائے تو یہ شرک نہ ہو گا۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے جب اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ اللہ کا فرستادہ (رسول) بن کر جو کچھ کہا وہ شرک نہ ہوا اس لیے کہ رب کا نمائندہ بن کر جو کچھ عطا کیا وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے اسی کی عطا ہے۔

۳۔ لفظِ رب کا حقیقی اور مجازی استعمال

رب اللہ تعالیٰ کا پہلا صفاتی نام ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی پہلی سورت، سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO(۱)

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہےO''

یہ ذہن نشین رہے کہ لفظِ رب ایک واضح قطعی اور حتمی صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قرآن مجید میں جابجا متعارف کرایا ہے۔

لیکن اسی لفظِ رب کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر کے لئے بھی استعمال کیا۔ ان کی اس گفتگو کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ج وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ط قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِO وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ز فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَO(۲)

''اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک (کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ) اپنے مربی (یعنی بادشاہ) کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا (جس نے سر پر روٹیاں دیکھی ہیں) تو وہ پھانسی دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر) کھائیں گے، (قطعی) فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم دریافت کرتے ہوO اور یوسف (علیہ السلام) نے اس شخص سے کہا

(۱) الفاتحۃ، ۱:۱

(۲) یوسف، ۱۲:۴۱۔۴۲

جسے ان دونوں میں سے رہائی پانے والا سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاید اسے یاد آ جائے کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا نتیجتاً یوسف (علیہ السلام) کئی سال تک قید خانہ میں ٹھہرے رہے‘‘

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ دو افراد حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانے میں اسیر تھے اور انہوں نے خواب دیکھ کر اپنا خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کو سنایا اور اس کی تعبیر چاہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیرِ خواب بتا دی ان میں سے ایک کو کہا کہ وہ اپنے رب یعنی بادشاہ کو شراب پلایا کرے گا اور اسی رہائی پانے والے شخص سے یہ بھی کہا کہ مجھے ایک معینہ مدت کے لئے قید میں ڈالا گیا تھا جو گزر گئی ہے تم قید سے رہائی پانے کے بعد اپنے رب یعنی آقا سے جو مجھے بھول گیا ہے میرا ذکر کرنا کہ میں مدتِ قید پوری کرنے کے بعد بھی جیل میں پڑا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سیدنا یوسف علیہ السلام نے مذکورہ قیدی سے بادشاہِ مصر کا ذکر کرتے ہوئے دو مرتبہ لفظِ رب استعمال کیا حالانکہ یہ علاقائی زبان میں روز مرہ گفتگو کا لفظ تھا اور رہائی پانے والے قیدیوں میں متداول نہ تھا، وہ اسے بادشاہ اور آقا وغیرہ کہتے تھے اور حقیقی معنوں میں یہی کہنا چاہئے تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے استعاراتی اور مجازی معنی میں لفظِ ’’رب‘‘ بادشاہ کے لئے استعمال کیا جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی کو مجازی طور پر رب کہنا بھی شرک نہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس لفظ کی ممانعت میں صراحتاً اور وضاحتاً کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت سمجھی کیونکہ اس علاقے کی روزمرہ زبان میں بادشاہ کے لئے ’’رب‘‘ کا لفظ استعمال کرنا معمول بن چکا تھا۔ اس قسم کی وضاحت طلب کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن کا شعار ہی لفظوں کی کھال اتار کر لوگوں کو خواہ مخواہ شرک سے مطعون کرنا ہے۔

آگے قرآن مجید میں رہائی پانے والے قیدی کے حوالے سے بیان ہے کہ

اسے بھی شیطان نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا۔ اس مقام پر اللہ رب العزت نے خود بھی بادشاہ کے لئے لفظِ ''رب'' ارشاد فرمایا ہے جو آیت کے الفاظ ذِكْرَ رَبِّهٖ سے واضح ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ حقیقی رب اللہ تعالیٰ نے عزیزِ مصر یا بادشاہِ مصر جو ایک عام انسان تھا کے لئے اپنی صفت ''رب'' کا استعمال مجازاً فرمایا تو کسی مربی کو رب کہنا شرک نہیں ہوتا ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہرگز بادشاہِ مصر کو قرآن میں ''رب'' کے لفظ سے نہ پکارتا۔

اسی طرح مجازی معنی میں والدین اپنی اولاد کے لئے بمنزلہ رب ہیں کہ وہ ان کی پرورش کے ذمے دار ہیں۔ والدین کے حق میں ایک دعائیہ التجا کی قرآن مجید نے تلقین کی ہے جو اس طرح ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○[1]

''اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں (میرے والد اور والدہ) پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا ○''

اس دعا میں کائنات کے خالق و مالک پروردگار سے التجا کی جا رہی ہے کہ اے میرے رب تو میرے والدین کو اپنے رحم اور لطف و کرم سے اس طرح نواز جس طرح وہ صغرِ سنی میں میرے لئے رب (پرورش کرنے والے) بنے، شیرخوارگی اور طفلی کے ان ایام میں انہوں نے مجھے پالا پوسا اور اپنی ربوبیت کے دامن میں لے لیا اور میری ضروریات و حاجات کو پورا کرتے رہے۔ اس آیتِ کریمہ میں رَبَّيٰنِيْ کے الفاظ قابلِ غور ہے جس کی تلقین خود رب العالمین نے فرمائی ہے۔

لفظِ رب اسی طرح اساتذہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی روحانی اور اخلاقی پرورش اور تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ رب ہونے کے یہ معانی مجازی و استعاراتی ہیں۔ مفہوم بدل جانے سے ایسا کہنے میں شرک کا کوئی احتمال اور شائبہ نہیں رہتا۔

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۴

ایک سبق آموز علمی نکتہ

قرآن کی رو سے جیسے بادشاہ کے لئے رب کا لفظ مجازاً کہہ دینے سے وہ حقیقی رب نہیں بن جاتا۔ اسی طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ﷛ کو غوث الاعظم اور حضرت علی ہجویریؒ کو داتا گنج بخش کہہ دینے سے شرک نہیں ہوتا کیونکہ غوث اور داتا رب سے بڑے الفاظ نہیں ہیں جو مجازاً بول دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ''یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ اور یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا '' حضور ﷺ سے توسل اور استغاثہ کے لئے مجازی معانی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اس سے وہ حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاتے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کیلئے خاص ہیں۔

۴۔ ایمان میں زیادتی کی نسبت آیاتِ الٰہی کی طرف

ایمان میں زیادتی کا حقیقی مسبّب اللہ رب العزت کی ذات وحدہ لاشریک ہے مگر بعض آیاتِ قرآنی میں ایمان کی زیادتی کو خود آیاتِ قرآنی ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَo(۱)

''اور جب ان پر اس (اللہ) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)o''

یہاں ان آیات کی طرف ایمان میں زیادتی کی نسبت مجازِ عقلی ہے کیونکہ ایمان میں زیادتی کا سبب درحقیقت خود اللہ ﷯ کی ذات ہے۔ آیتیں محض ایمان بڑھانے کا ذریعہ اور سبب بنتی ہیں۔

(۱) الانفال، ۸:۲

۵۔ حقیقتاً ھادِی اور مُضِل ذاتِ باری تعالیٰ ہے

قرآن مجید نے انتہائی بلیغ انداز سے ایک اہم بات سورۃ البقرۃ کی آیت میں صراحت سے بیان کر دی ہے۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَاط فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْج وَ اَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًام یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًاط وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَo[1]

’’بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ (سمجھانے کے لئے) کوئی بھی مثال بیان فرمائے (خواہ) مچھر کی ہو یا (ایسی چیز کی جو حقارت میں) اس سے بھی بڑھ کر ہو، تو جو لوگ ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے حق (کی نشاندہی) ہے، اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ (اسے سن کر یہ) کہتے ہیں کہ ایسی تمثیل سے اللہ کو کیا سروکار؟ (اس طرح) اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو (پہلے ہی) نافرمان ہیںo‘‘

اللہ کی ذات ہی ھَادِی اور مُضِل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ رب العزت کے صفاتی اسماء ہیں۔ ہدایت سے سرفراز کرنا اور شامت اعمال سے گمراہی میں مبتلا کر دینا صفاتِ الٰہیہ ہیں۔

جس طرح یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ہیں اس طرح ان کا اطلاق انسانوں پر بھی کیا جا سکتا ہے جو بعض کو ہدایت سے ہمکنار اور بعض کو ضلالت وگمراہی سے دوچار

(۱) البقرۃ، ۲:۲۶

کر دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہادی ہیں، اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنَّکَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۱)

’’اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں○‘‘

جبکہ مضلین (گمراہ کرنے والوں) کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ○ (۲)

’’اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو (اے میرے رب!) تو (بھی ان) ظالموں کو سوائے گمراہی کے (کسی اور چیز میں) نہ بڑھا○‘‘

سورۂ نوح کی اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت ساروں کو گمراہ کیا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو گمراہ تو وہ خود ہو رہے ہیں دوسروں کو کیا گمراہ کریں گے۔ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہدایت دینے کی طرح گمراہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے ان گمراہوں سے اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہ گمراہی کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہے ہیں اس لئے یہ لفظ مجازاً ان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

آگے اسی سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی اللہ کے حضور التجا کا ذکر ہے:

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○ (۳)

’’بیشک اگر تو اُنہیں (زندہ) چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار (اور) سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے○‘‘

حضرت نوح علیہ السلام عرض گزار ہیں کہ اے رب کریم! اگر ان کو ڈھیل دی گئی تو یہ راہ راست پر نہیں آئیں گے اور اپنی اولاد کو ورثہ میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں دیں گے۔

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۵۲

(۲) نوح، ۷۱:۲۴

(۳) نوح، ۷۱:۲۷

یعنی اس آیت کریمہ میں بھی ان گمراہوں کو مضل کہا حالانکہ گمراہ تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ٹھہراتا ہے مگر چونکہ وہ گمراہی کا سبب بنتے ہیں اس لئے اِضلال کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔

۶۔ فعل ''یَجۡعَلُ'' کی نسبت یومِ حساب کی طرف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكَيۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ كَفَرۡتُمۡ يَوۡمًا يَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِيۡبًا ۝ (۱)

''اگر تم کفر کرتے رہو تو اُس دن (کے عذاب) سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ۝''

یومِ حساب کی ہولناکیوں کے حوالے سے قرآن مجید نے بیان کیا کہ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہاں دن کو بوڑھا کر دینے کا سبب قرار دیا گیا ہے حالانکہ قیامت کی ہولناکیاں، حساب و کتاب، غم و اندوہ اور خوف انسان کو بوڑھا کر دینے کا سبب بنیں گے جو مُسبَّب ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس آیت میں مسبِّب کی بجائے سبب کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے اسلوبِ بیان سے پتا چلا کہ استعاراتی اور مجازی معنی میں کسی چیز کو بیان کرنا جائز ہے اور مسبب کی بجائے سبب کی طرف کسی چیز کو منسوب کرنا شرک نہیں ہوتا۔

۷۔ عام معاشرتی زندگی میں حقیقت و مجاز کا استعمال

ہماری روزمرہ زندگی کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ اپنے اختیارات کسی دوسرے شخص کو سونپ دیتے ہیں جس کو بروئے کار لا کر مختلف لوگوں سے کام کرائے جاتے ہیں مثلاً ٹھیکیدار کسی سڑک اور عمارت کا کام مزدوروں سے کرواتا ہے تو محاورۃً بول دیا جاتا ہے کہ فلاں نے یہ عمارت بنائی اور فلاں کام سرانجام دیا حالانکہ درحقیقت کرنے والے کوئی اور لوگ ہوتے ہیں۔ اس روزمرہ کے معمول کے محاورہ کو قرآن نے بھی استعمال کیا ہے

(۱) المزمل، ۱۷:۷۳

جیسے فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا:

یٰهَامَانُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا.(۱)

''اے ہامان! تو میرے لئے ایک اونچا محل بنا دے۔''

اس میں ہامان کی طرف عمارت بنانے کی نسبت مجازِ عقلی ہے کیونکہ وہ سبب اور حکم دینے والا ہے خود بنانے والا نہیں۔ حقیقت میں بنانے والے تو اس کے عُمّال اور مزدور ہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، حقیقی و مجازی کے فرق سے آشنا شخص ان کو بہ خوبی جانتا ہے۔

صحیح عقیدہ یہی ہے کہ بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر فعل اور ہر امر میں نتیجہ خیزی کی باعث اللہ ہی کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی خواہ اس کا شمار زندوں میں ہو یا فوت شدہ لوگوں میں، کسی چیز میں دخیل و کفیل نہیں۔ یہی عقیدہ خالص توحید ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ شرک میں مبتلا ہے۔

۸۔ افعال و اعمال میں نسبتِ مجازی و حقیقی کا لحاظ

بہت سے گمراہ فرقے قرآن کے ظاہری لفظ سے دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے قرآن میں بیان کردہ مجازی و حقیقی قرائن کے فرق کو مدّنظر نہ رکھا اور آیاتِ قرآنی کے ظاہری تعارض کو تطبیق سے دور کرنے کی کوشش نہ کی مثلاً:

۱۔ **خلقِ قرآن کا فتنہ پھیلانے والے** اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف، ۴۳:۳) ''بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے۔'' کے ظاہری الفاظ سے ٹھوکر کھا گئے اور گمراہ ہو کر خلقِ قرآن کا عقیدہ گھڑ لیا۔

۲۔ **فرقہ قدریہ** اللہ تعالیٰ کے قول وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ (الشوریٰ، ۴۲:۳۰) ''اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اس (بداعمالی) کے سبب

(۱) المؤمن، ۴۰:۳۶

سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے۔'' اور فَيُنَبِّئُكُمُ بِمَا كُنتُمُ تَعُمَلُوُنَ (المائدۃ، ۵:۱۰۵) ''پھر وہ تمہیں ان (کاموں) سے خبر فرما دے گا جو تم کرتے رہے تھے'' کے ظاہری الفاظ سے دھوکہ کھا گئے۔

۳۔ **فرقہ جبریہ والوں** نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاللهُ خَلَقَكُمُ وَمَا تَعُمَلُوُنَ (الصافات، ۹۶:۳۷) ''حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خلق فرمایا'' اور وَمَا رَمَيُتَ اِذُ رَمَيُتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى (الانفال، ۸:۱۷) ''اور (اے حبیب محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے'' کے ظاہری الفاظ سے غلط نتیجہ اخذ کیا اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔

ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ تمام امت کا سوائے فرقہ قدریہ کے اس عقیدے پر اجماع ہے کہ بندوں کے افعال و اعمال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طرف ارشاد ہے وَاللهُ خَلَقَكُمُ وَمَا تَعُمَلُوُنَ اور دوسری طرف ارشادِ ربانی ہے وَمَا رَمَيُتَ اِذُ رَمَيُتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى ان اقوالِ ربّانی کے مقاصد کے پیشِ نظر یہ جائز ہے کہ کسی فعل کی نسبتِ اکتساب بندہ کی طرف کر دی جائے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے لَهَا مَا كَسَبَتُ وَ عَلَيُهَا مَا اكُتَسَبَتُ (البقرۃ، ۲:۲۸۶) ''اس (جان) نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے'' نیز بِمَا كَسَبَتُ اَيُدِيُكُمُ کے علاوہ اور آیات میں بھی کسب کی اضافت بندہ کی طرف صراحتاً کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاحبِ قدرت ہونا اس عالم کے وجود میں آنے سے پہلے سے ثابت ہے۔ کسی کے فعل کے کسب پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کا خالق بھی ہے، صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بالذات قدرت اور بندے کو حاصل شدہ قدرت میں حقیقت و مجاز کا فرق ہے کیونکہ بندے کی قدرت کو وجود میں لانے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔

۹۔ بندوں کی طرف منسوب اکتسابِ افعال کی نسبت

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ کسی کام پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کام وجود میں بھی آ جائے۔ بندوں کی طرف کسی فعل کی نسبت بطورِ کسب کے ہوتی ہے جس کی بنا پر بندے اس فعل کی قدرت رکھتے ہیں نہ کہ وہ اس فعل کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہیں۔ حقیقت میں افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی کے قبضہ میں بندوں اور ان کے افعال کی تقدیر ہے۔ وہی اپنے بندوں کو ان کے کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ اس کے لئے کوئی چیز وجود میں لانا مشکل نہیں۔ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما دے تو اس کی مشیت کے برعکس کون ہے جو اسے وجود میں لا سکے؟ حکم تو ارادے کا مغائر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایمان لانے کا حکم دیا لیکن اس کی یہ مشیت بھی ہے کہ سب مؤمن نہ ہوں جیسا کہ قرآن میں فرما دیا:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○(۱)

''اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں○''

پس بندوں کی طرف ان کے اکتسابِ افعال کی نسبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے مسبب کی نسبت واسطہ یا سبب کی طرف کردی جائے اور اس میں کچھ تضاد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کرنے والا یعنی مسبب الاسباب ہے، وہی واسطہ کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے واسطہ میں وساطت کی صلاحیت رکھی ہے۔ اگر اللہ ﷻ وساطت کی صلاحیت نہ رکھتا تو وہ واسطہ کیسے بن سکتا تھا؟ اس وساطت کا تعلق چاہے غیر ذوی العقول یعنی غیر ذی شعور اشیاء سے ہو جیسے جمادات، افلاک، باد و باراں اور آگ وغیرہ یا اہلِ عقول سے ہو جیسے فرشتے، انسان و جن لیکن ہوتا وہی ہے جو اس کی مشیت میں ہو۔

(۱) یوسف، ۱۲: ۱۰۳

۱۰۔ لفظاً و معناً مفعول کی جدا جدا نسبت

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایک ہی فعل کی نسبت دو فاعلوں کی طرف کرنا عقل ومنطق کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ایک ہی اثر پر دو مؤثر عاملوں کا اجتماع لازم آتا ہے جو محال ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوگا جبکہ دونوں فاعلوں کی فاعلیت متحد ہو لیکن جب دونوں کی فاعلیت ایک نہ ہو تو اس صورت میں مفعول کی مفعولیت معناً دونوں کے درمیان علیحدہ علیحدہ ہوگی اور اس صورت میں فعل کی نسبت، دونوں کی طرف ممتنع نہ ہوگی جیسا کہ اسماءِ مشترکۃ المعنی کا فرق حقیقت و مجاز کے استعمال سے ظاہر ہے مثلاً کہا جاتا ہے قتل الأمیر فلاناً اور قتل السّیّاف ''اس کو امیر نے قتل کیا اور اس کو جلاد نے قتل کیا'' اس طرح جلاد کو بھی ایک اعتبار سے قاتل کہا جا سکتا ہے اور دوسرے اعتبار سے امیر کو بھی قاتل کہا جا سکتا ہے کیونکہ قتل کا تعلق دونوں سے ہے اگرچہ ایک ہی فعل کا عمل دو مختلف اعتبار سے ہے لیکن دونوں کو فاعل کہنا صحیح ہے۔

۱۱۔ اللہ اور مخلوق سے منسوب امورِ مشترکہ

یہی حال کسی ایک مقدور کے دو قدرتوں سے متعلق ہونے کا بھی ہے۔ اس کے جواز و وقوع کی دلیل وہ امور ہیں جن کی نسبت خود اللہ تعالیٰ نے کبھی ملائکہ کی طرف، کبھی بندں کی طرف اور کبھی اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ اس کی چند مثالیں بطورِ نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا.(۱)

''اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ روحوں کو قبض کرتا ہے اس لئے یہاں اس فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جبکہ سورۃ السجدۃ میں فرمایا:

(۱) الزمر، ۳۹:۴۲

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ○(۱)

’’آپ فرما دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے○‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں جانیں قبض کرنے کی نسبت ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف کی گئی جو جانیں قبض کرنے پر مامور ہے۔ ایک ہی بات تھی۔ ایک جگہ فاعل مذکور ہے اور دوسری جگہ وہ حذف ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب جانیں عزرائیل قبض کرتا ہے تو اَللهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت یوں ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ یہاں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جانیں قبض کرنا حقیقتاً تو میرے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن اس کے لئے میں نے اپنے فرشتے عزرائیل کو مامور کیا ہے لہٰذا ان سب باتوں کو شرک ہونے سے مجاز نے بچا لیا اور شرک کا امکان ہی باقی نہ رہا جو لوگ وسیلہ کو نہیں مانتے انہیں عالم نزع میں عزرائیل کو کہنا چاہیے کہ میں تو وسیلہ اور ذریعہ کو نہیں مانتا تم چلے جاؤ اللہ تعالیٰ خود آئے اور میری جان قبض کرے۔ ایسا نکتہ نظر رکھنا سوائے جہالت اور لاعلمی کے کچھ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا دلچسپ واقعہ

بعض متشدد نقطہ نظر رکھنے والے لوگوں کو مندرجہ ذیل واقعہ پر خود غور و فکر کر کے فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

صحیح البخاری (کتاب الجنائز، باب من أحب الدفن فی الأرض المقدسة أو نحوها، ۱: ۴۴۹، رقم: ۱۲۷۴) اور صحیح مسلم (کتاب الفضائل، باب من فضائل موسی، ۴: ۱۸۴۲، رقم: ۲۳۷۲) کی متفق علیہ روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس ملک الموت انسانی شکل میں روح قبض کرنے آئے تو

(۱) السجدة، ۳۲: ۱۱

آپ علیہ السلام نے کسی سبب سے ملک الموت کو ایک طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت انسانی شکل میں تھے اس لیے ان کی آنکھ نکل گئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس ہیئت میں کوئی ہوتا ہے اس پر اسی ہیئت کے احوال وارد ہوتے ہیں۔

وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا: اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوتَ ''باری تعالیٰ آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیج دیا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔'' اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دوبارہ جاؤ لیکن یہ نہ کہنا کہ میں آپ کی جان قبض کرنے آیا ہوں کیونکہ بارگاہِ انبیاء کے آداب ہوتے ہیں۔ میرے برگزیدہ نبی موسیٰ سے پہلے اجازت طلب کرنا اور پھر ان کی روح قبض کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت حضرت عزرائیل کو یہ ادب کیوں سکھایا وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک ۷۰ ہزار انبیاء کی روحیں قبض کر چکے تھے پہلے بھی بڑے جلالی نبی آئے لیکن کسی نے تھپڑ نہیں مارا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ انہیں خبر تھی کہ آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ السلام آنے والے ہیں جن کی شان اور عظمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ جب ان کے وصال مبارک کا وقت آ جائے تو عزرائیل (علیہ السلام) کو بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آداب معلوم ہوں۔

درجِ بالا حدیثِ مبارکہ میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں ''لا یرید الموت'' (وہ بندہ مرنا ہی نہیں چاہتا) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرنا نہ مرنا اس بندۂ مرتضٰی کے اختیار میں ہے یعنی زندگی یا موت کا اختیار بندے کو سونپ دیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا یَمُوْتُ نَبِیٌّ حَتّٰی یُخَیَّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ. (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاته، ۴: ۱۶۱۲، رقم: ۴۱۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل عائشة، ۴: ۱۸۹۳، رقم: ۲۴۴۴

’’ہر نبی کو اس کے وصال سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی مرضی سے واصلِ بہ حق ہو جائے اور اگر چاہے تو مزید دنیا میں قیام کرے۔‘‘

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے بھی یہ اختیار دیا گیا لیکن میں نے اپنے رب سے ملاقات کرنے کو اختیار کیا ہے۔[۱]

امورِ مشترکہ کی چند مزید مثالیں

۲۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے روح پھونکنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کر کے ارشاد فرمایا:

فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا.[۲]

’’پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔‘‘

حالانکہ روح پھونکنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام مامور تھے اور وہ اس فعل کے فاعلِ حقیقی نہیں تھے۔

۳۔ سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وحی سنانے کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا:

فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ.[۳]

’’پھر جب ہم اسے (زبانِ جبرائیل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔‘‘

حالانکہ پڑھنے والے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جن کی قرأت کے سامع حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔

---

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۸۸، ۴۸۹

(۲) الانبیاء، ۲۱: ۹۱

(۳) القیمۃ، ۷۵: ۱۸

۴۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی کفار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے کے عمل کی نسبت اپنی طرف کی اور ارشاد فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج(۱)

''(اے سپاہیانِ لشکرِ اسلام!) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں کفار کے قتل کی نفی کر کے اسے اپنی ذات سے منسوب کیا اور اپنے حبیب ﷺ کے سنگریزے مارنے کی نفی کر کے اس عمل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حسی طور پر نسبتِ قتال کی نفی فرمائی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے عمل کی نفی فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے کفار کو قتل کرنے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کا معنی اور ہے اور اللہ ﷻ کے قتل کرنے اور کنکریاں پھینکنے کا مفہوم کچھ اور۔ اس کا مقصد حقیقت و مجاز کا فرق واضح کرنا اور خلق و تقدیر کا اثبات ہے جس کا مفہوم دو مختلف طریقوں میں بیان کیا گیا۔

۱۲۔ ایک فعل کی بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں کی طرف نسبت

قرآن میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں بیک وقت ایک فعل خالق اور مخلوق دونوں کی طرف منسوب ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○(۲)

---

(۱) الانفال، ۸:۱۷

(۲) التوبة، ۹:۵۹

’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اﷲ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اﷲ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اﷲ اپنے فضل سے اور رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اﷲ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اﷲ ہی کا دینا ہے اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)۔‘‘

اس آیت میں عطا کرنے کا عمل اﷲ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی طرف منسوب ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں اسی مضمون کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی ہے جسے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَدْخُلُ الْمَلَکُ عَلَى النُّطْفَةِ بَعْدَ مَا تَسْتَقِرُّ فِي الرَّحِمِ بِأَرْبَعِيْنَ أَوْ خَمْسَةٍ وَ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً. فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ أَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ؟ فَيُکْتَبَانِ. فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ أَذَکَرٌ أَوْ أُنْثٰى؟ فَيُکْتَبَانِ. وَيُکْتَبُ عَمَلُهُ وَأَثَرُهُ وَأَجَلُهُ وَرِزْقُهُ ثُمَّ تُطْوَى الصُّحُفُ فَلَا يُزَادُ فِيْهَا وَلَا يُنْقَصُ.[1]

’’جب چالیس یا پینتالیس راتوں میں نطفہ رحم مادر میں ٹھہر جاتا ہے تو فرشتہ رحم مادر میں داخل ہوکر کہتا ہے: اے رب! یہ شقی ہوگا یا سعید؟ پھر ان میں سے ایک لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے: اے رب! یہ مذکر ہوگا یا مونث؟ پس اس میں سے ایک کو لکھ دیا جاتا ہے، پھر اس کے اعمال، اثر، مدتِ حیات اور اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور ان میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔‘‘

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب القدر، باب کيفية خلق الآدمي في بطن أمه، ۴: ۲۰۳۷، رقم: ۲۶۴۴

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۶، رقم: ۱۲۱۷۸

اس حدیثِ مبارکہ میں خیر و شر کی تقدیر کا نکتہ بیان ہوا ہے جس کا صدور بہ یک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۱۳۔ مختلف الوجوہ فعل کے استعمال میں کوئی تناقض نہیں

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ کسی فعل کا استعمال مختلف وجوہ سے ہوتا ہے اور ان میں کوئی تناقض بھی نہیں ہوتا، قرآن مجید میں عالمِ نباتات کی طرف کسی فعل کو منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسے اس آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ(۱)

”(وہ درخت) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے۔“

اب ذرا غور کریں تو وہ درخت خود کہاں سے پھل لا سکتا ہے اس کے ثمر آور ہونے کا فعل تو اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں فطرتاً پیدا کیا ہے اس مفہوم میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں۔ اسی طرح طبرانی اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو کھجور دیتے ہوئے فرمایا: ”یہ لے لو۔ اگر یہ تمہاری قسمت میں ہے اور تم خود نہ بھی لو تو پھر بھی یہ چل کر تمہارے پاس آ جائے گی۔“(۲) کھجور کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے اور آدمی کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے۔ دونوں کی طرف نسبت مجازی ہے۔ آدمی کے چل کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے میں قدرت و ارادہ پیدا فرما دے گا اور کھجور کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سبب پیدا فرما دے گا کہ کوئی اور بندہ کھجور کو اس تک پہنچا دے گا اس طرح حقیقت میں دونوں صورتوں میں اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اور ان میں معنوی طور پر کوئی تناقض نہیں۔

۱۴۔ واسطہ کو مؤثرِ حقیقی اور خالق جاننا کفر ہے

اللہ تعالیٰ نے واسطہ کو پیدا کیا اور اس میں وساطت کی قدرت رکھی ہے لیکن اگر

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۲۵

(۲) ابن حبان، الصحیح، ۸: ۳۳، رقم: ۳۲۴۰

کوئی واسطے کو اصل اور مؤثر حقیقی سمجھنے لگے تو اس سے کفر لازم آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو مال و دولت کی فراوانی سے نوازا تو وہ اِترا گیا اور گھمنڈ کرنے لگا کہ شاید یہ میرا کمال ہے۔ اس نے مال و دولتِ کثیرہ کو اپنی محنت اور کوشش کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ط(۱)

''وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔''

قارون مال و دولت کی فراوانی سے غرور پر اتر آیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ مجھے اپنی ذاتی تگ و دو اور ہنرمندی سے ملا ہے حالانکہ اللہ رب العزت نے اسے خزانوں کا مالک بہ طورِ آزمائش بنایا تھا لیکن وہ مؤثر حقیقی کو بھول گیا، اللہ رب العزت کو اس کا غرور و تکبر پسند نہ آیا اور اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اور وہ اپنے اس کفر کے باعث دنیوی اور اخروی عذاب کا مستحق ٹھہرا۔

اس مفہوم کی مزید وضاحت اس ارشادِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہے، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ؟ قَالُوْا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَ کَافِرٌ، فَاَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهٖ، فَذٰلِکَ مُؤْمِنٌ بِیْ کَافِرٌ بِالْکَوْکَبِ. وَ أَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا وَ کَذَا فَذٰلِکَ کَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْکَوْکَبِ.(۲)

''کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

---

(۱) القصص، ۲۸:۷۸

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، ۱:۸۳، رقم: ۷۱

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر اور بعض کی صبح کفر پر ہوئی ہے۔ جس شخص نے کہا ہے کہ ہم پر خدا کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث بارش ہوئی تو اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور ستاروں کا کفر کیا، اور جس نے کہا کہ فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی ہے تو اس نے میرا کفر کیا اور ستاروں پر ایمان رکھا۔‘‘

گویا کفر کا باعث یہ زعمِ باطل ہے کہ واسطہ کو مؤثر حقیقی و خالق مانا جائے۔

۱۵۔ واسطہ کے جواز پر سنتِ نبوی ﷺ کا حکم

اس حوالے سے ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص فعل کو واسطہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور واسطہ کو مؤثر حقیقی نہیں سمجھتا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ واسطہ اور ذریعہ کو ملحوظ رکھنے کا خود شریعت نے حکم دیا ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ. (۱)

’’جو شخص تم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر پناہ مانگے تو تم اسے پناہ دے دو، جو اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرے تو اسے عطا کر دو، جو تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جو تمہارے ساتھ احسان کرے تو اس کا بدلہ احسان کے ساتھ دو، اگر تم اس کی نیکی کا بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے دعا کیا کرو یہاں تک کہ تم اطمینانِ قلب حاصل کرلو کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔‘‘

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الزکاۃ، باب عطیۃ من سأل باللہ، ۲:۱۲۸، رقم: ۱۶۷۲

کسی کے کام آنا اس کی مشکل آسان کرنا اس پر احسان کرنا بلاشبہ نیکی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انسان کے انسان پر احسان کا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس احسان کی نسبت موثر مجازی کی طرف کر کے اس کا بدلہ دینے کی کوشش کرنا مستحسن اسلامی اقدار میں سے ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللهَ. (۱)

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔''

احسان کا مؤثر مجازی بندہ ہے اور یہی اس احسان کا واسطہ بن رہا ہے، اس واسطہ احسان کا اس قدر خیال رکھنا اس احسان کے مؤثر حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہونے کے منافی نہیں۔ اگر منافی ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ بالا انسان کا شکر بجالانے کا حکم نہ فرماتے۔

۱۶۔ ترکِ مجاز سے معانیٔ قرآن میں تطبیق ممکن نہیں رہتی

قرآن حکیم میں اگر ایک فعل کا استعمال مختلف طریق سے ہوتا ہے تو اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ پس اگر ہم صرف حقیقت کو لیں اور مجاز کو ترک کر دیں تو مختلف و متفرق نصوص میں تطبیق کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ قول مجازاً منسوب کیا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ج (۲)

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر، باب فی الشکر، ۴:۳۳۹، رقم: ۱۹۵۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۲
۳۔ ابویعلی، المسند، ۲:۳۶۵

(۲) ابراهیم، ۱۴:۳۶

’’اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔‘‘

کیا اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے سے کوئی مؤمن یہ گمان بھی کر سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھر سے تراشے ہوئے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہوگا۔ العیاذ باللہ ایسا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی نفی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے اس قول سے ہو جاتی ہے جس میں قرآن نے انہیں مشرکین سے مخاطب ہو کر ان (بتوں) معبودانِ باطلہ کے حوالے سے یہ استفسار کرتے ہوئے بیان کیا:

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○[(۱)]

’’ابراہیم (علیہ السلام) نے (ان سے) کہا: کیا تم ان (ہی بے جان پتھروں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو○‘‘

ان دو قرآنی ارشادات کے مفہوم میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔ بلاشبہ وہ شخص مشرک قرار پائے گا جو غیر اللہ کے کسی عمل کی اختراع اور اس میں پائی جانے والی تاثیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندوں جیسے انبیاء و اولیاء یا عام مخلوقاتِ جن و انس، جمادات اور مظاہرِ فطرت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہوگا البتہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ مسبب میں سبب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور وہی فاعلِ حقیقی ہے تو اس کا ایمان شرک سے محفوظ رہے گا خواہ وہ سبب سمجھنے میں خطا ہی کر جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی خطا سبب میں ہوگی نہ کہ مسبّب میں؟ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

۱۷۔ معانیٔ قرآن کی تطبیق میں احتیاط

معانی قرآن کی تطبیق میں توحید اور شرک کا فرق سمجھنا ضروری ہے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ کسی غیر کو رازق ماننا شرک ہے اسے رزق کا سبب ماننا شرک نہیں۔ محنت کرنے والا کسان، زمین سے رزق پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے نہ کہ مسبب؟ کسان کو رزق کا سبب ماننا

(۱) صآفات، ۳۷:۹۵

شرک نہیں۔ اسی طرح لوگ کسی دفتر، فیکٹری یا کارخانہ میں کام کرتے ہیں اور آجر اور مالک ان سے کام لیتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کی ولادت کا سبب بنتے ہیں۔ درسگاہوں میں استاد اور معلم علم دینے کا سبب بنتے ہیں جبکہ مسبِّب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ سب سے بڑا عالم اور ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ساری عطائیں، عزت اور شان و شوکت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور یہ سب کچھ دینے میں وہ خود سبب نہیں بنتا بلکہ مخلوق میں سے کسی کو رزق، علم اور ولدیت کا سبب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مسبّب ہی ہوتا ہے۔ سبب نہیں۔ سبب ہمیشہ مخلوق میں سے ہوتا ہے۔ اور اسی سبب کو واسطہ و وسیلہ کا نام دیا جاتا ہے نہ کہ مسبّب کو، لہٰذا سبب یعنی واسطہ سے توسل ہوتا ہے جبکہ مسبّب پر توکل ہوتا ہے۔

کسی کو نفع و نقصان کا سبب ماننا شرک نہیں

کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا نفع و نقصان کا سبب اور ذریعہ ماننا توحید کی نفی نہیں۔ توحید کی نفی اور شرک تو تب ہوگا جب کسی اور کو مسبّب حقیقی مانا جائے۔ کوئی مسلمان ازروئے عقیدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مسبّب حقیقی نہیں مانتا حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف وسیلہ، ذریعہ اور سبب مانا جاتا ہے اس آخری حد سے اوپر کوئی نہیں جاتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اللہ رب العزت نے زمین میں کسی کے رزق کا مالک ہونے کی نفی کی ہے رزق کا وسیلہ، سبب اور ذریعہ بننے کی نفی نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ جیسے مالکِ رزق ہے ویسے وہ مالکِ نفع و ضرر بھی ہے۔ قرآن حکیم نے نقصان کا سبب، باعث، وسیلہ یا ذریعہ ہونے کی نفی نہیں کی۔ وسیلہ کی نفی اس وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے سوا ان امور کا مالک دوسروں کو مانا جائے اس کی مثال یوں ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا تو سانپ نقصان کا سبب یا باعث بنا، ڈاکٹر کی دوا سے کسی مرض سے شفایابی ہوئی تو وہ شفا کا سبب بن گیا مگر نہ ڈاکٹر اور دوائی نفع یا شفا کے مالک ہیں اور نہ سانپ یا زہر نقصان کے مالک ہیں یہاں سببیت کی نہیں بلکہ مالکیت کی نفی ہے۔

باب دہم

توحید و شرک

اور

صفات و افعال میں اشتراک

- اسماء و صفات میں اشتراک کی مثالیں
- افعال میں اشتراک کی مثالیں

www.MinhajBooks.com

اللہ رب العزت نے اپنے حبیبِ مکرم حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ خلائق سے زیادہ مقام و مرتبہ اور فضائل و خصائص عطا فرمائے ہیں۔ انہی صفات و مناقب حمیدہ کی بناء پر آپ ﷺ کا درجہ تمام مخلوقات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ بعض لوگ کج فہمی اور کوتاہ فکری کی بناء پر مقامِ خالق اور مقام مخلوق کے فرق کو خلط ملط کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کا بیان آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) مقام و مرتبۂ الوہیت تک پہنچا دیتا ہے۔ واضح رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف و توصیف از روئے نص محمود و مطلوب ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں آپ ﷺ کی عظمت اور شان کا بیان فرمایا ہے لہٰذا ایک امتی کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے نبی مکرم ﷺ کی شان و عظمت کو خوب ذوق و شوق سے بیان کرے۔

عقیدۂ صحیحہ یہی ہے کہ وہ صفات جو ربوبیت کا خاصہ ہیں ان کو چھوڑ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی جتنی تعظیم و توصیف کی جائے وہ نہ کفر ہے نہ شرک بلکہ طاعت و تقرب ہے۔

اَسماء و صفات میں اشتراک کی مثالیں

گذشتہ ابواب میں کئی مقامات پر یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی شان اور اس کے مقام کے لائق جو خاص صفات و افعال ہیں انہیں کسی مخلوق کے لئے ثابت کرنا شرک ہے لیکن بعض اوقات صفاتِ الٰہیہ اور صفاتِ عبدیہ میں اشتراک ہوتا ہے اس لئے وہ صفات و افعال جو رب تعالیٰ کا خاصہ نہیں اور باری تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل اور اذن سے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرما کر احسان فرمایا ہے انہیں ایسی صفات و افعال سے متصف کرنا شرک نہیں۔ قرآن و حدیث میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ اَلشَّفَاعَةُ

شفاعت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ط لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۱)

’’فرما دیجئے: سب شفاعت (کا اِذن) اللہ ہی کے اختیار میں ہے (جو اس نے اپنے مقرّبین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے)، آسمانوں اور زمین کی سلطنت بھی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۝‘‘

لیکن اللہ رب العزت نے اپنے اذن سے شفاعت کا اختیار اپنے مقرب بندوں کو عطا کیا ہے، ارشاد فرمایا:

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ (۲)

’’(اس دن) لوگ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے ان کے جنہوں نے (خدائے) رحمٰن سے وعدۂ (شفاعت) لے لیا ہے ۝‘‘

۲۔ عِلْمُ الْغَيْبِ

عالم بالذات رب تعالیٰ ہے، ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (۳)

’’فرمادیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں

(۱) الزمر، ۳۹: ۴۴

(۲) مریم، ۱۹: ۸۷

(۳) النمل، ۲۷: ۶۵

رکھتے سوائے اللہ کے (وہ عالم بالذّات ہے) اور نہ ہی وہ یہ خبر رکھتے ہیں کہ وہ (دوبارہ زندہ کر کے) کب اٹھائے جائیں گےo‘‘

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ صلے فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَ رُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌo(۱)

’’اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہےo‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا لا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاo(۲)

’’(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتاo سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصۂ نبوت اور معجزۂ رسالت ہے)، تو بے شک وہ اس (رسول ﷺ) کے آگے اور پیچھے (علمِ غیب کی حفاظت کے لئے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہےo‘‘

(۱) آل عمران، ۳:۱۷۹

(۲) الجن، ۷۲:۲۶۔۲۷

۳۔ اَلْھِدَایَۃُ

ہدایت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، ارشاد فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰـکِنَّ اللهَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ج وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ○ (۱)

’’حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اُسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے، اور وہ راہِ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے ○‘‘

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور رسول کی ہدایت کو ایک ہی آیت میں ثابت فرمایا:

وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰـکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (۲)

’’سو اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روحِ (قلوب و ارواح) کی وحی فرمائی (جو قرآن ہے)، اور آپ (وحی سے قبل اپنی ذاتی درایت و فکر سے) نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان (کے شرعی احکام کی تفصیلات کو ہی جانتے تھے جو بعد میں نازل اور مقرر ہوئیں) مگر ہم نے اسے نور بنا دیا۔ ہم اِس (نور) کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں، اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں ○‘‘

(۱) القصص، ۲۸: ۵۶

(۲) الشوریٰ، ۴۲: ۵۲

۴۔ اَلضَّلَالَۃُ

۱۔ گمراہ ٹھہرانے کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○(۱)

’’اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں، تاریکیوں میں (بھٹک رہے) ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے (انکارِ حق اور ضد کے باعث) گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے (قبولِ حق کے باعث) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے○‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○(۲)

’’بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ بغیر علم (و ہدایت) کے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، پس اس شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہو اور ان لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے○‘‘

لیکن ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کی نسبت ظالموں کی طرف فرمائی:

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ○(۳)

’’اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو (اے میرے رب!) تو (بھی ان) ظالموں کو سوائے گمراہی کے (کسی اور چیز میں) نہ بڑھا○‘‘

---

(۱) الانعام، ۶:۳۹

(۲) الروم، ۳۰:۲۹

(۳) نوح، ۷۱:۲۴

۵۔ اَلْعِزَّةُ

۱۔ حقیقی عزت کا سزاوار اللہ تعالیٰ ہے، فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○(۱)

’’(یہ) ایسے لوگ (ہیں) جو مسلمانوں کی بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس عزت تو ساری اللہ (تعالیٰ) کے لئے ہے○‘‘

۲۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ م اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ط هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○(۲)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) ان کی (عناد و عداوت پر مبنی) گفتگو آپ کو غمگین نہ کرے۔ بیشک ساری عزت و غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے (جو جسے چاہتا ہے دیتا ہے)، وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے○‘‘

۳۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ط اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ○(۳)

’’جو شخص عزت چاہتا ہے تو اللہ ہی کے لئے ساری عزت ہے، پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور وہی نیک عمل (کے مدارج) کو بلند فرماتا ہے، اور جو لوگ بُری چالوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر و فریب نیست و نابود ہو جائے گا○‘‘

(۱) النساء، ۴:۱۳۹

(۲) یونس، ۱۰:۶۵

(۳) فاطر، ۳۵:۱۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

۴۔ اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیتِ کریمہ میں عزت کی نسبت اپنی طرف، اپنے رسول (ﷺ) کی طرف بلکہ سارے مؤمنین کی طرف کی ہے۔ ارشاد فرمایا:

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ o (۱)

’’وہ کہتے ہیں: اگر (اب) ہم مدینہ واپس ہوئے تو (ہم) عزت والے لوگ وہاں سے ذلیل لوگوں (یعنی مسلمانوں) کو باہر نکال دیں گے، حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے مگر منافقین (اس حقیقت کو) جانتے نہیں ہیں o‘‘

۶۔ اَلرَّؤُوْفُ الرَّحِیْمُ

۱۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o (۲)

’’بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔‘‘

۲۔ ایک اور مقام پر انہی الفاظ کو دہراتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o (۳)

’’بیشک اللہ تمام انسانوں کے ساتھ نہایت شفقت فرمانے والا بڑا مہربان ہے o‘‘

سورۃ توبہ میں یہی دونوں اسماء الحسنیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

(۱) المنافقون، ۶۳:۸

(۲) البقرۃ، ۲:۱۴۳

(۳) الحج، ۲۲:۶۵

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (۱)

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں○‘‘

۷۔ اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ

یہ دو نام بھی اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ○ (۲)

’’اس دن اللہ انہیں ان (کے اعمال) کی پوری پوری جزا جس کے وہ صحیح حقدار ہیں دے دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ (خود بھی) حق ہے (اور حق کو) ظاہر فرمانے والا (بھی) ہے○‘‘

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ فرمایا:

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ط اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ○ (۳)

’’پس آپ اللہ پر بھروسہ کریں، بیشک آپ صریح حق پر (قائم اور فائز) ہیں○‘‘

---

(۱) التوبة، ۹:۱۲۸

(۲) النور، ۲۴:۲۵

(۳) النمل، ۲۷:۷۹

۲۔ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَo(۱)

’’اللہ ان لوگوں کو کیونکر ہدایت فرمائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ اس امر کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی تھیں، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتاo‘‘

۳۔ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُo(۲)

’’اور فرما دیجئے کہ بیشک (اب) میں ہی (عذابِ الٰہی کا) واضح و صریح ڈر سنانے والا ہوں۔‘‘

۴۔ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌo(۳)

’’اب اُن کا نصیحت ماننا کہاں (مفید) ہوسکتا ہے حالانکہ ان کے پاس واضح بیان فرمانے والے رسول آ چکےo‘‘

۸۔ اَلنُّوْرُ

اللہ تعالیٰ نور ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط(۴)

’’اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی نور رکھا چنانچہ فرمایا:

www.MinhajBooks.com

(۱) آل عمران، ۳:۸۶

(۲) الحجر، ۱۵:۸۹

(۳) الدخان، ۴۴:۱۳

(۴) النور، ۲۴:۳۵

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ○ (۱)

’’بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید) ○‘‘

۹۔ اَلشَّهِيۡدُ

اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں میں ایک نام اَلشَّهِيۡدُ ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ اَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ○ (۲)

’’اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور (آپ کی رسالت پر) اللہ گواہی میں کافی ہے ○

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے شہید رکھا، فرمایا:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَهِيۡدًا ؕ (۳)

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔‘‘

۲۔ سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِيۡدًا ○ (۴)

www.MinhajBooks.com

(۱) المائدۃ، ۵:۱۵

(۲) النساء، ۴:۷۹

(۳) البقرۃ، ۲:۱۴۳

(۴) النساء، ۴:۴۱

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گےo‘‘

۱۰۔ اَلْکَرِیْمُ

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی میں سے ایک نام اَلْکَرِیْمُ ہے جیسا کہ فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِo(۱)

’’اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے ربِ کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیاo‘‘

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی اَلْکَرِیْمُ رکھا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍo(۲)

’’بیشک یہ (قرآن) بڑی عزت و بزرگی والے رسول کا (پڑھا ہوا) کلام ہےo‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَکْرَمُ وَلَدِ آدَمَ.(۳)

’’میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں۔‘‘

---

(۱) الانفطار، ۸۲:۶

(۲) التکویر، ۸۱:۱۹

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی ﷺ، ۵:۵۸۵، رقم: ۳۶۱۰

۲۔ دارمی، السنن، ۱:۳۹، رقم: ۴۷

۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱:۴۷، رقم: ۱۱۷

۱۱۔ اَلْعَظِیْمُ

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلْعَظِیْمُ ہے، فرمایا:

وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○(۱)

’’وہی سب سے بلند رتبہ بڑی عظمت والا ہے ○‘‘

۲۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○(۲)

’’جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے، اور وہ بلند مرتبت، بڑا باعظمت ہے ○‘‘

۲۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ○(۳)

’’سو آپ اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کیا کریں ○

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○(۴)

’’اور بیشک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متصف ہیں) ○‘‘

(۱) البقرہ، ۲:۲۵۵

(۲) الشوریٰ، ۴۲:۴

(۳) الواقعہ، ۵۶:۹۶

(۴) القلم، ۶۸:۴

۱۲۔ اَلْخَبِیْرُ

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسمِ مبارک اَلْخَبِیْرُ ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○(۱)

''اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے، اور وہ بڑی حکمت والا خبردار ہے ○''

۲۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○(۲)

''(وہی) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا خبردار ہے ○''

درج ذیل دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے باخبر ہونے کا ذکر فرمایا اور پھر متصل اگلی آیت میں حضور نبی اکرم ﷺ کو ''خَبِیْر'' قرار دیا، ارشاد فرمایا:

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۚ ○ لا ۨالَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ○(۳)

''اور آپ اس (ہمیشہ) زندہ رہنے والے (رب) پر بھروسہ کیجئے جو کبھی نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے ○ جس نے آسمانی کرّوں اور زمین کو اور اس (کائنات) کو جو ان دونوں کے درمیان ہے چھ ادوار میں پیدا فرمایا پھر وہ

(۱) الانعام، ۶:۱۸

(۲) الانعام، ۶:۷۳

(۳) الفرقان، ۲۵:۵۸۔۵۹

(حسبِ شان) عرش پر جلوہ افروز ہوا (وہ) رحمٰن ہے (اے معرفتِ حق کے طالب) تو اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھ (بے خبر اسکا حال نہیں جانتے)o“

۱۳۔ اَلشَّکُوْرُ

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہُ شَکُوْرٌ حَلِیْمٌo(۱)

”اور اللہ بڑا قدر شناس ہے بُردبار ہےo“

ایک مقام پر اپنے برگزیدہ نبی حضرت نوح علیہ السلام کی توصیف اس نام کے ساتھ فرمائی، ارشاد فرمایا:

ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ط اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًاo(۲)

”(اے) ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) اٹھا لیا تھا، بیشک نوح (علیہ السلام) بڑے شکر گزار بندے تھےo“

۱۴۔ اَلْعَلِیْمُ

۱۔ اَلْعَلِیْمُ بھی اللہ تعالیٰ کا مبارک اسمِ گرامی ہے، ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo(۳)

”اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہےo“

۲۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo(۴)

(۱) التغابن، ۶۴:۱۷

(۲) الاسراء، ۱۷:۳

(۳) البقرۃ، ۲:۲۳۱

(۴) العنکبوت، ۲۹:۶۰

’’اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہےo‘‘

اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ط كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ط مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌo (۱)

’’پس یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی شروع کی پھر (بالآخر) اس (پیالے) کو اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کی بوری سے نکال لیا۔ یوں ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو تدبیر بتائی۔ وہ اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے (اسیر بنا کر) نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ (جیسے) اللہ چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہےo‘‘

۱۵۔ اَلْمُعَلِّمُ وَ الْعَلَّامُ

اَلْعَلَّامُ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حقیقی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مخفی علوم کے اسرار و رموز سے نوازنے کے باعث اَلْمُعَلِّمُ بھی ہے۔ چنانچہ اپنی اسی صفت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاo (۲)

’’اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہےo‘‘

(۱) یوسف، ۱۲:۷۶

(۲) النساء، ۴:۱۱۳

حضور نبی اکرم ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا اور پھر اسی علمی فیض کو امت میں ان کے حسبِ حال عطا کرنے والے بن گئے اور اَلْمُعَلِّمُ کے مقام پر فائز ہوئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝(۱)

’’اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۝‘‘

۱۶۔ اَلْوَلِيُّ وَ الْمَوْلٰى

۱۔ اَلْوَلِيُّ اور اَلْمَوْلٰى بھی اللہ تعالیٰ کے مقدس اسماء الحسنٰی میں سے ہیں، فرمایا:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۝(۲)

’’اور اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۝‘‘

۲۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ۝(۳)

’’بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۝‘‘

۳۔ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝(۴)

(۱) البقرة، ۲:۱۵۱
(۲) آل عمران، ۳:۶۸
(۳) آل عمران، ۳:۱۵۰
(۴) یونس، ۱۰:۳۰

’’اس (دہشت ناک) مقام پر ہر شخص ان (اعمال کی حقیقت) کو جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجے تھے اور وہ اللہ کی جانب لوٹائے جائیں گے جو ان کا مالکِ حقیقی ہے اور ان سے وہ بہتان تراشی جاتی رہے گی جو وہ کیا کرتے تھےo‘‘

دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کو اپنے رسول ﷺ، جبرائیل علیہ السلام اور صالحین کے لئے ثابت فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَo[۱]

’’بیشک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیںo‘‘

۲۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط[۲]

’’یہ نبیّ (مکرم ﷺ) مؤمنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ کی ازواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔‘‘

۳۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ج وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌo[۳]

’’اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو (تو تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (ایک ہی بات کی طرف) جھک گئے ہیں، اگر تم دونوں نے اس

(۱) المائدۃ، ۵:۵۵

(۲) الاحزاب، ۳۳:۶

(۳) التحریم، ۶۶:۴

بات پر ایک دوسرے کی اعانت کی (تو یہ نبیٔ مکرّم ﷺ کے لئے باعثِ رنج ہوسکتا ہے) سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مؤمنین بھی اور اس کے بعد (سارے) فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیں۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ. (۱)

’’میں مؤمنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔‘‘

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. (۲)

’’میں جس کا مددگار ہوں اس کے علی مددگار ہیں۔‘‘

۱۷۔ اَلْعَفُوُّ

یہ اللہ تعالیٰ کا پیارا نام نامی ہے، فرمایا:

۱۔ **اِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌo** (۳)

’’بیشک اللہ درگزر فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہےo‘‘

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الکفالۃ، باب الدین، ۲:۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثه، ۳:۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷۱

(۲) ترمذی، السنن، ۵:۶۳۳، أبواب المناقب عن رسول ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب ص، رقم: ۳۷۱۳

(۳) الحج، ۲۲:۶۰

۲۔ وَ اِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ○(۱)

’’اور بیشک اللہ ضرور درگزر فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے○‘‘

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب مکرّم ﷺ کی تعریف بھی اس نام کے ساتھ فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱۔ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ○(۲)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں○‘‘

۲۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○(۳)

’’سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور درگزر فرمایئے، بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے○‘‘

۱۸۔ اَلْمُؤْمِنُ

اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے ایک ’’اَلْمُؤْمِنُ‘‘ ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

هُوَ اللهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○(۴)

’’وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (حقیقی) بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سالم (اور سلامتی دینے والا) ہے، امن و امان دینے والا

www.MinhajBooks.com

---

(۱) المجادلة، ۵۸: ۲

(۲) الاعراف، ۷: ۱۹۹

(۳) المائدة، ۵: ۱۳

(۴) الحشر، ۵۹: ۲۳

(اور معجزات کے ذریعے رسولوں کی تصدیق فرمانے والا) ہے، محافظ و نگہبان ہے، غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے، اللہ ہر اُس چیز سے پاک ہے جسے وہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیںo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی بھی اسی صفت مؤمن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی:

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌo(۱)

’’فرما دیجئے: تمہارے لئے بھلائی کے کان ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں، اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہےo‘‘

مسلمان مردوں کو اور عورتوں کو بھی مؤمن کہا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ......(۲)

’’(اے حبیب!) جس دن آپ (اپنی امت کے) مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہو گا......‘‘

ایک اور جگہ فرمایا:

---

(۱) التوبۃ، ۹: ۶۱

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۲

مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍo(۱)

''(تمام جہانوں کے لئے) واجب الاطاعت ہیں (کیونکہ ان کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے)، امانت دار ہیں (وحی اور زمین و آسمان کے سب اُلوہی رازوں کے حامل ہیں)o''

۱۹۔ اَلْمُهَيْمِنُ

اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ مقدس اَلْمُهَيْمِنُ ہے جس کا ایک معنی شاہد بھی ہے چنانچہ سورۃ الحشر (۵۸: ۲۳) میں فرمایا اَلْمُهَيْمِنُ ''یعنی محافظ و نگہبان''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کی شانِ شاہدیت کا ذکر یوں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاo(۲)

''اے نبیّ (مکرّم!) بیشک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo''

۲۰۔ اَلْمُبَشِّرُ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے صفتِ بشارت کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی۔ ارشاد ہوا:

اَنَّ اللهَ يُبَشِّرُکَ بِيَحْيٰ.(۳)

''بیشک اللہ آپ کو (فرزند) یحيٰ (الطَّيْنِ) کی بشارت دیتا ہے۔''

(۱) التکویر، ۸۱: ۲۱

(۲) الاحزاب، ۳۳: ۴۵

(۳) آل عمران، ۳: ۳۹

۲۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ○ (۱)

’’ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی اور (اپنی) رضا کی اور (ان) جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہیں○‘‘

۱۔ اللہ رب العزت کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی صفت کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ ط (۲)

’’اور اُس رسولِ (معظّم ﷺ) کی (آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (ﷺ) ہے۔‘‘

۲۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مبشر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ○ (۳)

’’اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے○‘‘

۳۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ○ (۴)

’’بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت

(۱) التوبة، ۹:۲۱
(۲) الصّف، ۶۱:۶
(۳) بنی اسرائیل، ۱۷:۱۰۵
(۴) الفتح، ۴۸:۸

کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo‘‘

۲۱۔ اَلْفَتَّاحُ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلْفَتَّاحُ ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ط وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُo (۱)

’’فرما دیجئے: ہم سب کو ہمارا رب (روزِ قیامت) جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی ’’اَلْفَتْحُ‘‘ قرار دیا آپ ﷺ فاتح اور خاتم ہیں، درج ذیل آیت مبارکہ میں بھی حضور ﷺ کی تعریف فتح کی ابتداء کرنے والے کے ساتھ فرمائی:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ ج (۲)

’’(اے کافرو!) اگر تم نے فیصلہ کن فتح مانگی تھی تو یقیناً تمہارے پاس (حق کی) فتح آ چکی۔‘‘

۲۲۔ اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی میں سے اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ج وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo (۳)

(۱) سبا، ۳۴:۲۶

(۲) الانفال، ۸:۱۹

(۳) الحدید، ۵۷:۳

’’وہی (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر ہے اور (اپنی قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہےo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ بھی شانِ اولیت کے حامل اس صفت سے متصف ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِيْسَی ابْنِ مَرْيَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًاo(1)

’’اور (اے حبیب! یاد کیجئے) جب ہم نے انبیاء سے اُن (کی تبلیغِ رسالت) کا عہد لیا اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیاo‘‘

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(2)

’’روزِ قیامت ہم ہی آخر اور سابق (اوّل) ہیں۔‘‘

۲۔ اسی طرح فرمایا:

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ نَحْنُ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ.(3)

---

(۱) الاحزاب، ۷:۳۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۱:۳۰۵، کتاب الجمعة، باب هل علی من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان، رقم: ۸۵۶

۲۔ مسلم، الصحيح، ۲:۵۸۵، کتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، رقم: ۸۵۵

(۳) مسلم، الصحيح، ۲:۵۸۵، کتاب الجمعة، باب هداية هذه الامة ليوم الجمعة، رقم: ۸۵۵

’’روزِ قیامت ہم ہی اوّل اور آخر ہوں گے اور ہم ہی دخول جنت میں اول ہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنَا اَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مَشَفَّعٍ (۱)

’’روزِ قیامت سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔‘‘

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّنَ فِي الْخَلْقِ وَ آخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. (۲)

’’میں پیدائش میں تمام انبیاء سے اوّل ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔‘‘

۵۔ كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَ آخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. (۳)

’’میں تمام لوگوں میں بطورِ پیدائش اوّل ہوں اور بلحاظِ بعثت آخر ہوں۔‘‘

۲۳۔ اَلْقَوِيُّ

اللہ تعالیٰ کے مبارک و مقدس ناموں میں سے ایک اَلْقَوِيُّ ہے، ارشاد فرمایا:

۱۔ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○ (۴)

’’اللہ اپنے بندوں پر بڑا لطف و کرم فرمانے والا ہے، جسے چاہتا ہے رِزق و عطا

(۱) مسلم، الصحيح، ۴: ۱۷۸۲، كتاب الفضائل، باب تفضيل نبينا على جميع الخلائق، رقم: ۲۲۷۸

(۲) ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۲۸۲، رقم: ۴۸۵۰

(۳) ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۱۴۹

(۴) الشورىٰ، ۴۲: ۱۹

سے نوازتا ہے اور وہ بڑی قوت والا بڑی عزت والا ہےo‘‘

۲۔ اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُo(۱)

’’بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے۔ (اسے کسی کی مدد و تعاون کی حاجت نہیں)o‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں فرمایا:

۱۔ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍo(۲)

’’جو (دعوتِ حق، تبلیغِ رسالت اور روحانی استعداد میں) قوت و ہمت والے ہیں (اور) مالکِ عرش کے حضور بڑی قدر و منزلت (اور جاہ و عظمت) والے ہیںo‘‘

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی صفت بیان فرمائی:

۲۔ قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِيْنُo(۳)

’’ان میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: اے (میرے) والد گرامی! انہیں (اپنے پاس مزدوری) پر رکھ لیں بیشک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانتدار ہو (اور یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں)o‘‘

۳۔ عفریت جن نے بھی اپنی طرف لفظِ قوی منسوب کیا تھا:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ج وَاِنِّیْ عَلَيْهِ لَقَوِیٌّ اَمِيْنٌo(۴)

(۱) الذاریات، ۵۱:۵۸

(۲) التکویر، ۸۱:۲۰

(۳) القصص، ۲۸:۲۶

(۴) النمل، ۲۷:۳۹

’’ایک قوی ہیکل جِن نے عرض کیا: میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بیشک میں اس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوںo‘‘

۲۴۔ اَلْمَحْمُوْدُ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلْحَمِیْدُ ہے جس کے معنی محمود ہیں، ارشاد فرمایا:

۱۔ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌo[1]

’’بیشک وہ قابلِ ستائش (ہے) بزرگی والا ہےo‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَاِنَّ اللهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُo[2]

’’اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بیشک اللہ ہی بے نیاز قابلِ ستائش ہےo‘‘

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی مقامِ محمود کی فضیلت عطا کی، ارشاد فرمایا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاo[3]

’’یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں

(۱) هود، ۱۱:۷۳
(۲) الحج، ۲۲:۶۴
(۳) الاسراء، ۱۷:۷۹

گے)o''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں اس طرف کیا خوب اشارہ فرمایا:

وَ شَقَّ لَهٗ مِن اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

(اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا تاکہ آپ ﷺ کی عزت ہو، پس صاحبِ عرش (اللہ عزوجل) محمود ہے اور آپ محمد ﷺ ہیں۔)

۲۵۔ اَلْمُزَكِّيُ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلْمُزَكِّيُ ہے، فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًاo(۱)

''کیا آپ نے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو پاک ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک فرماتا ہے اور ان پر ایک دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گاo''

۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس صفت سے متصف کر کے فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَo(۲)

''اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت

(۱) النساء، ۴۹:۴

(۲) البقرة، ۱۵۱:۲

وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھےo‘‘

۲۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo(۱)

’’بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo‘‘

۳۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo(۲)

’’وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بیشک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo‘‘

۲۶۔ اَلسَّمِيْعُ

اللہ تعالیٰ کا ایک نامِ مبارک اَلسَّمِيْعُ ہے، ارشاد فرمایا:

۱۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُo(۳)

www.MinhajBooks.com

(۱) آل عمران، ۳:۱۶۴

(۲) الجمعۃ، ۶۲:۲

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷:۱

’’بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۝‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللهَ كَانَ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا۝ (۱)

’’بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۝‘‘

جبکہ سورۃ الدھر میں عام فردِ بشر کو اسی صفت کے ساتھ متصف کیا، ارشاد فرمایا:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا۝ (۲)

’’پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا ہے۝‘‘

۲۷۔ البَصِيْرُ

اللہ تعالیٰ کا ایک مقدس اسم البَصِيْرُ ہے۔ اور یہ اس کی شان کے لائق ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا م بَصِيْرًا۝ (۳)

’’ بیشک وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ خوب دیکھنے والا ہے۝‘‘

۲۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَكَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۝ (۴)

’’اور اللہ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۝‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) النساء، ۴:۵۸

(۲) الدھر، ۷۶:۲

(۳) الاسراء، ۱۷:۹۶

(۴) الفتح، ۴۸:۲۴

جبکہ انسان بھی اپنے حسبِ حال بصیر ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ ۝(۱)

’’بلکہ اِنسان اپنے (اَحوالِ) نفس پر (خود ہی) آگاہ ہوگا۝‘‘

۲۔ سورہ یوسف میں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت یوسف ؑ نے کہا:

اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا ۚ(۲)

’’میرا یہ قمیص لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔‘‘

۳۔ پھر باری تعالیٰ نے بھی ان کے لیے لفظِ بَصِیۡر ارشاد فرمایا:

فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا ۝(۳)

’’پھر جب خوشخبری سنانے والا آپہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (ؑ) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔‘‘

صفاتِ مشترکہ کی حقیقت

مذکورہ بالا صفاتِ مشترکہ کی حقیقت درج ذیل تین توضیحات میں مضمر ہے:

۱۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی معنی میں بیان ہوئی ہیں اور حضور ﷺ کے لئے یا دیگر معزز و مقرب مخلوق کے لئے مجازی معنی میں۔

۲۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ذاتی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں اور مخلوق کے لئے عطائی حیثیت سے۔

(۱) القیامۃ، ۷۵: ۱۴

(۲) یوسف، ۱۲: ۹۳

(۳) یوسف، ۱۲: ۹۶

۳۔ ان صفات کا معنی و اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شانِ خالقیت و مالکیت کے مطابق بیان ہوا ہے اور مخلوق کے لئے اس کی شانِ مخلوقیت و محبوبیت کے مطابق۔

الغرض ایسے اشتراک سے کبھی بھی شرک لازم نہیں آتا بلکہ انہیں توجیہہ اور تطبیق کرنی چاہیے۔

افعال میں اشتراک کی مثالیں

جس طرح مذکورہ بالا بحث میں صفات و اسمائے باری تعالیٰ میں اشتراک کی متعدد مثالیں بیان ہوئیں اسی طرح بعض افعال کے انتساب میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی مثالیں متعدد مقامات پر موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ درحقیقت ایمان میں کمی یا زیادتی تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے لیکن درج ذیل آیتِ مبارکہ میں ایمان میں زیادتی کی نسبت آیاتِ قرآنی کی طرف جا رہی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰـتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَo(۱)

''ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)o''

دوسرے مقام پر جنگِ احد کے تناظر میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے طرزِ عمل کو

(۱) الانفال، ۸:۲

صحابہ کرام کے ایمانی جذبوں میں اضافے کا سبب ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَـكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ○(۱)

”(یہ) وہ لوگ (ہیں) جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمہارے مقابلے کے لئے (بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے○“

۲۔ حقیقت میں افعال کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ○(۲)

”حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خلق فرمایا ہے○“

لیکن قرآن میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے پہلے بندوں کے فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے عمل کو بھی اپنی طرف منسوب کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰی ج وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ○(۳)

”(اے سپاہیانِ لشکرِ اسلام) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے اور یہ

(۱) آل عمران، ۳:۱۷۳

(۲) الصافات، ۳۷:۹۶

(۳) الانفال، ۸:۱۷

(اس لئے) کہ وہ اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے اچھے انعامات سے نوازے، بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہےo‘‘

۳۔ روح قبض کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ **اَللهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا.**(۱)

’’اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔‘‘

۲۔ **وَاللهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌo**(۲)

’’اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے پھر وہ تمہیں وفات دیتا (یعنی تمہاری روح قبض کرتا) ہے۔ اور تم میں سے کسی کو ناقص ترین عمر (بڑھاپا) کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ (زندگی میں بہت کچھ) جان لینے کے بعد اب کچھ بھی نہ جانے (یعنی انسان مرنے سے پہلے اپنی بے بسی و کم مائیگی کا منظر بھی دیکھ لے)، بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہےo‘‘

دوسرے مقام پر اسی فعل کی نسبت اپنے بندے (حضرت عزائیل علیہ السلام) کی طرف کی، ارشاد فرمایا:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَo(۳)

’’آپ فرما دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گےo‘‘

۴۔ حقیقت میں اولاد عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ارشاد فرمایا:

(۱) الزمر، ۳۹: ۴۲

(۲) النحل، ۱۶: ۷۰

(۳) السجدۃ، ۳۲: ۱۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِo (۱)

’’سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (علیہما السلام دو فرزند) عطا فرمائے، بیشک میرا رب دعا خوب سننے والا ہےo‘‘

یہی وَهَب (عطا کرنے) کی نسبت اپنے بندے (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ق لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّاo (۲)

’’(جبرائیل علیہ السلام نے) کہا: میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروںo‘‘

عطا کی نسبت ایک ہی آیت میں اللہ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی طرف فرمائی:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗ لا اِنَّآ اِلَی اللّٰهِ رٰغِبُوْنَo (۳)

’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اسی کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)o‘‘

۵۔ خالقِ حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہے، فرمایا:

ا۔ اَللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ز وَّ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌo (۴)

’’اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہےo‘‘

(۱) ابراہیم، ۱۴:۳۹

(۲) مریم، ۱۹:۱۹

(۳) التوبۃ، ۹:۵۹

(۴) الزمر، ۳۹:۶۲

اسی طرح بے جان جسم میں روح ڈالنا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، ارشاد فرمایا:

۲۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○[۱]

’’پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا ○‘‘

خلق کی ان تمام صفات کی نسبت ایک مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف کی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○[۲]

’’اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا (ان سے کہے گا) کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ○‘‘

(۱) الحجر، ۲۹:۱۵

(۲) آل عمران، ۴۹:۳

اللہ تعالیٰ اور بندوں کی صفاتِ مشترکہ سے متعلق علامہ ابنِ تیمیہ کا مؤقف

چونکہ محبت، اطاعت، رضا اور عطا، اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے مشترکہ طور پر ثابت ہے۔ اسی طرح بہت سی صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان مشترک ہیں۔ اس اشتراک کو کبھی بھی کسی نے شرک نہیں بنایا۔ علامہ ابنِ تیمیہ نے ایک ہی جگہ اور ایک ہی عبارت میں ایسی **۲۳ مشترکہ صفات** کا ذکر کیا ہے اور ہر صفت کو قرآن سے مستنبط کیا ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ کا یہ ایمان افروز اقتباس مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

الصفات المشتركة بين الله و عباده

فقد سمى الله نفسه حيّا، فقال: ﴿اَللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ﴾(۱) و سمى بعض عباده حيّا، فقال: ﴿يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾(۲) و ليس هذا الحي مثل هذا الحي لأن قوله: ﴿اَلْحَیُّ﴾ اسم لله مختص به، و قوله: ﴿يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ اسم للحي المخلوق مختص به و إنما يتفقان إذا أطلقا و جردا عن

اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں میں مشترک صفات

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رکھا ہے حَیٌّ (ہمیشہ زندہ رہنے والا) فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ’’اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہمیشہ زندہ رہنے والا سب کو قائم رکھنے والا۔‘‘ اس نے اپنے بعض بندوں کو بھی حیٌّ (زندہ) فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: ’’اور زندہ کو مُردہ (یعنی جاندار کو بے جان) سے کون نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ (یعنی بے جان کو جاندار) سے کون نکالتا ہے۔‘‘ یہ زندہ اس زندہ کی طرح تو نہیں ہوسکتا کیونکہ الحی خاص اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس فرمان يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ

(۱) البقرة، ۲:۲۵۵

(۲) البقرة، ۲:۲۵۵

التخصيص، ولكن ليس للمطلق مسمى موجود في الخارج، ولكن العقل يفهم من المطلق قدراً مشتركاً بين المسميين، و عند الاختصاص يقيد ذلک بما يتميز به الخالق عن المخلوق والمخلوق عن الخالق. ولا بد من هذا في جميع أسماء الله و صفاته، يفهم منها ما دل عليه الإسم بالمواطأة والاتفاق، وما دل عليه بالإضافة والاختصاص المانعة من مشاركة المخلوق للخالق في شيء خصائصه، سبحانه و تعالی.

الْمَيِّتِ۔ خاص مخلوق کا نام ہے۔ یہ دونوں نام جب تخصیص سے خالی کر کے مطلقًا بولے جائیں تو متفق ہیں مگر خارج میں تو مطلق پایا نہیں جاتا البتہ عقلِ مطلق سے دونوں ناموں میں ایک قدرِ مشترک سمجھتی ہے اور تخصیص کرتے وقت کچھ ایسی قیود لگائی جائیں گی جن کی بنا پر خالق مخلوق سے ممتاز ہو اور مخلوق خالق سے اور ایسی قیدیں اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں اور صفتوں میں لگانا ضروری ہیں تاکہ اسمِ مشترک بولتے وقت خصوصیات و اضافات معلوم ہوں۔ جو خالق و مخلوق کی خصوصیات کو گڈ مڈ نہ ہونے دیں۔

و كذلک سمى الله نفسه: ﴿عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾[1] و سمى بعض عباده عليما، فقال: ﴿وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ﴾[2] يعني إسحاق، وسمى آخر حليما فقال: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ

یونہی اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اپنا نام علیم و حلیم بولا ہے اور یہی دو نام اپنے بعض بندوں کے لئے بھی استعمال کئے ہیں فرمایا: ”فرشتوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو علم والے بیٹے (اسحاق) کی خوشخبری دی۔“ اور

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۱
(۲) الذاريات، ۵۱:۲۸

حَلِيْمٍ﴾[۱] يعني إسماعيل، و ليس العليم كالعليم، ولا الحليم كالحليم.

دوسرے بیٹے کا نام حَلِيْم رکھا۔ فرمایا: ''پھر ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بردبار بیٹے کی خوشخبری سنائی۔'' یعنی اسماعیل علیہ السلام کی حالانکہ یہ علیم اُس علیم کی طرح ہے نہ وہ حلیم اس حلیم کی طرح۔

و سمى نفسه: ﴿سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ فقال: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾[۲] و سمى بعض عباده سميعاً بصيراً فقال: ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾[۳] و ليس السميع كالسميع، ولا بصير كالبصير.

اس نے اپنا نام رکھا: سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ فرمایا: ''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔'' اور اس نے اپنے بعض بندوں کو بھی سَمِيْعًا بَصِيْرًا فرمایا۔ ارشاد فرمایا: ''بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا جسے ہم (تولّد تک ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف) پلٹتے اور جانچتے رہتے ہیں، پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر)

(۱) الصافات، ۳۷: ۱۰۱

(۲) النساء، ۴: ۵۸

(۳) الإنسان، ۷۶: ۲

دیکھنے والا بنایا ہے۔‘‘ حالانکہ ایک سمیع دوسرے سمیع کی طرح نہیں، نہ ایک بصیر دوسرے بصیر کی طرح۔

و سمی نفسه بالرء وف الرحيم، فقال: ﴿إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [1] و سمى بعض عباده بالرء وف الرحيم، فقال: ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [2] و ليس الرءوف كالرءوف، ولا الرحيم كالرحيم.

اور اس نے اپنا نام الرَّؤُفُ الرَّحِيْم رکھا۔ فرمایا: ’’بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔‘‘ اور اس نے اپنے بعض بندوں کا نام رَّؤُفٌ رَّحِيْم۔ فرمایا: ’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔‘‘ حالانکہ ایک رؤوف دوسرے رؤوف کی طرح نہیں، نہ ایک رحیم دوسرے رحیم کی مانند۔

و سمى نفسه بالملک، فقال:

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام الملک بتایا ہے اور

(۱) البقرة، ۲:۱۴۳

(۲) التوبة، ۹:۱۲۸

﴿اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ﴾ [۱] و سمی بعض عباده بالملک فقال: ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ [۲] ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ﴾ [۳] و لیس الملک کالملک.

فرمایا: اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ۔ اور اپنے بعض بندوں کو بھی الملک بتایا: فرمایا: ''ان کے آگے ایک (جابر) بادشاہ (کھڑا) تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی (مالکوں سے بلامعاوضہ) چھین رہا تھا۔'' اور فرمایا: ''اور (یہ تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا: یوسف (علیہ السلام) کو (فوراً) میرے پاس لے آؤ۔'' حالانکہ ایک مَلِک دوسرے مَلِک کی طرح نہیں۔

و سمی نفسه بالمؤمن المهیمن، و سمی بعض عباده بالمؤمن. فقال: ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ﴾ [۴] ولیس المؤمن کالمؤمن.

یونہی اس نے اپنا نام بتایا الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ اور اپنے کچھ بندوں کو بھی مؤمن فرمایا: ''بھلا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہو اس کی مثل ہوسکتا ہے جو نافرمان ہو، (نہیں) یہ (دونوں) برابر نہیں ہو سکتے۔'' حالانکہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کی طرح نہیں۔

(۱) الحشر، ۵۹:۲۳

(۲) الکهف، ۱۸:۷۹

(۳) یوسف، ۱۲:۵۰

(۴) السجدة، ۳۲:۱۸

وسمی نفسه بالعزیز، فقال: ﴿الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ﴾[1]. و سمی بعض عباده بالعزیز، فقال: ﴿قَالَتِ امْرَاتُ الْعَزِیْزِ﴾[2] و لیس العزیز کالعزیز.

اس نے اپنا نام العزیز بتایا: فرمایا: الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ ''غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے۔'' فرمایا: اور اپنے بعض بندوں کا نام بھی العزیز بتایا ہے: ''عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا بھی) بول اٹھی۔'' حالانکہ ایک عزیز دوسرے عزیز کی طرح نہیں۔

و سمی نفسه الجبار المتکبر، و سمی بعض خلقه بالجبار المتکبر، فقال: ﴿کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[3] و لیس الجبار کالجبار، ولا المتکبر کالمتکبر، و نظائر هذا متعددة.

اس نے اپنا نامِ اقدس الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّر بتایا اور اپنی بعض مخلوق کا نام بھی الجَبَّار الْمُتَکَبِّر رکھا۔ فرمایا: ''اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور (اور) سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔'' حالانکہ ایک جبار دوسرے جبار کی طرح اور ایک متکبر دوسرے متکبر کی طرح نہیں، اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

وکذلک سمی صفاته بأسماء، وسمی صفات عباده بنظیر ذلک فقال: ﴿وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ

یونہی اس نے اپنی صفات کے نام رکھے اور اسی طرح اپنے بندوں کی صفات کے۔ فرمایا: ''اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی

(۱) الحشر، ۵۹: ۲۳

(۲) یوسف، ۱۲: ۵۱

(۳) غافر، ۴۰: ۳۵

عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾[۱] ﴿اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ﴾[۲].

چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔'' اور فرمایا: ''اسے اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔''

و قال: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ﴾[۳]. و قال: ﴿اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً﴾[۴].

اور فرمایا: ''بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے۔'' اور فرمایا: ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے وہ اُن سے کہیں بڑھ کر طاقتور ہے۔''

و سمى صفة المخلوق علماً و قوة فقال: ﴿وَمَآ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا﴾[۵]. و قال: ﴿وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ﴾[۶].

اور مخلوق کی صفت کو بھی علم اور قوۃ فرمایا: ''اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔'' اور فرمایا: ''ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔''

و قال: ﴿فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ﴾[۷].

اور فرمایا: ''تو اُن کے پاس جو (دنیاوی) علم وفن تھا وہ اس پر اِتراتے رہے۔''

(۱) البقرة، ۲:۲۵۵

(۲) النساء، ۴:۱۶۶

(۳) الذاريات، ۵۱:۵۸

(۴) فصلت، ۴۱:۱۵

(۵) الاسراء، ۱۷:۸۵

(۶) يوسف، ۱۲:۷۶

(۷) غافر، ۴۰:۸۳

و قال: ﴿اَللهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً﴾(۱). و قال: ﴿وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ﴾(۲).

اور فرمایا: ''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز (یعنی نطفہ) سے پیدا فرمایا پھر اس نے کمزوری کے بعد قوتِ (شباب) پیدا کی، پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا پیدا کر دیا۔'' اور فرمایا: ''اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا۔''

و قال: ﴿وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ﴾(۳) أي بقوة، وقال: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ﴾(۴) أي ذا القوة، و ليس العلم كالعلم، ولا القوة كالقوة.

اور فرمایا: ''اور آسمانی کائنات کو ہم نے بڑی قوت کے ذریعہ بنایا۔'' اور فرمایا: ''اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کا ذکر کریں جو بڑی قوت والے تھے۔'' حالانکہ ایک علم دوسرے علم اور ایک قوت دسری قوت کی مثل نہیں۔

و وصف نفسه بالمشيئة، ووصف عبده بالمشئة. فقال: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَقِيْمَ ○ وَ مَا تَشَآؤُوْنَ إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾(۵) وقال: ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مشیئت بیان کی اور بندے کی صفت بھی مشیئت بیان فرمائی۔ اور فرمایا: ''تم میں سے ہر اس شخص کے لئے (اس چشمہ سے ہدایت میسر آ سکتی ہے) جو سیدھی راہ چلنا چاہے اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا

(۱) الروم، ۳۰:۵۴

(۲) هود، ۱۱:۵۲

(۳) الذاريات، ۵۱:۴۷

(۴) ص، ۳۸:۱۷

(۵) التكوير، ۸۱:۲۸۔۲۹

اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا○ وَمَا تَشَآؤُوْنَ اِلَّآ أَنْ یَّشَآءَ اللهُ ط اِنَّ اللهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ (۱)

رب ہے۔‘‘ اور فرمایا: ’’بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف (پہنچنے کا) راستہ اِختیار کر لے۔ اور تم خود کچھ نہیں چاہ سکتے سوائے اس کے جو اللہ چاہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔‘‘

و کذلک وصف نفسه بالإرادة، ووصف عبده بالإرادة، فقال: ﴿تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ (۲)

یونہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ارادہ کرنا۔ اور بندے کی صفت بھی ارادہ کرنا، فرمایا: ’’تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو، اور اللہ آخرت کی (بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ خوب غالب حکمت والا ہے۔‘‘

و وصف نفسه بالمحبة ووصف عبده بالمحبة، فقال: ﴿فَسَوْفَ یَاْتِی اللهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ﴾ (۳) وقال: ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ﴾ (۴)

اور اس نے اپنی صفت بیان فرمائی محبت کرنا، اور اپنے بندے کی صفت بھی محبت بیان فرمائی۔ فرمایا: ’’تو عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔‘‘ اور فرمایا: ’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں

(۱) الدھر، ۷۶:۲۹۔۳۰

(۲) الانفال، ۸:۶۷

(۳) المائدة، ۵:۵۴

(۴) آل عمران، ۳:۳۱

(اپنا) محبوب بنا لے گا۔‘‘

ووصف نفسه بالرضا، ووصف عبده بالرضا، فقال: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رضا (راضی ہونا) بیان فرمائی اور اپنے بندے کی صفت بھی رضا بیان فرمائی۔ فرمایا: ’’اللہ اُن سے راضی ہوگیا ہے اور وہ لوگ اس سے راضی ہیں۔‘‘

و معلوم أن مشيئة الله ليست مثل مشيئة العبد، ولا إرادته مثل إرادته، ولا محبته مثل محبته، ولا رضاه مثل رضاه.

اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندے کی مشیت جیسی نہیں، نہ اس کا ارادہ اس کے ارادہ کی طرح، نہ اس کی محبت اس کی محبت جیسی، نہ اس کی رضا اس کی رضا جیسی۔

و كذلك وصف نفسه بأنه يمقت الكفار. ووصفهم بالمقت فقال: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ﴾ (۲) و ليس المقت مثل المقت.

یونہی اس نے اپنی صفت بیان کی کہ وہ کافروں سے بیزار ہے پھر ان کی صفت بیان کی کہ وہ خود بھی اپنے آپ سے بیزار ہوں گے۔ ’’بے شک جنھوں نے کفر کیا انہیں پکار کر کہا جائے گا: (آج) تم سے اللہ کی بیزاری، تمہاری جانوں سے تمہاری اپنی بیزاری سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے مگر تم انکار کرتے تھے۔‘‘ جبکہ ایک بیزاری دوسری کی طرح نہیں۔

(۱) البينة، ۹۸:۸

(۲) غافر، ۴۰:۱۰

و هكذا وصف نفسه بالمكر والكيد كما وصف عبده بذلك، فقال: ﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللهُ﴾ (۱) و قال: ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًاO وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ (۲) و ليس المكر كالمكر ولا الكيد كالكيد.

یونہی اس نے اپنی صفت بیان فرمائی مکر و کید جیسے بندے کی مکر و کید صفت بیان فرمائی۔ فرمایا: ’’اور (اِدھر) وہ سازشی منصوبے بنا رہے تھے اور (اُدھر) اللہ (ان کے مکر کے رد کے لئے اپنی) تدبیر فرما رہا تھا۔‘‘ اور فرمایا: ’’بیشک وہ (کافر) پُر فریب تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور میں اپنی تدبیر فرما رہا ہوں۔‘‘ حالانکہ ایک مکر دوسرے مکر اور ایک کید دوسرے کید کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه بالعمل، فقال: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ﴾ (۳) ووصف عبده بالعمل فقال: ﴿تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۴) و ليس العمل كالعمل.

اس نے اپنی صفت بتائی عمل۔ فرمایا: ’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی (مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں۔‘‘ اور اپنے بندے کی صفت بھی عمل بیان کی فرمایا: ’’تمہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔‘‘ حالانکہ ایک عمل دوسرے کی مثل نہیں۔

ووصف نفسه بالمناداة والمناجاة، فقال: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

اور اس نے اپنی صفت بیان فرمائی منادات و مناجات۔ ’’اور ہم نے انہیں (کوہِ) طور

(۱) الأنفال، ۸:۳۰

(۲) الطارق، ۸۶:۱۵-۱۶

(۳) یس، ۳۶:۷۱

(۴) الطور، ۵۲:۱۶

الْاَیْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا﴾ (۱) وقال: ﴿وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ﴾ (۲) و قال: ﴿وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا﴾ (۳) ووصف عباده بالمناداة والمناجاة، فقال: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ (۴) و قال: ﴿اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾ (۵) و قال: ﴿اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (۶) و لیس المناداة والمناجاة کالمناجاة والمناداة.

کی داہنی جانب سے ندا دی اور راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لئے ہم نے انہیں قربتِ (خاص) سے نوازا۔‘‘ اور فرمایا: ’’اور جس دن (اللہ) انہیں پکارے گا۔‘‘ اور فرمایا: ’’تو ان کے رب نے انہیں ندا فرمائی۔‘‘ اور اپنے بندوں کی صفت بھی مناداۃ و مناجات بیان فرمائی۔ ’’بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام و مرتبہ اور آدابِ تعظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔‘‘ اور فرمایا: ’’جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو۔‘‘ اور فرمایا: ’’جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم و سرکشی کی سرگوشی نہ کیا کرو۔‘‘ حالانکہ ایک مناداۃ (پکار) و مناجات (سرگوشی) دوسری مناداۃ و مناجات کی طرح نہیں۔

(۱) مریم، ۵۲:۱۹
(۲) القصص، ۶۲:۲۸
(۳) الاعراف، ۲۲:۷
(۴) الحجرات، ۴:۴۹
(۵) المجادلة، ۱۲:۵۸
(۶) المجادلة، ۹:۵۸

ووصف نفسه بالتكليم في قوله: ﴿وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾[۱] و قوله: ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾[۲] و قوله: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللهُ﴾[۳]

اور اس نے اپنی صفت بیان کی کلام کرنا (تکلیم) ''اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی۔'' اور فرمایا: ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے (مقرر کردہ) وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا۔'' اور فرمایا: ''یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا۔''

ووصف عبده بالتكليم في قوله: ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ج فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾[۴]

اور اپنے بندے کی صفت بھی تکلیم (کلام کرنا) بیان فرمائی۔ ''اور بادشاہ نے کہا: انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنے لئے (مشیرِ) خاص کرلوں، سو جب بادشاہ نے آپ سے (بالمشافہ) گفتگو کی (تو نہایت متاثر ہوا اور) کہنے لگا (اے یوسف!) بیشک آپ آج سے ہمارے ہاں مقتدر (اور) معتمد ہیں (یعنی آپ کو اقتدار میں شریک کرلیا گیا ہے)۔''

(۱) النساء، ۴:۱۶۴
(۲) الاعراف، ۷:۱۴۳
(۳) البقرۃ، ۲:۲۵۳
(۴) یوسف، ۱۲:۵۴

ووصف نفسه بالتنبئة، ووصف بعض الخلق بالتنبئة فقال: ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ج فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ج فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ هٰذَا ط قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (۱) و لیس الإنباء کالإنباء.

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت فرمائی اَلتُّنبِئَۃُ (غیب بتانا) اور اپنی بعض مخلوق کی صفت بھی اَلتُّنبِئَۃُ بتائی۔ ’’اور جب نبیِّ (مکرّم ﷺ) نے اپنی ایک زوجہ سے ایک رازدارانہ بات ارشاد فرمائی، پھر جب وہ اُس (بات) کا ذکر کر بیٹھیں اور اللہ نے نبی (ﷺ) پر اسے ظاہر فرما دیا تو نبی (ﷺ) نے انہیں اس کا کچھ حصّہ جِتا دیا اور کچھ حصّہ (بتانے) سے چشم پوشی فرمائی، پھر جب نبی (ﷺ) نے انہیں اِس کی خبر دے دی (کہ آپ راز افشاء کر بیٹھی ہیں) تو وہ بولیں: آپ کو یہ کِس نے بتا دیا ہے؟ نبی (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے بڑے علم والے بڑی آگاہی والے (رب) نے بتا دیا ہے۔‘‘ حالانکہ ایک اِنباء (غیب بتانا) دوسرے انباء کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه بالتعليم، فقال: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾ (۲) و

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی تعلیم علم سکھانا۔ فرمایا: ’’(وہ) رحمٰن ہی ہے۔ جس نے (خود رسولِ عربی ﷺ کو) قرآن سکھایا اُسی نے (اِس کامل) انسان کو پیدا فرمایا۔

(۱) التحریم، ۶۶:۳

(۲) الرحمن، ۵۵:۱۔۴

قال: ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللهُ﴾(۱) و قال: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾(۲) و ليس التعليم كالتعليم.

اسی نے اِسے (یعنی نبیِ برحق ﷺ کو ما کان و ما یکون کا) بیان سکھایا۔'' اور فرمایا: ''تم انہیں (شکار کے وہ طریقے) سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھائے ہیں۔'' اور فرمایا: ''بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' حالانکہ ایک تعلیم دوسری تعلیم کی طرح نہیں۔

و هكذا وصف نفسه بالغضب فقال: ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ﴾(۳) ووصف عبده بالغضب في قوله: ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾(۴) و ليس الغضب كالغضب.

یونہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غضب بیان فرمائی۔ ''اور ان پر اللہ نے غضب فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی۔'' پھر اپنے بندے کی صفت غضب بیان فرمائی: ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف نہایت غم و غصہ سے بھرے ہوئے پلٹے تو کہنے لگے۔'' حالانکہ ایک غضب دوسرے کی مثل نہیں۔

(۱) المائدة، ۵:۴

(۲) آل عمران، ۳:۱۶۴

(۳) الفتح، ۴۸:۶

(۴) الاعراف، ۷:۱۵۰

ووصف نفسه بأنه استوى على عرشه، فذكر ذلك في سبع مواضع من كتابه: استوى على العرش، ووصف بعض خلقه بالاستواء على غيره في مثل قوله: ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ﴾ [1] و قوله: ﴿فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ [2] و قوله: ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ [3] و ليس الاستواء كالاستواء.

اور اپنی صفت استواء علی العرش بیان کی کہ وہ اپنے عرش پر متمکن ہوا۔ اور یہ بات قرآن کریم میں سات مقامات پر دھرائی اور اپنی بعض مخلوق کا کسی اور چیز پر متمکن ہوا بیان فرمایا مثلاً ’’تاکہ تم ان کی پشتوں (یا نشتوں) پر درست ہو کر بیٹھ سکو۔‘‘ اور فرمایا: ’’پھر جب تم اور تمہاری سنگت والے (لوگ) کشتی میں ٹھیک طرح سے بیٹھ جائیں۔‘‘ اور فرمایا: ’’اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔‘‘ حالانکہ ایک استویٰ دوسرے استویٰ کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه ببسط اليدين، فقال: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ [4] ووصف بعض خلقه ببسط اليد في قوله: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى

اور اس نے اپنی صفت بیان فرمائی کہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ’’اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی معاذ اللہ وہ بخیل ہے)، ان کے (اپنے) ہاتھ باندھے جائیں اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کے باعث ان پر لعنت کی گئی، بلکہ (حق یہ ہے کہ) اس کے دونوں ہاتھ (جودو سخا کے

(۱) الزخرف، ۴۳:۱۳

(۲) المؤمنون، ۲۳:۲۸

(۳) هود، ۱۱:۴۴

(۴) المائدة، ۵:۶۴

عُنُقِکَ وَلاَ تَبسُطهَا کُلَّ البَسطِ﴾[۱] و لیس الید کالید، ولا البسط کالبسط، و إذا کان المراد بالبسط الإعطاء والجود، فلیس إعطاء اللہ کإعطاء خلقه، ولا جوده کجودهم و نظائر هذا کثیرة.

لئے) کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ (یعنی بندوں پر عطائیں) فرماتا ہے۔'' اور اپنی کچھ مخلوق کی بھی یہ صفت بیان کی کہ ان کے ہاتھ کھلے ہیں فرمایا: ''اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو۔'' حالانکہ ہاتھ ہاتھ جیسا نہیں، نہ کھولنا کھولنے کی طرح۔ جب کھولنے سے مراد ہے جود و عطاء کرنا تو اللہ تعالیٰ کی عطاء مخلوق کی عطا کی مثل نہیں۔ نہ اس کی سخاوت مخلوق کی سخاوت کی سی اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔

فلا بد من إثبات ما أثبته اللہ لنفسه و نفي مماثلته لخلقه، فمن قال: لیس للہ علم. ولا قوة ولا رحمة، ولا کلام ولا یحب، ولا یرضی ولا نادی، ولا ناجی، ولا استوی: کان معطلاً جاحداً، ممثلاً للہ بالمعدومات والجمادات.

پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے لئے ثابت کیا ہے اُسے اُسی کے لئے ثابت مانا جائے اور مخلوق سے اس کی مماثلت کی نفی کی جائے۔ تو جس نے کہا اللہ تعالیٰ کا علم نہیں قوت نہیں، رحمت نہیں کلام نہیں، وہ محبت نہیں کرتا، راضی نہیں ہوتا، آواز نہیں دیتا، سرگوشی نہیں کرتا، استویٰ نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کو معطل ماننے والا منکر ہے۔ وہ اللہ کو معدومات و جمادات سے تشبیہ دینے والا ہے

(۱) الاسراء، ۱۷: ۲۹

ومن قال: له علم كعلمي، أو قوة كقوتي، أو حب كحبي، أو رضاء كرضائي، أو يدان كيداي، أو استواء كاستوائي: كان مشبهاً ممثلاً لله بالحيوانات.

اور جس نے کہا اس کا علم میرے علم جیسا ہے اس کی قدرت میری قدرت جیسی ہے اس کی محبت میری محبت جیسی ہے، اس کی رضا میری رضا جیسی ہے یا اس کے ہاتھ میرے ہاتھوں جیسے ہیں یا اس کا متمکن ہونا میرے بیٹھنے کی طرح ہے۔ وہ اللہ کو حیوانات سے تشبیہ دینے والا ہے۔

بل لا بد من إثبات بلا تمثيل و تنزيه بلا تعطيل. (۱)

بلکہ ضروری ہے کہ یہ سب کچھ بلامثال اور تنزیہہ (پاکی) بغیر تعطیل ثابت کی جائے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کی تصنیف ''**العبودية**'' کے شارح عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی سورۂ توبہ کی آیت: ۲۴، ۵۹ اور ۶۲ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

و هناک حقوق مشترکة بين الله و بين الرسول، مثل المحبة فهذه تكون لله و للرسول، و الطاعة تكون لله و للرسول، و الإرضاء يكون لله و للرسول، و الإيتاء يكون لله و للرسول ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهُ﴾ فلا يخلط الإنسان بين حقوق الله الخاصة به و بين الحقوق المشتركة بين الله و الرسول.

هناک حقوق خاصة بالرسول و هی التوقير، و التعظيم، و الإجلال، والتعزيز، كما قال الله تعالٰى في سورة الفتح ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ

(۱) ابن تيميه، الرسالة التدمرية: ۲۱

وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ﴾ تعزروه و توقروه هذا للرسول، و التعزير و التوقير: أي التقدير و الإجلال، ثم قال ﴿وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ هذا خاص بالله، التسبيح و التكبير و التهليل هذا حق الله لأنها عبادة، فلا تسبح الرسول و لا تهلل الرسول و لا تكبر الرسول، بل هذا خاص بالله، و هناك حقوق مشتركة بين الله و بين الرسول و منها: المحبة و الطاعة و الإيتاء و الإرضاء.[1]

’’اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان بعض حقوق مشترکہ ہیں جیسے **محبت**، یہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے ثابت ہے۔ **طاعت**، یہ بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے مشترک ہے۔ **رضامندی**، یہ بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے مشترکہ طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا‘‘ پس (اس صراحت کے بعد) کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کے حقوقِ خاصہ اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حقوقِ مشترکہ کے درمیان خلط ملط نہیں کر سکتا۔

اسی طرح بعض حقوق ایسے ہیں جو صرف رسالت مآب ﷺ کے ساتھ **خاص** ہیں وہ یہ ہیں، **توقیر**، **تعظیم**، **اجلال** اور **تعزیر** جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں فرمایا: ’’بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو۔‘‘

تعزوہ و توقروہ یہ الفاظِ (تعظیم) صرف رسول ﷺ کے لئے ہیں یعنی تعظیم و

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی، شرح العبودیۃ: ۲۱

تکریم اور ادب واحترام رسول ﷺ کا حق ہے۔

اور پھر فرمایا: ''اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو۔'' یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ تسبیح تکبیر تہلیل یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ یہ عبادت ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرح رسول ﷺ کی تسبیح پڑھی جائے نہ تہلیل اور نہ تکبیر۔ یہ (بطورِ عبادت) صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسی طرح کچھ حقوق ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے مابین مشترکہ ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ **محبت، اطاعت، عطا اور رضا۔**''

www.MinhajBooks.com

باب یازدہم

توحید کے تناظر میں

مِنْ دُوْنِ اللهِ کا صحیح مفہوم

www.MinhajBooks.com

’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کوئی مخصوص قرآنی اصطلاح نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے فعل دَانَ یَدُوْنُ کا مادہ دُوْناً ہے جس میں کمزوری، حقارت، خساست، پستی اور گھٹیا پن کا معنی پایا جاتا ہے۔

۱۔ عام روزمرّہ گفتگو میں اہلِ عرب کسی کی حقارت اور گھٹیا پن کے بارے میں یوں اظہار کرتے ہیں: ’صَارَ دُوْناً خَسِیْساً‘ کہ فلاں شخص دُوْن یعنی گھٹیا اور کمینہ ہوگیا۔(۱)

اس جملے میں گھٹیا پن، پستی اور حقارت و خساست کا مفہوم مضمر ہے۔

۲۔ یقال للقاصر عن الشیئی دُون ’’جو شخص اپنی کمزوری کے باعث کوئی کام کرنے سے عاجز و قاصر ہوا سے بھی دُوْن کہا جاتا ہے۔‘‘(۲)

۳۔ اگر کوئی چیز کسی کے مقابلے میں مقداراً تھوڑی، کم حقیر اور ہلکی ہو تو اسے بھی دُوْنَ کہتے ہیں۔ جیسے ارشادِ ربانی ہے۔

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ. (۳)

’’اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لئے چاہتا ہے بخشش دیتا ہے۔‘‘

روزمرّہ گفتگو میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا استعمال ’’غیر اللہ‘‘ کے معنی میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر ’’مِنْ دُوْنِ اللّٰہ‘‘ یا ’’مِنْ دُوْنِہٖ‘‘ کے الفاظ کفار و مشرکین کے شرک کی نفی اور ابطالِ باطل کے ضمن میں ان کے معبودانِ باطلہ کے لئے استعمال ہوئے

---

(۱) فیروز آبادی، القاموس المحیط، ۱:۱۵۴۵

(۲) راغب اصفہانی، المفردات: ۱۷۲

(۳) النساء، ۴:۴۸

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

ہیں جس سے نہ صرف ان کا غیرِ خدا ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ ان کی اصل حیثیت یعنی بے مائیگی بھی متعین ہو جاتی ہے اور اس پر مستزاد ان کے الٰہ اور قابلِ پرستش ہونے کا رد بھی ہو جاتا ہے۔ مزید برآں دَانَ یَدُوْنُ کے اصل معنی کی بنا پر ان کا پست وحقیر، گھٹیا اور عاجز وکمزور بلکہ بارگاہِ خداوندی میں ان کا بے مایہ اور بے حیثیت ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ گویا مِنْ دُوْنِ اللهِ کے الفاظ سے کفار ومشرکین کے مشرکانہ معتقدات اور توہمات کا قلع قمع کرنا اور ان کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ان کے جھوٹے معبود اس قدر بے حیثیت ہیں کہ وہ کسی قسم کے نفع ونقصان کا باعث نہیں ہو سکتے۔

مِنْ دُوْنِ اللهِ کی حقیقی مراد

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی مِنْ دُوْنِ اللهِ یا اس کے مماثل الفاظ کا ذکر ہوا ہے وہاں اس سے مقصود کفار ومشرکین کے باطل عقائد ونظریات کا رد اور معبودانِ باطلہ کی بے وقعتی کا اظہار ہے۔ بنیادی طور پر ان الفاظ سے درج ذیل امور کا بیان مقصود ہوتا ہے۔

۱۔ باطل عقائد ونظریات

کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کے سیاق وسباق میں ان کے باطل عقائد ونظریات کا ذکر کر کے کسی نہ کسی صورت میں ان کی تردید اور تغلیط مقصود ہے۔

۲۔ معبودانِ باطلہ

ان الفاظ کے ذریعہ عام طور پر ان کے معبودانِ باطلہ یعنی ان بتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جنہیں وہ خدا کا شریک ٹھہرا کر مستحقِ عبادت سمجھتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے اُلوہیت کی نفی

ان الفاظ کے ذریعے معبودانِ باطلہ کی ذاتِ حق سے مطلقاً بے تعلقی اور اللہ

تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے الُوہیت کی نفی کی گئی ہے۔

۴۔ معبودانِ باطلہ کی بے وقعتی

مِنْ دُوْنِ اللهِ سے ان معبودانِ باطلہ کی بے بسی، بے حیثیتی اور بے وقعتی ظاہر کرنا مقصود ہے تاکہ کفار و مشرکین اس حقیقت پر متنبّہ ہو کر اپنے مزعومہ مشرکانہ خیالات سے باز آ جائیں اور انہیں عبادت کے لائق نہ سمجھیں۔

۵۔ کفار و مشرکین سے خطاب

کلامِ الٰہی میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کے مخاطب مورد و اطلاق کے اعتبار سے اہلِ ایمان نہیں بلکہ اہلِ کفر مشرکین اور ان کے وہ الٰہ اور جھوٹے معبود ہیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ مِنْ دُوْنِ اللهِ سے نہ تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء و رسل علیہم السلام مراد ہیں اور نہ ہی صلحاء و اولیاء جنہیں بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت اور مقامِ قرب و محبوبیت سے نوازا گیا ہے، ان کا ذکر قرآن حکیم میں اس پیرائے میں نہیں کیا گیا۔ اہلِ ایمان انہیں خدا کا شریک یا اپنا معبود نہیں سمجھتے۔ اگر کسی جگہ نصاریٰ کے تذکرے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے حوالے سے ایسی بات کہی گئی ہے تو وہ بھی صرف اس بناء پر کہ انہوں نے دونوں برگزیدہ ہستیوں کو خدا اور خدا کا بیٹا مان کر واضح شرک کا ارتکاب کیا تھا۔ جس پر اس بات کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے استفسار کیا جائے گا: ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللهِ. ﴿المائدة، ۵:۱۱۶﴾ ’’کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟‘‘ جس کا جواب وہ نفی میں دیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں بھی تثلیث کے ماننے والوں کے مزعومہ مشرکانہ عقائد کی تردید اور خدا کی الُوہیت کے سوا ہر ایک کی نفی مقصود ہے۔

۶۔ معبودانِ باطلہ کے ولی اور شفیع ہونے کا انکار

مِنْ دُوْنِ اللهِ یا مِنْ دُوْنِہٖ کے الفاظ کے ذریعے کفار کے معبودانِ باطلہ کے ولی اور شفیع ہونے کا انکار کیا گیا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ. (۱)

’’ان کے لئے اس کے سوا نہ کوئی مددگار ہو اور نہ (کوئی) سفارشی۔‘‘

اس آیتِ مبارکہ کا اشارہ بھی منکرین و مشرکین اور ان کے جھوٹے معبودوں کی طرف ہے کیونکہ اہلِ ایمان کے لئے تو ولایت بھی ثابت ہے اور شفاعت بھی حتیٰ کہ خود قرآن کی رو سے انبیاء و صلحاء اہلِ ایمان کے ولی بھی ہیں اور شفیع بھی بلکہ ایمانداروں کو صرف انہی پر اعتماد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

انبیاء و اولیاء ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کا مصداق نہیں

مِنْ دُوْنِ اللهِ یا مِنْ دُوْنِہٖ جیسے الفاظ کا اطلاق اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے عام چیزوں پر ہوتا ہے اور ان کا معنی غیرِ خدا ہی لیا جاتا ہے۔ یہاں ’’غیرِ خدا‘‘ کا مفہوم اپنے اندر یہ واضح اشارہ رکھتا ہے کہ ہر وہ چیز غیرِ خدا ہے جو خدا سے دور لے جانے والی ہو۔ خدا سے انکار اور کفر و شرک کا باعث ہو اور خدا کی بارگاہ میں کسی بھی رتبے یا درجے کی حامل نہ ہو بلکہ عنداللہ محض بے حیثیت اور بے عزت و بے وقعت ہو، جہاں تک انبیاء و رسل، اولیاء و عرفاء، مومنین کاملین اور خدا کے مقبول و برگزیدہ بندوں کا تعلق ہے وہ بارگاہِ ایزدی میں مقرب اور محبوب تصور کئے جاتے ہیں، ان پر ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ٥ (۱)

---

(۱) الانعام، ۶: ۵۱

”بے شک وہ ہمارے (کامل) ایمان والے بندوں میں سے ہیںo“

۲۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو تو غیر سمجھتا ہی نہیں۔ اُس کے نزدیک غیر وہی ہیں جو اس سے دور ہیں۔ ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللهُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَo(۲)

”اے نبی (معظم!) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لیo“

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اپنا مقرب قرار دیا اور بطورِ خاص اپنی بارگاہ میں ان کی حیثیت اور قدر و منزلت کو واضح فرمایا ہے۔

اولیاء اللہ (اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب بندے) اللہ تعالیٰ کا غیر اس لئے بھی نہیں ہوسکتے کہ وہ خود زمین پر چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے، ان کی زیارت اللہ کے ذکر کا سبب ہوتی ہے، ان کی قربت اللہ کی قربت اور انکی محبت اللہ کی محبت ہوتی ہے۔ زیرِ بحث موضوع کو سمجھنے میں حضرت ابنِ عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی درج ذیل حدیث کا حوالہ دینا مددگار ثابت ہوگا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اولیاء اللہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللهُ عزوجل.(۳)

”وہ لوگ جنہیں دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے (اولیاء اللہ ہیں)۔“

---

(۱) الصآفات، ۳۷: ۱۱۱

(۲) الانفال، ۸: ۶۴

(۳) ۱۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۳۶۲، رقم: ۱۱۲۳۵

۲۔ ابن المبارک، کتاب الزھد، ۱: ۷۲، رقم: ۲۱۷

۳۔ مقدسی، الأحادیث المختارۃ، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۵

۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۷۸

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے معاندین کو اپنا ما سویٰ اور ان کے غیر کو اپنا غیر تصور کرتا ہے۔ ان کے دوست کو اپنا دوست اور ان کے دشمن کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے۔ ازراہِ تمثیل یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ غرباء کے صدقات کو اپنے لئے قرضِ حسنہ اور دین کی خدمت کو اپنے لئے مدد قرار دیتا ہے۔ اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ کے آداب بیان کرتے ہوئے وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی عمل میں سبقت لے جانے کو اپنی ذات سے پہل، مؤمنین کی راہ کی پیروی کو اپنی راہِ ہدایت، حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کو اپنی بیعت، حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے قول کو اپنا قول اور ان کے عمل کو اپنا عمل قرار دیتا ہے، اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ اور اس کے جانثار مؤمنین کو ''حِزْبُ اللهِ'' اور ان کے غیر کو ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' سے تعبیر کرتا ہے۔

لہٰذا مِنْ دُوْنِ اللهِ جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ سے جس غیریت کا مفہوم لئے ہوتے ہیں وہ لغوی، کلامی اور لفظی نہیں بلکہ حکمی، مرادی اور معنوی اعتبار سے ہیں۔ یعنی خدا کے غیر سے مراد وہی ہے جو پیمانۂ محبت کے اعتبار سے غیر ہو اور بے نسبتی و بے تعلقی کے لحاظ سے پرایا ہو۔ اس لئے انبیاء و صالحین کو نگاہِ ربوبیت میں جو اپنائیت حاصل ہے اگر کوئی اسے نظر انداز کرتے ہوئے ان پر بھی مِنْ دُوْنِ اللهِ کا اطلاق کرتا ہے تو وہ قرآنی تعلیمات کے ساتھ نہ صرف صریح مذاق کرتا ہے بلکہ خود ربِ ذوالجلال کے ارشادات کا کھلا انکار بھی۔

آیات کا غیر موزوں اطلاق خوارج کا وطیرہ ہے

مِنْ دُوْنِ اللهِ کے مفہوم کے ضمن میں ان چند بنیادی باتوں کا قدرے تفصیل سے ذکر اس لئے ہوا کہ کچھ نادان لوگ جہاں کہیں ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کے الفاظ دیکھتے ہیں قطع نظر اس سے کہ وہاں کیا بیان کیا گیا ہے اس کا اطلاق بلا استثناء انبیاء و رسل عظام علیہم السلام اور اولیاء و صلحاء پر بھی کر دیتے ہیں۔ ان کی اس جاہلانہ روش سے قرآنی احکام کے بیان کی طرف سے اصل توجہ نہ صرف ہٹ جاتی ہے بلکہ خدا کے محبوب اور مقرب بندوں کی

تنقیصِ شان بھی واقع ہوتی ہے جو نہ شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے اور نہ خود ذاتِ باری تعالیٰ کا منشا و مقصود۔ قرآنی الفاظ کا عموم ہو یا خصوص، ضروری ہے کہ ان کے استعمال کا اصول اور اسلوب ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ اگر یہ بنیادی پہلو ہی نظر انداز ہو گیا تو اس غلط تفسیرِ قرآن سے گمراہی کے دروازے کھل جائیں گے۔ خوارج کا طریق بھی یہی تھا کہ اصل مدعا کو سمجھے بغیر الفاظ کے ظاہری عموم کی بناء پر قرآنی حکم کا ہر جگہ اطلاق کرتے تھے خواہ وہ اطلاق قطعاً غیر موزوں اور غلط ہی کیوں نہ ہوتا۔ خوارج کے بارے میں منقول ہے:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا إِلٰى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِى الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۱)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے: یہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق اہلِ ایمان پر کرتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خوارج کو اس لئے اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے کہ وہ ان آیات کو جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں، اہلِ ایمان پر منطبق و چسپاں کر کے انہیں کافر و مشرک ٹھہراتے تھے۔ اس لئے آیات اور الفاظِ قرآنی کا اصل مورد و محل جانے بغیر انہیں اس طرح بے باکی کے ساتھ ہر جگہ استعمال کرنا بذاتِ خود ایک بہت بڑی گمراہی ہے۔ قرآن کے ہر طالب علم کا اس گمراہی سے بچنا ضروری ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا آج بھی اوثان اور اصنام والی آیاتِ قرآنیہ کو مقبولانِ الٰہی اور اُن کے محبین اور اُن کا احترام بجا لانے والوں پر چسپاں کرنا اسی طرح قابلِ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب استتابة المرتدین والمعاندین وقتالھم، باب قتل الخوارج والملحدین، ۶: ۲۵۳۹

۲۔ ابن عبد البر، التمھید، ۲۳: ۳۳۵

۳۔ ابن حجر عسقلانی، تغلیق التعلیق، باب قتل الخوارج والملحدین، ۵: ۲۵۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

مذمت نہیں؟ قابلِ مذمت ہے، خوارج نے تو حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجھہ جیسی شخصیت کو بھی مشرک کہا جو سرچشمۂ ولایت وروحانیت ہیں۔ انہوں نے آپ کی صداقت کا بھی انکار کر دیا تھا اور بغاوت اختیار کرتے ہوئے وہ تاریخِ اسلام کے پہلے بڑے اعتقادی فتنے کا سبب بنے تھے۔

خوارج نے باقاعدہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شرک کا مرتکب ٹھہرایا اور بزعمِ خویش اِس شرک کو قرآن حکیم کی آیت: ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ (یوسف، ۱۲: ۴۰) ''حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔'' سے ثابت کرکے تحکیم کا انکار کیا۔ اور ہر جگہ یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا: لَا حُکۡمَ إِلَّا لِلّٰہِ۔ ''حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔'' ان کا اپنے خلاف پراپیگنڈہ دیکھ کر سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے واضح فرمایا تھا:

كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ.(۱)

''کلمہ تو برحق ہے مگر اِس سے مراد لیا جانے والا معنی باطل ہے۔''

اِسی طرح اہلِ ایمان کو آیات کی غلط تعبیر اور اطلاق کے ذریعے مشرک قرار دینے والا موجودہ طبقۂ فکر بھی خوارج ہی کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ کا درست اطلاق

''مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ'' کا لغوی معنی ہے ''اللہ کے سوا'' مگر ہر جگہ سیاق و سباق کے حوالے سے اس کے دائرہ اطلاق اور مراد کو متعین کیا جانا ضروری ہے۔

جب ہم توحید اور شرک کے باب میں غیر کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد لغوی معنی میں غیر ہوگا۔ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ، اس کی صفات و افعال اور اسماء کے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۹، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۷۱

علاوہ باقی ہر چیز مخلوق ہے اور وہی ما سِوَ اللہ کہلاتی ہے۔

ذیل میں ہم ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کا اطلاق آیاتِ قرآنی کی روشنی میں قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' قرآن مجید میں مندرجہ ذیل تین معانی میں استعمال ہوا ہے:

ا۔ معبودانِ باطلہ مِنْ دُوْنِ اللهِ ہیں

قرآن مجید میں اکثر و بیشتر مقامات پر کفار و مشرکین کے مزعومہ معبودانِ باطلہ (اصنام، اوثان اور طواغیت) کو ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کہا گیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

ا۔ **وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط** (۱)

''اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔ پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔''

۲۔ **وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○** (۲)

''اور جن (بتوں) کو تم اس کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنے آپ کی مدد کر سکتے ہیں ○''

اس طرح دیگر بیسیوں آیات میں ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار و مشرکین اور ان کے معبودانِ باطلہ کی مذمت کی ہے، بتوں کی عبادت پر ان کی زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ ان آیات کے الفاظ ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' میں انبیاء و اولیاء اور ملائکہ و مقربین قطعاً اور یقیناً شامل نہیں ہیں۔

(۱) الانعام، ۶:۱۰۸

(۲) الاعراف، ۷:۱۹۷

۲۔ غیر اللہ کو مستحقِ عبادت سمجھنا ’’مِنْ دُوْنِ اللہِ‘‘ کے ذیل میں شمار ہوگا

یہ اصول ذہن نشین رہے کہ قرآن حکیم کی جن آیات میں عبادت و اُلوہیت اور پوجنے کا ذکر ہو وہاں انبیاء و اولیاء اور ملائکہ و مقربین ’’مِنْ دُوْنِ اللہِ‘‘ میں شامل ہوتے ہیں کیونکہ عبادت فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور استحقاقِ عبادت کے لئے ما سِوَ اللہ ہر شئے غیر ہے۔ لہٰذا یہ مِنْ دُوْنِ اللہِ کا دوسرا اطلاق ہے جو عبادت و الوہیت سے مشروط ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اسی باطل طرزِ عمل کو قرآن میں بیان کیا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○[1]

’’انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں○‘‘

۳۔ مظاہرِ فطرت کو معبود جاننا ’’مِنْ دُوْنِ اللہِ‘‘ کے ذیل میں شمار ہوگا

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ’’مِنْ دُوْنِ اللہِ‘‘ سورج، ستاروں، جنات اور شیاطین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اقوام سابقہ میں مظاہرِ فطرت کی پرستش کا رواج عام تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اس عمل کی مذمت کرتے ہوئے ان معبودانِ باطلہ کو ’’مِنْ دُوْنِ اللہِ‘‘ کہا ہے:

وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللہِ.[2]

’’میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے۔‘‘

---

(۱) التوبة، ۹: ۳۱

(۲) النمل، ۲۷: ۲۴

معبودانِ باطلہ ولی اور نصیر نہیں جبکہ صالحین ولی ہوتے ہیں

کفار اور مشرکین بتوں کو اپنا ولی اور نصیر گردانتے اور ان کو مشکل کشا تصور کرتے ہوئے ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ وہ ان کے نام کی نذر بھی مانتے تھے جبکہ حقیقی مددگار کو کلیۃً بھول گئے تھے اس لئے قرآن مجید نے ان کے اس عقیدے کو رد فرمایا اور واضح کر دیا کہ حقیقی ولی اور نصیر فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہارے یہ بت اور جھوٹے خدا قیامت کے روز تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اس لئے ان کو چھوڑ کر فقط اللہ ہی کو اپنا ولی اور نصیر سمجھو۔ اس پر درج ذیل آیاتِ مبارکہ ملاحظہ کیجئے:

۱۔ **اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍo** (۱)

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ ہی مددگار۔“

۲۔ **لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ط مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ لا وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًاo** (۲)

”(اللہ کا وعدۂ مغفرت) نہ تمہاری خواہشات پر موقوف ہے اور نہ اہلِ کتاب کی خواہشات پر، جو کوئی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور نہ وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی پائے گا اور نہ مددگارo“

۳۔ **اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ م يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ط مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَo** (۳)

”یہ لوگ (اللہ کو) زمین میں عاجز کر سکنے والے نہیں اور نہ ہی ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہیں۔ ان کے لئے عذاب دوگنا کر دیا جائے گا (کیونکہ) نہ

(۱) البقرة، ۲:۱۰۷

(۲) النساء، ۴:۱۲۳

(۳) هود، ۱۱:۲۰

وہ (حق بات) سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ (حق کو) دیکھ ہی سکتے تھےo‘‘

۴۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًاo(۱)

’’اور اللہ جسے ہدایت فرما دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ان کے لئے اس کے سوا مددگار نہیں پائیں گے، اور ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی ہم انہیں (عذاب دینے کے لئے) اور زیادہ بھڑکا دیں گےo‘‘

۵۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًاo(۲)

’’اور اس کے لئے کوئی گروہ (بھی) ایسا نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتے اور نہ وہ خود (ہی اس تباہی کا) بدلہ لینے کے قابل تھاo‘‘

۶۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo(۳)

’’کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اولیاء بنا لیا ہے، پس اللہ ہی ولی ہے (اسی کے دوست ہی اولیاء ہیں) اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر بڑا قادر ہےo‘‘

۷۔ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَo(۴)

’’بیشک یہ لوگ اللہ کی جانب سے (اسلام کی راہ میں پیش آمدہ مشکلات کے وقت میں وعدوں کے باوجود) ہرگز آپ کے کام نہیں آئیں گے، اور بیشک

(۱) الاسراء، ۱۷: ۹۷

(۲) الکہف، ۱۸: ۴۳

(۳) الشوری، ۴۲: ۹

(۴) الجاثیة، ۴۵: ۱۹

ظالم لوگ (دنیا میں) ایک دوسرے کے ہی دوست اور مددگار ہوا کرتے ہیں،
اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست اور مددگار ہےo‘‘

- یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ بعض لوگ مِنْ دُوْنِ اللهِ پر قیاس کرتے ہوئے (معاذ اللہ) انبیاء و اولیاء اور صلحاء و متقین کو کافروں اور مشرکوں کی صف میں ہی شمار کرتے ہیں اور ان کے بھی ولی اور نصیر ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ یہ لوگ دلیل کے طور پر ان آیات کو پیش کرتے ہیں جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں حالانکہ درحقیقت یہ وہ آیات ہیں جن میں بتوں کے ولی اور نصیر ہونے کی نفی کی گئی ہے لہٰذا ایسی آیات کو دلیل بنا کر انبیاء و مؤمنین کا ایک دوسرے کے لئے ولی اور نصیر ہونے کی نفی کرنا خلافِ شریعت ہے۔
- دوسری اہم بات یہ ہے کہ جن آیات میں ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں وہاں اس سے مراد بت، اوثان، اصنام اور طواغیت وغیرہ ہیں جو کہ بالکل بے بس و بے اختیار ہیں، وہ کسی چیز کے بھی مالک نہیں، جبکہ انبیاء و اولیاء ان آیات کے تحت ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کے زمرے میں شامل ہی نہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ انبیاء و اولیاء کو اذن و اختیار عطا فرمایا ہے پس انہیں ولی اور نصیر ماننا شرک نہیں۔
- قرآنی آیات سے مؤمنین کا ایک دوسرے کے لئے ولی و نصیر ہونا صراحتہً ثابت ہے۔ ان سب کی ولایت اور مدد من جانب اللہ ہوتی ہے جبکہ بتوں کے لئے ولایت من جانب اللہ کا کوئی تصور نہیں۔ اس لئے ’’مِنْ دُوْنِ اللهِ‘‘ کے حکم کا اطلاق صرف بتوں پر ہوتا ہے اور ان کو ولی اور نصیر ماننا صریحاً شرک اور ظلم ہے۔

انبیاء و اولیاء اللہ کے مقابلے میں ’’من دون اللہ‘‘ کی بے وقعتی پر مشتمل آیاتِ قرآنی کا تقابلی مطالعہ

آئندہ صفحات میں موضوع سے متعلق آیاتِ مبارکہ کو مختلف موضوعات کے تحت آمنے سامنے درج کیا جا رہا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کے اس تقابلی مطالعے سے موضوعات متذکرہ کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی اور غلط اطلاقات کی حقیقت بھی کھل سکے گی۔

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

ا۔ اللہ تعالیٰ نے خود انبیاء و اولیاء کو ولی اور نصیر بنایا

ا۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رٰکِعُوْنَo[1]

''بیشک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیںo''

۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط[2]

''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

• معبودانِ باطلہ بے بس و بے اختیار ہیں

ا۔ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَo[3]

''اور جن (بتوں) کو تم اس کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنے آپ کی مدد کر سکتے ہیںo''

۲۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْo[4]

''(ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیںo''

(۱) المائدۃ، ۵: ۵۵

(۲) الانفال، ۸: ۷۲

(۳) الاعراف، ۷: ۱۹۷

(۴) الأنبياء، ۲۱: ۶۶

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر	قرآن میں مِنْ دُونِ اللهِ کا ذکر
جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔‘‘	
۳۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ ؕ اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○[1]	۳۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○[2]
’’اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت بجا لاتے ہیں، ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بیشک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے ○‘‘	’’اور ان (مشرکین) نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے لئے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ (ہی مرنے کے بعد) اٹھا کر جمع کرنے کا (اختیار رکھتے ہیں) ○‘‘
۴۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللهَ	۴۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ

(۱) التوبة، ۹: ۷۱

(۲) الفرقان، ۲۵: ۳

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌo (۱)

’’اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو (تو تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (ایک ہی بات کی طرف) جھک گئے ہیں، اگر تم دونوں نے اس بات پر ایک دوسرے کی اعانت کی (تو یہ نبی مکرّم ﷺ کے لئے باعثِ رنج ہوسکتا ہے) سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد (سارے) فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیںo‘‘

۲۔ انبیاء و اولیاء کو شفاعت کا اِذن حاصل ہوگا

۱۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط (۲)

’’کون ایسا شخص ہے جو اس کے حضور اس کے اِذن کے بغیر سفارش کر سکے‘‘

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ط وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَo (۳)

’’ایسے (کافر) لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں (یعنی بتوں) کو کارساز بنالیا ہے مکڑی کی داستان جیسی ہے جس نے (اپنے لئے جالے کا) گھر بنایا اور بیشک سب گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش! وہ لوگ (یہ بات) جانتے ہوتےo‘‘

• من دون اللہ کو شفاعت کا اِذن نہیں ہوگا

۱۔ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ م بِمَا كَسَبَتْ ق لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ج (۴)

(۱) التحریم، ۶۶: ۴
(۲) البقرۃ، ۲: ۲۵۵
(۳) العنکبوت، ۲۹: ۴۱
(۴) الانعام، ۶: ۷۰

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر	قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر
	’’اور آپ ان لوگوں کو چھوڑے رکھئے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب دے رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعے (ان کی آگاہی کی خاطر) نصیحت فرماتے رہئے تاکہ کوئی جان اپنے کئے کے بدلے سپردِ ہلاکت نہ کردی جائے (پھر) اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی۔‘‘
۲۔ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اِذْنِهٖ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○(۱)	۲۔ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ○ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ○ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○(۳)
’’(اس کے حضور) اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں، یہی (عظمت و قدرت والا) اللہ تمہارا رب ہے، سو تم اسی کی عبادت کرو، پس کیا تم (قبولِ نصیحت کے لئے) غور نہیں کرتے؟‘‘	’’سو (آج) نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہے○ اور نہ کوئی گرم جوش دوست ہے○ سو کاش ہمیں ایک بار (دنیا میں) پلٹنا (نصیب) ہو جاتا تو ہم مومن ہو جاتے○‘‘
۳۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا○(۲)	۳۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ○(۴)

(۱) یونس، ۱۰: ۳

(۲) مریم، ۱۹: ۸۷

(۳) الشعراء، ۲۶: ۱۰۰۔۱۰۲

(۴) الروم، ۳۰: ۱۳

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

’’(اس دن) لوگ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے ان کے جنہوں نے (خدائے) رحمٰن سے وعدۂ (شفاعت) لے لیا ہےo‘‘

۴۔ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًاo[1]

’’اس دن سفارش سود مند نہ ہوگی سوائے اس شخص (کی سفارش) کے جسے (خدائے) رحمٰن نے اذن (واجازت) دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہوگیا ہے (جیسا کہ انبیاء و مرسلین، اولیاء، متقین، معصوم بچوں اور دیگر کئی بندوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے)o‘‘

۵۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ لا اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَo[2]

’’وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۰۹

(۲) الانبیاء، ۲۱: ۲۸

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کا ذکر

’’اور ان کے (خود ساختہ) شریکوں میں سے ان کے لئے سفارشی نہیں ہوں گے اور وہ (بالآخر) اپنے شریکوں کے (ہی) منکر ہو جائیں گےo‘‘

۴۔ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِo[3]

’’کیا میں اس (اللہ) کو چھوڑ کر ایسے معبود بنالوں کہ اگر خدائے رحمان مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ مجھے اُن کی سفارش کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیںo‘‘

۵۔ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ ط مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُo[4]

’’اور آپ ان کو قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈرائیں جب ضبطِ غم سے کلیجے منہ کو

(۳) یٰس، ۳۶: ۲۳

(۴) المؤمن، ۴۰: ۱۸

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

وہ (اس کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہوگیا ہو اور وہ اس کی ہیبت و جلال سے خائف رہتے ہیں۔‘‘

۳۔ انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان ہوں گے

انبیاء و رسل اور مؤمنین خدا کی بارگاہ میں صاحبانِ عزت، باحیثیت اور اعلیٰ جنتوں میں مہمان ہوں گے (نہ کہ بے عزت و ذلیل اور بے حیثیت)۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ○ (۱)

’’بیشک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں رہیں گے○‘‘

۲۔ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

آئیں گے۔ ظالموں کے لئے نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے○‘‘

• مِنْ دُوْنِ اللهِ جہنم کا ایندھن ہوں گے

مشرکین اور یہود و نصاریٰ قیامت کے دن بے یار و مددگار ہوں گے اور ان کے جھوٹے معبود اور بت ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے ان میں سے ہر ایک کو روزِ قیامت ہر عمل کی بری جزا ملے گی۔

۱۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ○ (۲)

’’بیشک تم اور وہ (بت) جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے (سب) دوزخ کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو○‘‘

۲۔ وَمَنْ يَّهْدِاللهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ

(۱) الحجر، ۱۵: ۴۵

(۲) الانبیاء، ۲۱: ۹۸

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

رَبُّكُمْ ط قَالُوْا خَيْرًا ط لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ط وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ط كَذٰلِكَ يَجْزِي اللهُ الْمُتَّقِيْنَ ○(۱)

’’اور پرہیزگار لوگوں سے کہا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں: (دنیا و آخرت کی) بھلائی (اتاری ہے)، ان لوگوں کے لئے جو نیکی کرتے رہے اس دنیا میں (بھی) بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی بہتر ہے، اور پرہیزگاروں کا گھر کیا ہی خوب ہے ○ سدا بہار باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اِن میں اُن کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے (میسّر) ہوگا، اس طرح اللہ پرہیزگاروں کو صلہ عطا فرماتا ہے ○‘‘

۳۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○(۲)

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ط مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○(۳)

’’اور اللہ جسے ہدایت فرما دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ان کے لئے اس کے سوا مددگار نہیں پائیں گے، اور ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی ہم انہیں (عذاب دینے کے لئے) اور زیادہ بھڑکا دیں گے ○‘‘

۳۔ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ○(۴)

---

(۱) النحل، ۱۶: ۳۰۔ ۳۱

(۲) مریم، ۱۹: ۸۵

(۳) الاسراء، ۱۷: ۹۷

(۴) مریم، ۱۹: ۸۶

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

’’جس دن ہم پرہیزگاروں کو جمع کرکے (خدائے) رحمٰن کے حضور (معزز مہمانوں کی طرح) سواریوں پر لے جائیں گے o‘‘

۴۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَo[1]

’’اور (اس دن) جنت پرہیزگاروں کے قریب کردی جائے گیo‘‘

۵۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَo[2]

’’پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو وہ باغاتِ جنت میں خوشحال ومسرور کر دیئے جائیں گے o‘‘

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

’’اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک کر لے جائیں گے o‘‘

۴۔ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ o وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَo[3]

’’سو وہ (بت بھی) اس (دوزخ) میں اوندھے منہ گرا دیئے جائیں گے اور گمراہ لوگ (بھی)o اور ابلیس کی ساری فوجیں (بھی واصل جہنم ہونگی)o‘‘

۵۔ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَo مِنْ دُوْنِ اللهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِo[4]

’’اُن (سب) لوگوں کو جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں اور پیروکاروں کو (بھی) اور اُن (معبودانِ باطلہ) کو (بھی) جنہیں وہ پوجا کرتے تھے o اللہ کو چھوڑ کر، پھر ان سب کو دوزخ کی راہ پر لے چلوo‘‘

---

(۱) الشعراء، ۲۶: ۹۰
(۲) الروم، ۳۰: ۱۵
(۳) الشعراء، ۲۶: ۹۴۔ ۹۵
(۴) الصافات، ۳۷: ۲۲۔ ۲۳

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

٦۔ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ○ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ○ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ○ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ○ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ○[1]

’’یہ (وہ) ذکر ہے (جس کا بیان اس سورت کی پہلی آیت میں ہے)، اور بیشک پرہیزگاروں کے لئے عمدہ ٹھکانا ہے ○ (جو) دائمی اِقامت کے لئے باغاتِ عدن ہیں جن کے دروازے اُن کے لئے کھلے ہوں گے ○ وہ اس میں (مسندوں پر) تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں (وقفے وقفے سے) بہت سے عمدہ پھل اور میوے اور (لذیذ) شربت طلب کرتے رہیں گے ○ اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی (باحیا) ہم عمر (حوریں) ہوں گی ○ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا روزِ حساب کے لئے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ○ بیشک یہ ہماری بخشش ہے اسے کبھی

(۱) ص، ۳۸: ۴۹۔ ۵۴

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

٦۔ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ○ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ○[2]

’’بیشک مُجرِم لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○ جو اُن سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں نا امید ہو کر پڑے رہیں گے ○ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی ظلم کرنے والے تھے ○ اور وہ (داروغۂ جہنّم کو) پکاریں گے: اے مالک! آپ کا رب ہمیں موت دے دے (تو اچھا ہے)۔ وہ کہے گا کہ (تم اب اسی حال میں ہی) ہمیشہ رہنے والے ہو ○‘‘

(۲) الزخرف، ۴۳: ۷۴۔ ۷۷

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

بھی ختم نہیں ہونا o‘‘

۷۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ o[1]

’’بیشک پرہیزگار لوگ اَمن والے مقام میں ہوں گے o‘‘

۸۔اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ o[2]

’’بیشک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (لطف اندوز ہوتے) ہوں گے o‘‘

۴۔ انبیاء و اولیاء تر و تازہ چہروں کے ساتھ ہوں گے

۱۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ o اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ o[3]

’’بہت سے چہرے اُس دن شگفتہ و تر و تازہ ہوں گے o اور (بلا حجاب) اپنے رب (کے حسن و جمال) کو تک رہے ہوں گے o‘‘

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللہِ کا ذکر

۷۔ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ اَنْصَارًا o[4]

’’(بالآخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب غرق کر دیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، سو وہ اپنے لئے اللہ کے مقابل کسی کو مددگار نہ پا سکے o‘‘

• مِنْ دُوْنِ اللہِ سیاہ چہروں کے ساتھ ذلیل و خوار ہوں گے

۱۔ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ o تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ o[5]

’’اور کتنے ہی چہرے اُس دن بگڑی ہوئی حالت میں (مایوس اور سیاہ) ہوں گے o یہ گمان کرتے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ ایسی سختی کی جائے گی جو اُن کی کمر توڑ دے گی o‘‘

(۱) الدخان، ۴۴: ۵۱

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۵

(۳) القیامۃ، ۷۵: ۲۲۔ ۲۳

(۴) نوح، ۷۱: ۲۵

(۵) القیامۃ، ۷۵: ۲۴، ۲۵

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

۲۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌo ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌo(۱)

’’اسی دن بہت سے چہرے (ایسے بھی ہوں گے جو نور سے) چمک رہے ہوں گےo (وہ) مسکراتے ہنستے (اور) خوشیاں مناتے ہوں گےo‘‘

۳۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌo لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌo فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍo لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةًo فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌo فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌo وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌo وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌo وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌo(۲)

’’اس دن بہت سے چہرے (حسین) بارونق اور تروتازہ ہوں گےo اپنی (نیک) کاوشوں کے باعث خوش و خرم ہوں گےo عالی شان جنت میں (قیام پذیر) ہوں گےo اس میں کوئی لغوبات نہ سنیں گے

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللهِ کا ذکر

۲۔ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌo تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌo اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُo(۳)

’’اور بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جن پر اس دن گرد پڑی ہوگیo (مزید) ان (چہروں) پر سیاہی چھائی ہوگیo یہی لوگ کافر (اور) فاجر (بدکردار) ہوں گےo

۳۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌo عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌo تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةًo تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍo لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍo لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍo(۴)

’’اس دن کتنے ہی چہرے ذلیل و خوار ہوں گےo (اللہ کو بھول کر دنیاوی) محنت کرنے والے (چند روزہ عیش و آرام کی خاطر سخت) مشقتیں جھیلنے والےo دہکتی ہوئی آگ میں جاگریں گےo (انہیں) کھولتے ہوئے چشمہ سے (پانی) پلایا جائے گاo ان

(۱) عبس، ۸۰: ۳۸۔۳۹
(۲) الغاشیة، ۸۸: ۸۔۱۶
(۳) عبس، ۸۰: ۴۰۔۴۲
(۴) الغاشیة، ۸۸: ۲۔۷

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

(جیسے اہلِ باطل ان سے دنیا میں کیا کرتے تھے)o اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے o اس میں اونچے (بچھے ہوئے) تخت ہوں گےo اور جام (بڑے قرینے سے) رکھے ہوئے ہوں گےo اور غالیچے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گےo اور نرم و نفیس قالین اور مسندیں بچھی ہوں گیo۔‘‘

۵۔ مؤمنین و متقین ایک دوسرے کے دوست ہوں گے

۱۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ ط اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo (۱)

’’اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۱

قرآن میں مِنْ دُوْنِ اللہ کا ذکر

کے لئے خار دار خشک زہریلی جھاڑیوں کے سوا کچھ کھانا نہ ہوگاo (یہ کھانا) نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک ہی دور کرے گاo‘‘

• مِنْ دُوْنِ اللہِ اور ان کے پیروکاروں کے درمیان پھوٹ ہوگی

۱۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ج وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَo (۲)

’’اور بیشک تم (روزِ قیامت) ہمارے پاس اسی طرح تنہا آؤ گے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (تنہا) پیدا کیا تھا اور (اموال و اولاد میں سے) جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا تھا

(۲) الانعام، ۶: ۹۴

قرآن میں انبیاء و اولیاء کا ذکر

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت بجا لاتے ہیں، ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بیشک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے٥‘‘

۲۔ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ٥[۱]

’’سارے دوست و احباب اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے (انہی کی دوستی اور ولایت کام آئے گی)٥‘‘

قرآن میں مِنۡ دُوۡنِ اللهِ کا ذکر

وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آؤ گے، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھیں گے جن کی نسبت تم (یہ) گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے (معاملات) میں ہمارے شریک ہیں۔ بیشک (آج) تمہارا باہمی تعلق (و اعتماد) منقطع ہوگیا اور وہ (سب) دعوے جو تم کیا کرتے تھے تم سے جاتے رہے٥‘‘

۲۔ لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ۚ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ٥[۲]

’’تمہیں قیامت کے دن ہرگز نہ تمہاری (کافر و مشرک) قرابتیں فائدہ دیں گی اور نہ تمہاری (کافر و مشرک) اولاد، (اُس دن اللہ) تمہارے درمیان مکمل جدائی کر دے گا (مؤمن جنت میں اور کافر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے)، اور اللہ اُن کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو تم کر رہے ہو٥‘‘

(۱) الزخرف، ۴۳:۶۷

(۲) الممتحنة، ۶۰:۳

اس ساری بحث اور تقابلی جائزے کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کے بیان کا اطلاق بلا امتیاز اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس زمرے میں اس وقت آئیں گے جب نفئ شرک اور ہر غیر اللہ سے نفئ استحقاقِ عبادت کی بات ہو رہی ہو کیونکہ عبادت والوہیت فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور اس شان کا مالک نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ حکیم کے وہ مقامات جہاں نفئ شرک اور نفئ استحقاقِ عبادت کی بات نہ ہو رہی ہو بلکہ کفار و مشرکین اور ان کے مزعومہ معبودانِ باطلہ کی مذمت مقصود ہو وہاں مِنْ دُوْنِ اللهِ میں انبیائے کرام اور اولیاء وصلحاء اور مقربین شامل نہیں۔ فہم دین سے نابلد بعض لوگوں نے اپنے من گھڑت تصورِ توحید کے زعم میں ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کو ایک مستقل اصطلاح بنا ڈالا اور جہاں بھی اس کا تذکرہ آیا سیاق و سباق سمجھے بغیر انبیاء و اولیاء کو ان معبودانِ باطلہ کے ساتھ شامل کر دیا۔ اس صورت میں ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کا اطلاق ان کے نزدیک براہِ راست انبیاء و رسل اور اولیاء اللہ پر ہوتا ہے جو صاف ظاہر ہے نہ قرینِ قیاس ہے اور نہ تقاضائے توحید۔ بلکہ ان کا یہ فاسد اطلاق دین میں بہت بڑے فتنے کا باعث بنا۔ چنانچہ اسی شدت سے اس کا رد بھی کیا گیا اور یوں یہ معاملہ بہت بڑے تنازعہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اس نادانی کے باعث الزام لگانے والوں کی طرف سے بھی زیادتی ہوئی اور جواب دینے والوں کی طرف سے بھی بعض معاملات میں شدت کے مظاہر دیکھنے میں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ''مِنْ دُوْنِ اللهِ'' کا سیاق وسباق دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس سے مراد انبیائے کرام اور اولیاء اللہ نہیں، یہ تو صرف ردِ شرک اور نفئ استحقاقِ عبادت کے لئے آتا ہے۔

الغرض یہ امر شک وشبہ سے بالا ہے کہ انبیاء و اولیاء قربِ خداوندی کا اور اس کی بارگاہِ اقدس تک رسائی اور وصول کا واسطہ، وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ ان کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام واجب و لازم ہے جو کہ قلبی تقویٰ و طہارت اور ایمانِ خالص کی دلیل و

برہان ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ من دون اللہ اور ہیں جبکہ انبیاء و رُسل اور اولیاء اللہ اور ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے قریب ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت انہیں اپنی عطاؤ اور نعمتوں سے نوازتا ہے اور انہیں اپنی رضا اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ وہ دوسروں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ ”مِنْ دُوْنِ اللهِ“ کا اطلاق جن معبودانِ باطلہ اور کفار و مشرکین پر کیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اللہ رب العزت کے قرب و رحمت سے محروم اور دور ہیں۔ ان کا نوازشاتِ الٰہیہ کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں، اس لئے ”مِنْ دُوْنِ اللهِ“ کے حقیقی مصداق اوثان و اصنام ہی ہیں۔ اس کا اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں پر اطلاق کرنا سراسر باطل ہے اور منصبِ نبوت و ولایت کی توہین و تحقیر بھی۔

www.MinhajBooks.com

باب دوازدہم

توحید کے تناظر میں

وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا صحیح مفہوم

www.MinhajBooks.com

قرآن مجید میں ایسے چار مقامات ہیں جہاں مردار، خون، خنزیر کے گوشت اور ان جانوروں کو جن پر بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ مقامات یہ ہیں:

۱۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○[۱]

’’اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے ○‘‘

۲۔ سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ......[۲]

’’تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو......‘‘

---

(۱) البقرۃ، ۲:۱۷۳

(۲) المائدۃ، ۵:۳

۳۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِهٖ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۱)

”آپ فرما دیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں کسی (بھی) کھانے والے پر (ایسی چیز کو) جسے وہ کھاتا ہو حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سُؤر کا گوشت ہو کیونکہ یہ ناپاک ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص (بھوک کے باعث) سخت لاچار ہو جائے نہ تو نافرمانی کر رہا ہو اور نہ حد سے تجاوز کر رہا ہو تو بیشک آپ کا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo“

۴۔ سورۃ النحل میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِهٖ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۲)

”اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، حرام کیا ہے، پھر جو شخص حالتِ اضطرار (یعنی انتہائی سخت مجبوری کی حالت) میں ہو، نہ (طلبِ لذت میں احکامِ الٰہی سے) سرکشی کرنے والا ہو اور نہ (مجبوری کی حد سے) تجاوز کرنے والا ہو، تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo“

ان آیات میں وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللهِ یا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِهٖ (وہ (جانور) جس پر

(۱) الانعام، ۶:۱۴۵

(۲) النحل، ۱۶:۱۱۵

ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو) کے الفاظ آئے ہیں جن کا بعض لوگ غلط اطلاق کرتے ہیں۔ یہی خود ساختہ اطلاق کسی کے ایصالِ ثواب کے لئے دیئے گئے صدقہ و خیرات اور نذر و نیاز پر بھی کیا جاتا ہے۔ ان قرآنی آیات کی غلط اور من گھڑت تاویل کی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس پر صدقہ اور نذر و نیاز کے لئے غیر اللہ کا نام لیا جائے أُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللهِ میں داخل ہے، جس کے باعث وہ شے حرام ہے۔ اس طرح ان کے باطل خیال کے مطابق وہ صدقہ و خیرات اور گیارہویں شریف جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ یا دیگر اولیاء و بزرگانِ دین اور صالحین کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ صرف حرام ہے بلکہ یہ عمل معاذ اللہ شرک ہے۔ یہ ان قرآنی آیات کی غلط تفسیر ہے اور ایسی چیزیں جو فقط ایصالِ ثواب کے لئے کسی بزرگ ہستی کی طرف منسوب کی جائیں ہرگز وَ مَا أُهِلَّ لِغَیْرِ اللهِ بِهٖ کے زمرے میں داخل نہیں، نہ ہی انہیں شرک پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ دراصل نذر کے تعین میں یہ اختلاف حرمت پر مبنی آیاتِ کریمہ کا معنی و مفہوم غلط سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ذیل میں ہم وَ مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللهِ اور اس کے متعلقات پر تفصیلاً بحث کرتے ہیں۔

۱۔ ''أُهِلَّ'' کا لغوی معنی و مفہوم

دراصل لفظِ ''أُهِلَّ'' ثلاثی مزید فیہ کے باب اِفعال ''إِهْلَالٌ'' سے مشتق صیغہ ماضی مجہول ہے۔ اہلِ لغت نے ''اِهْلَال'' کے متعدد معانی بیان کیے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ وانهلت السماء إذا صبت، واستهلت إذا ارتفع صوت وقعها و كان استهلال الصبي منه.(۱)

''انْهَلَّتِ السَّمَاءُ'' اس وقت کہا جاتا ہے جب بارش برسے اور اسْتَهَلَّتْ اس خاص وقت کو کہتے ہیں جب بارش کے قطرے بلند آواز کے ساتھ زمین پر گریں۔

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۷۰۱
۲۔ زبیدی، تاج العروس، ۱۵: ۸۰۹

اسی سے اسْتِهْلَالُ الصَّبِيِّ (عین پیدائش کے وقت بچے کا رونا) بھی ہے۔‘‘

۲۔ و استهل الصبي بالبكاء: رفع صوته و صاح عند الولادة، و كل شيء ارتفع صوته فقد استهل. و الإهلال بالحج: رفع الصوت بالتلبية، و كل متكلم رفع صوته أو خفضه فقد أهل و استهل.(۱)

’’اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ کا معنی ولادت کے وقت بچے کا بلند آواز اور چلّا کر رونا ہے۔ (اس معنی میں) ہر وہ چیز جس کی آواز بلند ہوا سے ’’اسْتَهَلَّ‘‘ کہتے ہیں۔ حج کے موقع پر بلند آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کو إهْـلَال کہا جاتا ہے، اور ایسا ہی ہر بولنے والے کی آواز بلند کرنے کو اَهَلَّ اور اسْتَهَلَّ کہا جاتا ہے۔‘‘

۳۔ و أصل الإهلال رفع الصوت. و كل رافع صوته فهو مهل، و كذلک قوله ﷻ: ﴿وَ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ هو ما ذبح للآلهة و ذلک لأن الذابح كان يسميها عند الذبح، فذلک هو الإهلال.(۲)

’’اِهْلَال کا اصل معنی آواز بلند کرنا ہے۔ ہر آواز بلند کرنے والا مُهِلٌّ ہے، اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾۔ اس سے مراد ہر وہ جانور ہے جسے جھوٹے معبودوں کیلئے ذبح کیا گیا ہو اور یہ مفہوم اس بنا پر ہے کہ ذبح کرنے والا عین ذبح کے وقت اس بت کا نام لیتا تھا۔ پس یہی اِهْلَال ہے۔‘‘

۴۔ قال أبو العباس: وسمي الهلال، هلالاً لأن الناس يرفعون أصواتهم بالإخبار عنه.(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۷۰۱
۲۔ زبیدی، تاج العروس، ۱۵: ۸۱۰

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۷۰۱

(۳) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۷۰۳
۲۔ زبیدی، تاج العروس، ۱۵: ۱۰۸

’’ابو العباس نے کہا: چاند کو ہلال اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ اسے دیکھتے ہی اپنی آوازیں بلند کر کے اس کا اعلان کرتے ہیں۔‘‘

۲۔ ’’أُهِلَّ‘‘ کا صحیح اطلاق

ائمہ لغت کی درج بالا تصریحات کی روشنی میں ’’أُهِلَّ‘‘ کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ إهلال: پہلی رات کا چاند دیکھ کر آواز بلند کرنا

ہر اسلامی ماہ کی پہلی تاریخ کو طلوع ہونے والے چاند کو ہلال کہتے ہیں جس کا مختلف وجوہ کی بنا پر لوگ شدت سے انتظار کرتے ہیں لہٰذا نیا چاند دیکھنے والوں کی طرف سے ایک آواز بلند ہوتی ہے: استجابة الإهلال ’’وہ چاند نظر آ گیا‘‘ اس خاص وقت میں بلند ہونے والی آواز کو ’’اِهْلَال‘‘ کہتے ہیں جبکہ کسی اور آواز کو اهلال سے موسوم نہیں کیا جاتا۔

۲۔ إهلال: پیدائش کے وقت بچے کا آواز بلند کرنا

اِهْلَال کا ایک معنی ہے ’’پیدائش کے وقت بچے کا رونا‘‘ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی اس کے منہ سے رونے چیخنے کی آواز نکلتی ہے۔ جسے عربی میں ’’اَهَلَّ الصَّبِيُّ‘‘ کہا جاتا ہے۔ عام حالات میں بچے کا چیخنا اور رونا ’’اهلال الصبی‘‘ نہیں کہلاتا بلکہ عین پیدائش کے وقت آواز بلند کرنے اور چیخنے کو ’’اهلال الصبیّ‘‘ کہتے ہیں۔

۳۔ إهلال: عین وقتِ ذبح آواز کو بلند کرنا

کفار و مشرکین جب کسی جانور کو ذبح کرتے تو وہ یہ اعلان کرنے کے لئے کہ وہ اپنے کس بت کے نام پر اسے ذبح کر رہے ہیں۔ آواز بلند کرتے جسے رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الذِّبْح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ آواز وہ اس لیے لگاتے کہ ان کے معبودانِ باطلہ بے شمار تھے۔ لہٰذا وقتِ ذبح آواز بلند کرتے ہوئے اپنے خاص بت کا نام لیتے۔ اس بلندی کی جانے

والی آواز کو ''اِھلال'' کہا جاتا۔

۴۔ إھلال: خاص مواقع پر آواز بلند کرنا

کسی خاص موقع پر کوئی اعلان کرنے کے لئے آواز بلند کرنا بھی اِھْلَال کے معنی میں لیا جاتا ہے۔

۵۔ إھلال: تلبیہ پڑھتے ہوئے آواز بلند کرنا

اِھْلَال کا ایک معنی بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا بھی ہے جیسا کہ دورانِ حج حجاجِ کرام بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہیں۔

عربی لغت کے حوالے سے درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر ''اہلال'' میں کسی خاص موقع پر آواز بلند کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس کے لغوی معنی کی رو سے آیتِ مبارکہ وَمَا أُهِلَّ میں بھی لازماً رفعِ صوت کا مفہوم موجود ہوگا۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ سے محدّثین اور مفسرینِ کرام نے کیا معنی مراد لیا ہے؟ ذیل میں ہم اسی پہلو پر تفصیلی بحث رقم کریں گے تاکہ اس آیت میں بیان کردہ قرآن مجید کا صحیح منشا اور مقصود اہلِ حق کے لئے قلبی سرور کا باعث بن سکے اور اہلِ باطل کے بطلان کا قلع قمع ہونے کا ساماں فراہم ہوسکے۔

۳۔ ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ کا معنی ائمہ حدیث کی نظر میں

محدثینِ کرام اور شارحینِ حدیث وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ سے مراد بآوازِ بلند بتوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور لیتے ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں اُهِلَّ کا معنی و مفہوم

محمد بن اسماعیل البخاری کے مقام سے کون واقف نہیں۔ اہلِ علم نے انہیں امیر

المؤمنین فی الحدیث کا عظیم الشان لقب دیا ہے جبکہ آپ کی شہر آفاق کتاب 'صحیح بخاری کو اصحح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت امام بخاری کو روایتِ حدیث اورفہمِ حدیث کا جو درک حاصل تھا وہ خال خال محدثین کے حصہ میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُمت کی اکثریت انہیں حدیث میں حجت مانتی ہے۔ انہوں نے حدیث مبارکہ سے جو معنی ومفہوم اخذ کرکے اپنی کتاب کی زینت بنایا وہ درست اور مقبول ہے۔ اُهِلَّ کا جو معنی انہوں نے بیان فرمایا اور پھر شارحین بخاری نے جن معانی کو اختیار کیا ان کی موجودگی میں ہمیں کسی اور کی طرف التفات کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کے بیان کردہ مفہوم کے مطابق أهل کا اطلاق کسی مخفی امر یا چھپی ہوئی نیت پر نہیں ہوتا اور نہ یہ لفظ ایصالِ ثواب کے لئے منسوب جانوروں کے ساتھ خاص ہے۔ اسی بات کو ہم ذیل میں قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

امام بخاری نے صحیح البخاری کتاب الحج میں اس لفظ کو حج وعمرہ کے اعمال کے ضمن میں استعمال کیا ہے مثلاً انہوں نے حدیث نمبر ۱۴۷۳ جس میں بلند آواز کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس بحث کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے: ''بَاب رَفْعِ الصَّوْتِ بِالاهْلَالِ'' ''بآواز بلند تلبیہ پڑھنے کا باب'' پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْمَدِينَةِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ وَسَمِعْتُهُمْ يَصْرُخُوْنَ بِهِمَا جَمِيْعًا. (۱)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے تمام لوگوں کو بلند آواز سے حج اور عمرہ دونوں کا نام پکارتے ہوئے سنا۔

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۱، کتاب الحج باب رفع الصوت بالاهلال، رقم: ۱۴۷۳

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام بخاری نے ''إھلال'' کو رفع الصوت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جبکہ اس سے متصل دیگر ابواب درج ذیل عنوان کے تحت قائم کئے ہیں:

﴿بابُ التَّحْمِيْدِ وَالتَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ قَبْلَ الْإِهْلَالِ عِنْدَ الرُّكُوْبِ عَلَى الدَّابَّةِ﴾(۱)

''جانور پر سوار ہونے کے وقت لبیک سے پہلے تحمید، تسبیح اور تکبیر کہنا''

اس باب میں حدیث نمبر ۱۴۷۶ درج ہے۔

اس سے اگلے باب کا عنوان ہے:

﴿بَابُ مَنْ أَهَلَّ حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَائِمَةً﴾(۲)

''کسی شخص کا اس وقت تلبیہ پڑھنا جب سواری اس کو سیدھی لے کر کھڑی ہو''

اس کے تحت حدیث نمبر ۱۴۷۷ درج ہے۔

اس سے اگلے باب کا عنوان ہے:

﴿بَابُ الإِهْلَالِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ﴾(۳)

''قبلہ رخ ہو کر تلبیہ پڑھنا''

اس کے تحت حدیث نمبر ۱۴۷۸ درج ہے۔

پھر امام بخاری نے آگے جا کر ایک اور باب باندھا جس کا عنوان قائم کیا ہے:

﴿بَابُ كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ؟﴾

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۲، باب: ۲۶

(۲) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۲، باب: ۲۷

(۲) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۲، باب: ۲۸

''حیض اور نفاس والی عورتیں کس طرح احرام باندھیں؟''

یہاں امام بخاری نے أهلّ کے لغوی معنی کی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:

أَهَلَّ: تَكَلَّمَ بِهِ: وَاسْتَهْلَلْنَا وَأَهْلَلْنَا الْهِلَالَ، كُلُّهُ مِنَ الظُّهُوْرِ. وَاسْتَهَلَّ الْمَطَرُ خَرَجَ مِنَ السَّحَابِ ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ﴾ [المائدة، ۵: ۳] وَهُوَ مِنَ اسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ.(۱)

''أهلّ کا معنی ہے: اس نے کلام کیا (یعنی زبان سے کہا) اور اسْتَهْلَلْنَا اور أَهْلَلْنَا، الْهِلَالَ یہ سب ظہور سے ہے۔ إِسْتَهَلَّ الْمَطَرُ کے معنی ہیں: بادل سے بارش نکلی اور آیہ کریمہ (وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ) میں أهل کا معنی پیدائش کے وقت بچہ کے رونے سے ماخوذ ہے (یعنی جس طرح بچہ پیدائش کے وقت آواز نکالتا ہے اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے تکبیر کہی جائے گی)

امام بخاری نے اہلال کے لغوی معنی بیان کر کے اس اشکال کو دور کر دیا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ أهل جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور کسی جانور کو اگر کسی کے ایصال ثواب کے لئے منسوب کر دیا جائے تو وہ أهل به لغير الله میں شامل ہو کر حرام ہو جاتا ہے۔

امام بخاری کی تشریح اور توضیح اس مفہوم کے برعکس ہے انہوں نے احرام اور تلبیہ کے لئے إهلال کا لفظ بار بار استعمال کیا ہے۔

پتہ چلا کہ اہلال اور أهل الله شریعت کے حرام کردہ امور میں سے کوئی امر نہیں۔ دوسرے یہ کہ أهل کا اطلاق چھپی ہوئی نیت یا کسی اور مخفی امر پر نہیں ہوتا بلکہ أهل اور اہلال کا مفہوم ان شرائط کے ساتھ واضح ہوتا ہے:

۱۔ کوئی امر واقع جو ایک خاص وقت میں وقوع پذیر ہوا ہو۔

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۳، باب: ۳۰

۲۔ مادہ ’’ھلال‘‘ سے جتنے الفاظ بھی نکلتے ہیں سب کے معنی میں ظہور ضروری ہے اخفاء سے معنی پورا نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسرے یہ کہ أھل میں آواز بلند ہونا ضروری بھی ہے۔

لا محالہ ان ساری چیزوں کا تعلق کسی دائمی اور مستمر عمل سے نہیں۔ پس اگر جانور کی بات ہوتو پھر اھلال کا اطلاق عین ذبح کے وقت زیادہ موزوں ہے کہ جب جانور کو لٹا کر ذبح کیا جا رہا ہوتو دیکھا جائے گا کہ اس وقت وہ کس کے نام ذبح کیا جا رہا ہے؟ بت اور اصنام جیسے لات، منات، ھبل اور عزیٰ یا اللہ تعالیٰ ﷻ کے نام پر۔

لہٰذا وہ جانور جسے کوئی شخص اپنے والدین اعزہ و اقارب یا کسی بزرگ کے ایصال ثواب کے لئے ان سے منسوب کر دے مثلاً یہ کہے کہ یہ جانور فلاں بزرگ کے ایصال ثواب کے لئے ہے تو امام بخاری کے مطابق یہ ہرگز اھل بہ لغیر اللہ میں شامل نہیں کیونکہ نذر و نیاز اور ایصال ثواب میں نہ کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے نہ کوئی آواز نکالتا ہے اور نہ کوئی ظہور کی صورت ہے۔

تاریخ عرب پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے نظام الاوقات کا تعلق قمری مہینے سے ہوتا تھا۔ وہ ماہ و سال کا تعین قمری حساب سے کرتے تھے حج وعمرہ اور تجارتی سفر وغیرہ کا دارو مدار بھی چاند کی رؤیت پر تھا۔ پس اسی وجہ سے انہیں چاند نکلنے کا شدت سے انتظار رہتا تھا اور جس دن چاند نکلتا وہ اپنی عادت کے مطابق خوشی کا اظہار کرتے اور با آواز بلند شور کر کے کہتے: وہ چاند، اسی وجہ سے پہلے دن کے چاند کو بھی ھلال کہا گیا۔ امام بخاری نے بھی مہینوں کے تعین میں چاند کی اس اہمیت کو واضح کیا اور ایک باب درجہ ذیل عنوان سے قائم کیا۔

امام بخاریؒ نے کتاب الحج میں ایک باب یوں باندھا:

بابُ قولِ اللہ تعالی: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰت فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ [البقرۃ، ۲:

۱۹۷] وقوله: ﴿ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط قُلْ هِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة، ۲: ۱۸۹] (۱)

’’حج کے چند مہینے معیّن ہیں (یعنی شوّال، ذوالقعدہ اورعشرۂ ذی الحجہ) تو جو شخص ان (مہینوں) میں نیت کر کے (اپنے اوپر) حج لازم کرلے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نہ کوئی (اور) گناہ اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرے‘‘ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’(اے حبیب!) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرمادیں یہ لوگوں کے لئے اور ماہِ حج (کے تعیّن) کے لئے وقت کی علامتیں ہیں‘‘

امام بخاریؒ نے ایک اور حدیث بیان کی ہے جس میں احرام باندھنے کو اہلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ، وَعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ. وَأَهَلَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْحَجِّ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لَمْ يَحِلُّوا حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ. (۲)

’’حضرت عُروہ بن زُبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا، بعض نے حج و عمرہ دونوں کا اور بعض نے صرف حج کا احرام باندھا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کا احرام باندھا۔ پس جس نے حج کا احرام

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۵، باب: ۳۲

(۲) بخاری، الصحیح، ۲: ۵۶۷، کتاب الحج، باب التمتع والإقران و الإفراد بالحج و فسخ الحج لمن لم یکن معه هدی، رقم: ۱۴۸۷

باندھا یا حج وعمرہ کو جمع کیا تو انہوں نے قربانی کے دن تک احرام نہیں کھولا۔‘‘

اس حدیث مبارکہ میں حج وعمرہ کے موقع پر احرام باندھنے کو پر اھلال سے تعبیر کیا گیا جو کسی مخفی امر یا دل کی خفیہ نیت کا معاملہ نہیں بلکہ حجاج کرام ایک مخصوص وقت میں احرام باندھ کر بآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہیں تو سب لوگوں کو علم ہو جاتا کہ یہ زائر حرمین ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اھلال میں ظہور ضروری ہے۔

امام بخاری نے أھل کے جو لغوی معنی بیان کئے ہیں ان میں نمایاں اور اہم بات ’’ظہور‘‘ ہے مثلاً زبان سے اونچی آواز میں کوئی بات کہنا تکلم ہے اور بارش جب زمین پر گرتی ہے تو اس سے جو آواز نکلتی ہے اُسے استھل المطر کہتے ہیں۔ نو مولود بچہ جب بطن مادر سے ظاہر ہوتا ہے تو روتا ہے تو عربی میں اسے استھل الصبی کہا جاتا ہے۔ پہلی رات کا چاند جب ظاہر ہوتا ہے تو اسے أھلہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بوقت ذبح جب جانور کو لٹا کر کسی کا نام پکارا جاتا ہے تو وہ بھی اھلال ہے۔

مدعائے کلام یہ ہے کہ محض نسبت سے حرام ہونا ثابت نہیں بلکہ صحیح احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی شخص جس جانور پر بوقت ذبح نام لینا بھول گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اسی طرح صحابہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اعراب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت کھانے سے متعلق دریافت کیا کہ معلوم نہیں وہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا گوشت کھانا حلال ہے۔ چنانچہ عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا؟ فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ. قَالَتْ: وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ.(۱)

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الذبائح، باب ذبیحة الأعراب و نحوهم، ۵:۲۰۹۷، رقم: ۵۱۸۸

’’کچھ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ہم ایسے لوگ ہیں جن کے پاس گوشت آتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ (اس کا کیا حکم ہے، کھائیں یا نہ کھائیں) ارشاد ہوا کہ تم اس پر بسم اللہ پڑھ کر کھا لیا کرو۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ زمانۂ کفر کے قریب کی بات ہے۔‘‘

اس حدیث مبارکہ کے بعد امام بخاری نے اگلے باب کے ترجمۃ الباب میں امام زہری اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے خواہ ان کا عقیدہ کفر کا کیوں نہ ہو یعنی وہ حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا مانیں تب بھی اور اگرچہ وہ ذبح کرتے ہوئے کسی کا نام نہ بھی لیں تو بھی وہ ذبیحہ حلال ہے۔ باب کا عنوان اس طرح ہے:

بَاب ذَبَائِحِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَشُحُومِهَا مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِمْ وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ﴾. وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا بَأْسَ بِذَبِيحَةِ نَصَارَى الْعَرَبِ وَإِنْ سَمِعْتَهُ يُسَمِّي لِغَيْرِ اللهِ فَلَا تَأْكُلْ وَإِنْ لَمْ تَسْمَعْهُ فَقَدْ أَحَلَّهُ اللهُ لَكَ وَعَلِمَ كُفْرَهُمْ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ. وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ لَا بَأْسَ بِذَبِيحَةِ الْأَقْلَفِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَعَامُهُمْ ذَبَائِحُهُمْ.

’’اہل کتاب اور حربی کافروں وغیرہ کے ذبیحہ سے متعلق باب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے) اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے (سورۃ المائدہ، ۵) زہری کا قول ہے کہ عرب کے نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے میں کوئی حرج نہیں اور اگر تم سنو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

تو نہ کھاؤ اور اگر تم نہ سنو تو اللہ نے اسے تمہارے لئے حلال کیا اور وہ ان کا کفر جانتا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حسن بصری اور ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ غیر مختون کے ذبیحہ میں کوئی حرج نہیں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کا کھانا ہی ان کے ذبائح ہیں۔‘‘

پتہ چلا کہ أھل میں ’’ظھور‘‘ نہایت ضروری امر ہے اس کے بغیر کسی پر أھل لغیر اللہ کا حکم لگا کر حرام اور شرک قرار دینا شرعاً جائز نہیں۔ شارحینِ کرام نے بھی أھل کا یہی معنی لیا ہے۔

مندرجہ بالا عنوان باب کی شرح کرتے ہوئے امام ابن حجر عسقلانی نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے امام زہری کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے کہ

و إھلاله ان يقول باسم المسيح۔(۱)

’’اھلال سے مراد یہ ہے کہ وہ ذبح کرتے ہوئے یوں کہیں **باسم المسيح** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر ذبح کرتا ہوں۔‘‘

اگر بوقت ذبح ان سے اس طرح کے الفاظ نہ سنیں تو پھر گوشت حلال ہے وجہ یہ ہے کہ اصل دین ان کا برحق تھا اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان روایات کو پڑھ کر ان لوگوں پر نہایت تعجب ہوتا ہے جو صحیح البخاری کی رٹ لگاتے رہتے ہیں لیکن ان احادیث سے واقف نہیں مذکورہ احادیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام اور ائمہ عظام سے صراحتہً اس حکم کی اجازت مل رہی ہے کہ اگر اہل کتاب یا اور غیر مسلم اجنبی کا ذبحہ آپ کو پہنچے جس کی حقیقت سے آپ واقف نہ ہوں تو اللہ کا نام لے کر کھالیں۔ جب غیر مسلموں کے ذبیحہ کا یہ حکم ہے تو جو مسلمان اولیاء اللہ کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے منسوب کر کے جانور اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں یقیناً وہ بدرجۂ اتم حلال اور پاک ہیں، ان میں کسی قسم کی کوئی حرمت یا شرک کا عمل دخل نہیں۔

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۳۷

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا موقف

شارحینِ صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا علمی مقام و مرتبہ اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں۔ حدیث کی شرح اور رجال میں ان کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے۔ انہوں نے بھی امام بخاری کے بیان کردہ معنی کی مزید تائید کی ہے، لکھتے ہیں:

(قوله باب رفع الصوت بالإهلال) قال الطبري: الإهلال هنا رفع الصوت بالتلبية، وكل رافع صوته بشيء فهو مهل به وأما أهل القوم الهلال فأرى أنه من هذا لأنهم كانوا يرفعون أصواتهم عند رؤيته انتهى. (۱)

’’امام بخاری نے باب قائم کیا ہے ﴿باب رفع الصوت بالإهلال﴾ امام طبری نے کہا: یہاں اهلال سے مراد تلبیہ پڑھتے ہوئے آواز بلند کرنا ہے اور ہر وہ شخص جو کسی بھی چیز پر آواز بلند کرے وہ مهل ہے۔ لوگوں کا چاند کے وقت أهل کا معنی بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ اس کو دیکھتے ہی آواز بلند کرتے ہیں۔‘‘

ابن حجر مزید لکھتے ہیں:

أن أصل الإهلال رفع الصوت لأن رفع الصوت يقع بذكر الشيء عند ظهوره.

قوله ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ﴾ وهو من استهلال الصبي أي أنه من رفع الصوت بذلک فاستهل الصبي أي رفع صوته بالصياح إذا خرج من بطن أمه وأهل به لغير الله أي رفع الصوت به عند الذبح للأصنام، ومنه استهلال المطر والدمع وهو صوت وقعه بالأرض ومن لازم ذلک الظهور غالبا. (۲)

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۳:۴۰۸

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۳:۴۱۵

''اھلال کا اصل معنی آواز بلند کرنا ہے کیونکہ کسی چیز کے ظہور میں آتے وقت آواز بلند ہوتی ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَمَا أَهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾ کا معنی استھلال الصبی (بچے کے رونے سے) ماخوذ ہے یعنی یہ معنی آواز کی بلندی سے ماخوذ ہے۔ استھل الصبی کا معنی ہے جب وہ بطن مادر سے نکلا تو اس نے چیخ کے ساتھ اپنی آواز بلند کی۔ اور أھل به لغیر الله کا معنی ہے بتوں کے ذبح کرتے وقت آواز بلند کرنا اور اسی سے بارش اور آنسوؤں کا برسنا ہے جب وہ زمین پر گرنا ہے پس ان معانی سے لازم ٹھہرا ہے کہ (اھلال میں) ظہور نمایاں ہو۔''

۳۔ امام بیہقی

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس آیت ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

يعني ما أهل للطواغيت كلها. (۱)

''اس سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔''

ایک اور مقام پر امام بیہقی رقمطراز ہیں:

﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾ ما ذبح لآلهتهم. (۲)

''وَمَا أهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کا معنی وہ جانور ہیں جو مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں کے نام ذبح کیا کرتے تھے۔''

www.MinhajBooks.com

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۴۹

(۲) شعب الایمان، ۵: ۲۰، رقم: ۵۶۲۷

۴۔ امام ابن عبد البر

وأصل الإهلال في اللغة رفع الصوت، وكل رافع صوته فهو مهل. ومنه قيل للطفل: إذا سقط من بطن أمه فصاح قد استهل صارخا. والاستهلال والإهلال سواء. ومنه قول الله عزوجل ﴿وَ مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ لأن الذابح منهم كان إذا ذبح لآلهة سماها ورفع صوته بذكرها.(۱)

''اھلال کا اصل لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے لہٰذا آواز بلند کرنے والا ہر شخص مُهِلٌّ ہے اور اسی سے بچے کا استہلال کرنا ہے یعنی جب عین پیدائش کے وقت وہ بلند آواز سے روتا ہے۔ استہلال اور اھلال ہم معنی ہیں۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَ مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ ہے کیونکہ کفار و مشرکین میں سے ذبح کرنے والا جب اپنے بت کے نام پر ذبح کرتا تو اس کا نام لیتے وقت آواز کو بلند کرتا۔''

امام ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری کی شرح فتح الباری (۳: ۴۱۵) اور امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح (۸: ۸۹) میں بھی یہی معانی بیان کئے ہیں۔

۴۔ ﴿وَ مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ ائمہ تفسیر کی نظر میں

ذیل میں ہم آیت ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ کی تشریح و تفسیر معروف ائمہ تفسیر کی آراء کی روشنی میں بیان کریں گے۔ جن سے یہ بات مترشح ہے کہ کسی ایک مفسرِ قرآن نے بھی ایصالِ ثواب کے لئے ذبح کیے گئے جانور کا تعلق ان حرمت والی آیات سے نہیں جوڑا اور نہ کسی نے اولیاء و صالحین کے ایصالِ ثواب کے لئے اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کو حرام قرار دیا۔

(۱) ابن عبدالبر، التمهيد، ۱۳: ۱۶۸

سورۃ البقرۃ کی آیتِ کریمہ ملاحظہ کیجئے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○ (۱)

’’اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے○‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ان کا مفسرینِ کرام نے شرعی معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر عین وقتِ ذبح غیر اللہ کا نام بلند کر کے چھری پھیر دی جائے۔ ذیل میں مشہور ائمہ تفسیر کے حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ تفسیر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر ’’تنویر المقباس‘‘ میں ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ﴾ کا معنی یہ لکھا ہے:

﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ﴾ ما ذبح لغیر اسم الله عمداً للأصنام. (۲)

’’﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ﴾ کا معنی ہے وہ جانور جس کو جان بوجھ کر اللہ کا نام لیے بغیر بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔‘‘

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۳

(۲) ابن عباس، تنویر المقباس: ۲۴

۲۔ تفسیر عبدالرزاق

عن قتادة فی قوله: ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِاللهِ﴾ قال: ما ذبح لغير الله مما لم يسم عليه.(۱)

''حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ﴿وَ مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ﴾ سے مراد وہ جانور ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو۔''

عن الزهری قال: الإهلال أن يقولوا: باسم المسيح.(۲)

''امام زہری فرماتے ہیں کہ اِہلال کا مطلب ہے کہ بوقت ذبح یوں کہا جائے: بِإسم المسيح (یعنی حضرت عیسی علیہ السلام کے نام پر ذبح کرتا ہوں)۔''

نوٹ: واضح ہو کہ امام زہری نے اِھلال کے حوالے سے اپنی تفسیر میں ان عیسائیوں کا معمول بیان کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔

۳۔ تفسیر طبری

و أما قوله: ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِاللهِ﴾ فإنه يعنى به و ما ذبح للآلهة والأوثان يسمى عليه بغير اسمه أو قصد به غيره من الأصنام. و إنما قيل ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ﴾ لأنهم كانوا إذا أرادوا ذبح ما قربوه لآلهتهم سموا اسم آلهتهم التي قربوا ذلک لها وجهروا بذلک أصواتهم. فجرى ذلک من أمرهم على ذلک حتى قيل لكل ذابح يسمى أو لم يسم، جهر بالتسمية أو لم يجهر مُهل. فرفعهم أصواتهم بذلک هو الإهلال الذى ذكره الله تعالى فقال: ﴿وَمَا

(۱) تفسیر عبدالرزاق، ۱: ۳۰۱، رقم: ۱۵۵

(۲) تفسیر عبدالرزاق، ۱: ۳۰۱، رقم: ۱۵۶

أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾ ومن ذلک قيل للملبی فی حجة أو عمرة مهل لرفعه صوته بالتلبية. و منه استهلال الصبی إذا صاح عند سقوطه من بطن أمه. واستهلال المطر وهو صوت وقوعه على الأرض كما قال عمرو بن قميئة:

ظلم البطاح له انهلال حريصة[1]

’’اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾ سے مراد وہ جانور ہیں جو معبودانِ باطلہ یعنی بتوں کے لئے ذبح کیے گئے ہوں جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا اس کے علاوہ بتوں میں سے کسی ایک کا نام لینے کا ارادہ کیا گیا ہو۔ وَمَا أُهِلَّ بِهِ اس لیے ارشاد فرمایا گیا: کیونکہ جب مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں کے تقرب کے لئے کسی جانور کو ذبح کرنے کا ارادہ کرتے تو وہ اس مخصوص بت کا نام لیتے جس کے تقرب کے لئے وہ جانور ذبح کیا جانا ہوتا اور اس پر وہ اپنی آواز کو بلند کرتے پس پھر یہ ان کا معمول بن گیا حتی کہ ہر ذبح کرنے والے کو خواہ اس نے بآواز بلند اپنے معبود کا نام لیا ہو یا نہ مُهِلٌّ کہا جانے لگا۔ پس ان کا جانور پر آواز بلند کرنا اِهلَال کہلاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾. اسی بلندئ آواز کے مفہوم کی وجہ سے حج اور عمرہ کے دوران بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے والے کو بھی مُهِلٌّ کہا گیا۔ اسی مفہوم میں استهلال الصبی ہے جب بچہ پیدائش کے وقت اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی روتا ہے۔ اسی سے استهلال المطر ہے، یہ وہ آواز ہے جو بارش کے قطرے زمین پر گرتے وقت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ عمر بن قمیئہ نے اپنے ایک شعر میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وادیوں کی ظلمت زور دار بارش کا ہونا ہے‘‘

(١) ابن جرير طبری، جامع البيان فی تفسير القرآن، ٢: ٥٠

۴۔ تفسیر قرطبی

قوله تعالى: ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾ أی ذكر عليه غير اسم الله تعالى، و هی ذبيحة المجوسی والوثنی والمُعَطِّل. فالوثنی يذبح للوثن، والمجوسی للنار، والمُعَطِّل لا يعتقد شيئًا فيذبح لنفسه.

والإهلال: رفع الصوت، يقال: أَهَلَّ بكذا، أی رفع صوته.

ومنه إهلال الصبیّ و استهلاله، و هو صياحه عند ولادته. و قال ابن عباس وغيره: المراد ما ذبح للأنصاب والأوثان.(۱)

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾ سے مراد وہ جانور ہے جس پر اللہ کے غیر کا نام لیا گیا ہو اور یہ مجوسی، بت پرست اور معطل کا ذبیحہ ہے۔ بت پرست اپنے بت کے لئے ذبح کرتا ہے، مجوسی آگ کے لئے اور معطل کا کسی چیز پر اعتقاد نہیں ہوتا وہ صرف اپنی ذات کے لیے ذبح کرتا ہے۔

إهلال آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: اس شخص نے اس طرح آواز بلند کی۔

اسی سے اھلال الصبی اور نومولود بچے کا استھلال ہے جس سے مراد عین پیدائش کے وقت اس کا چیخنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ جانور ہے جس کو نصب شدہ مورتیوں اور بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔''

۵۔ تفسیر فتح القدیر

الإهلال: رفع الصوت، يقال أهلّ بكذا: أي رفع صوته، قال الشاعر يصف فلاة:

(۱) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۲۲۳

تهلّ بالفرقد ركبانها

كما يهلّ الراكب المعتمر

و منه إهلال الصبیّ، واستهلاله: وهو صياحه عند ولادته، والمراد هنا: ما ذكر عليها اسم غير الله كاللات والعزّیٰ.(۱)

’’اھلال: کا معنی آواز بلند کرنا ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اس طرح آواز بلند کی۔ یعنی اپنی آواز کو اونچا کیا۔ کسی شاعر نے بنجر بیابان زمین کی تعریف یوں بیان کی ہے:

’’بنجر و ہموار زمین میں چلنے والے مسافروں نے زور سے آواز دی جیسے عمرہ کرنے والا سوار بآوازِ بلند تلبیہ کہتا ہے۔

اسی سے اھلال الصبی اور استھلال الصبی ہے، جس سے مراد عین پیدائش کے وقت بچہ کا بآواز بلند چیخنا ہے۔ یہاں اس آیت کا مطلب ہے کہ وہ جانور جس پر غیر اللہ مثلاً لات وعزیٰ کا نام لیا گیا ہو۔‘‘

۶۔ تفسیر ابن کثیر

﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾: أی ما ذبح فذكر عليه اسم غير الله فهو حرام.(۲)

’’یعنی وہ جانور جسے ذبح کرتے ہوئے اللہ کے غیر کا نام لیا جائے پس ایسا جانور حرام ہے۔‘‘

علاوہ ازیں دیگر معروف تفاسیر میں بھی مفسرین کرام نے ﴿سورة البقرة، ۲: ۱۷۳

(۱) شوكانی، فتح القدير الجامع بين فنی الرواية والدراية من علم التفسير، ۱: ۱۶۹

(۲) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۲: ۸

اور سورۃ المائدۃ، ۵: ۳﴾ کے تحت مذکورہ بالا تمام معروف معانی بیان کئے ہیں کسی ایک مفسر نے بھی ان آیات کی یہ تاویل نہیں کی جو عام طور پر معترضین کرتے اور ایصالِ ثواب کے عمل کو شرک سے منسلک کرتے ہیں۔ مزید تفصیل درج ذیل تفاسیر میں دیکھئے:

۱۔ ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ۵: ۱۴۰۷

۲۔ امام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ۵: ۱۱

۳۔ ابن جوزی، تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر، ۱: ۱۷۵

۴۔ امام بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۱۴۰

۵۔ امام خازن، تفسیر لباب التأویل فی معانی التنزیل، ۱: ۱۱۹

۶۔ امام بیضاوی، تفسیر البیضاوی، ۱: ۱۶۲

۷۔ علامہ زمخشری، تفسیر الکشاف، ۱: ۲۱۵

۸۔ امام نسفی، تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ۱: ۱۱۰

۹۔ امام صاوی، تفسیر الصاوی، ۱: ۱۴۳

۱۰۔ امام جلال الدین سیوطی، تفسیر الدر المنثور، ۳: ۱۵

۱۱۔ أیضاً، تفسیر الجلالین

۱۲۔ امام آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۲: ۴۲

۱۳۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر المظہری، ۱: ۱۹۰

۱۴۔ علامہ عجیلی، تفسیر الجمل، ۱: ۲۰۷

۱۵۔ احمد مصطفیٰ، تفسیر المراغی، ۱: ۴۷

۱۶۔ ابن عادل الدمشقی، تفسیر اللباب فی علوم القرآن، ۷: ۱۸۸

۱۷۔ امام ابی سعود، تفسیر ارشاد العقل السلیم إلی مزایا القرآن الکریم، ۱: ۱۹۱

www.MinhajBooks.com

۱۸۔ ابن عجیبہ، تفسیر البحر المدید، ۲: ۱۴۲

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کی درست تفسیر

گزشتہ صفحات میں ہم نے اہلِ لغت، محدثینِ کرام اور مفسرینِ عظام کی آراء کی روشنی میں أُهِلَّ کا درست مفہوم تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔ جس کے مطابق صرف وہ جانور حرام ہے جس پر عین ذبح کے وقت اللہ کے نام کی جگہ کسی دوسرے کا نام اس طرح لیا جائے کہ میں اس جانور کو فلاں بت یا شخص کے نام پر اس کے تقرب کے لئے ذبح کرتا ہوں۔ یہ عمل شرک ہوگا اور یہ ذبیحہ از روئے نص حرام ہوگا۔ لیکن اگر صدقہ و خیرات اور نذر و نیاز کے لئے جانور خرید کر اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے اور اس کا ثواب کسی بزرگ یا اپنے عزیز رشتہ دار کے نام کر دیا جائے تو یہ عمل حرام اور شرک نہیں۔

لفظِ أَهِلَّةٌ سے استشہاد

ائمہ لغت اور محدثین و مفسرین نے اس کے معانی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ چاند دیکھتے ہی لوگ اچانک آواز بلند کرنے لگتے ہیں کہ ''وہ چاند ہو گیا''، بعد ازاں اسی وجہ سے پہلی رات کے چاند کو ھِلال کا نام دیدیا گیا۔ ذیل میں ہم سورۃ البقرہ کی ایک اور آیت سے اس مفہوم کا استشہاد کرتے ہیں جس میں لفظ أَهِلَّةٌ سے مراد چاند ہی ہے جب کہ مفسرینِ کرام نے اس لفظ ''أَهِلَّة'' کے تحت اِھلال کے وہ تمام معروف و متداول معنی بیان کئے ہیں جن کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات میں کر دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ط وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (۱)

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۸۹

”(اے حبیب) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرمادیں یہ لوگوں کے لئے اور ماہِ حج (کے تعین) کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم (حالتِ احرام میں) گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی تو (ایسی الٹی رسموں کی بجائے) پرہیزگاری اختیار کرنا ہے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

خلاصۂ بحث

سابقہ صفحات پر مشتمل مکمل بحث کا لبِ لباب ذیل کے چار نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

- کسی خاص وقت میں کی گئی بات عام وقت میں کی گئی بات سے مختلف ہوتی ہے۔
- کسی خاص وقت میں آواز بلند کرنا عام وقت میں آواز بلند کرنے سے مختلف ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم کسی اور کی طرف منسوب کر دیتے ہیں مثلاً ہم کچھ چیزیں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کی طرف کچھ چیزیں منسوب کی جاتی ہیں۔ چوں کہ یہ چیزیں کسی خاص وقت میں نہیں بلکہ عام وقت اور حالت میں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اس لئے اس پر حکم شرک نہیں لگایا جا سکتا۔
- ذبح ایک ایسا عمل ہے جو کہ ایک خاص وقت میں کیا جاتا ہے اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اہلال ”رفع الصوت عند الذبح“ ”عین وقتِ ذبح جانور پر آواز بلند کرنے“ کو کہتے ہیں۔
- وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ سے مراد وہ جانور ہیں جن پر ذبح کے وقت اللہ کی بجائے غیراللہ کا نام لیا جائے۔ اس خاص موقع پر اللہ کی بجائے غیراللہ کا نام بلند کرنا شرک ہے اور ایسے جانور کا کھانا حرام ہے۔

۵۔ غیر اللہ کے نام بطور عبادت ذبح کرنا حرام ہے

مشرکین جب کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تو ان کے اس عمل سے ان کا مقصود اپنے معبودانِ باطلہ کی عبادت، تعظیم و تکریم، ان کی رضا و خوشنودی اور تقرب کا حصول ہوتا تھا۔ لہٰذا ان آیات میں بطورِ خاص اس طرح کے عمل کو جو غیر اللہ کے تقرب اور عبادت کے لئے ہو حرام ٹھہرایا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ......(۱)

”تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہوا اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا، اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو۔“

مفسرینِ کرام نے سورۃ المائدۃ کی آیت: ۳ کے تحت اس کی وضاحت کی ہے:

۱۔ ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ ...... قال مجاهد و قتادة: كانت حول البيت ثلاثمائة وستون حجرًا منصوبة، كان أهل الجاهلية يعبدونها و يعظمونها و يذبحون لها، و ليست هي بأصنام إنما الأصنام هی المصورة المنقوشة، و قال الآخرون: هی الأصنام

(۱) المائدة، ۵:۳

المنصوبة، و معناه: و ما ذُبح على اسم النصب، قال ابن زيد: و ما ذبح على النصب و ما أهل لغير الله به: هما واحد.[1]

''امام مجاہد اور امام قتادہ کا قول ہے کہ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ ان کی عبادت اور تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کیا کرتے تھے، وہ حقیقی بت نہیں تھے بلکہ صرف نقش و نگار والی تصاویر تھیں۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ یہ نصب شدہ بت تھے۔ اور اسکا معنی یہ ہے کہ وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کے گئے ہوں۔ ابن زید کا قول ہے کہ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ اور ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔''

۲۔ قوله تعالى: ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ فی النصب قولان:

أحدهما: أنها أصنام تنصب، فتعبد من دون الله، قاله ابن عباس، و الفراء، و الزجاج، فعلى هذا القول يكون المعنى، و ما ذبح على اسم النصب، و قيل: لأجلها.

و الثاني: أنها حجارة كانوا يذبحون عليها، و يشرحون اللحم عليها و يعظمونها، و هو قول ابن جريج.[2]

''اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں لفظ نُصُب کے بارے میں دو اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد نصب شدہ بت ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، فراء اور زجاج کا یہی قول ہے۔ اس قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا: جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے، اور یہ بھی قول ہے کہ جو جانور ان بتوں کی رضا اور خوشنودی کے حصول

(۱) بغوی، تفسیر معالم التنزیل، ۲: ۹

(۲) ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۲: ۲۸۳-۲۸۴

کیلئے ذبح کیا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''نُصُب''، وہ پتھر تھے جن پر مشرکین جانور ذبح کئے کرتے تھے اور ان پر گوشت کے ٹکڑے کرتے اور ان کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ یہ ابنِ جریج کا قول ہے۔''

۳۔ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ كانت لهم حجارة منصوبة حول البيت، يذبحون عليها و يشرحون اللحم عليها، يعظمونها بذلک و يتقربون به إليها.(۱)

''﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں نے بیت اللہ کے اردگرد پتھر سے بنی ہوئی مورتیاں نصب کر رکھی تھیں اور تھان بنا رکھے تھے جن پر وہ جانور ذبح کرتے تھے اور گوشت کے ٹکڑے کرتے تھے، اس سبب سے وہ ان مورتیوں کی تعظیم کرتے اور ان کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔''

۴۔ ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ النصب واحد الأنصاب، و هي أحجار كانت منصوبة حول البيت يذبحون عليها و يعدون ذلک قربة.(۲)

''انصاب کا واحد نصب ہے اور ان سے مراد وہ پتھر ہیں جو بیت اللہ کے ارد گرد نصب تھے، مشرکین ان کے اوپر جانور ذبح کرتے اور اس عمل کو باعثِ تقرب سمجھتے تھے۔''

۵۔ ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ كانت لهم حجارة منصوبة حول البيت يذبحون عليها يعظمونها بذلک و يتقربون إليها.(۳)

(۱) زمخشری، الکشاف، ۱:۶۰۳

(۲) بیضاوی، تفسیر البیضاوی، ۱:۴۱۰

(۳) نسفی، تفسیر القرآن الجلیل، ۱:۳۸۸

''خانہ کعبہ کے اردگرد مشرکین کے پتھر سے بنے بت نصب تھے جن پر وہ جانور ذبح کرتے تھے۔ اس کے باعث وہ ان کی تعظیم کرتے تھے اور (عملِ ذبح کے ذریعے) ان کا تقرب حاصل کرتے تھے۔''

٦۔ و أخرج الطستي في مسائله عن ابن عباس أن نافع بن الأزرق قال له:...... أخبرني عن قوله ﴿الأنصاب﴾ قال: الأنصاب الحجارة التي كانت العرب تعبدها من دون الله و تذبح لها.(۱)

''امام طستی نے مسائل میں نافع بن ازرق کے حوالے سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے انصاب کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ان سے مراد وہ پتھر (کے بت) ہیں جن کی مشرکینِ عرب عبادت کرتے اور ان کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرتے۔''

٧۔ قال ابن جريج: كانت العرب تذبح بمكة و تنضح بالدم ما أقبل من البيت، و يشرحون اللحم و يضعونه على الحجارة، فلما جاء الإسلام، قال المسلمون للنبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: نحن أحق أن نعظم هذا البيت بهذه الأفعال، فكأنه عليه الصلاة و السلام لم يكره ذلك، فأنزل الله تعالى: ﴿لَنْ يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا﴾ [الحج، ٢٢: ٣٧] و نزلت ﴿وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ [المائده، ٥: ٣] المعنى: و النية فيها تعظيم النصب لا أن الذبح عليها غير جائز.(۲)

''ابنِ جریج نے کہا: مشرکینِ عرب مکہ مکرمہ میں جانور ذبح کرتے اور بیت اللہ کے سامنے خون چھڑکاتے، اور گوشت کے ٹکڑے کرکے اسے پتھروں کی

(۱) سیوطی، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۳: ۱٦

(۲) ١۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ٦: ٥٧

۲۔ شوکانی، فتح القدير الجامع بين فنی الرواية والدراية من علم التفسير، ۲: ۱۰

مورتیوں پر رکھ دیتے۔ جب زمانۂ اسلام آیا تو مسلمانوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے خواہش کا اظہار کیا کہ بیت اللہ کے پاس اس طرح کے تعظیمی افعال کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ شاید حضور نبی اکرم ﷺ (ان کی) اس خواہش کو ناگوار نہ سمجھتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿ہرگز اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون﴾ اور یہ آیت بھی نازل فرمائی: ﴿اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو﴾۔ اس کے ناجائز ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس طرح ذبح کرنے میں بتوں کی تعظیم کی نیت شامل ہے اس وجہ سے نہیں کہ یہاں مطلقاً ذبح ناجائز ہے۔‘‘

وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُب کے اطلاق میں فرق

اکثر لوگ (وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ) اور (وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبُ) کے معنی و مفہوم کو آپس میں خلط ملط کر دیتے ہیں درحقیقت ان دونوں کا اطلاق الگ الگ ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُب سے مراد باطل معبود کے لیے تھان یعنی مخصوص چبوترہ بنا کر ان کی خوشنودی و رضا کے لئے جانور ذبح کرنا ہے۔

اہلِ اسلام کا عمل اس تصور سے پاک ہے۔ وہ اولیاء و صالحین اور مرحومین کو نہ تو کفار و مشرکین کی طرح جانور کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور نہ ان کے مجسمے اور مورتیاں بنا کر عبادت کرتے ہیں۔

اسی طرح وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ سے مراد جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کر دیا یہ ہے کہ بوقتِ ذبح بلند آواز سے کسی کا نام لینا اس میں مخصوص مقام اور تھان کا تصور نہیں بلکہ کسی جگہ بھی جانور ذبح کر کے اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی خوشنودی اور تقرب کے لیے بطورِ عبادت اس کا نام لیا جائے یہ عمل شرک ہے۔

مسلمان جانور کی جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور

بوقتِ ذبح بصورتِ تکبیر صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں۔ اس لیے ایصالِ ثواب کے لیے ذبح کیے گئے جانور پر شرک کا اطلاق نہیں ہوتا۔

ائمہ تفسیر نے وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفار و مشرکین کے اس مشرکانہ عمل اور مسلمانوں کے جائز اعمال میں بُعد المشرقین ہے کیونکہ:

۱۔ کفار و مشرکین نے بتوں کی خوشنودی اور رضا کے لئے ذبح کے تھان بنائے تھے۔

۲۔ وہ تقرب اور عبادت کے لئے اپنے باطل معبود کی تعظیم میں ان تھانوں پر جانور ذبح کرتے تھے۔

۳۔ وہ ان جانوروں کا خون مورتیوں پر مل دیتے تھے اور گوشت کے ٹکڑے کر کے ان پر رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا یہ عمل شرک ٹھہرا۔

مسلمان جب کسی جانور کو ایصالِ ثواب اور نذر کے لئے ذبح کرتے ہیں تو:

۱۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب ہی پیش نظر ہوتا ہے، ہرگز کسی غیر اللہ کا تقرب اور خوشنودی و رضا کا حصول مدنظر نہیں ہوتا۔

۲۔ وہ شرعی طریقے پر جانور ذبح کرتے ہیں اور یہ عمل بطورِ خیرات خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا ایصالِ ثواب اولیاء و صالحین اور مرحومین کے لئے ہوتا ہے اور گوشت پکا کر شرکاء و حاضرین اور فقراء و مساکین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ مسلمانوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جانور کا گوشت فی نفسہٖ مرحومین کو پہنچتا ہے بلکہ اس عمل میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندگی و عاجزی پہنچتی ہے جبکہ اولیاء و صالحین اور مرحومین کو ہدیۂ ثواب پہنچتا ہے اور موجود و زندہ افراد کھانے سے مستفید ہوتے ہیں۔

۶۔ صدقات و خیرات ذرائع ایصالِ ثواب ہیں وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ میں شامل نہیں

صدقات اور خیرات پر اللہ کے محبوب و مقرب بندوں کا نام لینے سے وہ حرام نہیں ہوتے کیوں کہ نام لینے سے صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے لہٰذا خیرات و صدقات کا ایصالِ ثواب کے لئے دینا ''وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ'' میں شامل ہی نہیں۔ شرعاً یہ امر جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی نیک عمل اور صدقہ و خیرات کو کسی دوسرے کے نام منسوب کر دے۔ اس کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے لئے تاجدار کائنات ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ میں سے چند ایک ذیل میں دیئے جا رہے ہیں تاکہ کسی کے لئے ایصالِ ثواب کرنے کا مستند و معتبر جواز ثابت ہو جائے۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَ أَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ.(۱)

''ایک آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: میری والدہ اچانک فوت ہوگئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ (بوقتِ نزع) گفتگو کر سکتی تو صدقہ کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں تو کیا اسے ثواب پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔''

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب موتِ الفَجْأَةِ البَغْتَةِ، ۱: ۴۶۷، رقم: ۱۳۲۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت إليه، ۲: ۶۹۶، رقم: ۱۰۰۴

۳۔ ابوداود، السنن، کتاب الوصايا، باب ما جاء فيمن مات وصية يتصدق عنه، ۳: ۱۱۸، رقم: ۲۸۸۱

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَکَ مَالًا وَلَمْ يُوصِ. فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے اور اس نے مال چھوڑا ہے مگر اس بارے میں کوئی وصیت نہیں کی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ (صدقہ کرنا) اس (کے گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔‘‘

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ أَفَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّ مَخْرَفًا فَأُشْهِدُکَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا.

وَ قَالَ أَبُوْ عِيْسَى: هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ، وَ بِهِ: يَقُوْلُ أَهْلُ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: لَيْسَ شَيْءٌ يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ إِلَّا الصَّدَقَةُ وَ الدُّعَاءُ. (۲)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصية، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت، ۳: ۱۲۵۴، رقم: ۱۶۳۰

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت، ۶: ۲۵۱، رقم: ۳۶۵۲

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الوصايا، باب من مات و لم يوصى هل يتصدق عنه، ۲: ۲۰۶، رقم: ۲۷۱۶

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۱، رقم: ۸۸۲۸

۵۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۴: ۱۲۳، رقم: ۲۴۹۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الزکاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی الصدقة عن الميت، ۳: ۵۶، رقم: ۶۶۹

۲۔ ابوداود، السنن، کتاب الوصايا، باب ما جاء فيمن مات وصية يتصدق عنه، ۳: ۱۱۸، رقم: ۲۸۸۲

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت، ۶: ۲۵۲، رقم: ۳۶۵۵

’’یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہوچکی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا وہ اسے کوئی نفع دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک باغ ہے آپ گواہ رہیں کہ میں نے یہ باغ اس کی طرف سے صدقہ کر دیا۔‘‘

’’امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور علماء کا یہی قول ہے، وہ فرماتے ہیں: میت کو صرف صدقہ اور دعا پہنچتی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ. (۱)

’’جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (ان کا اجر اسے برابر ملتا رہتا ہے): ایک وہ صدقہ جس کا نفع جاری رہے، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، تیسری وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔‘‘

۵۔ امام سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت طاووس نے فرمایا:

إِنَّ الْمَوْتَى يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ سَبْعًا، فَكَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُطْعَمَ عَنْهُمْ تِلْكَ الْأَيَّامِ.

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۱

۲۔ ابوداود، السنن، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الصدقة عن المیت، ۳: ۱۱۷، رقم: ۲۸۸۰

۳۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب ثواب معلم الناس الخیر، ۱: ۸۸، رقم: ۲۳۹

۴۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۲۸، رقم: ۳۸

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

وَ قَالَ السُّيُوطِيُّ: إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ.[(١)]

’’بے شک سات دن تک مردوں کو ان کی قبروں میں آزمایا جاتا ہے اس لئے لوگ ان دنوں میں ان کی طرف سے کھانا کھلانے کو مستحب سمجھتے تھے۔‘‘

’’امام سیوطی نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہیں۔‘‘

درج بالا روایات سے ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب اور صدقات و خیرات کے لئے کسی کے نام کی طرف نسبت شرعاً جائز بلکہ سنت ہے۔ اسی حوالے سے ذیل میں مزید احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ کسی کی طرف سے نفل نماز ادا کرنا

٦۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنی جگہ نوافل ادا کرنے کے لئے فرمایا:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُوْلُ: انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ، فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا: إِلَى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْأُبُلَّةُ؟ فَقُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: مَنْ يَضْمَنُ لِي مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ لِي فِي مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا، وَ يَقُوْلُ هَذِهِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ. سَمِعْتُ خَلِيْلِي رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ مِنْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ.[(٢)]

(١) ١۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ٤: ١١

٢۔ سيوطى، الديباج على صحيح مسلم، ٢: ٤٩١، رقم: ٩٠٥

٣۔ سيوطى، شرح على سنن النسائى، ٤: ١٠٤

(٢) ١۔ ابوداؤد، السنن، كتاب الملاحم، باب فى ذكر البصرة، ٤: ١١٣، رقم: ٤٣٠٨۔

٢۔ بيهقى، شعب الإيمان، ٣: ٤٧٩، رقم: ٤١١٥

’’ابراہیم بن صالح بن درھم کا بیان ہے کہ میرے والد محترم نے فرمایا: ہم حج کرنے حرم کعبہ گئے تو ایک آدمی نے ہم سے دریافت کیا: کیا تمہارے علاقے میں ’’اُبُلّۃ‘‘ نام کی کوئی بستی ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہاں۔ اُس نے کہا: تم میں سے کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ ’’مسجدِ عَشَّار‘‘ میں میرے لئے دو یا چار رکعتیں پڑھنے کے بعد کہے: ان رکعتوں کا ثواب ابو ہریرہ کے لئے ہے۔ میں نے اپنے خلیل حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہیدوں کو اٹھائے گا کہ شہدائے بدر کے سوا کوئی ان کے ساتھ کھڑا نہ ہوگا۔‘‘

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ ایصالِ ثواب کرنا امرِ جائز ہے۔

۲۔ اپنے نیک عمل کو کسی کی طرف منسوب کرنا بھی جائز ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ نفل نماز پڑھ کر ایصال ثواب کرنا ایک جائز عمل ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے نوافل پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ کسی کی طرف سے روزے رکھنا

۷۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَ عَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ. (۱)

’’بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب من مات وعلیه صوم، ۲:۶۹۰، رقم: ۱۸۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب قضاء الصیام عن المیت، ۲:۸۰۳، رقم: ۱۱۴۷

روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔‘‘

۸۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ نَذْرٌ قَضَى عَنْهُ وَلِيُّهُ. (۱)

’’اگر اس (فوت ہونے والے) پر کسی نذر کا پورا کرنا باقی ہو (جو اس نے مانی تھی) تو وہ اس کی طرف سے اس کا ولی پوری کرے۔‘‘

۹۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت نے حاضر ہوکر عرض کیا:

إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، فَقَالَ: أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ، أَكُنْتِ تَقْضِيْنَهُ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ.

وَ فِي رِوَايَةٍ: فَقَالَتْ: إِنَّ أُخْتِي مَاتَتْ وَ عَلَيْهَا صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ. (۲)

’’میری ماں فوت ہوگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے واجب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر اس پر کچھ قرض ہوتا تو کیا تم اس کی طرف سے وہ قرض ادا کرتیں؟ اس عورت نے عرض کیا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ۱۔ ابوداود، السنن، كتاب الصيام، باب فيمن مات و عليه صيام، ۲:۳۱۵، رقم: ۲۴۰۰، ۲۴۰۱

۲۔ دار قطنى، السنن، ۲: ۱۹۴، رقم: ۷۹۔ ۸۰

۳۔ ابن ابى شيبه، المصنف، ۳:۱۱۳، رقم: ۱۲۵۹۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، ۲:۸۰۴، رقم: ۱۱۴۸

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الصيام، باب من مات و عليه صيام من نذر، ۱:۵۵۹، رقم: ۱۷۵۸

۳۔ نسائى، السنن الكبرى، ۲:۱۷۳۔۱۷۴، رقم: ۲۹۱۲۔۲۹۱۵

اللہ تعالیٰ قرض ادا کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔‘‘

’’اور ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ اس نے عرض کیا: میری بہن فوت ہوگئی ہے اور اس پر دو ماہ کے مسلسل روزے واجب ہیں۔‘‘

۳۔ کسی کی طرف سے حج ادا کرنا

۱۰۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جُہینہ کی ایک عورت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ، فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟ اقْضُوا اللهَ، فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ.(۱)

’’میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی یہاں تک کہ فوت ہوگئی۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: ہاں تم اس کی طرف سے حج کرو۔ بھلا بتاؤ تو اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا کرو، کیونکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اُس سے وفاء کی جائے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کے فوت شدہ عمل کی بعداز وفات ادائیگی کو جائز قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دلیل بھی عطا کر دی کہ زندگی میں جس طرح کوئی کسی کی طرف سے قرض کی ادائیگی جیسا عمل کرے تو وہ قرض ادا ہو جاتا ہے تو اسی طرح بعد از وفات بھی اگر کوئی کسی کے لئے نیک عمل مثلاً حج کرے گا تو وہ مرنے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإحصار وجزاء الصید، باب الحج و النذور عن المیت، وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ، ۲:۶۵۶، رقم: ۱۷۵۴
۲۔ نسائی، السنن، کتاب مناسك الحج، باب الحج عن المیت الذي نذر أن یحج، ۵:۱۱۶، رقم: ۲۶۳۲
۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۴:۳۴۶، رقم: ۳۰۴۱

والے کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔

۱۱۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت نے حاضر ہوکر عرض کیا:

إِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ، وَ إِنَّهَا مَاتَتْ. قَالَ: فَقَالَ: وَجَبَ أَجْرُكِ. وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ. قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَومُ شَهْرٍ. أَفَأَصُومُ عَنْهَا؟ قَالَ: صُوْمِي عَنْهَا. قَالَتْ: إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ. أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: حُجِّي عَنْهَا.

وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ: هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.(۱)

’’میں نے اپنی ماں کو ایک باندی صدقہ میں دی تھی اور اب میری ماں فوت ہو گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں ثواب مل گیا اور وراثت نے وہ باندی تمہیں لوٹا دی ہے۔ اس عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں پر ایک ماہ کے روزے (باقی) تھے کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ فرمایا: ہاں، اس کی طرف سے روزے رکھو۔ اس نے عرض کیا: میری ماں نے حج کبھی نہیں کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج ادا کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس کی طرف سے حج بھی ادا کرو۔‘‘

’’امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔‘‘

۱۲۔ والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرنے کا اجر بیان فرماتے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، ۲:۸۰۵، رقم: ۱۱۴۹

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الزکاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في المُتَصَدِّقِ يَرِثُ صَدَقَتَهُ، ۳:۵۴، رقم: ۶۶۷

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۴:۶۶۔۶۷، رقم: ۶۳۱۴۔۶۳۱۶

ہوئے تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ عَنْ وَالِدَيْهِ بَعْدَ وَفَاتِهِمَا كُتِبَ لَهُ عِتْقًا مِنَ النَّارِ. (۱)

''جس نے اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان کی طرف سے حج کیا تو اس کے لئے دوزخ کی آگ سے رہائی لکھ دی جائے گی۔''

یہ بہت بڑی صلہ رحمی اور خدمت کی انجام دہی ہے کہ اولاد، والدین کی طرف سے حج کا فریضہ ادا کرے، اس کے علاوہ وہ دیگر صدقات وغیرہ بھی والدین کی طرف سے ادا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ذات ہے اس نے اپنے بندوں کی بخشش و مغفرت کے لئے کئی طریقے عطا فرمائے ہیں جن میں میت کی طرف سے حج کرنا اور صدقات و خیرات وغیرہا جیسے اعمالِ صالحہ کرنا شامل ہیں۔

۴۔ کسی کی طرف پانی کا کنواں برائے ایصالِ ثواب منسوب کرنا

۱۳۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ فوت ہوگئی تو انہوں نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ، أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: سَقْيُ الْمَاءِ. فَتِلْكَ سِقَايَةُ سَعْدٍ بِالْمَدِيْنَةِ. (۲)

''یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی ہے، کیا میں اس کی طرف سے صدقہ

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۲۰۵، رقم: ۷۹۱۲
۲۔ سيوطي، شرح الصدور: ۱۲۹

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب الوصايا، باب ذكر الاختلاف على سفيان، ۶: ۲۵۴-۲۵۵، رقم: ۳۶۶۲-۳۶۶۶
۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الأدب، باب فضل صدقة الماء، ۲: ۱۲۱۴، رقم: ۳۶۸۴
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۸۴، رقم: ۲۲۵۱۲

کرسکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا: تو کونسا صدقہ بہتر رہے گا؟ فرمایا: پانی پلانا۔" پس مدینہ منورہ میں یہ سعد کی پانی کی سبیل ہے۔"

۱۴۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْمَاءُ، قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا، وَ قَالَ: هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ.(۱)

"یا رسول اللہ! امّ سعد کا انتقال ہوگیا ہے۔ سو (اس کے ایصالِ ثواب کے لئے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی۔"

"پس انہوں نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا: یہ امّ سعد کا کنواں ہے۔"

کنواں کھدوانے کا حکم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے دیا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی قلت تھی جس کے باعث مسلمانوں کو میٹھا پانی پینے کے لئے دستیاب نہیں تھا۔ وہ مشقت برداشت کرتے ہوئے میلوں کا سفر کر کے چھوٹی چھوٹی مشکیں پانی بھر کے لاتے۔ اس دوران حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے میٹھے پانی کا ایک کنواں خرید کر وقف کر دیا جس سے مسلمانوں کو آسانی ہوگئی۔ اس حدیث میں بھی اسی زمانہ کی طرف اشارہ ہے اور امّ سعد کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف کئے گئے کنوئیں کے سبب مسلمانوں کی اس مشکل کو حل کیا گیا۔

یہ بات ذہن نشین رکھنے والی ہے کہ امّ سعد کا انتقال ہو چکنے کے بعد

---

(۱) ۱۔ ابوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب فی فضل سقي الماء، ۲: ۱۳۰، رقم: ۱۶۸۱
۲۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۴۱، رقم: ۱۴۲۴
۳۔ خطیب تبریزی، مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة، ۱: ۳۶۲، رقم: ۱۹۱۲

حضور ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پانی فراہم کا مشورہ دے رہے ہیں۔ جس کے باعث حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں ان کے لئے وقف کر دیا جو ’’فَتِلْکَ سِقَايَةُ سَعْدٍ يا هَذِهِ (أی البئر) لِأُمِّ سَعْدٍ‘‘ (امّ سعد کا کنواں) کے نام سے مشہور ہوگیا۔ واضح رہے کہ اس کنوئیں سمیت تمام پانیوں کا حقیقی مالک اللہ رب العزت کی ذات ہے مگر اسے غیر اللہ سے منسوب کیا جا رہا ہے۔ صحابہ کرام و تابعین اپنی روایات میں فرما رہے ہیں کہ وہ امّ سعد کے نام سے مشہور ہوا۔

● قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس کنوئیں کا امّ سعد کے نام سے معروف ہونا یا کرنا ان کی وفات کے بعد ہوا۔ کیا اس کنوئیں کو غیر اللہ سے منسوب کرنے کے باعث صحابہ کرام اور تابعین (معاذ اللہ) مشرکین ہوگئے؟ اور (نعوذ باللہ من ذالک) کیا اس میں سے پانی پینا حرام ہوگیا؟ جیسا کہ معترضین نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! نہ ہی کسی صحابی اور تابعی نے شرک کیا اور نہ ہی کا پانی حرام ہوا بلکہ وہ ایسا طیب و پاکیزہ تھا جس طرح کا آج میسر نہیں۔

● ان احادیثِ مبارکہ سے ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور سنتِ مطہرہ سے یہ درس ملتا ہے کہ وہ مسلمان جن کے والدین، بزرگ، عزیز و اقارب اور دوست احباب وفات پا چکے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ بعداز وصال ان کو یاد رکھیں اور ان کی اخروی زندگی بہتر بنانے کا ساماں فراہم کریں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری ایصالِ ثواب کی صورت میں ہی نبھائی جا سکتی ہے۔

● یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ نذر اور ایصالِ ثواب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ نذر اور نیاز صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جب کہ ایصالِ ثواب کسی بزرگ اور عام مسلمانوں کے لئے جو اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔ عرفِ عام میں کسی بزرگ کے نام نذر و نیاز منسوب کرنے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنا یہ عمل تحفۃً اور ہدیۃً ان کے ثواب کے لئے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

۷۔ تَقَرُّب لِغَيْرِ اللهِ والی نذر حرام ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا جانور جسے غیراللہ کی نذر کر کے **بسم اللہ اللہ اکبر** کے کلمات پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو تو کیا اس کا ذبح کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ذبیحہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ آیت کریمہ ﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ﴾ میں اُهِلَّ میں ”رفع الصوت“ کا مفہوم ہے جبکہ لِغَيْرِ اللهِ میں تقرب لغیر اللہ کا مفہوم ہے۔ چونکہ کفار و مشرکین کا اصل مقصود و منشاء کسی جھوٹے معبود کا تقرب ہوتا تھا اس لیے نام اگرچہ اللہ تعالیٰ کا لے لیا مگر جب نیت غیراللہ کے تقرب کی ہوئی تو وہ عمل بھی غیراللہ کے لئے ہوا اور اسی طرح یہ نذر بھی غیراللہ کے لئے ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ عمل اور صدقہ و خیرات جس میں غیراللہ کے تقرب (بطور عبادت) کی نیت رکھی جائے، ناجائز ہے۔ جس طرح اگر ظاہراً کوئی حرام فعل صادر ہو جائے اور اس میں نیت سو فیصد درست ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیوں کہ فی نفسہٖ وہ عمل بھی حرام ہے، اسی طرح اگر کسی جانور کو ذبح کرتے وقت نیت تقرب لغیر اللہ کی تھی مگر اس نے ذبح کرتے وقت بظاہر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا جبکہ اس کی نیت خلافِ توحید اور مشرکانہ تھی تو یہ عمل بھی ناجائز اور حرام ہوا کیونکہ عمل کی بنیاد و اساس نیت پر استوار ہوتی ہے۔ اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.(۱)

”اعمال کا دار و مدار بس نیتوں پر ہے۔“

ایصالِ ثواب کی نیت سے کسی کی طرف سے جانور ذبح کرنا جائز عمل ہے بشرطیکہ اس میں تقرب لغیر اللہ نہ ہو۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے عمر بھر کم وبیش ہر سال دو قربانیاں دیں۔ ایک قربانی اپنی اور اپنے اہلِ بیت کی طرف سے اور دوسری قربانی اپنی امت کی طرف سے۔ امت کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کرتے ہوئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، ۱:۲، رقم: ۱

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ.(۱)

’’اے اللہ! محمد (ﷺ)، آلِ محمد ﷺ اور امتِ محمد ﷺ کی طرف سے اس قربانی کو قبول فرما۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں خود آقائے دو جہاں ﷺ کا عملِ مبارک اس بات کا ثبوت مہیا کر رہا ہے کہ محض ایصالِ ثواب کی نیت سے کسی کے نام قربانی منسوب کرنا حرام نہیں۔

ثقہ محدثین و مفسرینِ کرام اور اہلِ لغت کی آرا و تشریحات کی روشنی میں خلاصۃً یہ بات قطعی طور پر بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ’’وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ‘‘ کا اطلاق ان بتوں (معبودان باطلہ) پر ہوتا ہے جن کی کفار و مشرکین پرستش کرتے اور بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینے کی بجائے ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ سورۃ البقرۃ اور دیگر سورتوں میں مذکور ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے یہی مفہوم رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سمیت تمام مفسرین نے بیان کیا ہے اور کسی ایک محدث و مفسر نے بھی اس سے ایصالِ ثواب کے لئے دیا گیا نذر و نیاز اور دیگر صدقہ و خیرات مراد نہیں لیا۔ لہٰذا جو لوگ ’’وَ مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ‘‘ کی غلط تعبیر کر کے اس کا اطلاق صدقہ و خیرات اور گیارھویں شریف جیسے معمولات پر کرتے ہیں وہ نہ قرآن حکیم کا صحیح فہم رکھتے ہیں اور نہ انہیں سنتِ نبوی ﷺ کا حقیقی ادراک حاصل ہے۔ اولیاء کرام اور بزرگانِ دین کے ایصال ثواب کے لئے کسی جانور کو محض ان کے نام منسوب کر کے اللہ کے نام پر ذبح کرنا ایک جائز اور مشروع عمل ہے۔

۸۔ اعمالِ صالحہ اور خیرات کے لئے ایّام کا تعیّن

کسی نیک عمل اور صدقہ و خیرات پر مداومت کے لئے انتظاماً کسی ایک تاریخ کا تعیّن سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدقہ و خیرات تو کسی وقت

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، ۳:۹۴، رقم: ۲۷۹۲

بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے تاریخ کیوں مقرر کی جائے؟ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین ہوجانی چاہئے کہ تعین دو طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ تعیّنِ شرعی ۲۔ تعیّنِ انتظامی

۱۔ تعیّنِ شرعی

نماز پنجگانہ، حج، زکوۃ اور روزہ کی بجاآوری کیلئے شریعت نے خاص اوقات اور ایام کا تعین کر دیا ہے۔ ان ایام اور اوقات سے ہٹ کر اگر کوئی عمل کرے گا تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا لہٰذا یہ تعین شرعی ہے۔

۲۔ تعیّنِ انتظامی

دوسرا تعین ذاتی اور انتظامی ہے۔ اگر بندۂ مومن اپنی ذاتی سہولت کی خاطر عمل میں مداومت، باقاعدگی اور استقامت پیدا کرنے کے لئے نفلی عبادات اور معمولات کے لئے بعض اوقات اور ایام کا تعین کرے تو یہ بھی جائز ہے اور ایسا کرنا سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہر جمعرات قبرستان میں فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض نوافل کے لئے رات اور دن مقرر فرمائے تھے تاکہ عمل میں مداومت پیدا ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَی اللهِ أَدْوَمُهُ وَ إِنْ قَلَّ.(۱)

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله، ۴: ۲۱۷۱، رقم: ۲۸۱۸

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الصلاۃ باب ما یؤمر به من القصد فی الصلاۃ، ۲: ۴۸، رقم: ۱۳۶۸

⟵

’’بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جو بلا ناغہ کیا جائے خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔‘‘

احادیثِ مبارکہ سے نفلی اعمال کے لئے دن کے تعیّن کا ثبوت

احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سنتِ طیبہ سے نفلی اعمال اور عبادات کے لئے وقت کے تقرر کا تصور موجود ہے۔ اس حوالے سے چند ذیلی عنوانات کے تحت احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ نفلی نماز کے لئے جگہ اور دن کا تعیّن

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِياً وَ رَاكِباً فَيُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ. وَكَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے۔ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔‘‘

......۳۔ نسائی، السنن، کتاب القبلة، باب المصلی یکون بینه وبین الإمام سترة، ۲:۶۸، رقم: ۷۶۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۲۵

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب من أتی مسجد قباء کل سبت، ۱:۳۹۹، رقم: ۱۱۳۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل مسجد قباء و فضل الصلاة فیه و زیارته، ۲:۱۰۱۷، رقم: ۱۳۹۹

۳۔ حمیدی، المسند، ۲:۲۹۱، رقم: ۶۵۸

حضور نبی اکرم ﷺ کا مسجدِ قباء جا کر دو رکعت ادا کرنا نفلی عبادت کے لئے مکان و زمان، جگہ اور دن کے تعیّن کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مزید برآں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ نہ تو قرآن میں مسجدِ قباء جا کر ہفتہ کے دن نفل پڑھنے کا حکم تھا اور نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح طور پر اس کا حکم دیا گیا تھا لیکن پھر بھی اسے حضور ﷺ کی سنتِ مطہرہ سمجھ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر اس نیک عمل کے لئے مسجد اور دن کی تخصیص کو برقرار رکھا۔

۲۔ نفلی روزہ کے لئے پیر اور جمعرات کا تعیّن

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَرَّى صَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ.(۱)

”حضور نبی اکرم ﷺ بالخصوص پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔“

بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں آپ ﷺ کی اس سنت کو زندہ کیا اور اس طرح ایام کے تعین کے ساتھ نفلی روزہ کا معمول برقرار رکھا۔

۳۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے مولیٰ سے روایت ہے:

أَنَّهُ انْطَلَقَ مَعَ أُسَامَةَ إِلَى وَادِي الْقُرىٰ فِي طَلَبِ مَالٍ لَهُ، فَكَانَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ. فَقَالَ لَهُ مَوْلَاهُ: لِمَ تَصُوْمُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ وَأَنْتَ شَيْخٌ كَبِيْرٌ؟ فَقَالَ: إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ، وَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ، ما جاء في صوم يوم الإثنين والخميس، ۳: ۱۲۱، رقم: ۷۴۵
۲۔ بيهقی، السنن الكبرى ۲: ۸۵، رقم: ۷۹۴۲
۳۔ ابو يعلى، المسند، ۸: ۱۲۲، رقم: ۴۷۵۱

أَعْمَالَ الْعِبَادِ تُعْرَضُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ.(۱)

’’وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اونٹ تلاش کرنے وادی القریٰ میں گئے۔ حضرت اسامہ بن زید پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ ان کے مولیٰ نے ان سے دریافت کیا: آپ پیر اور جمعرات کو روزہ کیوں رکھتے ہیں حالانکہ آپ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس معمول کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندوں کے اعمال پیر اور جمعرات کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جاتے ہیں۔‘‘

غور کریں یہ کوئی شرعی تعین نہیں بلکہ کسی عملِ خیر پر مداومت کے لئے ایک ذاتی تعین ہے اور شریعت نے اسے منع بھی نہیں کیا۔

۳۔ کثرتِ درود وسلام کے لئے جمعۃ المبارک کی تخصیص

۴۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَ فِيْهِ قُبِضَ، وَ فِيْهِ النَّفْخَةُ، وَ فِيْهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ، قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْکَ وَ قَدْ أَرِمْتَ؟ يَقُوْلُوْنَ: بَلِيْتَ. قَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ حَرَّمَ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الصوم، باب فی صوم الاثنین والخمیس، ۲:۳۲۵، رقم: ۲۴۳۶
۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۲:۱۴۷، رقم: ۲۷۸۱
۳۔ دارمی، السنن، ۲:۳۲، رقم: ۱۷۵۰
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۰۰

عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ.(۱)

’’بیشک تمہارے بہترین دنوں میں سے جمعہ کا دن سب سے بہتر ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اور اسی دن انہوں نے وفات پائی اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سخت آواز ظاہر ہوگی۔ پس اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا درود آپ کے وصال کے بعد کیسے آپ کو پیش کیا جائے گا؟ جبکہ آپ ﷺ کا جسدِ مبارک تہِ خاک ہوگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔‘‘

۵۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ، وَ إِنَّ أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا. قَالَ: قُلْتُ: وَ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَ بَعْدَ الْمَوْتِ. إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ.(۲)

’’جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ یہ یومِ مشہود ہے اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کے درود سے فارغ

(۱) ۱۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة و ليلة الجمعة، ۱:۲۷۵، رقم: ۱۰۴۷

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الجمعة، باب إکثار الصلاة علی النبی ﷺ يوم الجمعة، ۲:۹۱، رقم: ۱۳۷۴

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب إقامة الصلاة، باب في فضل الجمعة، ۱:۳۴۵، رقم: ۱۰۸۵

(۲) ابن ماجة، السنن، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته و دفنه ﷺ، ۱:۵۲۴، رقم: ۱۶۳۷

ہونے سے پہلے ہی اس کا درود مجھے پیش کر دیا جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! موت کے بعد بھی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں موت کے بعد بھی، بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے مبارک جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی (قبر میں بھی) زندہ ہوتا ہے اور (قبر میں ہی) اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

۴۔ سفر کے لئے جمعرات کے دن کی تخصیص

۶۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ. (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ جمعرات کے دن غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ جمعرات کے دن سفر پر نکلنا پسند فرماتے تھے۔''

۵۔ وعظ و نصیحت کے لئے دن کا تعیّن

۷۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ و نصیحت کے لئے جمعرات کا دن مخصوص کر رکھا تھا جیسا کہ اس روایت میں بیان ہوا ہے:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيْسٍ. (۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب ...... ومن أحب الخروج یوم الخمیس، ۳: ۱۰۷۸، رقم: ۲۷۹۰
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۵۶، رقم: ۳۳۷۰
۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۱۷۰، رقم: ۹۲۷۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، من جعل لأهل العلم أیامًا معلومة، ۱: ۳۹، رقم: ۷۰
۲۔ ابن حبان، ۱۰: ۳۸۲، رقم: ۴۵۲۴

''حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔''

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعمالِ صالحہ اور نفلی عبادات کے لئے جگہ اور دن کا تعیّن کرنا عام معمول تھا۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی خاص دن متعین کر کے ایصالِ ثواب اور گیارھویں شریف کی محافل کرنا شریعت کے عین مطابق ہے اور جائز امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ اسلام کا قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے فوت شدہ اعزہ و اقارب کے لئے صدقہ و خیرات اور دیگر اعمالِ صالحہ کی صورت میں ایصالِ ثواب کرتے رہے ہیں۔

www.MinhajBooks.com

باب سیزدہم

تعظیم اور عبادت میں فرق

فصل اوّل: تعظیم اور عبادت کا مفہوم

فصل دوم: تعظیم بالمحبت اور اُس کی اَقسام

فصل سوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں

فصل چہارم: تعظیم بالقیام

فصل پنجم: تعظیم بالتقبیل

فصل ششم: تعظیم بخلع النعال

فصل ہفتم: بعض واجب تعظیمات

فصل ہشتم: بعض ممنوعہ تعظیمات

فصل اَوّل

تعظیم اور عبادت کا مفہوم

www.MinhajBooks.com

حقیقی اَدب و اِحترام اور اِنتہائی تعظیم کی حق دار و سزا وار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس عظیم ہستی کی تعظیم و تکریم کا اظہار صرف عبادت کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ عبادت ایک ایسا عمل ہے جو سراسر اللہ بزرگ و برتر کے لئے دل کی گہرائیوں سے تعظیم و تکریم اور ادب واحترام کے اعلیٰ ترین درجے سے عبارت ہے۔ کسی اور کے لئے تعظیم اور ادب و احترام کے جتنے بھی درجے ہوسکتے ہیں وہ اس درجہ سے کم تر اور فروتر ہوں گے اور ان کی نوعیت بھی عمومی درجہ کی ہو گی۔ اسلامی تعلیمات اور معاشرتی آداب میں یہ بات شامل ہے کہ افرادِ اُمت درجہ بدرجہ ایک دوسرے کی عزت و تعظیم کریں۔ اولاد والدین کی تعظیم کرے، شاگرد استاد کی اور چھوٹا بڑے کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جو بڑا چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور چھوٹا بڑے کی توقیر نہ کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔‘‘(۱) گویا توقیر اور تعظیم کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش آنا معاشرتی تقاضا ہے جسے شائستگی اور تہذیب کی حدود میں رہتے ہوئے پورا کرنا ہر ایک کے لئے لازمی ہے۔

تعظیم کا لغوی معنی و مفہوم

تعظیم کا مادۂ اِشتقاق ع، ظ، م ہے۔ عربی لغت میں

۱۔ عَظُمَ یَعْظُمُ عِظَمًا و عَظَامَةً کا معنی ہے: بڑا ہونا۔

۲۔ عَظُمُ الشَّیْءِ کا معنی ہے: کسی چیز کا بڑا حصہ۔

---

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبیان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

۳۔ أعظم الأمر کا معنی ہے: بڑا اہم کام۔(۱)

۴۔ أعظم الشيء کا معنی ہے: کسی چیز کو بڑا بنانا، شاندار بنانا، بڑا جاننا۔

۵۔ العَظَمَةُ کا معنی ہے: شان وشوکت، وقار، بڑائی اور اہمیت۔(۲)

۶۔ اسی سے العَظِيمُ ہے جس کا معنی ہے: بڑا، باوقار، اہم، زبردست۔(۳)

۷۔ امام راغب اصفہانی ؒ لکھتے ہیں:

وَعَظُمَ الشَّيءُ أَصُلُهُ كَبُرَ عَظُمُه ثُمّ اسُتُعِيُرَ لِكُلِّ كبيرٍ فأجُرِيَ مَجُرَاه محسُوُسًا كان أو معقُولًا، عَيُنًا كَان أو معنى۔(۴)

عظم الشئ کے اصل معنی کسی کی ہڈی کے بڑا ہونے کے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ مجازاً ہر بڑی چیز کے لئے بولا جانے لگا۔ خواہ اس کا تعلق محسوس اشیاء سے ہو یا عقل وفکر سے یا یہ کہ وہ چیز مادی اعتبار سے بڑی ہو یا معنوی اعتبار سے۔‘‘

غور کیا جائے تو عَظُمَ سے مشتق تمام الفاظ میں بڑائی کا تصور نمایاں طور پر موجود ہے۔ تعظیم بھی درحقیقت کسی شخص کی بلندئ شان اور عام لوگوں سے مقام ومرتبہ میں اس کا بڑا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے عربی میں حکمران اور بادشاہ کو بھی تعظیما صَاحِبُ العَظَمَة کہا جاتا ہے:

۹۔ باب تفعیل میں اس کا معنی ادب و احترام کرنا ہے پس عَظَّمَهٗ کا معنی ہے کسی شخص کو شان والا سمجھنا یا اس شخص کی تعظیم واحترام کرنا۔(۵)

(۱) جوہری، الصحاح، ۲: ۱۳۰

(۲) بطرس بستانی، محیط المحیط: ۶۱۳

(۳) جوہری، الصحاح، ۲: ۱۳۰

(۴) أصفہانی، المفردات: ۳۳۹

(۵) بطرس بستانی، محیط المحیط: ۶۱۳

تعظیم کا شرعی معنی و مفہوم

اَنبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت وتوقیر،ان کا ادب و احترام ،ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت وتکریم ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجۂ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور شرعی حوالے سے یہ ایک جائز امر ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افعال جو بزرگوں کی تعظیم پر مبنی ہوں وہ اسلامی تعلیمات کی تعمیل ہے۔ یہ شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتے اِس لئے کہ وہ توحید سے کسی طرح بھی متعارض و متصادم نہیں۔ ایک دوسرے کی عزت وتوقیر اور ادب واحترام کے حوالے سے چند احادیث ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ (۱)

’’جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الحثّ علی إکرام الجار والضیف، ۱: ۶۸، رقم: ۴۷

عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات زبان سے نکالے یا پھر خاموش رہے۔‘‘

۲۔ چھوٹوں پر رحمت و شفقت اور بڑوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور احترام کا تعلق اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا، وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا۔(۱)

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی قدر و منزلت نہ پہچانے۔‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کے مطابق تعظیم حکمِ شریعت ہے۔ اگر یہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہوتا تو کسی فرد کو کسی دوسرے کی تعظیم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ لہٰذا تعظیم نہ صرف شرعی واجبات میں سے ہے بلکہ مطلقاً مطلوب و مقبول عمل ہے جسے ترک کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اُمت سے خارج ہے۔ تعظیم کسی کی بھی ہوسکتی ہے۔ آپ اپنے استاد، بزرگ، والد یا کسی اور معزز ہستی کی تعظیم بجا لاتے ہیں جو بالکل جائز اور صائب عمل ہے جس کی شریعتِ مطہرہ نے تعلیم و تلقین کی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کے لئے بھی ایسی تعظیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو عبادت کے درجے کو پہنچ جائے اور نہ ہی کوئی مؤمن شخص عبادت کی نیت سے کسی کی تعظیم کرنے کا تصور کرسکتا ہے۔ تعظیم کے ان دونوں انتہائی درجوں میں تمیز کرنا اور فرق روا رکھنا لازمی ہے۔ اس لیے ہر تعظیم کو

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء في رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۲، رقم: ۱۹۲۰

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب في الرحمة، ۴: ۲۸۶، رقم: ۴۹۴۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۲، رقم: ۷۰۷۳

عبادت نہیں کہا جا سکتا۔ ایک وحدہ لاشریک ہستی کے لئے بجا لائی جانے والی بلند ترین تعظیم ہی کو عبادت سے موسوم کیا جائے گا۔

تعظیم کے اِطلاقات

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے جبکہ تعظیم کے اطلاقات بہت سے ہیں۔ اس بنیادی فرق اور واضح امتیاز کو سمجھے بغیر اکثر لوگ تعظیم کو عبادت کے زمرے میں ڈال دیتے ہیں اور یہیں سے مغالطوں کا لامتناعی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ توحید اور تعظیم کی بحث میں ہم تعظیم کی مختلف شکلوں پر الگ الگ روشنی ڈالیں۔ کیونکہ یہی شکلیں تعظیم کی اَقسام بھی ہیں اور اس کے مختلف اطلاقات بھی۔ اس کی انہی حالتوں اور صورتوں کو سمجھے بغیر سطح بین لوگ تعظیم کو اوّلاً عبادت سمجھ لیتے ہیں اور پھر اس عبادت پر شرک کو چسپاں کر دیا جاتا ہے، آئندہ صفحات میں ہم بالترتیب تعظیم کے ان جملہ پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالیں گے اور تعظیم کے اطلاقات پر بھی تفصیلی بحث کی جائے گی تاہم اس کا اجمالاً ذکر درج ذیل ہے:

ا۔ محترم و معزز شخصیات کی تعظیم

(ا) اَنبیاء کرام علیھم السلام

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس کائنات میں انتہائی تعظیم کی حق دار صرف اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے اور اس کی تعظیم فقط عبادت سے ممکن ہے، وہی اس لائق ہے کہ مخلوق سراپا اطاعت بن کر اپنی جبینِ نیاز اس کے سامنے خم کریں۔ انتہائی تعظیم کا یہ حق مخلوق میں سے کسی اور کے لئے روا نہیں۔ مخلوق کی تعظیم یہ ہے کہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کا ادب و احترام کیا جائے ان کی عزت و تکریم کی جائے پس تعظیم کا اطلاق سب سے پہلے انبیاء علیھم السلام پر ہوتا ہے۔ بالخصوص حضور ﷺ کی تعظیم میں تو اَز

روئے قرآن خوب مبالغہ کرنا چاہیے جس کے لئے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

(۲) تعظیمِ اہلِ بیت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم

انبیاء علیھم السلام بالعموم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تعظیم کی حقدار وہ محترم و معزز ہستیاں ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمانی قربت کے علاوہ نسبی تعلق بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (۱)

”فرما دیجئے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت وقربت سے محبت (چاہتا ہوں)۔“

جب کہ متعدد احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ نسبت سے محبت اور ادب واحترام کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

پھر تعظیم کا اطلاق ان محترم ومکرم شخصیات پر بھی ہوتا ہے جن کو حالتِ ایمان میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دیدار کا شرف حاصل ہوا اور وہ اسی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فضائل کا بیان فرمایا ہے۔

(۳) تعظیمِ والدین

اسلام میں والدین کے ادب واحترام کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن میں متعدد مقامات پر اپنی عبادت بیان کرنے کے بعد والدین کے ساتھ بھلائی و احسان کا حکم دیا ہے، ان کی نافرمانی کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا لہٰذا

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۲۳

واجب تعظیم کا اطلاق والدین پر بھی ہوتا ہے۔

(۴) تعظیمِ اَولیاء و صالحین

اسی طرح تعظیم کا اطلاق اللہ رب العزت کے نیک صالح بندوں پر بھی ہوتا ہے۔ قصہ موسیٰ و خضر علیہم السلام میں حضرت خضر علیہ السلام نے دو یتیم بچوں کی دیوار مرمت کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ (۱)

’’اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا۔‘‘

گویا صالحین کی نسبت کا احترام بھی واجب ہے۔ جبکہ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے ایک حدیثِ قدسی میں اولیاء و صالحین کی تعظیم کو بیان فرمایا جس میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ

مَنْ عَادَ لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ۔ (۲)

’’جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔‘‘

(۵) بزرگ اور مہمان کی تعظیم

عام معاشرے میں جو عمر کے لحاظ سے بزرگ لوگ ہوں ان کی تعظیم کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح مہمان کے اکرام کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔

۲۔ شعائر اللہ کی تعظیم

تعظیم کا اطلاق شعائر اللہ پر بھی ہوتا ہے جس کا حکم خود اللہ رب العزت نے

(۱) الکہف، ۱۸: ۸۲

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷

قرآن حکیم میں دیا ہے۔ اور اس تعظیم کو دلوں کا تقویٰ قرار دیا ہے۔ اس کی درج ذیل مثالیں ہیں:

(۱) صفا و مروہ کی تعظیم

صفا و مروہ دو پہاڑ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ایک صالح بندی سیدہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسبت سے شعائر اللہ قرار پائے ان کی تعظیم بھی واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی حجاج کرام ان کے درمیان سعی کرتے ہیں جو ان کی تعظیم ہے۔

(۲) قربانی کے جانور کی تعظیم

قرآن مجید میں قربانی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے، پس ان کی تعظیم بھی واجب ہے۔

(۳) اَیام و شہورِ مقدّسہ کی تعظیم

تعظیم کا اطلاق مخصوص ایام اور بعض مقدس شہور پر بھی ہوتا ہے۔ مثلا یوم جمعہ، پیر، عیدین، شبِ قدر، شبِ برأت اور یوم عاشورہ کی تعظیم و احترام۔

اسی طرح چار مہینوں کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے جو یہ ہیں: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔

(۴) اَماکنِ مقدسہ کی تعظیم

تعظیم کا اطلاق بعض مقدّس مقامات پر بھی ہوتا ہے جن کی حرمت و تکریم قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ مثلاً مکہ مکرّمہ، مدینہ منورہ، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ اَقصیٰ، شام اور مقدس وادی طویٰ۔

آئندہ صفحات میں اس اجمال کی تفصیل علیحدہ علیحدہ ابواب میں آ رہی ہے۔

تعظیم کی اَقسام

قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعظیمِ رسول ﷺ کے آداب سکھائے۔ مثلاً یہ بتایا کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کو بلانا ہو تو ایسے نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو بلکہ اس سے اعلیٰ تعظیم کے ساتھ بلایا کرو۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم مخلوق کی حد سے اعلیٰ و ارفع اور خالق کی حد سے نیچی ہو، جو آپ ﷺ کی شانِ

بعد اَز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کی آئینہ دار ہو۔ اس لحاظ سے تعظیم کی تین اقسام ہیں:

۱۔ تعظیم ۲۔ تعزیر ۳۔ توقیر

۱۔ تعظیم

تعلیماتِ اسلام کی رو سے اسلامی معاشرے میں ہر چھوٹا بڑے کی تعظیم کرتا ہے۔ اپنے بڑوں، بزرگوں کی زیادہ سے زیادہ ادب و تعظیم کرنا ایک معاشرتی تقاضا سمجھا جاتا ہے لیکن جب تعظیمِ رسول ﷺ کی بات ہو تو لازمی ہے کہ معمول کی تعظیم کے عام طریقے ختم ہو جائیں اور تعظیم کا بلند ترین درجہ اختیار کیا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم از روئے قرآن واجب ہے۔ ادب و تعظیمِ رسول ﷺ نہ کرنا کفر ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی باقاعدہ طور پر چار خصوصیات بیان فرمائیں جو تعظیم و توقیرِ رسالت مآب ﷺ پر مشتمل ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی شرط ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo[1]

''پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo''

ایک اور آیتِ مبارکہ میں اسی مضمون کو مزید زور دے کر بیان فرمایا گیا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰـکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا o لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَتُسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِيْلًاo[2]

''بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کروo''

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کا معنی حضور رسالتِ مآب ﷺ کے لئے انتہا درجے کی تعظیم و توقیر اور حد سے زیادہ ادب و احترام ہے۔ جس کا حکم اس طرح دیا گیا ہے جیسے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا حکم دیا گیا تھا۔

دوسرا اہم نکتہ اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اہلِ ایمان کو صبح شام اپنی تسبیح کی تاکید فرمائی اسی لہجے اور اسی پیرائے میں اپنے محبوب پیغمبر کی تعظیم و تکریم کا حکم فرمایا۔ گویا تعظیم و تکریمِ رسول ﷺ کا دین میں وہی درجہ اور اہمیت

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۷

(۲) الفتح، ۴۸: ۸، ۹

ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مختص ہے اور اس کی ادائیگی کا ایک خاص طریقہ ہے لیکن تعظیمِ رسول ﷺ ایک دائمی اور باطنی عمل ہے جس پر جملہ عبادات کی قبولیت کا انحصار ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ میں مجموعی طور پر ایمان بالرسالت ﷺ کے درج ذیل چار تقاضے بیان ہوئے ہیں:

۱۔ تعظیمِ رسول ﷺ

۲۔ توقیرِ رسول ﷺ

۳۔ نصرتِ رسول ﷺ

۴۔ اطاعتِ رسول ﷺ

اس واضح ترتیب میں ایمان کے بعد اوّلیت تعظیم و توقیر کو دی گئی ہے۔ یہ بڑا اہم اور ایمان افروز نکتہ ہے کہ نصرت و اطاعتِ رسول ﷺ ان دو تقاضوں کے بعد مذکور ہیں۔ اس اُلوہی ترتیب سے یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے کہ دعوت و تبلیغِ دین کا فریضہ جو فی الحقیقت نصرتِ رسول ﷺ ہے، قرآنی منشاء کے مطابق اس وقت تک مؤثر، نتیجہ خیز اور موجبِ ثمرات نہیں بنتا جب تک پہلے دین لے کر آنے والے رسول ﷺ کے ساتھ تعظیم و توقیر کے دو تعلق استوار نہ ہو جائیں۔ نصرت و اطاعتِ رسول ﷺ دونوں کا تعلق عقائد، نظریات اور جذبات سے زیادہ اعمال و افعال کے ساتھ ہے۔ جبکہ اوّل الذکر دونوں تقاضے ایمانی کیفیت، تعلق کی نوعیت اور عقیدے کی طہارت کے معیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر تعظیم و توقیرِ رسول ﷺ شجرِ ایمان کی جڑیں اور تنا ہیں جبکہ مؤخر الذکر دو تقاضے اس شجر کی شاخیں اور پھل ہیں۔ ایمان کی توثیق و تصدیق تبھی ہوتی ہے جب تعظیمِ رسول ﷺ سے ایمان کو پرکھا جاتا ہے کیونکہ تعظیم، ایمان پر گواہی کا درجہ رکھتی ہے۔ جب تک کوئی شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے ادب اور تعظیم کو بدرجہ اتم اپنے دل میں جاگزیں نہ کرے اس کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔ ایمان کی تکمیل کے بعد ہی اطاعت و نصرت کی

کاوشیں مقبول اور باثمر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لانا فرد کا اوّلین فریضہ ہے اور اس کے بعد ہر مسلمان کا پہلا فریضہ آپ ﷺ سے محبت، ادب اور تعظیم و تکریم پر مبنی انتہائی درجے کا تعلق اُستوار کرنا ہے۔

۲۔ تعزیر

قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے بیان میں اللہ رب العزت نے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ بھی اپنے اندر بڑی معنویت اور جامعیت رکھتے ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ایک لفظ **تُعَزِّرُوْهُ** کا بیان سورہ الفتح کی آیت نمبر ۴۸ میں آیا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ تعظیمِ رسول ﷺ کے لئے عظموہ بیان نہیں ہوا تو پتہ چلا کہ وہ تعظیم جو ہم اپنے والدین، بڑے، بزرگ اور اساتذہ و مشائخ کی کرتے ہیں رسول ﷺ کی تعظیم اس سے بہ درجہ ہا بڑھ کر کرنا واجب ہے یعنی عام مخلوق کے لئے تعظیم کی جو حد مقرر ہے رسول ﷺ کی تعظیم ان حدود سے بڑھ کر کی جائے تو ایمان ہے۔ فقط اتنا فرق رہے کہ ذات باری تعالیٰ معبود ہے اور رسول ﷺ اس کے برگزیدہ بندے۔ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق۔ پس تعظیم کا وہ بلند درجہ جو حد عبادت سے نیچے ہو وہ تعزیر ہے جو مخلوق میں سے صرف رسول ﷺ کا حق ہے جبکہ عبادت فقط اللہ رب العزت کا حق ہے۔ اس حق میں کوئی نبی رسول یا برگزیدہ بندہ ہرگز اس کا شریک نہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ تعزیر کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

التَّعْزِيرُ: النُّصْرَةُ مَعَ التَعْظِيمِ، قَالَ ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ؛ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ والتَّعْزِيْرُ ضَرْبٌ دُوْنَ الْحَدِّ وَ ذَالِک يَرْجِعُ الى الْاوّل فاِنّ ذٰلِکَ تأديبٌ، والتّأديبُ نُصْرَةٌ مَّا. لٰکن الْاوّل نُصْرَةٌ بِقَمْعِ مَا يَضُرُّه عَنه، وَالثَّانِیُ نُصْرَةٌ بِقَمْعِة عَمَّا يَضُرُّهٗ. فَمَنْ قَمعتهٗ عَمَّا

يَضُرّه فَقَدْ نَصَرْتَهٗ۔(۱)

’’تعزیر سے مراد ایسی مدد ہے جس میں تعظیم بھی شامل ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (اور ان (کے دین) کی مدد کرو ...... اور (تم ان کی مدد کرتے رہے) اسی طرح التعزیر کا ایک معنی ہے کسی کو حدِ شرعی سے کم سزا دینا۔ دراصل یہ معنی بھی پہلے معنی کی مناسبت سے لیا جاتا ہے کیونکہ یہ سزا تادیباً ہے اور یہ کسی شخص کی اصلاح کے لئے ایک طرح کی مدد ہوتی ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے معنی میں تعزیر کا مطلب کسی شخص سے نقصان پہنچانے والی چیز کو روکنا جبکہ دوسرے معنی کے لحاظ سے تعزیر کا مطلب ہے کسی شخص کو مضر چیز سے باز رکھنا۔ پس تو نے کسی شخص کو مضر چیز سے روکا تو، تُو نے اس کی مدد کی۔‘‘

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے تعزیر کی تشریح یوں کی ہے:

والتعزير يأتى بمعنى التعظيم والاعانة و المنع من الاعداء ومن هنا يجئى التعزير بمعنى التأديب لأنه يمنع الجانى من الوقوع فى الجناية۔(۲)

’’تعزیر، تعظیم مدد و نصرت اور دشمنوں سے تحفظ کے معنی میں آتا ہے اسی لئے تعزیر بمعنی تادیب اصلاح یا سزا استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ مجرم کو معصیت کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔‘‘

علامہ ابنِ منظور نے تعزیر پر تفصیلی بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

’’تعزیر کا اصل معنی تادیب ہے اسی لئے شرعی حد سے کم سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ بھی اصلاح اور اخلاقی تربیت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے میں نے

(۱) راغب اصفہانی، المفردات، ۳۳۳

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۵۸۲

فلاں شخص کی سرزنش کی۔ اسی طرح عزرتہ متضاد معانی میں استعمال ہوتا ہے اور عزرہ کا معنی ہے فلاں شخص کی تعظیم اور تکریم کی یہ معنی متضاد کی طرح ہے اور العزر کا معنی ہے تلوار کے ذریعہ مدد اور عزرہ عزرا و عزرہ کا معنی ہے فلاں شخص کی پشت پناہی کی اس کو تقویت پہنچائی اور مدد کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ، وَتُعَزِّرُوْهُ۔ اور …… وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ …… کی تفسیر ہے یعنی رسول ﷺ کی مدد تلوار کے ساتھ کرتے رہو پس جس نے نبی اکرم ﷺ کی مدد کی گویا اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد کی۔''

مزید انہوں نے لکھا ہے:

''انبیاء علیہم السلام کی مدد و نصرت سے مراد ان کی حمایت کرنا اور ان کے دین کے دشمنوں کو باز رکھنا اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا ہے۔''

تعزیر کا اصل معنی روکنا باز رکھنا ہے گویا کہ جس نے کسی کی مدد کی تو اس نے اس سے دشمن کو روکا اور ان کی سختی سے بچایا پس اس وجہ سے وہ تادیب جو حد شرعی سے کم ہو اسے تعزیر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مجرم کو دوبارہ ارتکابِ معصیت سے روکتی ہے۔(۱)

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ تعظیم کا وہ درجہ جہاں کسی کی تعظیم اس حد تک کی جائے کہ اس میں محض ادب و احترام نہ ہو بلکہ اگر ضرورت پڑے تو اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیا جائے اور تلوار کے ذریعہ دشمنوں کا مقابلہ کر کے ان کو ایذا رسانی سے روکا جائے، تعزیر کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعزیر سے مراد بھی ایسی نصرت ہے جس میں تعظیم بہر حال شامل ہو۔ ائمہ تفسیر نے بھی اس کا معنی کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۵۶۲

۱۔ امام ابنِ کثیر نے لکھا ہے:

﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ قال ابن عباس رضی الله عنهما وغير واحد: تعظموه۔[1]

’’﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اہلِ علم نے کہا ہے کہ تعزروہ سے مراد ہے: آپ ﷺ کی خوب تعظیم کرو۔‘‘

۲۔ قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے:

قال ابن عباس: ﴿تُعَزِّرُوْهُ﴾: أی تجلوه. وقال المبرد: ﴿تُعَزِّرُوْهُ﴾: تبالغوا فی تعظيمه۔[2]

’’حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تعزروہ کا مطلب ہے ان کی تعظیم کرو، اور مبرد نے کہا: تعزروہ کا معنی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خوب تعظیم کرو۔‘‘

۳۔ امام بغوی نے لکھا ہے:

﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ أی تعينوه و تنصروه۔[3]

’’﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ کا معنی ہے کہ ان کی مدد واعانت کرو۔‘‘

۴۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے:

﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ وتقووه بتقوية دينه و رسوله۔[4]

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۱۸۶

(۲) قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ: ۲: ۵۱

(۳) بغوی، معالم التنزیل، ۴: ۱۹۰

(۴) بیضاوی، أنوار التنزیل، ۵: ۲۰۱

''﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے دین اور رسول ﷺ کی مدد کے ذریعہ کرو۔''

۵۔ امام طبری نے لکھا ہے:

وكان الفراء يقول العزر الرد. عزرته رددته إذا رأيته يظلم۔(۱)

''فراء کہتے تھے کہ عزر کا معنی روکنا ہے۔ عزرته کا معنی ہوگا میں نے جب اس کو ظلم کرتے ہوئے پایا تو اسے روکا۔''

۶۔ امام قرطبی نے لکھا ہے:

﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ أى تعظموه وتفضموه قاله الحسن والكلبى، والتعزير التعظيم والتوقير وقال قتادة: تنصروه وتمنعوا منه. ومنه التعزير فى الحد لأنه مانع۔(۲)

''و تعزروه کا معنی حضرت حسن اور کلبی کے مطابق یہ ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کرو، اور تعزیر سے مراد تعظیم و توقیر ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ ان کی مدد کرو اور ان سے دشمن کو روکو اسی سے تعزیر (جس کا معنی سزا) ہے کیونکہ وہ مجرم کو ارتکاب معصیت سے روکتی ہے۔''

۷۔ امام نحاس نے لکھا ہے:

و أصل التعزير فى اللغة المنع، ومنه عزرت فلانًا أى أنزلت به ما يمتنع من أجله من المعاودة كما تقول نكلت به أى أنزلت به ما ينكل به عن العودة۔(۳)

---

(۱) طبری، جامع البيان فى تفسير القرآن، ۶: ۱۵۲

(۲) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱۶: ۲۶۶

(۳) نحاس، معانى القرآن، ۲: ۳۸۵

’’لغت میں تعزیر کا معنی روکنا ہے اسی سے ہے عزرت فلاناً یعنی میں نے فلاں شخص کو اس چیز سے روکا جس کی وجہ سے وہ بار بار جرم کا ارتکاب کرتا تھا جیسے کہا جاتا ہے میں نے فلاں کو روکا یعنی اس عادت سے روکا جس کی بناء پر وہ بار بار جرم کرتا تھا۔‘‘

۳۔ توقیر

لغت کے اعتبار سے توقیر میں سنجیدگی، متانت، وقار اور حلم و بردباری کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ لفظ و۔ق۔ر سے بنا ہے۔ اسی سے ایک لفظ وقار ہے۔ ابنِ منظور لکھتے ہیں:

الوقار: الحلم والرزانة۔(۱)

’’وقار کا معنی ہے بردباری اور سنجیدگی۔‘‘

وقر سے توقیر کا معنی ہوتا ہے: کسی کی عظمت بیان کرنا۔

ووقرت الرجل اذا عظمته وفی التنزیل العزیز ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾۔(۲)

’’وقرت الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب اس شخص کی عظمت شان کو بیان کیا جائے، قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (اور (ان کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو۔‘‘

تعظیم و توقیر رسول ﷺ شجرِ ایمان کی جڑ ہے۔ ایمان کی تکمیل اور اس میں بہار کا انحصار تعظیم و توقیر کے ساتھ مشروط ہے۔ قرآنِ حکیم میں ادب و احترام رسول ﷺ کے باب میں تعظیم کے ساتھ توقیر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جسکا معنی اہلِ علم کے نزدیک ادب

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۵: ۲۹۰

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۵: ۲۹۰

واحترام کی وہ کیفیت ہے جہاں تعظیم کرنے والا ممدوح کی عظمت و شان کا خوب چرچا کرے۔

لغوی اعتبار سے 'وقر' کے معانی میں سے ایک معنی 'کان کا بہرا ہونا' بھی ہے اور 'سنجیدگی' کا معنی بھی اس کے اندر پایا جاتا ہے تو گویا اس اعتبار سے توقیر، تعظیم کا ایسا بلند درجہ ہے جہاں کوئی شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں اس قدر سنجیدہ ہو جائے کہ اس کی زبان پر ہر وقت آپ ﷺ کی ہی تعریف ہو، اس کے دل و دماغ میں کسی بھی قسم کی بے ادبی و گستاخی کا شائبہ تک نہ ہو اور اس کے کان ہر عیب سننے سے بہرہ ہو جائیں۔

توقیر بھی تعظیم سے ہے لیکن باعتبارِ مخلوق یہ ادب و احترام کا وہ بلند درجہ ہے جو شرعاً حضور نبی اکرم ﷺ کا حق ہے۔ مفسرین نے بھی توقیر کا معنی بلند درجہ تعظیم و تکریم ہی بیان کیا ہے۔

۱۔ امام ابنِ کثیر نے لکھا ہے:

﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ من التوقير وهو الاحترام و الإجلال و الإعظام۔(۱)

''وتوقروہ یہ لفظ توقیر سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد ادب و احترام، بلند مرتبہ اور عظمت ہے۔''

۲۔ امام بغوی نے لکھا ہے:

﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ تعظموه وتفخموه۔(۲)

''﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ کا معنی ہے ان کی تعظیم کرو اور خوب شان وشوکت بیان کرو۔''

۳۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

(۱) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۴: ۱۸۶

(۲) بغوی، معالم التنزيل، ۴: ۱۹۰

﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ أی تسو دوه۔ (۱)

''وتوقروہ یعنی ان کی خوب شان وشوکت بیان کرو۔''

اِنتہائی تعظیم حضور ﷺ کا حق ہے

مخلوق میں سب سے زیادہ تعظیم اور بزرگی کی حقدار حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ مترجمین نے لفظ تَعْزِیر کا ترجمہ فقط ''مدد اور تکریم'' کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین کرنے والی ہے کہ صرف تعزیر ہی آپ ﷺ کا اختصاص اور حق نہیں بلکہ آپ ﷺ کا حق تعزیر سے شروع ہو کر توقیر کے اعلیٰ و ارفع درجے کو پہنچتا ہے۔ پہلا حق تعظیم ہے، دوسرا حق تعزیر اور تیسرا حق توقیر ہے جو کہ بلند ترین سطح کا حق ہے۔ اس لئے بہتر اور زیادہ مناسب ترجمہ یہ ہے کہ ''آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کا بلند ترین درجہ اختیار کیا جائے۔''

سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۹ میں اہلِ ایمان سے ارشاد ہوا: وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح صبح وشام بیان کرو) یعنی آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی بھی اس طرح بیان کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہو۔ گویا قرآن کا پیغام ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان پختہ تر کر لو۔ یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ جہاں تک ایمان کو مستحکم کرنے کا تعلق ہے یہ استحکام اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق استوار کرنے سے آئے گا۔ اس وقت تک کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر اس کا ایمان مضبوط و مستحکم نہ ہو جائے۔ مسلمان ہونے کے بعد قرآن حکیم ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایمان کے زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کے بعد ہمیں بحیثیت مسلمان صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا ہے اور رسولِ مکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کو جہاں تک ممکن ہو بلند سے بلند درجے تک پہنچانا ہے۔ حضور ﷺ کے اس

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۶: ۲۶۷

حق کو ادا کرنا امت پر فرض ہے۔

تعظیمِ رسول ﷺ توحیدِ باری تعالیٰ سے متصادم نہیں

محولہ بالا آیتِ قرآنی میں ادب و تعظیمِ نبی ﷺ کی تعلیم دی گئی ہے اور ادبِ رسول ﷺ کے قرینے سکھائے گئے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ کوئی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ مولا! میں ادب و مقامِ رسول ﷺ کے حکم سے آگاہ و واقف ہی نہیں تھا؟ کیونکہ تو نے تعظیم کو ’حرام اور ممنوع‘ قرار دیا تھا۔ کس میں اتنی مجال ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو اس دعوے کے ساتھ پیش ہو سکے؟

حقیقت یہ ہے کہ توحیدِ باری تعالیٰ، تعظیمِ رسول مقبول ﷺ سے متعارض و متصادم نہیں۔ تعظیم و تکریمِ نبی ﷺ کا حکم قرآن مجید میں اس حد تک ہے کہ کوئی شخص حضور ﷺ سے بلند آواز میں بات نہ کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے کوئی کلام نہ کرے، جب آپ ﷺ اپنی بات مکمل کر لیں تو تب کوئی سوال کرے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی قربانی سے پہلے کوئی اپنا جانور قربان نہ کرے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارادہ پر اپنا کوئی ارادہ پیش نہ کرے۔

۴۔ جنگی امور کا فیصلہ کرنے میں کوئی بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے پیش قدمی نہ کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آداب سے بخوبی واقف تھے اس لئے وہ آپ ﷺ سے روزے، عید الفطر اور قربانی جیسے امور میں بھی سبقت اور پیش قدمی نہیں کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے بارے میں قرآن مجید کے ان واضح احکام و فرامین کے پیشِ نظر منکرین کے پاس اعتراض و انکار کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ (۱)

’’ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے)۔‘‘

مذکورہ آیتِ کریمہ کا خاص شانِ نزول تھا۔ جس میں امت کو آدابِ رسول ﷺ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ائمہ تفسیر کے مطابق یہ آیت عام ہے لہٰذا ہر معاملے پر اس کا اطلاق ہوگا، چاہے ان معاملات کا تعلق ارکانِ اسلام نماز، روزہ، قربانی اور حج وغیرہ کے ساتھ ہو یا دنیاوی امور جنگ، قضاء اور روزمرہ کے دیگر معمولات کے ساتھ ہو۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرائض کی ادائیگی پر تکریم و تعظیمِ رسالت مآب ﷺ کو مقدم رکھا ہے۔ اس لئے اس آیتِ کریمہ میں صحابہ کو بنیادی طور پر دو باتوں کی ممانعت کی گئی:

(۱) حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی عمل سے پہلے پیش قدمی نہ کریں۔

(۲) اپنے آپ کو حضور نبی اکرم ﷺ سے مقدم نہ رکھیں۔

یہ بنیادی نکتہ صحابہ کرام ﷡ سے اس امر کا متقاضی تھا کہ وہ اپنے ہر عمل کو اللہ کے رسول ﷺ کے عمل سے مربوط کریں کہ رسولِ معظم ﷺ کی غائت درجہ تعظیم بجا لانا دراصل اللہ ﷻ کی تعظیم بجا لانا ہے۔ آپ ﷺ کا ادب و احترام درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ادب و احترام ہے، آپ ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اللہ ﷻ کی اطاعت ہے۔ اپنے محبوب ﷺ سے دوئی کے تصور کو ختم کرنے کے لئے اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا، آپ ﷺ کی رضا اپنی رضا قرار دیا اور تمام امور اور معاملات میں آپ ﷺ کو اپنا قائم مقام اور نائب بنایا ہے۔ آپ ﷺ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے قرآن کا نور لیتے ہیں تو دوسری طرف مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

صرف ایک بات میں استثنیٰ رکھا گیا ہے کہ کسی کو نبی اکرم ﷺ کی عبادت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی باقی تمام امور میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ میں دوئی نہیں۔ اس نکتے کی وضاحت شیخ ابنِ تیمیہ نے بھی کی ہے جس کا ذکر ذیل میں آ رہا ہے۔

تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول ﷺ حقیقتِ واحدہ ہیں

نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ جو کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی بے حرمتی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بے حرمتی کرتا ہے، جو حضور ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑتا ہے اور جو حضور ﷺ کو آزردہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو آزردہ کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو اذیت دینے سے اللہ رب العزت کو اذیت پہنچتی ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اذیت دینے سے جسمانی اور ذہنی تکلیف تو حضور ﷺ کو پہنچتی ہے لیکن اللہ جل شانہ تو جسمانیت سے پاک ہے اسے کوئی کیسے کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے؟ پس اس کا یہ فرمانا کہ اگر تم میرے پیغمبر کو تکلیف دیتے ہو تو گویا مجھے تکلیف دیتے ہو، کا معنی اس کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○[1]

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لئے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اہانت اور بے ادبی پر اس قدر غضب کا اظہار دراصل اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب سے محبت کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ایک ہی نوعیت کا اعلان فرمایا

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۵۷

ہے جس میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ دونوں کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں حقوق برابر ہیں اور ان دونوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ یہ دونوں حقوق، حقوق اللہ ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک اللہ اور رسول ﷺ کے حق ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں انہوں نے بجا طور پر لکھا ہے:

وجعل شقاق الله ورسوله ومحادة الله ورسوله وأذى الله ورسوله ومعصية الله ورسوله شيئًا واحدًا۔(۱)

’’اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت و اذیت اور معصیت و نافرمانی کو (قرآن حکیم میں) ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔‘‘

بعد ازاں علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں درج آیاتِ قرآنی کا بالترتیب تذکرہ کیا ہے:

۱۔ **ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ** ﴿الانفال، ۸: ۱۳﴾

۲۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ** ﴿المجادلہ، ۵۸: ۲۰﴾

۳۔ **اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ** ﴿التوبہ، ۹: ۶۳﴾

۴۔ **وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ** ﴿النساء، ۴: ۱۴﴾

علامہ ابنِ تیمیہ کا یہ بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم دراصل پیغمبر اعظم و آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم ہے اور یہ دونوں تعظیمیں درحقیقت ایک ہی نوعیت کی حامل ہیں۔ حقیقتِ واحدہ ہونے کے ناطے تعظیمِ خداوندی اور تعظیمِ رسول ﷺ میں کوئی فرق نہیں۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ اور اللہ جل جلالہ کے حقوق کی ترتیب ظاہر

(۱) ابن تيمية، الصارم المسلول على شاتم الرسول ﷺ: ۴۰، ۴۱

کرنے کے لئے مزید لکھتے ہیں:

وفی هذا وغیره بیانٌ لتلازم الحقین، وأن جهة حرمة الله تعالی ورسوله جهة واحدة، فمن آذی الرسول فقد آذی الله، ومن أطاعه فقد أطاع الله۔[1]

’’مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق باہم لازم وملزوم ہیں نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حرمت کی جہت ایک ہی ہے لہٰذا جس نے رسول ﷺ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔‘‘

بعض لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ وہ وسیلے اور ذریعے کے قائل نہیں۔ ان کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق چاہتے ہیں جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لیے مبعوث کیا گیا کہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی نازل ہو اور آپ ﷺ یہ پیغام آگے نوعِ انسانی تک پہنچائیں۔ گویا رسالت آپ ﷺ کا فریضہ تھا، آپ ﷺ کی ڈیوٹی تھی سو آپ ﷺ نے ادا فرمائی۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد فقط اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کو رسول کے منصب پر فائز کیا گیا لیکن علامہ ابنِ تیمیہ کا نقطۂ نظر ان لوگوں سے مختلف ہے، وہ لکھتے ہیں:

لأن الأمة لا یصلون ما بینهم وبین ربّهم إلا بواسطة الرّسول، لیس لأحدٍ منهم طریق غیره ولا سبب سواه۔[2]

’’اس لئے کہ امت کا اپنے رب سے تعلق صرف رسول ﷺ کے واسطہ سے

(۱) ابن تیمیة، الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ: ۴۱

(۲) ابن تیمیة، الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ: ۴۱

استوار ہو سکتا ہے کسی کے پاس بھی اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ یا سبب نہیں ہے۔‘‘

ان آیات اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے حقوق کے باہم لازم و ملزوم ہونے کا بیان ہے۔ اللہ رب العزت کی عزت و توقیر اور حضور ﷺ کی عزت و توقیر ایک ہے اگر کسی نے حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائی اس نے گویا اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ کا عقیدہ

آپ ﷺ کا وجودِ مسعود خدا اور مخلوق کے درمیان مضبوط واسطہ ہے۔ کوئی بھی شرعی امر، رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ اور واسطہ کے بغیر امت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو لوگ واسطے کو شرک کہتے ہیں انہیں یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تک براہِ راست رسائی قطعاً ناممکن ہے۔ امت تک کوئی فیض وسیلۂ محمدی ﷺ کے بغیر نہیں پہنچ سکتا، وہی اللہ اور مخلوق میں درمیانی واسطہ ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ مزید لکھتے ہیں:

و قد أقامه الله مقام نفسه فی أمره و نهيه وإخباره و بيانه، فلا يجوز أن يفرّقَ بين الله ورسوله فی شیء من هذه الأمور۔(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے اوامر و نواہی اور اخبار و بیان میں رسول ﷺ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا ہے اس لئے مذکورہ بالا امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین تفریق جائز نہیں۔‘‘

اس حوالے سے علامہ ابنِ تیمیہ کہہ رہے ہیں کہ امورِ دین میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں۔ اگر یہ بات کہنا شرک ہے تو سب سے

(۱) ابن تيمية، الصارم المسلول على شاتم الرسول ﷺ: ۴۱

پہلے اس کا اطلاق علامہ ابنِ تیمیہ پر ہوتا ہے جنہوں نے اس نکتے کا استنباط و استشہاد کیا۔ اگر وہ اس کے مرتکب نہیں تو پھر امتِ مسلمہ میں کوئی بھی فرد مشرک نہیں ہوسکتا کیونکہ اس عقیدے سے آگے کوئی نہیں جاتا اور یہ بلند ترین سطح ہے جس تک کوئی گیا ہو۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنا قائم مقام اور نائب بنایا ہے تو کیا کسی اور کی طرف سے کسی قسم کی دوئی یا ثنویت پیدا کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ ان امور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان کوئی فرق اور دوئی نہیں۔ دونوں میں یکتائیت پائی جاتی ہے اور کوئی ان میں دوئی نہیں پیدا کر سکتا، سوائے اس فرق کے کہ اللہ رب ہے اور محمد ﷺ اس کے عبد ہیں، لہٰذا حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نائب سمجھنا شرک نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو دراصل ایک ایسے اونچے مقام پر فائز کر دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے مطابق تفویض کردہ اختیار کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین حضور ﷺ کے واسطہ سے مخلوقِ انسانی تک پہنچانا مقصود تھے اس لئے آپ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے نائب اور قائم مقام ہیں۔

ذکرِ الٰہی کی قبولیت بھی تعظیمِ رسول ﷺ سے مشروط ہے

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر گزر چکا ہے کہ قرآن حکیم نے سورۃ الفتح کی آیت میں تعظیم و تکریمِ رسول ﷺ کا ذکر اپنی تسبیح سے پہلے فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کی ترجیحی ترتیب کو بدل دیا ہے۔ اس کا اپنے بندوں سے ارشاد ہے کہ ''لِتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ'' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا کام اللہ تعالیٰ کی بزرگی و تقدیس بیان کرنے سے بھی پہلے اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کی عظمت اور توقیر کا عَلَم بلند کرنا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کے بغیر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی قبول نہیں۔ یہی ایمان کی پرکھ کا معیار اور کسوٹی ہے جس پر پورا اترنے سے عبادت، ذکر و فکر اور تسبیح و تقدیس قابلِ قبول ہوگی۔

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کو ہمارے سجود اور تسبیحات کی ضرورت نہیں، اصلاً اسے اپنی بندگی مطلوب ہے اور اس کی بندگی تقاضا کرتی ہے کہ جس ذاتِ رسالت نے تمہیں مجھ سے شناسا کرایا پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرو۔ لہٰذا تعظیمِ رسالت ہوگی تو عبادت بھی قبول ہو گی، تکریمِ رسالت ہوگی تو ذکر و تسبیح بھی وجہِ شرف ہوگی ورنہ یہ سب منافقانہ اور کافرانہ عمل قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی سیدنا آدم علیہ السلام کی عدمِ تعظیم کی وجہ سے بڑے عابد ابلیس کو بھی راندۂ درگاہ ٹھہرایا تھا ورنہ ابلیس نے بارگاہِ الٰہی میں نبی کی اہانت اور گستاخی کے علاوہ کوئی اور غلطی نہیں کی تھی۔ اپنے تئیں اس نے توحیدِ خالص کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں توحید پرست ہوں اس لئے آدم (علیہ السلام) کو سجدہ میری عبادت و بندگی کو داغدار کر دے گا۔ یہ تو آدم علیہ السلام کی عدمِ تعظیم پر ملنے والی سزا کا معاملہ ہے جس نے ایک مقرب اور عابد کو شیطان اور ابلیس بنا دیا۔ جبکہ ہم تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی جو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ تعظیم و تکریم کی مستحق ہے اس کے ساتھ تعلق کی بات کر رہے ہیں۔

قارئین خود سوچ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عزازیل جیسے عبادت گزار ناری فرشتے کو حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی کی بناء پر شیطان بنا دیا تو اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت اسے کس قدر ناپسند ہوگی؟ اسی طرح یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کو کس قدر عزیز ہوگی۔ جن کے ایمان و نصرت کے لئے عالمِ ارواح میں انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ سے اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ لیا تھا۔ اب اگر کوئی اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر سے روگردانی کرتے ہوئے تکبرانہ رویہ اختیار کرے گا تو اس کا حشر بھی نہ صرف ابلیس کے ساتھ ہوگا بلکہ اس سے کہیں بدتر ہوگا۔

ادب و تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...... ایک نازک ایمانی اِمتحان

بعض لوگ جو دن رات توحید اور رب ذوالجلال کی عظمت و تمکنت کا ذکر کرتے نہیں تھکتے۔ بدقسمتی سے انہیں اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کی عظمت کا

کوئی احساس اور ادراک نہیں۔ آپ ﷺ کی توقیر کی نسبت ان کی زبانیں گنگ اور مہر بہ لب رہتی ہیں۔ وہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تو مانتے ہیں لیکن محض عمومی اور اعتقادی طور پر۔ وہ دل سے آپ ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت اور شانِ محبوبیت کو تسلیم کرنے سے گریزاں رہتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کی توحید کی رٹ لگاتے رہتے ہیں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم، تعزیر اور توقیر کے بارے میں ان ارشاداتِ قرآنی سے کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کا تعلق عام طور پر باعمل مذہبی طبقے سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ''توحید پرستی'' اور ''عبادت'' کے نشے میں اتنے غرق ہو جاتے ہیں کہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ ان کی آنکھوں میں غیر اہم ہو جاتی ہے۔ نہ صرف وہ خود تعظیمِ رسالت ﷺ کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ وہ اسے اپنا مشن سمجھ کر دوسروں کو بھی یہی وطیرہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایسے ''توحید پرست'' اور ''عبادت گزار'' لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں اور آج بھی بکثرت موجود ہیں۔ وہ توحید پرستی اور کثرتِ عبادت کے دھوکے میں آ کر تعظیم و تکریمِ رسول ﷺ کے منکر ہو جاتے ہیں اور اپنی اس ناپاک جسارت کے طفیل اپنی متاعِ ایمان ضائع کر کے رشکِ ابلیس بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نازک امتحان میں ہر مسلمان کو سرخرو فرمائے اور ہم سب کو ابلیسی توحید کی بجائے نبوی اور ایمانی توحید کا فیض عطا فرمائے۔ آمین! یا رب العالمین۔

شعائر اللہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید قرار پائی

شعائر اللہ کی تعظیم کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی کی رو سے وہ لوگ جو شعائر اللہ کا کمال درجہ احترام اور تعظیم کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور یہ تقویٰ ان کے دلوں کے اندر جاگزیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○(۱)

(۱) الحج، ۲۲: ۳۲

’’اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجا لاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)o‘‘

دلوں کا تقویٰ عبادت ہے اور عبادت توحید ہے۔ گویا اللہ ﷻ نے فرمایا: دلوں کا تقویٰ میری توحید بھی ہے اور میری عبادت بھی۔ پس جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کا حق ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ۔ (۱)

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ یہ پہاڑ بھی میرے شعائر ہیں، گویا جو شخص صفا اور مروہ پہاڑیوں کی تعظیم کرے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کر رہا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تعظیم پہاڑوں کی ہو رہی ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کی ہو رہی ہے۔ ان دو پہاڑوں صفا و مروہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار پائی۔ کیا دنیا کے اور پہاڑ بھی ایسے ہیں جو شعائر اللہ میں داخل ہوں؟ اگر نہیں تو یہ دو پہاڑ صفا مروہ کس وجہ سے شعائر اللہ بنے؟ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صالح بندی سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور صالح بندے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسبت حاصل ہے۔

منسوب جانور کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی تعظیم کا مقام

بعض لوگ عبادت اور تعظیم کے درمیان تشکیک اور غلط فہمی پیدا کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اہل اللہ کی تعظیم بجا لاتا ہے تو یہ شرک فی العبادت کے

(۱) البقرة، ۲: ۱۵۸

زمرے میں آتا ہے حالانکہ عبادت کا درجہ اور حقیقت جدا ہے اور تعظیم کی تعریف اور درجہ الگ ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط ممکن نہیں۔ شرعاً عجز و انکساری اور تعظیم کے انتہائی درجے کا نام عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے قطعاً جائز نہیں جب کہ اللہ رب العزت کے کسی برگزیدہ بندے حتیٰ کہ ان سے منسوب اشیاء کا ادب و احترام اور تعظیم از روئے قرآن ایک جائز امر ہے۔

قرآن حکیم میں قربانی کے جانوروں کو بھی شعائر اللہ قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (۱)

”اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔“

بھیڑ، بکریاں، چھترے، گائے جو جانور بھی حج کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں شعائر اللہ ہیں۔ اس کے علاوہ عام جانوروں کو شعائر اللہ ہونے کی حیثیت حاصل نہیں خواہ وہ اس جانور جیسا ہی کیوں نہ ہو مثلاً اتفاق سے آپ نے دو بکرے خرید لیے اس نیت سے کہ ایک سے بیٹے کا ولیمہ کرنا ہے اور دوسرے کی قربانی کرنی ہے، اب ایک ہی آدمی ایک ہی بندے سے دو بکرے ایک جیسی قیمت ادا کر کے خرید لایا ہے، ایک بیٹے کے ولیمے کے لئے اور ایک قربانی کے لئے۔ قربانی والا بکرا اگرچہ عام بکروں کی طرح ہے لیکن شعائر اللہ میں آ جانے کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوگئی اور وہ عام بکروں سے ممتاز و مکرم ہوگیا کیونکہ وہ اب وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰـهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کے حکم کا مصداق بن گیا، نسبت نے دونوں میں زمین آسمان کا فرق کر دیا۔ اللہ کی رضا کی خاطر قربانی کے لئے خریدنے سے ایک لمحہ پہلے وہ عام جانور تھا مگر جب وہ قربانی کے لئے منسوب ہوگیا تو اب وہ شعائر اللہ میں شمار ہوگیا جس کی تعظیم بھی

(۱) الحج، ۲۲: ۳۶

اللہ کی عبادت ہے۔

یہاں بڑا اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قربانی کیلئے خریدا گیا جانور شعائر اللہ میں شمار ہو گیا تو جو بندہ رضائے الٰہی کے لئے خدا کی راہ میں ذبح ہو گیا اور اس کی نسبت بارگاہِ الٰہی سے مستحکم ہو گئی تو کیا وہ شعائر اللہ میں داخل نہ ہوا؟ بکرا ابھی قربان ہوا نہیں کہ شعائر اللہ ہو گیا اور جس بندہ نے ساری زندگی اپنے رب کیلئے قربان کر دی، جس نے اپنا آرام قربان کر دیا، وقت قربان کر دیا، عزت قربان کر دی، جان قربان کر دی۔ جو سارے کا سارا قربان ہو چکا وہ شہید اور اللہ تعالیٰ کا ولی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت پا گیا۔ اس کی نسبتِ شہادت و عبدیت اور بندگی متحقق ہو گئی۔ کیا وہ شعائر اللہ میں شمار نہیں ہوا؟ ضرور ہوا ہے، حکمِ ایزدی کے تحت اس کی جتنی تعظیم کریں کم ہے۔ جس جانور کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے تو شرعاً اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور جو بندہ اپنی بندگی کی وجہ سے اللہ والا ہو گیا ہو اس کی تعظیم کیوں شرک ہو گی؟ ایسا کہنا حد درجہ کی جہالت ہے۔ پس عبادت اور تعظیم میں فرق کرنا ضروری ہے۔

عبادت اور تعظیم میں فرق

مفہومِ عبادت اور تصورِ عبادت سمجھنے میں بعض لوگوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ بہت سے دوسرے تصورات کو عبادت کے ساتھ گڈ مڈ اور خلط ملط کر دیا گیا ہے اور بعض ظاہری مماثلت رکھنے والی چیزوں کی بنیاد پر بہت سی ایسی چیزوں کو عبادت سمجھ لیا گیا ہے جو درحقیقت عبادت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کا تصور ہی غلط مراد لے لیا جائے تو پھر اس سے حاصل کردہ اور اخذ کردہ نتائج بھی درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے یہ ایک اصولی بات ہے کہ محض غلط تصور کی بنیاد پر شرک کا فتویٰ صادر کر دینا درست نہیں۔ صحیح فہمِ دین کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک چیز کی شرح و تعبیر اور اس کے صحیح اطلاق کو سمجھا جائے۔ بصورتِ دیگر غلط تصور کی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج بھی غلط اور اس کی بنیاد پر

لگائے گئے فتویٰ کا حکم بھی غلط ہوگا اور پھر ایسا فہمِ دین بھی یقیناً غلط ہوگا کیونکہ سرے سے بنیاد ہی غلط ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام شرعی اور مذہبی معاملات پر بحث اور فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے صحیح تصور کو سمجھا جائے۔

عبادت کا معنی و مفہوم

توحید فی العبادت سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جملہ مخلوقات میں سے کوئی بھی ہستی عبادت میں اس کی شریک نہیں۔ عبادت ایک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنی غایتِ تعظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بندے کی طرف سے انتہا درجے کی تعظیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوسکتی ہے وہ صرف عبادت کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی تعظیم کی اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی بلند ترین ہے جبکہ مخلوق عبادت گزاری کے اعتبار سے ادنیٰ ترین مقام پر ہے۔ عبادت بندے کی طرف سے اس عظیم ترین ذات کے لئے غایت درجہ ادب و تعظیم، خاکساری اور عجز و تذلل کی آئینہ دار ہے۔ عبد اور معبود کی ان دونوں انتہاؤں کے مابین رابطہ و تعلق پیدا کرنے والی چیز صرف عبادت ہے، یہ چیز اس امر کی متقاضی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اِس لائق ہے کہ اسی کی عبادت و پرستش کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور یہ حق نہیں رکھتا۔

علمائے عقائد نے عبادت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

هو استحقاقُه سبحانه وتعالی أن يُعبَد وحدَه لا شريکَ له۔ (1)

''یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خصوصی استحقاق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے، اس کا کوئی شریک نہیں۔''

اس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

(۱) ابن ابی العز دمشقی، شرح العقيدة الطحاوية، ۱: ۱۲۵

هو إفراد الله عزوجل بجميع أنواع العبادة الظاهرة و الباطنة قولًا و عملاً، و نفي العبادة عن كل ما سوى الله تعالى كائناً من كان۔[1]

’’توحیدِ اُلوہیت (عبادت) سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہری و باطنی قولی اور فعلی جملہ عبادات میں یکتا ہونا۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہر ایک چیز کی عبادت کی نفی کی جائے۔‘‘

ائمۂِ تفسیر نے عجز و تذلل اور انکسار کی بلند ترین کیفیت اور تعظیم کی آخری حد کو عبادت قرار دیا ہے۔

(تفصیلی بحث اسی کتاب کے باب پنجم کی پہلی فصل میں ملاحظہ کریں۔)

پس عبادت کے لئے ضروری ہے کہ اس عمل میں عاجزی و انکساری کی بلند ترین کیفیت کے ساتھ تعظیم کا انتہائی درجہ شامل ہو۔ اس کے علاوہ ایسے عمل کو جو اس سے کم تر درجے میں ہو اُسے عبادت تصور نہیں کیا جا سکتا۔

عبادت عجز و نیاز کی اِنتہائی کیفیت اور تعظیم کی آخری حد ہے

تمام اجل مفسرین کے مطابق خضوع و تذلل کی بہت سی صورتیں اور درجات ہیں لیکن عبادت عاجزی و انکساری کا بلند ترین درجہ ہے۔

اس کی کئی مثالیں ہیں جن میں سے فہم کے لئے ایک درج کی جاتی ہے:
چالیس طلبہ کی کلاس میں ہم ایک طالب علم کو لیتے ہیں جو اوّل آتا ہے اور گولڈ میڈل کا حقدار قرار پاتا ہے جبکہ دوسرے انتالیس طلباء اپنی کارکردگی اور پوزیشن میں اس سے پیچھے ہیں۔ طالب علم ہونے کے ناطے وہ کلاس کا ایک فرد ہے لیکن جب ہم سب طلباء کا ذکر کریں گے تو یہ کہیں گے کہ وہ صرف طالب علم ہی نہیں بلکہ گولڈ میڈلسٹ بھی ہے۔ اپنی

(۱) ابن احمد الحکمی، أعلام السنة المنشورة: ۲۱

اس حیثیت میں وہ دوسروں سے ممتاز و یگانہ ہے اور درجے میں سب طلباء سے اوپر ہے۔ چاندی کا میڈل جیتنے والا باوجود ممتاز حیثیت رکھنے کے اس سے بھی کم درجے میں ہے اسی طرح کانسی کا میڈل حاصل کرنے والا اس سے بھی کم درجے میں ہے۔ جب آپ طلباء میں تمیز کرتے ہوئے بہتر کارکردگی کے مالک طلباء کو امتیازی اور تعریفی اسناد دیں گے تو یہ تمام طلباء تکریم کے درجہ بہ درجہ حقدار ہوں گے لیکن اعلیٰ درجے کی مظہر صرف ایک سند ہوگی جس نے امتیازات کی تمام حدوں کو عبور کر رکھا ہے۔

عاجزی، تذلل، خاکساری اور عجز و انکسار کی انتہائی شکل جو عبادت کی تعریف پر پوری اترتی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ جب ہم توحید فی العبادت کی بات کرتے ہیں تو اس کا معنی عبادت میں توحید ہے۔ اس کا اطلاق ہم تعظیم پر نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں توحید فی العبادت کا ذکر ہے وہیں اس امر کا ذکر بھی ہے۔

ہر تعظیم عبادت نہیں

عبادت اور تعظیم کی درج بالا بحث سے ثابت ہوا کہ ادب و احترام اور تعظیم کا اعلیٰ ترین درجہ عبادت ہے جس کا حق دار وسزا وار صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے اس میں حقیقت و مجاز کی تقسیم بھی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا عبادت کا کسی کے لئے مجازاً اثبات بھی شرک ہے لیکن ہر تعظیم عبادت نہیں کیونکہ کسی بھی عمل کو عبادت قرار دینے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

ا۔ بندہ عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد پر ہو...... جبکہ:

> انبیائے کرام، صالحینِ عظام، والدین، شیوخ، اساتذہ یا کسی اور معزز ہستی کی عزت و توقیر، ان کا ادب و احترام، ان کی فرمان برداری، تعمیلِ ارشاد اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت و تکریم بھی ان کی تعظیم ہے۔ چونکہ یہ عمل درجۂ عبادت یعنی عاجزی و تذلّل اور عجز و انکساری کی آخری حد سے کم تر اور فروتر

ہوتا ہے اور اس کی نوعیت بھی عمومی ہوتی ہے اس لئے عبادت کے زمرے میں نہیں آتا اور جائز امر ہے چونکہ کسی بھی طرح توحید سے متعارض و متصادم نہیں لہٰذا شرک کے دائرے میں ہرگز نہیں آتا۔

۲۔ رب تعالیٰ کے لئے تعظیم کا آخری درجہ ہو...... جبکہ:

انبیائے کرام، صالحینِ عظام اور بڑوں کی عزت و توقیر اور ادب و احترام ان کی تعظیم تو ہے مگر تعظیم کا آخری درجہ 'عبادت' نہیں۔ کوئی بھی راسخ العقیدہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم عبادت کی نیت سے ہرگز نہیں کرتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص قرار دیا ہو...... جبکہ:

اسلامی تعلیمات اور معاشرتی ادب میں یہ بات شامل ہے کہ افرادِ امت درجہ بدرجہ ایک دوسرے کی عزت و تعظیم کریں۔ اولاد والدین کی تعظیم کرے، شاگرد استاد کی، چھوٹا بڑے کی، یہ یک ایسا مطلوب و مقبول عمل ہے جسے ترک کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق امت سے خارج ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔[1]

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہ کی۔"

پس ثابت ہوا کہ عبادت کا مستحق فقط اللہ تبارک و تعالیٰ ہے لہٰذا کسی غیر کو عبادت کا حق دار سمجھنا یا غیر کی عبادت کرنا شرک فی العبادت ہے۔ توحید اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں ما سوائے اللہ رب العزت کے کسی کی عبادت جائز نہیں۔ کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا جاسکتا۔ جبکہ کفار و مشرکین اپنے بتوں کے بارے میں یہ

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

عقیدہ رکھتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ کفر و شرک اس اعتبار سے ہے کہ وہ مشرکین ان بتوں کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ ہیں۔ وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللهِ زُلْفٰی۔(۱)

''ہم ان (بتوں) کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔''

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدۂ تقرب کی واضح تکذیب کی ہے کیونکہ اگر وہ مشرکین اپنے اس قول میں صادق ہوتے تو اُن کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ، اِن بتوں سے زیادہ قابلِ تعظیم ہوتا اور وہ لوگ غیراللہ کی عبادت نہ کرتے۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ اسلام میں کسی کو تقرب اِلی اللہ کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے، اس تصور کو 'مَا نَعْبُدُهُمْ' کے الفاظ میں ان کی بت پرستی کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ توسل کی مشروعیت کے باعث مسلمان ہمارے بتوں کی عبادت کرنے کو نظرانداز کر دیں گے یا نرم گوشہ اختیار کر لیں گے۔ وہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ بتوں کی پوجا کرنے سے ہماری غرض و غایت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائیں۔ ان کے اس استدلال کو اللہ تعالیٰ نے رد کر دیا کیونکہ شرک کو کسی بھی عمل اور نیت کے ذریعے پاک اور حلال نہیں کیا جا سکتا۔

مطالعۂ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہّ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بالکل منکر نہیں تھے بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کو ایک اور سب سے بالا و برتر ہستی مانتے تھے مگر ان کا شرک توحید فی الالوہیت کے باب میں تھا اسی بناء پر ان کے ہاں عقیدۂ توحید کے باب

(۱) الزمر، ۳۹: ۳

میں خرابی، توحیدِ ربوبیت کی نسبت توحیدِ الوہیت میں زیادہ تھی۔ قبل از اسلام یہود اور دیگر مشرکین عرب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کی طرح اپنے بتوں کو مختلف قبائل سے منسوب کر کے اس کی پوجا کرتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں قبر پرستی کی حقیقت

قبل از اسلام لوگ قبروں کو براہِ راست سجدہ کرتے اور بعض قبائل ان قبروں کے اوپر اس مدفون کا بت یا ان کی تصاویر بنا کر رکھ لیتے اور اس کو سجدہ کرتے تھے سجدہ کرتے ہوئے ان کا تصور یہی ہوتا تھا کہ یہ بت اور مدفون شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع ہیں۔ ان کا یہی عمل دراصل شرک فی الألوہیت تھا۔

امام بخاری نے ان کے اس مشرکانہ عمل کو اس طرح روایت کیا ہے:

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے متعلق فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ (۱)

''اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجود بنا لیا تھا (یعنی وہ براہِ راست قبروں کو سجدہ کرتے تھے)۔''

۲۔ اس طرح ایک اور روایت میں ان کے اس مشرکانہ رجحان اور وطیرہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید واضح فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ،

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مساجدا، ۱: ۱۶۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور واتخاذ الصور، ۱: ۳۷۶، رقم: ۵۲۹

فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ أُولَئِکَ إِذَا کَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْکَ الصُّوَرَ فَأُولَئِکَ شِرَارُ الخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ القِيَامَةِ۔(۱)

’’حضرت اُمِ حبیبہ اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس میں بت اور مورتیاں تھیں، پس انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس میں اس کی مورتی بنا لیتے وہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي کَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ، أَمَّا وَدٌّ کَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَأَمَّا سُوَاعٌ کَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَأَمَّا يَغُوثُ کَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالجُوفِ عِنْدَ سَبَإٍ، وَأَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِی الْكَلَاعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِن قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِم الَّتِي کَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَ سَمُّوهَا بِأَسْمَاءِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَکَ أُولَئِکَ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجدا، ۱:۱۶۵، رقم: ۴۱۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلوة، باب النهی عن بناء المساجد على القبور و اتخاذ الصور، ۱:۳۷۵، رقم: ۵۲۸

وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ۔ (۱)

’’جو بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے وہی بعد میں اہل عرب نے اپنے معبود بنا لئے۔ **وَدّ** بنی کلب کا بت تھا جو دومۃ الجندل کے مقام پر رکھا ہوا تھا۔ **سواع** بنی ہذیل کا بت تھا، **یغوث** بنی مراد کا بت تھا، پھر یہی بنی غطیف کا بھی الٰہ بن گیا جو سبا کے پاس جوف میں تھا۔ **یعوق** قبیلہ ہمدان کا اور **نسر** ذی الکلاع کی آلِ حمیر کا بت تھا۔ یہ حضرت نوح کی قوم کے نیک آدمیوں کے نام ہیں جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن جگہوں پر وہ اللہ والے بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنا کر رکھ دو اور ان بتوں کے نام بھی ان صالحین کے نام پر ہی رکھ دو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا کر دیا لیکن ان کی پوجا نہیں کرتے تھے جب وہ لوگ دنیا سے چلے گئے اور علم بھی کم ہوگیا تو ان کی پوجا و پرستش ہونے لگ گئی۔‘‘

مندرجہ بالا روایات سے درج ذیل امور واضح ہوئے:

۱۔ مشرکین قبور کو تعظیماً نہیں بلکہ انہیں معبود سمجھ کر ان کی طرف سجدہ کرتے تھے۔

۲۔ انہوں نے باقاعدہ بت تراش رکھے تھے جو قبروں کے اوپر نصب تھے اور سجدہ کرتے وقت وہ اس قبر اور اس کے اوپر رکھے ہوئے بت کو پوجتے تھے۔

۳۔ مشرکین نے ان صالحین کے قیام گاہوں پر ’’تھان‘‘ یعنی چبوترے بنا رکھے تھے جن پر ان بزرگوں کے مجسمے بنا کر رکھے جاتے تھے اور انہی چبوتروں پر وہ جانور بھی ذبح کرتے تھے۔

۴۔ اس خون کو وہ عبادتاً اور تقرباً ان چبوتروں پر مَل دیتے تھے۔

۵۔ اس خودساختہ عبادت کو وہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ودًا ولا سواعًا ولا یغوث ولا یعوق، ۴:۱۸۷۳، رقم: ۴۶۳۶

آج جو لوگ مزاراتِ انبیاء و اولیاء کی تعظیم کو شرک کے زمرے میں شامل کرتے ہیں اور مزارات پر حاضری کو خلافِ توحید سمجھتے ہیں انہیں دراصل مشرکین کے اسی عمل سے مغالطہ ہوتا ہے حالانکہ مشرکین کا عمل مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر واضح اور صریح شرک تھا۔ ان دونوں افعال میں بعد المشرقین ہے۔ دونوں کو ایک جیسا سمجھنے سے قبل ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ شرک کا اطلاق کرتے ہوئے اس کی حقیقت اور تاریخ کو ملحوظ رکھا کریں۔ توسل تعظیم اور عبادت میں واضح فرق کو سامنے رکھے بغیر فتوی لگانے سے ہی فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

اہلِ اسلام کا عمل مشرکین سے بالکل برعکس ہے۔ مسلمان مزارات پر صرف اس لیے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی قربت محبت اور اطاعت کی وجہ سے قابلِ احترام سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں پر کسی ولی کا بت اور مورتی بنائی جاتی ہے، نہ اس کی پوجا پاٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی چبوترے پر جانور ذبح کر کے خون ملا جاتا ہے۔ الغرض اسبابِ شرک میں کوئی سبب اہلِ اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ رہا قبروں کا احترام کرنا اور ان پر دعا و توسل کے لئے جانا تو یہ نصِ حدیث سے ثابت ہے۔

خلاصۂ کلام

اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ مشرکین اگرچہ بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بناتے تھے مگر ان کا یہ بیان محض دھوکا، فریب اور دجل تھا جسے قرآن نے کئی مقامات پر رد کر دیا اور ان کی بت پرستی کو شرک جیسے گناہ عظیم کے زمرے میں ہی رکھا۔ انسانی تاریخ کے کسی دور میں کسی پیغمبر کے عہدِ نبوت میں شرک کبھی بھی جائز نہیں رہا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ شریعت بدلتی رہی، احکام بدلتے رہے، قانون بدلتے رہے۔ حلال، حرام، جائز ناجائز پر مبنی شریعت کے احکام بدلتے رہے۔ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت دی مگر شرک کسی بھی شریعت میں کبھی بھی جائز نہیں تھا۔ چونکہ ہر پیغمبر یہ دعوت لے کر آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ شرک نہ کرو، شرک کا انکار

اور توحید کی دعوت ہر پیغمبر کا منصب تھا۔ تمام انبیاء کرام علیھم السلام اس تصور کو اجاگر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے کہ جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں وہیں کسی کی بھی تعظیم نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحب عمل ہے جس کی تحسین اور سفارش اس کے پسندیدہ ہونے کی بناء پر کی گئی ہے۔

شرعاً تعظیم کے جائز اور واجب طریقے

جیسا کہ آغازِ کلام میں بھی واضح کیا گیا کہ بعض لوگ تعظیم اور عبادت کو گڈمڈ کرتے ہوئے تعظیم پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں حالانکہ تعظیم نہ صرف یہ کہ شرک نہیں بلکہ تعظیم کی کئی صورتیں شرعًا واجب بھی ہیں۔ ذیل میں تعظیم کی مختلف شکلیں اور صورتیں الگ الگ بیان کی جارہی ہیں۔ ان میں سے بعض کی آئندہ صفحات میں تشریح و توضیح بھی آ رہی ہے۔ تعظیم کے جائز طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تعظیم بالقیام
۲۔ تعظیم بالاستقبال
۳۔ تعظیم بخلع النعال
۴۔ تعظیم بالتقبیل
۵۔ تعظیم بالزیارت
۶۔ تعظیم بالتوجہ
۷۔ تعظیم بالمحبت
۸۔ تعظیم بالتبرک

شریعت میں تعظیماتِ واجبہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تعظیم الوہیت
۲۔ تعظیم رسالتِ مآب ﷺ
۳۔ تعظیم انبیاء علیھم السلام
۴۔ تعظیم قرآن
۸۔ تعظیم اولیاء و صالحین
۹۔ تعظیم اکابر و مشائخ
۱۰۔ تعظیم والدین
۱۱۔ تعظیم شعائر

۵۔ تعظیم حدیث

۶۔ تعظیم اہل بیت

۷۔ تعظیم صحابہ

۱۲۔ تعظیم شہورِ مقدسہ

۱۳۔ تعظیم ایامِ مقدسہ

۱۴۔ تعظیم اماکن مقدسہ

۱۵۔ تعظیم آثار مبارکہ

ہم آئندہ صفحات میں تعظیم کے انہی جائز طریقوں کو قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔

www.MinhajBooks.com

فصل دوم

تعظیم بالمحبت اور اُس کی اَقسام

www.MinhajBooks.com

محبت کا لغوی معنی و مفہوم

ائمہ لغت و ادب نے باعتبارِ اصل اور مادہ، محبت کے متعدد معانی و مطالب بیان کئے ہیں۔ معروف معنوں میں حَبَّ یَحَبُّ حُبًّا اور حَبَّ یَحُبُّ حُبًّا کا مطلب محبوب و پسندیدہ ہونا ہے۔ علامہ ابنِ منظور نے لکھا ہے:

الحُبُّ نَقِیُضُ الُبُغُضِ۔ (۱)

''حُبّ، بغض (یعنی نفرت اور دشمنی) کی ضد ہے۔''

محبت کا اِصطلاحی مفہوم

اَئمہِ کرام کے نزدیک محبت کا اصطلاحی مفہوم درج ذیل ہے:

۱۔ امام غزالیؒ نے محبت کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے:

فالحُبّ عبارة عن ميل الطبع إلى الشيء الملذ. فإن تأكد ذلك الميل وقوی سمي عشقاً۔ (۲)

''کسی خوشنما اور پسندیدہ چیز کی طرف طبیعت کا مائل ہونا محبت کہلاتا ہے، اگر اس میلان میں پختگی اور تقویت پیدا ہوجائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔''

۲۔ امام راغب اصفہانیؒ محبت کی تعریف کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱:۲۸۹

۲۔ زبیدی، تاج العروس، ۱:۳۸۹

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۴:۲۹۶

إرادة ما تراه أو تظنّه خيرًا۔[1]

’’محبت ایسا ارادہ ہے جو دیکھنے میں اور گمان کرنے میں آپ کو بھلا لگے۔‘‘

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ کسی بھی پسندیدہ، منتخب اور پیاری چیز یا ذات کی طرف قلبی میلان کو ’محبت‘ کہتے ہیں، اور اس میں بھلائی و خیر پوشیدہ ہوتی ہے۔ امام راغب اصفہانی نے ’خیر‘ کی شرط اس لئے لگائی کہ یہ آپ کو راہِ راست سے بھٹکانے والی نہ ہو، دوسرے الفاظ میں انہوں نے دنیاوی محبت، مال کی محبت، نفسانی محبت اور خواہشات و شہوات پر مبنی محبت کی نفی فرمائی ہے جو انسان کو گمراہ کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ بھلائی اور خیر پر مبنی ’محبت‘ دراصل اللہ ﷻ اس کے رسول ﷺ، اہلِ بیت اطہار اور صحابہ کرام ﷡، قرآنِ حکیم، احکامِ دین، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ اور شہوات وحرص سے پاک مخلوق کی محبت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسی تعلقِ محبت کو جب پختگی اور تقویت میسر ہو تو وہ ’عشق‘ میں بدل جاتی ہے۔

محبت کی اَقسام

بنیادی طور پر محبت کی چار اقسام ہیں ان میں سے دو مثبت پہلو رکھتی ہیں جبکہ دو منفی پہلو۔ وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ محبتِ واجبہ
۲۔ محبتِ محمودہ
۳۔ محبتِ محرّمہ
۴۔ محبتِ مذمومہ

۱۔ محبتِ واجبہ

محبتِ واجبہ میں پہلا درجہ اللہ رب العزت کی محبت کا ہے اس کے بعد اُن مقدس ہستیوں سے محبت واجب ہے جو باری تعالیٰ کی محبت اور قربت کا باعث بنتی ہیں۔ اس کی

(۱) راغب أصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ۱: ۲۸۷

درج ذیل اقسام ہیں:

(۱) محبتِ اِلٰہی

اللہ رب العزت کی محبت دینِ اسلام کی اصل ہے۔ اس کے کمال سے دین کو کمال ملتا ہے اور اس میں کمی کجی سے دین میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ ایمان والوں کی اللہ رب العزت سے کیسی محبت ہوتی ہے، اس پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (۱)

''اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

ایمان والوں میں سے جو لوگ اللہ رب ذوالجلال کی محبت کو ٹھکرا کر احکامِ الٰہی سے رُخ پھیر لیتے ہیں اُن کو اِن الفاظ میں تنبیہ کی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ۔ (۲)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خصوصاً حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس سے محبت کرنے والے انبیاء، اولیاء و صالحین کی محبت اور اس کی محبت کے حصول میں معاون عملِ صالح کو طلب کیا کرتے تھے۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۶۵

(۲) المائدة، ۵: ۵۴

حضرت ابو دَرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ حُبَّکَ، وَ حُبَّ مَنْ يُحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّکَ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَ أَهْلِي وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔(۱)

''داؤد علیہ السلام دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والے کی محبت اور ایسے عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ یا اللہ! تُو اپنی محبت کو میری جان، میرے اہل و عیال اور (پیاسے کے لئے) ٹھنڈے پانی سے بھی بڑھ کر میرے لئے محبوب بنا دے۔''

قرآن و سنت پر مشتمل دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر لمحہ اللہ رب العزت کی محبت کو طلب کرتے رہنا چاہیے اور اس پر استقامت رکھنی چاہیے۔

(۲) محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ رب العزت کی محبت کی طرح محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی واجباتِ دین میں سے ہے۔ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسے اپنے والدین، اولاد، رشتہ دار، عزیز و اقارب، تمام لوگ حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام سے محبت نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَالنَّاسِ

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب في عقد التسبيح باليد، ۵: ۵۲۲، رقم: ۳۴۹۰

۲۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۴۷۰، رقم: ۳۶۲۱

۳۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۲۷۱، رقم: ۴۸۱۰

۴۔ ابن سرايا، سلاح المؤمن في الدعاء، ۱ ۵۰۲، رقم: ۹۵۸

أَجْمَعِينَ۔(۱)

''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اُس کے والد (یعنی والدین)، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ۔(۲)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! (اِس کے بعد سابقہ الفاظِ حدیث ہیں)۔''

حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ، وَاللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الْآنَ يَا عُمَرُ۔(۳)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حُبّ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الإِیْمَانِ، ۱:۱۴، رقم:۱۵

۲۔ مسلم، صحیح، کتاب الإیمان، باب وجوب محبّة رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين، ۱:۶۷، رقم:۴۴

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الإِیْمَانِ، باب حُبّ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الإِیْمَانِ، ۱: ۱۴، الرقم:۱۴

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الأیْمَانِ وَ النُّذُوْرِ، باب كَيْفَ كَانَتْ يَمِيْنُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۶:۲۴۴۵، رقم:۶۲۵۷

''ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں (تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ رب العزت کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! اب (تمہارا ایمان کامل ہوا) ہے۔''

محبتِ رسول ﷺ درحقیقت محبتِ الٰہی کی تابع ہے اور جو حضور علیہ السلام سے محبت کرتا ہے یہی محبت اسے باری تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔

(ا) محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ ایک ہی ہے

قرآن و حدیث میں بعض مقامات پر دونوں محبتوں کا یکجا بیان ہوا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ ایک ہے اور دیگر تمام محبتوں کے مراتب سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ایمان والوں کے دنیا میں آٹھ (۸) خصوصی تعلقات اور معاملات کا ذکر کرنے کے بعد محبتِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ اور اپنی راہ میں جدوجہد کو سب سے برتر اور فوق قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (۱)

(۱) التوبة، ۹: ۲۴

”(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا٥“

اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسولِ اکرم ﷺ کی محبت، قربت اور اطاعت کے اعتبار سے افضل اور اَجل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَ مَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: لَا شَيْءَ (وَفِي رِوَايَةِ أَحْمَدَ: قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ عَمَلٍ، لَا صَلَاةٍ وَ لَا صِيَامٍ) إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ ﷺ. فَقَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ وَ إِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص القرشي العدوي، ۳: ۱۳۴۹، رقم: ۳۴۸۵

۲۔ أيضاً، كتاب الأدب، باب ما جاء في قول الرجل ويلك، ۵: ۲۲۸۵، رقم: ۵۸۱۵

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴: ۲۰۳۲، رقم: ۲۶۳۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

''کسی آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے پوچھا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: میرے پاس تو کوئی عمل نہیں۔ (امام احمد کی روایت میں ہے کہ اس نے عرض کیا: میں نے تو اس کے لئے بہت سے اعمال تیار نہیں کیے، نہ بہت سی نمازیں اور نہ بہت سے روزے) سوائے اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم (قیامت کے روز) اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں (تمام صحابہ کرام کو) کبھی کسی خبر سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی حضور ﷺ کے اس فرمان اقدس سے ہوئی کہ تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرتا ہوں اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے، لہٰذا امید کرتا ہوں کہ ان کی محبت کے باعث میں بھی ان حضرات کے ساتھ ہی رہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان کے اعمال جیسے نہ ہوں۔''

محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ بندے کے لئے سفارش کا باعث بھی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں ایک شخص جس کا نام عبد اللہ اور لقب حمار تھا، وہ نبی اکرم ﷺ کی ظرافتِ طبع کا باعث بنتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے شراب پینے کے باعث مارا تھا، ایک دن اسے پھر (حالتِ نشہ میں) لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے مارنے کا حکم دیا پس اسے مارا گیا۔ موقع پر لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ یا اللہ جتنی مرتبہ اسے مارنے کے لئے لایا گیا تو اس

------ ۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب ما جاء أن المرء مع من أحب، ۴: ۵۹۵، رقم: ۲۳۸۵ (امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔)

سے زیادہ اس پر لعنت بھیج۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا تَلْعَنُوْهُ، فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ۔ (۱)

’’اسے لعنت نہ کرو، اللہ رب العزت کی قسم! میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت تمام انواع و اقسام کی محبت سے بلند ہے جس کی خبر حضور ﷺ کے مندرجہ بالا فرمانِ مبارک سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ شرابی شخص ہے، اس کا عمل گھٹیا ترین ہے لیکن آپ ﷺ نے اس کے ہیچ ترین عمل کو اپنی اور اپنے رب کی محبت دل میں رکھنے کی بناء پر نظر انداز فرما دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

(ب) محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول ﷺ اصلِ اعمال ہیں

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تمام اعمال کی بنیاد ہے، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے حتی کہ شیخ ابنِ تیمیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ وہ اپنی تصنیف ’’قاعدة فی المحبة (۱: ۴۹)‘‘ میں **الحب أصل كل عمل والتصديق بالمحبة هو أصل الإيمان** (محبت دراصل ہر عمل کی اصل ہے اور محبت کے ساتھ تصدیق ہی اصلِ ایمان ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن شارب الخمر، ۶: ۲۴۸۹، رقم: ۶۳۹۸

۲۔ بزار، المسند، ۱: ۳۹۳، رقم: ۲۶۹

۳۔ ابویعلی، المسند، ۱: ۱۶۱، رقم: ۱۷۶

إذا كان الحب أصل كل عمل من حق وباطل، وهو أصل الأعمال الدينية وغيرها، وأصل الأعمال الدينية حب الله ورسوله كما أن أصل الأقوال الدينية تصديق الله ورسوله۔

’’یہ طے شدہ امر ہے کہ ہر عمل خواہ حق ہو یا باطل اس کی اصل محبت ہے اور یہی محبت اعمالِ دینیہ وغیرہا کی بھی اصل ہے، اعمالِ دینیہ کی اصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے جس طرح کہ اقوالِ دینیہ کی اصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق ہے۔‘‘

درج بالا تمام بحث سے ثابت ہوا کہ واجباتِ محبت میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی محبت کو اوّلیت حاصل ہے۔ باقی تمام محبتیں اور چاہتیں ان دونوں محبتوں کے تابع ہیں۔

(۳) محبتِ اہلِ بیت اَطہار و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا بھی واجباتِ دین میں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ اُن سے وابستہ اُن کے اطاعت شعاروں، وفا شعاروں اور محبوں سے بھی محبت کی جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی کئی احادیثِ مبارکہ میں اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی ترغیب اور حکم دیا ہے۔

۱۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ قُرَيْشًا إِذَا لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَقُوْهُمْ بِبِشْرٍ حَسَنٍ، وَإِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِوُجُوْهٍ لَا نَعْرِفُهَا. قَالَ: فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ غَضَبًا شَدِيْداً، وَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ

الإِیْمَانُ حَتّٰی یُحِبُّکُمْ ِللهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِقَرَابَتِي۔(۱)

’’میں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں کے ساتھ ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی مسکان سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ یہ سن کر شدید جلال میں آ گئے، فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔‘‘

۲۔ حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَأَهْلِي أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ أَهْلِهٖ، وَعِتْرَتِي أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ عِتْرَتِهٖ، وَذَاتِي أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ ذَاتِهٖ۔(۲)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۰۷، رقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، ۱۷۶۵۸
۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۳۷۶، رقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰
۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۵۱، رقم: ۸۱۷۶
۴۔ بزار، المسند، ۶: ۱۳۱، رقم: ۲۱۷۵
۵۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۸۸، رقم: ۱۵۰۱

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۷۵، رقم: ۶۴۱۶
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۵۹، رقم: ۵۷۹۰
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۸۹، رقم: ۱۵۰۵

''کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہلِ بیت اسے اس کے اہلِ خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے بارے میں فرمایا:

اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔ (۱)

''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ مت بنانا، پس جس نے اُن سے محبت کی اس نے میری وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی عنقریب اللہ تعالیٰ اُسے پکڑے گا۔''

(۴) محبتِ اَولیاء و صالحین

اَحادیثِ مبارکہ سے امتِ مسلمہ کو اولیاء اللہ، صالحین اور مقربین سے محبت کرنے کا بھی درس ملتا ہے۔ اللہ عزوجل خود اپنے اولیاء اور صالحین سے محبت کا اعلان کرتا ہے

(۱) ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فیمن سبّ أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۶۹۶، رقم: ۳۸۶۲

اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ ہر ایک کو ان سے محبت کا حکم بھی دیتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا، فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا، فَأَحِبُّوْهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ۔[1]

’’جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لٰہذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے لٰہذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں (کے دلوں) میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔‘‘

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ، كَيْفَ تَقُوْلُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْمَرْءُ مَعَ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ۳:۱۱۷۵، رقم: ۳۰۳۷ (امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الأدب، رقم: ۵۶۹۳ اور کتاب التوحید، رقم: ۷۰۴۷ میں بھی بیان کیا ہے۔)
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب إذا أحب اللہ عبدًا حَبَّبَه إلی عبادہ، ۴:۲۰۳۰، رقم: ۲۶۳۷

مَنْ أَحَبَّ۔ (۱)

''ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن (ان جیسے اعمال کر کے) ان سے ملا نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (روزِ قیامت) آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ (دنیا میں) محبت کرتا ہو گا۔''

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام اور اولیاء و صالحین رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا بھی دین کا لازمی جزء ہے۔ ان سے محبت نہ کرنے کی صورت میں بھی ایمان کی کاملیت نصیب نہیں ہوتی، چاہے کوئی شخص کثرت سے دیگر اعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، تسبیحات اور جہاد کرتا پھرے۔

۲۔ محبتِ محمودہ

محبت کی دوسری قسم محمودہ ہے۔ یہ ایسی محبت ہے جس کے قابلِ تعریف ہونے پر شریعت سے دلائل میسر ہیں یا انسان کی طبیعت فطرتاً ان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس کی درج ذیل قسمیں بنتی ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب عَلَامَةِ الْحُبِّ فِي اللهِ ﷻ، ۵: ۲۲۸۳، رقم: ۵۸۱۷، ۵۸۱۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴: ۲۰۳۴، رقم: ۲۶۴۰

۳۔ ترمذی نے "الجامع الصحیح (کتاب الزہد، باب ما جاء أن المرءَ مَعَ مَن أحبَّ، ۴: ۵۹۶، رقم: ۲۳۸۷)" میں اِسے صحیح کہا ہے۔

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۳۴۴، رقم: ۱۱۷۸

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۱۶، رقم: ۵۵۷

(۱) طبعی محبت

بعض اوقات انسان کی طبیعت میں کسی چیز کی رغبت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بھوکے کو کھانے کی محبت، پیاسے کے لئے پانی کی محبت، سخت گرمی میں بے سایہ کو سایہ کی محبت، تنگ و تاریک راہوں سے گزرتے پیدل مسافر کی سواری سے محبت وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ اس میں تعظیم کا عنصر شامل نہیں ہوتا بلکہ انسانی طبیعت خود بخود ان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہ محبت مباح ہے۔

(۲) رحیمانہ اور تعظیمانہ محبت

بعض محبتیں رحمت، شفقت اور تعظیم پر مبنی ہوتی ہیں۔ مثلاً والدین کی اولاد سے، شیخ کی مرید سے اور استاد کی شاگرد سے محبت اسی طرح اولاد کی والدین سے، مرید کی شیخ سے اور شاگرد کی استاد سے محبت۔ قرآن وحدیث میں اس محبت پر نصوص ملتی ہیں۔

(۳) اُلفت اور اُنس بھری محبت

عام معاشرے میں انسانوں کے مابین باہم کئی ایسے تعلقات ہوتے ہیں جو الفت اور اُنس و پیار سے لبریز ہوتے ہیں۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی کاروبار، صنعت، تجارت، زراعت اور علم سے وابستہ افراد کی باہم محبت، مسافروں کی آپس میں محبت، بہن بھائیوں کی آپس میں محبت، اعزہ و اقارب کے درمیان محبت و الفت، میاں بیوی کے درمیان رشتۂ محبت اسی کی مثالیں ہیں۔ الفت و محبت کی یہ تمام اقسام قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ مخلوق کے درمیان غم و غصہ، بغض وعناد اور تعصب و عداوت کی فضا قائم ہونے کی بجائے باہم محبت کا ماحول پروان چڑھے تاکہ انہیں خالقِ کائنات کی رحمت اور برکت حاصل ہو۔

(۴) اَفعالِ صالحہ سے محبت

افعالِ صالحہ اور نیکی پر مبنی اعمال سے محبت کرنا بھی قابلِ تعریف اور لائقِ ستائش محبتوں میں شامل ہے۔ ہر وہ عمل، عملِ صالح ہوتا ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے حبیب حضور نبی اکرم ﷺ کی رضا اور قربت کا باعث بنے جبکہ اس کے برعکس ہر وہ عمل، عمل سیئہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضی اور غضب کا باعث بنے۔ چنانچہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حسنِ خلق سے پیش آنا، عدل و انصاف کرنا، سچ بولنا، امانت داری کا مظاہرہ کرنا، تقویٰ و طہارت پر کاربند رہنا وغیرہ تمام کے تمام اعمالِ صالحہ کی مختلف صورتیں ہیں جو رضائے الٰہی اور رضائے رسول ﷺ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس لئے تمام اعمالِ صالحہ سے محبت کرنی چاہئے اور محبت سے ادا کرنا چاہیئے۔

۳۔ محبتِ محرّمہ

جس طرح بنیادی طور پر محبت کی دو اقسام مثبت پہلو پر مبنی ہیں۔ اسی طرح محبت کی دو اقسام منفی پہلو پر مبنی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک محبتِ محرّمہ ہے۔

پہلی صورت

محبتِ محرّمہ کی پہلی صورت شرک پر مبنی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ذات یا شئے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہوئے اس سے اللہ تعالیٰ جیسی محبت کی جائے۔ یہ اللہ کے ساتھ شرک فی الحب ہے۔ کسی سے اس عقیدہ کے ساتھ محبت کرنا سراسر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں کفار کے اس طرزِ عمل کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللهِ۔[1]

”اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۶۵

ہیں اور ان سے ''اللہ سے محبت'' جیسی محبت کرتے ہیں۔''

مذاہب باطلہ کے ماننے والے گمراہ لوگ اپنے رہنماؤں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے بعد محبت اور تعظیم کے اسی وہمِ باطل میں مبتلا ہیں۔

دوسری صورت

محبتِ محرمہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ جن افعال اور اعمال سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے انسان ان اعمال کی محبت میں گرفتار ہو یا مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے والے افعال سے محبت کرے۔ مثلاً بدکاری، شراب نوشی، چوری اور فحاشی و بے حیائی وغیرہ تو ایسی محبت کا شمار بھی محرّمہ میں ہوگا۔ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ایسے ہی برے لوگوں کے کردار کی یوں مذمت فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱)

''بیشک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ (ایسے لوگوں کے عزائم کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۝''

۴۔ محبتِ مذمومہ

وہ محبت جو انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے ذکر اور ان کی اطاعت وفرمان برداری سے غافل کر دے، مذمومہ ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت

محبتِ مذمومہ کی پہلی صورت یہ ہے کہ والدین، اولاد، مال و دولت، منصب،

(۱) النور، ۲۴: ۱۹

عیش و عشرت، کاروبار و تجارت ، رہائش گاہوں اور جائداد سے ایسی محبت کی جائے جو انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے ذکر سے غافل کر دے۔ گویا انسان دنیا اور مافیھا کی محبت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بھول جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان والوں کو جھنجوڑتے ہوئے فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَo[1]

’’اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کہیں) تمہیں اللہ کی یاد سے ہی غافل نہ کر دیں، اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیںo‘‘

دوسری صورت

محبتِ مذمومہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان دنیا و مافیھا کے رشتوں اور دیگر امور کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات اور اُن کے واجب کردہ اعمال اور افعال پر ترجیح دے اور ان افعالِ واجبہ سے بڑھ کر دیگر امور سے محبت کرے۔ قرآن میں اللہ رب العزت نے آٹھ (۸) تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر ان کی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس کی راہ میں جہاد اور جدوجہد کرنے سے بڑھ گئیں تو:

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَo[2]

’’پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتاo‘‘

(۱) المنافقون، ۶۳: ۹

(۲) التوبۃ، ۹: ۲۴

لہٰذا ان دونوں راستوں میں سے صحیح راستہ یہی ہے کہ انسان دنیا و ما فیہا کے رشتوں اور دیگر امور کو اللہ ﷻ اس کے رسولِ معظم ﷺ، عباداتِ الٰہیہ اور اعمالِ صالحہ پر ترجیح نہ دے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر محبوب جانے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے ہی صالح بندوں کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ○(۱)

”(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی○“

محبت اور عبادت میں فرق

گزشتہ صفحات پر تفصیلی بحث سے درج ذیل علمی اور اعتقادی نکات ثابت ہوئے:

۱۔ محبت کے مصداقات بہت ہیں، جیسے اللہ ﷻ، انبیاء کرام، اہلِ بیت اَطہار، صحابہ کرام، اولیاء و صالحین رضی اللہ عنہم اور والدین، اساتذہ، مشائخ، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی، اعزہ و اقارب، دوست احباب کی محبت ...... جبکہ

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی عبادت جائز نہیں۔

۲۔ خالق اور مخلوق کی محبت میں واضح فرق ہے۔ خالقِ کائنات ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی محبت کسی کے تابع نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی

(۱) النور، ۲۴: ۳۷

محبت بھی تنہا اور واحد ہے ...... جبکہ

مخلوق کی محبت اللہ رب العزت کی محبت کے تابع ہے، بذاتِ خود کوئی چیز نہیں۔

۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب محترم حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت ایک ہی ہے۔ ان میں فرق اور دوئی ہرگز روا نہیں۔ حضور ﷺ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت ہے...... لہٰذا

اگر کوئی شخص رسول ﷺ کی عبادت کرے تو یہ شرک ہے اور اگر محبت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

۴۔ قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت ہے کہ اہلِ بیت نبوی ﷺ، صحابہ کرام اور اولیاء و صالحین رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے اور محبتِ واجبات میں سے ہے...... جبکہ

ہر وہ محبت جو اللہ رب العزت کے کسی شریک کے ساتھ کی جائے یا کسی شریک کے ساتھ رب العالمین جیسی محبت کی جائے حرام ہے۔

۵۔ قابلِ احترام ذوات جن میں والدین، اولاد، رشتہ دار، دوست احباب، اساتذہ اور شیوخ شامل ہیں، سے محبت کرنا مسنون مستحب اور مباح کے درجہ میں ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت کی محبت اور قربت حاصل کرنے کے لئے اعمالِ صالحہ سے محبت بجا لانا اور ان میں استقامت کا مظاہرہ کرنا بھی مسنون اور جائز ہے...... جبکہ

اگر دنیا و ما فیہا کی محبت کو ذاتِ باری تعالیٰ، ذاتِ رسول ﷺ یا ان کے احکام پر ترجیح دی جائے تو ایسی محبت مردود اور مذموم ہے۔

آئندہ صفحات میں اِن شاء اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم بالمحبت کو ان کے اَحوال کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

فصل سوم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعظیم بالمحبت کی مثالیں

www.MinhajBooks.com

توحید اور تعظیم بالمحبت عبادت اور شرک کا فرق واضح کرنے کے حوالے سے ایک انتہائی اہم موضوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بے حد تعظیم کرنا اور آپ ﷺ کے ساتھ انتہا درجے کی محبت کا اظہار سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ اس کے باوجود اس عمل کو ہرگز عبادت کے درجے پر نہیں رکھا جا سکتا اور نہ یہ منافیٔ توحید ہے۔

تعظیم و توقیرِ نبی ﷺ اور توحیدِ باری تعالیٰ

اس باب میں دو امور ایسے ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے:

اوّل اس بات کا عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں اپنی تمام مخلوق سے منفرد اور یکتا و یگانہ ہے۔ جو شخص ذات و صفات و افعالِ باری تعالیٰ میں سے کسی میں بھی باری تعالیٰ کے ساتھ اس جیسا مخلوق کی مشارکت کا عقیدہ رکھے گا جیسا کہ مشرکینِ مکہ بتوں کے ساتھ اُلوہیت کا اِعتقاد رکھتے اور انہیں مستحقِ عبادت سمجھتے تھے تو وہ بلا شبہ مشرک ہو جائے گا۔

دوم یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم واجب ہے اور آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ باقی تمام مخلوق سے اونچا ہے۔ جو شخص بھی حضور ﷺ کے مرتبہ کے بارے میں کچھ بھی تقصیر و کمی کرے گا وہ شخص گنہگار ہو گا یا پھر بعض صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔ جو شخص تمام انواعِ تعظیم سے بڑھ کر حضور ﷺ کی تعظیم کرے اور صفاتِ ربوبیت میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ ﷺ کو متصف نہ کرے تو وہ شخص حق کو پانے والا ہے اور دونوں پہلوؤں (توحید و رسالت) کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اس قول میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔

یاد رکھیں کہ جب اہلِ ایمان کے کلام میں کسی چیز کی نسبت غیر اللہ کی طرف پائی جائے تو اس کو مجازِ عقلی پر محمول کرنا واجب ہے اور مؤمنین پر کفر کا فتویٰ اور حکم لگانے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ قرآن و سنت میں مجازِ عقلی مستعمل ہے جیسا کہ ہم ''کتاب التوحید'' کی جلد اوّل میں یہ امر تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

ذاتِ رسول ﷺ کی تعظیم کے عملی مظاہر

عہدِ نبوی کی پوری اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار اور طرزِ عمل پر نگاہ دوڑایئے، اَدب و تعظیم اور محبتِ رسول ﷺ کی جو مثال انہوں نے علی التواتر ہر مقام اور ہر موقع پر قائم کی وہ قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ حدیبیہ کے مقام پر تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کا اجتماع ہو یا فتحِ مکہ اور دیگر مواقع پر ان کا جمِ غفیر، سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ سے لے کر عام صحابی تک ہر کوئی ادب و توقیرِ رسول ﷺ کا عملی نمونہ پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی کسی سے اس امر میں پیچھے نہیں۔ سب آپ ﷺ کے احترام میں ایک دوسرے سے بڑھ کر دیدہ و دل فرشِ راہ کئے سراپا ادب بنے رہے۔ اس عمل میں ان کا اِجماعِ قطعی تھا جس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی خاموش رضامندی نے اسے سنت کا درجہ دے دیا تھا۔ ذیل میں اس طرح کی چند ایمان افروز مثالیں ملاحظہ کریں:

۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بے اِنتہا تعظیم کے مختلف مظاہر

۱۔ ۶ ھ کو جب کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تو اس وقت مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلح نامہ طے پایا۔ اس موقع پر عروہ بن مسعود بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں کفار کا وکیل بن کر آیا۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور نبی اکرم ﷺ کی بے حد تعظیم کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے محبت و ادبِ رسول ﷺ کے جو

حیران کن مناظر دیکھے اور واپس جا کر اپنے ساتھیوں کے سامنے ان کی منظر کشی کی، ان تفصیلات کو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان نے درج ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ بِعَيْنَيْهِ. قَالَ: فَوَ اللهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَ جِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَ مَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ. فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ، وَ وَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَ كِسْرَى وَ النَّجَاشِيِّ، وَ اللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا. وَاللهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ. (۱)

’’عروہ بن مسعود صحابہ کرام کو غور سے دیکھتا رہا۔ راوی کہتے ہیں: اللہ رب العزت کی قسم! جب بھی حضور نبی اکرم ﷺ اپنا لعاب مبارک پھینکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا تھا۔ جب آپ ﷺ انہیں کسی بات کا حکم دیتے تو وہ اس حکم کی فوراً تعمیل میں لگ جاتے۔ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو وہ آپ ﷺ کے استعمال شدہ پانی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب و کتابة الشروط، ۲: ۹۷۴، رقم: ۲۵۸۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۹

کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے، جب آپ ﷺ گفتگو کرتے تو صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر اپنی آوازوں کو پست کر لیتے تھے اور انتہائی تعظیم کے باعث آپ ﷺ کی طرف نظر جما کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا اور ان سے کہنے لگا: اے قوم! خدا کی قسم! میں (بڑے بڑے) بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے درباری اس کی اس طرح دل سے تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے اصحاب ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب وہ اپنا لعاب پھینکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا، جب وہ انہیں کسی بات کا حکم دیتے تو وہ فوراً اس کی تعمیل میں لگ جاتے، جب وہ وضو فرماتے تو وہ ان کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے، جب وہ گفتگو کرتے تو صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور انتہائی تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف نظر جما کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔''

عروہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حضور ﷺ کے ساتھ بے پناہ اور غیر مشروط محبت کے مظاہر دیکھ کر کہا:

وَلَقَدْ رَأَيْتُ قَوْمًا لَا يُسْلِمُوْنَهُ لِشَيْءٍ أَبَدًا۔(۱)

''میں نے ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی انہیں تمہارے سپرد نہ کرے گی۔''

۲۔ دورانِ نماز اِنتہاء درجہ کی محبت و تعظیمِ رسول ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کی حد درجہ تعظیم بجا لاتے تھے اس پر وہ

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۴

واقعہ شاہد ہے جو آپ ﷺ کی علالت کے آخری ایام میں صحابہ کے ساتھ اُس وقت پیش آیا جب وہ حالتِ نماز میں تھے۔ علالت کے ان ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باجماعت نماز کی امامت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ تمام صحابہ صف بستہ نماز میں مشغول تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں تشریف لے آئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْإِثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ الْحُجْرَةِ، يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ، كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَكَصَ أَبُوبَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَ ظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ: أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ. وَ أَرْخَى السِّتْرَ، فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، چنانچہ پیر کے روز لوگ صفیں بنائے نماز ادا کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے کھڑے ہم کو دیکھنے لگے۔ اس وقت حضور ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کے اوراق کی طرح روشن

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ، ۱: ۲۴۰، رقم: ۶۴۸۔ (اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الأذان، رقم: ۷۲۱، کتاب التهجد، رقم: ۱۱۴۷ اور کتاب المغازی، رقم: ۴۱۸۳ میں بھی بیان کیا ہے۔)

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر وغیرهما من یصلی بالناس، ۱: ۳۱۶، رقم: ۴۱۹

معلوم ہوتا تھا پھر آپ ﷺ (جماعت کو دیکھ کر) مسکرانے لگے۔ آپ ﷺ کے دیدار پُر انوار کی خوشی میں قریب تھا کہ ہم نماز توڑ دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ نماز میں تشریف لا رہے ہیں، اس لئے انہوں نے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ کر مقتدیوں میں مل جانا چاہا، لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ نماز پوری کرو، پھر آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا اور اسی روز آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔‘‘

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں چار بار اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے حد درجہ ادب و احترام پر مبنی عقیدہ کا اظہار کیا ہے، اور امام مسلم نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

حدیثِ مبارکہ سے تین حُبی اور اِعتقادی اِستدلال

مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محبت بھرے جذبات کے باعث درج ذیل علمی نوعیت کے تین اہم حبّی اور اعتقادی استدلال ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حدیث کے کلمات وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ (وہ صفوں میں بحالتِ نماز کھڑے تھے) قابلِ غور ہیں۔ اگر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے وَهُمْ صُفُوفٌ لِلصَّلَاةِ فرمایا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کی تیاری میں تھے یا ابھی انہوں نے نماز شروع نہیں کی تھی، لیکن روایت کے الفاظ صاف کہہ رہے ہیں کہ وہ نماز میں مشغول تھے۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ حجرہ کے دروازے سے باہر آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو ’’قرآن کے اوراق کی طرح چمکتا ہوا دیکھا‘‘، آپ ﷺ کے رخِ مبارک پر ایک دل نواز تبسم تھا۔ اس کیفیت میں ہم اتنے محو ہوگئے کہ ہم اپنی نمازیں توڑ

بیٹھتے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ انہیں اپنی نمازیں بھول گئیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں اس قدر کھو گئے کہ قریب تھا حالتِ نماز سے باہر آ جاتے۔

۲۔ یہ تو مقتدیوں کا حال تھا جن کے امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ان کا حال یہ تھا کہ جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو یہ سوچ کر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے آئے ہیں مصلٰی امامت چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہونے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شوق و اضطراب کا یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر پڑی جو پیچھے پہلی صف میں آ رہے تھے تو اشارے سے انہیں نماز مکمل کرنے کا حکم دیا اور پردہ گرا کر حجرۂ مبارک میں واپس تشریف لے گئے۔

۲۔ تیسرا استدلال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز مکمل کرنے کا اشارہ ہے کہ: أَتِمُّوا صَلَاتَکُمْ (اپنی نماز مکمل کرو)۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز شروع نہ کی ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکمیلِ صلاۃ کا اشارہ دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں نماز شروع کرنے کا حکم دیتے۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے ہی حالتِ نماز میں تھے بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ دوسری رکعت میں ہوں گے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ اٹھا کر مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھ اُن کا اتنا گہرا قلبی اور حبّی منظر دیکھ کر انہیں اپنی نماز مکمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعظیمِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عبادتِ الٰہی سے توجہ ہٹا لی

یہ بات ذہن میں رہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک کے جس دروازے پر کھڑے اپنے غلاموں کو دیکھ رہے تھے وہ قبلہ سے انتہائی مشرق کی جانب ہے، اور بحالتِ نماز ان کا رخ کعبہ کی طرف تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

اس حال میں انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے متبسم چہرے کو جو کھلے ہوئے قرآن کی مانند تھا کیسے دیکھ لیا؟ یہ عمل سوائے نماز سے توجہ ہٹانے اور اپنا رُخ کعبہ سے حجرے کی طرف موڑنے کے ممکن نہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دورانِ نماز بھی ان کا دھیان اور گیان حضور ﷺ کی طرف ہی ہوتا تھا اس لئے وہ اِس زیارتِ رسول ﷺ میں اتنے محو ہوئے کہ قریب تھا ان کی نمازیں ٹوٹ جاتیں۔

اِس واقعہ سے یہ سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعظیمِ رسول ﷺ پر مبنی یہ عمل کیا محض ادب و احترام تھا یا ادب و احترام کا آخری نقطہ اور آخری حد؟ ظاہر ہے کہ اسے محض احترام یا ادب نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اس سے بہت آگے کا عمل ہے۔ تاہم یہ بات مسلمہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تعظیمِ رسول ﷺ کا یہ بدرجۂ اتم عمل نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی سنت بن گیا اور خود سرکارِ دوجہاں ﷺ کی سنت بھی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اس پر گرفت نہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے منع نہ فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور انہیں اپنی نمازیں توڑنے سے روکتے ہوئے نماز مکمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس سے یہ نکتہ مترشح ہوتا ہے کہ دورانِ نماز تعظیمِ رسول ﷺ سے نہ نماز ٹوٹتی ہے اور نہ ہی عبادت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہوا، یہ وہ حضرات تھے جن کی عبادت میں یکسوئی مثالی تھی۔

۳۔ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ میں کعبہ سے توجہ ہٹانا ناقضِ صلوٰۃ نہیں

ایک اور محبت و تعظیمِ رسول ﷺ سے معمور واقعہ کو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُوبَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ فِي

الصَّلَاةِ، فَتَخَلَّصَ حَتَّی وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُوبَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ، الْتَفَتَ، فَرَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ. فَرَفَعَ أَبُوبَكْرٍ رضی الله عنه يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُوبَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ. قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ؟ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ۔[1]

’’ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تو اس دوران نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی الله عنه سے کہا: کیا آپ رضی الله عنه لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے تا کہ میں اقامت کہوں؟ آپ رضی الله عنه نے فرمایا: ہاں! چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی الله عنه نے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب من دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فجاء الإمام الأول فَتَأَخَّرَ الْأَوَّلُ أو لَمْ يَتَأَخَّرْ جازت صلاته، ۱: ۲۴۲، رقم: ۶۵۲ (اس روایت کو امام بخاری نے رقم: ۱۱۴۳، ۱۱۴۶، ۱۱۶۰، ۱۱۷۷، ۲۵۴۴، ۲۵۴۷ اور ۶۷۶۷ کے تحت بھی بیان کیا ہے۔)

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب تقدیم الجماعة من یصلی بهم إذا تأخر الإمام، ۱: ۳۱۶، رقم: ۴۲۱

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب التصفیق فی الصلاة، ۱: ۲۴۷، رقم: ۹۴۰

لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر دی۔ دورانِ نماز حضور نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے صف اوّل میں جاکر کھڑے ہو گئے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو متوجہ کرنے کے لیے) لوگوں نے تالیاں بجائیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں کسی اور جانب متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا (اور پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا)، پس حضور ﷺ نے انہیں اپنی جگہ پر قائم رہنے کا اشارہ فرمایا۔ سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں امامت کا حکم دیا ہے، پھر پیچھے ہٹ کر صفِ اوّل کے برابر آ گئے اور حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر امامت کرائی۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور ﷺ نے پوچھا: ابوبکر! جب میں نے حکم دیا تھا تو تم مصلےٰ پر کیوں نہیں ٹھہرے رہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے امامت کرے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں نے تمہیں تالیاں بجاتے دیکھا؟ اگر کسی کو نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو (بلند آواز سے) سبحان اللہ کہے، چنانچہ جب وہ سبحان اللہ کہے تو دوسرے کو اس کی طرف دھیان دینا چاہیے، اور نماز میں تالیاں بجانا (یعنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا) صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔‘‘

حدیثِ مبارکہ سے یہ نکتہ مستنبط ہوتا ہے کہ دورانِ نماز حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہونا ناقصِ صلوٰۃ نہیں۔ جب حضور ﷺ کی آمد ہوئی تو لوگ نماز میں مشغول تھے، آپ ﷺ نمازیوں کی صفوں میں سے گزر کر پہلی صف میں پہنچ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے لئے جگہ چھوڑ دی اور تالیاں بجانے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حالتِ نماز میں اس قدر مستغرق و منہمک تھے کہ انہوں نے اپنے دائیں بائیں نہ دیکھا اور بدستور

نماز میں محو رہے۔ صحابہ ﷺ کی بکثرت تالیوں کے باعث وہ سمجھ گئے کہ یقیناً حضور ﷺ شریکِ نماز ہونے کے لئے تشریف لے آئے ہیں پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز کی امامت کے دوران آپ ﷺ کو دیکھ لیا۔

حدیث کے الفاظ ''فَرَأَی رَسُولَ اللهِ ﷺ'' سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام مصلیٰ پر تھا تو اس نے امامت کراتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کو پہلی صف میں قیام فرما کیسے دیکھ لیا؟ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اِلْتَفَتَ یعنی مصلیٰ اِمامت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ موڑ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر حضور ﷺ نے نہ فرمایا کہ تم نے یہ کیا کر دیا؟ تمہاری تو نماز ہی ٹوٹ گئی ہے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ کعبہ سامنے تھا اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پچھلی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ بشمول صدیقِ اکبر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ کعبہ ایک طرف ہے تو کعبے کا کعبہ دوسری طرف ہے، جن کی طرف متوجہ ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں بلکہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ بقول ریاض الدین سہروردیؒ

جس طرف وہ نظر نہیں آتے
ہم وہ رستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں
کعبہ بنتا ہے اُس طرف ہی ریاضؔ
رُخ جدھر کو وہ موڑ دیتے ہیں

ایمان اَفروز نکتہ

فقہ کی رو سے اگر کوئی کسی کو دورانِ نماز اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے اور نمازی جواب میں وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ کہے تو نماز ٹوٹ جائے گی یعنی سلام کہنا اور اس کا جواب دینا دونوں ناقضِ نماز ہیں۔ لیکن جب ہم دورانِ تشہد التحیات کے لئے بیٹھتے ہیں تو حضور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرکے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی محترم! آپ پر سلام

ہو) کہتے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ نماز نہیں ٹوٹتی بلکہ ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر یہ نہ کہیں تو نماز نہیں ہوتی جبکہ کسی اور کو حالتِ نماز میں سلام کہنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ دورانِ نماز اپنے نبی پر سلام بھیجیں اور اس حکم کی تعمیل سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر دورانِ نماز حضور ﷺ پر سلام بھیجنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حالتِ نماز میں سمتِ کعبہ سے منہ پھیر کر حضور ﷺ کی جانب متوجہ ہونے سے نماز ٹوٹ جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں، بلکہ کامل ہوتی ہے۔

لٰہذا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اللہ کا شکر بجا لاتے ہوئے پہلی صف میں آ گئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے مصلے پر آ کر نماز مکمل کرائی۔ یہ نکتہ اہم ہے کہ نماز کا نہ تو اعادہ کیا گیا اور نہ اس کو از سرِ نو شروع کیا گیا ہر چیز جوں کی توں رہی اور نماز کو بدستور جاری رکھا گیا۔

یہاں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فقہی حوالے سے امت کو یہ تعلیم بھی دے دی کہ اگر آئندہ ایسی کوئی صورتحال پیش ہو تو نمازیوں کو تالیاں بجانے کی بجائے سبحان اللہ کہنا چاہئے اور اگر عورتوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہو تو وہ تالیاں بجا کر امام کو متوجہ کریں۔

۴۔ حضور ﷺ کو اپنی جان سے عزیز جاننا تکمیلِ ایمان کی سند

حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا، وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الآنَ، وَاللهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الآنَ يَا عُمَرُ۔(۱)

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأیمانِ وَ النُّذُوْرِ، باب کَیْفَ کَانَتْ یَمِیْنُ النَّبِیِّ ﷺ، ۶: ۲۴۴۵، رقم: ۶۲۵۷

''ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں (تم اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ رب العزت کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر! اب (تمہارا ایمان کامل ہوا) ہے۔''

۵۔ حضور ﷺ کے بغیر طوافِ کعبہ بھی گوارا نہیں

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے طویل واقعہ مروی ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو کفار کی طرف سفیر بنا کر روانہ کیا گیا، اور کفار نے مذاکرات کے بعد انہیں طوافِ کعبہ کی دعوت دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہا:

مَا كُنْتُ لأَطُوفَ بِهِ حَتَّى يَطُوفَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ۔(۱)

''اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ اس کا طواف نہیں کر لیتے۔''

یہی مشہور واقعہ بیعتِ رضوان کا سبب بنا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اصلِ ایمان اور روحِ دین سے آگاہ تھے اس لئے فرمایا کہ طوافِ کعبہ وہی مقبول اور عبادت کے زمرے میں آئے گا جس میں حضور ﷺ کی اطاعت و محبت بھی شامل ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس محبت کا ثمر اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اس بیعتِ رضوان کے واقعہ کو قرآن کا موضوع بنایا۔

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۲۲۱

جس طرح حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا اسی طرح اللہ رب العزت نے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے ’’یَدُ اللهِ فَوْقَ أَیْدِیْهِمْ‘‘ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔

۶۔ اِطاعتِ علی رضی اللہ عنہ اور معجزۂ ردّ شمس

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

کَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یُوحَی إِلَیْهِ وَ رَأْسُهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ، فَلَمْ یُصَلِّ الْعَصْرَ حَتَّی غَرَبَتِ الشَّمْسُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَلِیًّا کَانَ فِي طَاعَتِکَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِکَ فَارْدُدْ عَلَیْهِ الشَّمْسَ. قَالَتْ أَسْمَاءُ: فَرَأَیْتُهَا غَرَبَتْ وَ رَأَیْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کا سرِ اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا لہٰذا اس پر سورج واپس لوٹا دے۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں: میں نے اسے غروب ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور اسی کو دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔‘‘

اس روایت میں ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لانے کا معجزہ ذکر ہوا لیکن حقیقت میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبتِ رسول ﷺ کا اِمتحان تھا۔ ایک طرف توحید و رسالت کے بعد ارکانِ اسلام اور اعمال میں سب سے افضل عمل نماز کو رکھا اور دوسری طرف محبت و غلامئ رسول ﷺ رکھی تاکہ دیکھیں علی رضی اللہ عنہ کدھر جاتے ہیں۔ پھر وہی ہوا جس کی مولا علی

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۱۵۰، ۱۵۱، رقم: ۳۹۰
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۶: ۸۳

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے توقع تھی۔ آپ کی نماز تو قضاء ہوگئی لیکن آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل واقع نہ ہونے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو خدا کی اطاعت قرار دیا، حالانکہ حضرت علی خدمت تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کر رہے تھے، ان کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ انور تھا، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی گردانا۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کو یہ پیغام دینا مطلوب تھا کہ میری فرمانبرداری و محبت میں زندگی گزارنے کو معمولی ہرگز نہ سمجھنا یہ نماز جیسے عمل سے بھی برتر اور اعلیٰ ہے کیونکہ میری محبت و غلامی میں براہِ راست ذاتِ لاشریک کی محبت و بندگی پوشیدہ ہے۔

۷۔ معیارِ نجات محض اعمال نہیں

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ، وَلٰكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ، قَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔ (۱)

''ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے اس کیلئے زیادہ نمازیں، روزے، اور صدقہ وغیرہ (اعمال) کی تیاری تو نہیں کی لیکن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جس سے محبت رکھتے ہو اسی کے ساتھ ہوگے۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب علامۃِ حُبِّ اللهِ عزوجل لقولِهِ: إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ، ۵:۲۲۸۵، رقم: ۵۸۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب المرء مع من أحبَّ ۴: ۲۰۳۲۔۲۰۳۳، رقم: ۲۶۳۹

۲۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کرسکتا (اس کا معاملہ کیسا ہوگا)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ: فَإِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. قَالَ: فَإِنَّکَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ: فَأَعَادَهَا أَبُو ذَرٍّ فَأَعَادَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(۱)

''ابوذر! تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔ انہوں نے پھر عرض کیا: میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! تو یقیناً اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔ (راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کلمات دہرائے)۔''

خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال و واقعات پر مشتمل درج بالا احادیثِ مبارکہ سے صرف اور صرف ایک ہی درس ملتا ہے کہ حبیبِ خدا سے تن من دھن سے بڑھ کر محبت کرنا ہر امتی پر لازم ہے، اور یہی تکمیلِ ایمان کی شرط ہے۔ طوافِ کعبہ کرنے کو دل مچلتا ہو، نماز کی شکل میں رب سے کلام کرنے کو جی چاہ رہا ہو، والدین، اولاد اور دوست احباب سے محبت کا معاملہ ہو، کیسی بھی صورت ہو مؤمن کو فقط ایک ہی تربیت دی جا رہی ہے کہ ان اعمالِ صالحہ کے کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان اور اسلام کی روح، جڑ اور اصل نہ سمجھنا، ان کی اصل ایک ہی ذات

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب إخبار الرجل الرجل بمحبته إياه، ۴: ۳۳۳، رقم: ۵۱۲۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۵۶

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۳۱۵، رقم: ۵۵۶

ہے اور وہ ہے محبوبِ رب العالمین، رحمۃ للعالمین محمد مصطفٰی ﷺ سے تعلقِ محبت۔ اگر نامۂ اعمال میں کثرتِ صلاۃ، صوم اور صدقہ نہ بھی ہوئے اور صرف اسی ذاتِ مصطفٰی ﷺ کے ساتھ محبت ہوئی تو اعمال پر ناز کرنے والے سب ایک طرف رہ جائیں گے جبکہ اپنے دل کو عشقِ رسول ﷺ سے فروزاں رکھنے والا معیت وقربت پالے گا۔

حضور ﷺ سے منسوب اَشیاء کی تعظیم

۱۔ حضور ﷺ کے اِسمِ مبارک کی تعظیم

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سعد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ان کا پاؤں سُن ہو گیا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن آپ کے پاؤں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: پٹھے اکڑ گئے ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا:

اُدْعُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْکَ. قَالَ: یَا مُحَمَّدُ، فَانْبَسَطَتْ۔(۱)

’’جو ہستی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کا نام لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کو بلند آواز سے پکارا: یَا مُحَمَّدُ! (صلی اللہ علیک وسلم!) دوسرے ہی لمحے ان کا پاؤں ٹھیک ہو چکا تھا۔‘‘

علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

(۱) ۱۔ ابن جعد، المسند: ۳۶۹، رقم: ۲۵۳۹
۲۔ بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۵، رقم: ۹۶۴
۳۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۱۸
۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۴: ۱۵۴
۵۔ نووی، الأذکار، ۱: ۲۰۰، رقم: ۷۸۷
۶۔ ابن تیمیة، الکلم الطیب، ۱: ۱۷۳، رقم: ۲۳۶

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ ﷺ است
در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

يُوْقَفُ عَبْدَانِ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ ﷻ، فَيَقُوْلُ اللهُ لَهُمَا: اُدْخُلَا الْجَنَّةَ، فَإِنِّي آلَيْتُ عَلَى نَفْسِي أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنِ اسْمُهُ مُحَمَّدٌ وَ لَا أَحْمَدُ. (۱)

''(یومِ قیامت احمد اور محمد نامی) دو آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُنہیں فرمائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کا نام 'محمد' یا 'احمد' ہو۔''

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَمَّيْتُمْ مُحَمَّدًا فَلَا تَضْرِبُوْهُ وَ لَا تُقَبِّحُوْهُ، وَأَكْرِمُوْهُ وَأَوْسِعُوا

(۱) ۱۔ حلبی، السيرة الحلبية، ۱: ۱۳۵
۲۔ مناوی نے 'فیض القدیر (۵: ۴۵۳)' میں کہا ہے کہ اِسے ابنِ سعد نے 'الطبقات الکبری' میں بیان کیا ہے۔
۳۔ شعرانی نے 'کشف الغمۃ (۱: ۲۸۳)' میں کہا ہے کہ اسے محمد بن حنفیۃ نے روایت کیا ہے۔

لَهُ فِي الْمَجْلِسِ۔(۱)

’’جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو اور نہ ہی اس کو برا سمجھو (بلکہ) اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لیے جگہ بناؤ۔‘‘

۴۔ حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا تَبَرُّكًا بِهِ، كَانَ هُوَ وَ مَوْلُوْدُهُ فِي الْجَنَّةِ۔(۲)

’’جس نے میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے اپنے بچے کا نام محمد رکھا تو وہ اور اُس کا بیٹا دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔‘‘

۵۔ علامہ قزوینی نے ’’التدوين فی إخبار قزوين (۲: ۳۴۳)‘‘ میں حضرت ابواُسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ، فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِي وَتَبَرُّكًا بِاسْمِي هُوَ

---

(۱) ۱۔ شعرانی، کشف الغمة، ۱: ۲۸۳
۲۔ مناوی، فیض القدیر، ۱: ۳۸۵
۳۔ عجلونی، کشف الخفاء و مزیل الإلباس، ۱: ۹۴، رقم: ۲۳۹
۴۔ حلبی، السیرة الحلبیة، ۱: ۱۳۵

(۲) ۱۔ عجلونی نے ’’کشف الخفاء ومزیل الإلباس (۲: ۳۷۵، رقم: ۲۶۴)‘‘ میں کہا ہے کہ اِسے ابن عساکر نے حضرت ابو امامہ باہلی سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ اِس باب میں وارد ہونے والی بہترین حدیث ہے اور اِس کی اِسناد حسن ہے۔
۲۔ ابن قیم، المنار المنیف: ۶۱

وَمَوْلُوْدٌ فِي الْجَنَّةِ۔[1]

’’جس نے میری محبت کے باعث اور میرے اسم سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام محمد رکھا تو وہ اور بچہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔‘‘

۲۔ حضور ﷺ کے ذکرِ مبارک کی تعظیم

۱۔ کتبِ احادیث و سیر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت ہے:

مَا ذَكَرَ ابْنُ عُمَرَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِلَّا بَكَى، وَ لَا مَرَّ عَلَى رَبْعِهِمْ إِلَّا غَمَّضَ عَيْنَيْهِ۔[2]

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرتے رو پڑتے، اور جب بھی آپ ﷺ کے مکان کے پاس سے گزرتے تو (فرطِ محبت و فراق کے باعث) آنکھیں بند کر لیتے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اُن کی شدید محبت کی غمازی کرتا ہے، تب ہی تو وہ حضور علیہ السلام کا ذکر کرنے پر آنسو بہاتے اور آپ ﷺ کی اقامت گاہ کے اردگرد سے گزرنے پر فراقِ محبوب میں آنکھیں بند کر لیتے۔

---

(۱) ۱۔ إسماعیل حقی، روح البیان، ۷: ۱۸۴

۲۔ حلبی نے ”السیرۃ الحلبیۃ (۱: ۱۳۵)“ میں کہا ہے کہ حفاظِ حدیث نے اِس روایت کی صحت کا اِقرار کیا ہے۔

(۲) ۱۔ بیہقی، المدخل إلی السنن الکبری، ۱: ۱۴۸، رقم: ۱۱۳

۲۔ عسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴: ۱۸۷

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَا دَامَ اسْمِي فِي ذَلِكَ الْكِتَابِ۔(۱)

''جو شخص کسی کتاب میں (لکھ کر) مجھ پہ درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لئے اس وقت تک بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہتا ہے۔''

۳۔ حضرت عجلان سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِائَةَ مَرَّةٍ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِهِ مِنَ النُّوْرِ نُوْرٌ. يَقُوْلُ النَّاسُ: أَيُّ شَيْءٍ كَانَ يَعْمَلُ هَذَا۔(۲)

''جو شخص جمعہ کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سو (۱۰۰) مرتبہ درود بھیجتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر بہت زیادہ نور ہوگا۔ (اس کے چہرے کے نور کو دیکھ کر حیرت سے) لوگ کہیں گے: یہ شخص دنیا میں کونسا عمل کرتا تھا (جس کی بدولت آج اس کو یہ نور میسر آیا ہے)۔''

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ طیبہ اور حدیثِ مبارکہ کی تعظیم

۱۔ قاضی عیاض ''الشفاء'' میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے اونٹ کو لے کر ایک جگہ گھما رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو پوچھا: ''ابنِ عمر کیا کر رہے ہو؟ اونٹ کو بغیر کسی وجہ کے چکر دیئے جا رہے ہو؟

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۲۳۲، رقم: ۱۸۳۵
۲۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱: ۶۲، رقم: ۱۵۷
(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۳: ۱۱۲، رقم: ۳۰۳۶

انہوں نے فرمایا:

لَا أَدْرِي إِلَّا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَعَلَهُ فَفَعَلْتُهُ۔(۱)

’’مجھے اور کچھ پتہ نہیں البتہ ایک روز میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس مقام پر ایسا کرتے دیکھا تھا، پس میں نے بھی ایسے کیا۔‘‘

یعنی میں سنتِ طیبہ کی اتباع میں ایسا کر رہا ہوں۔ میں تو اپنے محبوب کی اداؤں کو دہرا رہا ہوں مجھے کیا خبر کہ وجہ کیا ہے؟ ایمان والے وجہ کو نہیں جانتے انہیں تو فقط محبوب ﷺ کی اداؤں سے غرض ہوتی ہے۔ یہی کمالِ عشق ہے جو ایمان کی اساس ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ امیہ بن عبداللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: ہم قرآن میں مقیمی اور حالتِ خوف کی نماز تو پاتے ہیں لیکن نمازِ سفر کے بارے میں ہم قرآن میں کچھ نہیں پاتے (کہ وہ کیسے پڑھی جائے)؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَا ابْنَ أَخِي، إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا، وَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ يَفْعَلُ۔(۲)

’’میرے بھتیجے! بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہماری طرف مبعوث فرمایا جبکہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم تو اسی طرح کرتے ہیں جیسا حضرت محمد ﷺ کو کرتا دیکھتے ہیں۔‘‘

---

(۱) قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۵۸

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر، باب: ۱، ۳: ۱۱۷، رقم: ۱۴۳۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب تقصير الصلاة في السفر، ۱: ۳۳۹، رقم: ۱۰۶۶

۳۔ مالك، الموطأ، ۱: ۱۴۵، رقم: ۳۳۴

ان کے بتلانے کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے پاس بھیجا جبکہ ہم کسی شئے کو نہیں جانتے تھے۔ نہ کوئی مسئلہ جانتے تھے، نہ شریعت کو جانتے تھے اور نہ احکام کو، نہ جزئیات کو، نہ فروعات کو اور نہ ہی اصول کو۔ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پس جیسے وہ کرتے تھے ہم بھی اسی طرح آنکھ بند کر کے کر لیا کرتے تھے۔ پھر یہی شریعت بن گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے حدیث وسنتِ نبوی ﷺ کی تعظیم وتکریم کا ثبوت ملتا ہے۔

۴۔ حضور ﷺ کے موئے مبارک کی تعظیم

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، وَ الْحَلَّاقُ يَحلِقُهُ، وَ أَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ، فَمَا يُرِيْدُوْنَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ۔ (۱)

''میں نے دیکھا کہ حجام حضور نبی اکرم ﷺ کا سر مبارک مونڈ رہا تھا اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد گھوم رہے تھے، وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے کی بجائے ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرے۔''

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب قرب النبي ﷺ من الناس وتبركهم به، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۳، ۱۳۷، رقم: ۱۲۳۸۶، ۱۲۴۲۳

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۷: ۶۸، رقم: ۱۳۱۸۹

۵۔ حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کی تعظیم

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر سے ہمیشہ پاکیزہ خوشبو آتی تھی، صحابہ کرام ﷺ نے اس خوشبو کو مشک وعنبر اور پھول کی خوشبو سے بھی بڑھ کر پایا۔ صحابہ کرام ﷺ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور شادی بیاہ کے موقع پر اپنی بیٹیوں کے لئے حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو حاصل کرتے۔ اس سے برکت کی امید رکھتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس متاعِ عزیز کو سنبھال کر رکھتے۔

۱۔ حضرت ثمامہ، حضرت انس ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے لیے چمڑے کا ایک گدا بچھایا کرتیں جس پر حضور ﷺ قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس ﷺ کا بیان ہے کہ جب حضور ﷺ سونے سے بیدار ہوکر اٹھ کھڑے ہوتے تو وہ آپ ﷺ کا پسینہ مبارک اور موئے مبارک کو ایک شیشی میں جمع کرتیں پھر ان کو خوشبو کے برتن میں ڈال دیتیں۔ حضرت ثمامہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ الْوَفَاةُ، أَوْصٰی إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِيْ حَنُوْطِهِ مِنْ ذَالِکَ السُّکِ، قَالَ: فَجُعِلَ فِي حَنُوْطِهِ۔(۱)

’’جب حضرت انس ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط(۲) میں اس خوشبو کو ملایا جائے۔ حضرت ثمامہ ﷺ بیان

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستئذان، باب من زار قوماً فقال عنھم، ۵: ۲۳۱۶، رقم: ۵۹۲۵

۲۔ شوکانی، نیل الأوطار، ۱: ۶۹

(۲) حنوط: وہ خوشبو جو کافور اور صندل ملا کر میت اور کفن کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

کرتے ہیں کہ ان کے حنوط میں وہ خوشبو ملائی گئی۔‘‘

۲۔ حضرت حمید سے روایت ہے:

تُوُفِّيَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ سُكَّةٌ أَوْ سُكٌّ وَ مَسَكَّةٌ فِيهَا مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔(۱)

’’جب حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو ان کے حنوط میں ایسی خوشبو ملائی گئی جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پسینے کی خوشبو تھی۔‘‘

۶۔ حضور ﷺ کے نعلینِ مبارک کی تعظیم

حضور نبی اکرم ﷺ نے جو نعلین استعمال فرمائے وہ بھی بڑے بابرکت ہو گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان نعلین مبارک کو تبرکاً محفوظ رکھا اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور ﷺ کے نعلین مبارک اور ایک پیالہ بھی محفوظ تھا جس میں حضور ﷺ پانی نوش فرماتے تھے۔ نعلین پاک کے حوالے سے حضرت عیسیٰ بن طہمان سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ، لَهُمَا قِبَالَانِ، فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِيِّ ﷺ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۴۹، رقم: ۷۱۵

۲۔ ہیثمی نے ’’مجمع الزوائد (۳: ۲۱)‘‘ میں کہا ہے کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فرض الخمس، باب ما ذکر من درع النبی ﷺ وعصاہ وسیفہ، ۳: ۱۱۳۱، رقم: ۲۹۴۰

۲۔ أیضاً، کتاب اللباس، باب قبالان فی نعل، ۵: ۲۲۰۰، رقم: ۵۵۲۰

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں بغیر بال کے چمڑے کے دو نعلین مبارک نکال کر دکھائے جن کے دو تسمے تھے۔ بعد میں ثابت بُنانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا کہ یہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نعلین ہیں۔''

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر مبارک کی تعظیم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سکھاتے تھے، عشاقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس منبر شریف کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے آثار کی طرح دل و جاں سے حصولِ برکت کا ذریعہ بنا لیا۔ وہ اسے جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے اور اس سے برکت حاصل کرتے۔

امام ابنِ حبان، ابنِ سعد اور قاضی عیاض جیسے معتبر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر مبارک کو تبرکاً مسح کر کے اپنے چہرہ پر ہاتھ مَل لیتے۔ ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں:

رأيت ابن عمر وضع يدَه على مَقْعَدِ النبيِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من المِنبَر، ثم وضعها على وَجْهه۔(۱)

''میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے منبر (نبوی) کی وہ جگہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے، اسے اپنے ہاتھ سے مس کیا اور پھر اسے اپنے چہرہ پر مل لیا۔''

(۱) ۱۔ ابن حبان، الثقات، ۴: ۹، رقم: ۱۶۰۶

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۲۵۴

۳۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۲: ۶۲۰

۸۔ حضور ﷺ کے آثارِ مبارک کی تعظیم

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں گستاخِ رسول خالد بن سفیان بن الهذلی کا کام تمام کر کے آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا چہرہ فلاح پائے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس (خالد بن سفیان) کو قتل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ مجھے اپنے ساتھ لئے اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور مجھے ایک عصا عطا کر کے فرمایا: عبداللہ بن اُنیس! اسے اپنے پاس رکھنا، پس جب میں یہ عصاء لے کر لوگوں کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ عصا (ڈنڈا) کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یہ مجھے حضور ﷺ نے عنایت فرمایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اسے پاس رکھنا۔ لوگوں نے (مجھے) کہا: کیا تم اسے حضور نبی اکرم ﷺ کو واپس نہیں کرو گے؟ اس کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کرو۔ عبداللہ بن انیس کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ عصا مبارک آپ ﷺ نے مجھے کس لیے عطا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

آيَةٌ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ أَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُوْنَ يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَقَرَنَهَا عَبْدُ اللهِ بِسَيْفِهِ فَلَمْ تَزَلْ مَعَهُ حَتَّى إِذَا مَاتَ، أَمَرَ بِهَا فَصُبَّتْ مَعَهُ فِي كَفَنِهِ ثُمَّ دُفِنَا جَمِيْعًا۔(۱)

’’قیامت کے روز یہ تیرے اور میرے درمیان ایک نشانی ہوگی، بے شک قیامت کے دن بہت کم لوگ ہاتھوں میں عصاء لئے ہوں گے۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ) حضرت عبداللہ بن اُنیس نے اس عصا کو اپنی تلوار کے ساتھ

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۹۶

۲۔ أبویعلی، المسند، ۲: ۲۰۲، رقم: ۹۰۵

باندھ لیا اور وہ ہمیشہ ان کے پاس رہتا یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا۔ انہوں نے عصا کے متعلق وصیت کی تھی کہ اس کو ان کے کفن میں رکھ دیا جائے، پس ان کے کفن میں اسے رکھ دیا گیا پھر دونوں کو دفن کر دیا گیا۔‘‘

۹۔ حضور ﷺ کے مقدس شہرِ اقامت کی تعظیم

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ حَرَمٌ، وَ حَرَمِي الْمَدِيْنَةُ۔ (۱)

’’ہر نبی کے لئے کوئی نہ کوئی حرم ہے، اور میرا حرم مدینہ ہے۔‘‘

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا، لَا يُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَ لَا يُصَادُ صَيْدُهَا۔ (۲)

’’بلا شبہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ منورہ کی لَابَتَین (دونوں پتھریلی اطراف) کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں، اس کے کسی درخت کو نہ کاٹا جائے اور نہ کسی جانور کا شکار کیا جائے۔‘‘

۳۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۱۸

۲۔ ابن جعد، المسند، ۱: ۴۹۲، رقم: ۳۴۲۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة، ۲: ۹۹۲، رقم: ۱۳۶۲

۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۸۷، رقم: ۴۲۸۴

www.MinhajBooks.com

نے ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يَحْمِلُ فِيْهَا السِّلَاحَ لِقِتَالٍ۔(۱)

''کسی فردِ بشر کے لئے جائز نہیں کہ مدینہ میں لڑنے کے لئے ہتھیار اُٹھائے۔''

اِن احادیثِ مبارکہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شہرِ مدینہ کو کس طرح امن کا گہوارہ بنا دیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا! اسی زمین سے افقِ عالم پر دائمی امن کے سورج کو طلوع ہونا اور احترامِ انسانیت کا درس ملنا تھا۔ اسی شہر سے انسان دوستی کی روایت کو منشورِ زندگی ٹھہرنا تھا اور اسی شہرِ بے مثال سے حقوقِ انسانی کی توثیق ہونا تھی۔

۴۔ جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے احکامات کی پابندی نہیں کرتا، مثلاً حدودِ حرم میں درختوں کو کاٹتا، جانوروں کا شکار کرتا یا لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو وہ آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے، ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حضور ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْدَثُ فِيْهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔(۲)

''مدینہ یہاں سے لے کر وہاں تک حرم ہے، نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۴۷، ۳۹۳

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب المناسك، باب فی تحريم المدينة، ۲:۲۱۶، رقم:۲۰۳۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب حرم المدينة، ۲:۶۶۱، رقم:۱۷۶۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة و دعاء النبی ﷺ فيها بالبركة، ۲: ۹۹۵، ۹۹۹، رقم: ۱۳۷۰، ۱۳۷۱

اور نہ اس میں (خلافِ سنت) کوئی نئی بات پیدا کی جائے، جو شخص اس میں کوئی نئی بات نکالے اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔‘‘

۱۰۔ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی تعظیم

جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے خط پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لوگوں کو شام کی طرف کوچ کرنے کے لیے کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوکر چار رکعت نماز ادا کی، پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی اور (بارگاہِ نبوت میں) سلام عرض کیا۔[۱]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کسی نیک کام کے آغاز کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ، اور آپ کی اتباع میں اولیاء و صالحین کے مزارات پر حاضری دینا خلیفۂ راشد ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

نوٹ:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حد درجہ تعظیم کے مزید مظاہر دیکھنے کے لئے کتاب ہذا کے ابواب ’توحید اور تبرک‘ اور ’توحید اور زیارت‘ مطالعہ فرمائیں۔

تعظیمِ رسول ﷺ اِستغراق فی التوحید کے منافی نہیں

خوارج کا یہ باطل نظریہ ہے کہ محبت و تعظیم رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کامل استغراق اور اس کی معرفت کے حصول میں انہماک سے مانع ہے۔ امام محمود آلوسیؒ نے ایسے ہی نظریات کے حامل لوگوں کا محاکمہ کیا ہے، ایسے باطل نظریے کے حامل بعض زندقہ اور ملحد لوگوں نے اپنے آپ کو مستغرق فی التوحید قرار دیتے ہوئے یہ کہا:

(۱) واقدی، فتوح الشام، ۱: ۳۰۶، ۳۰۷

الرُّسُلُ سِوَى اللهِ تَعَالَى وَ كُلُّ مَا سِوَاهُ سُبْحَانَهُ حِجَابٌ عَنْهُ جَلّ شَأْنُهُ. فَالرُّسُلُ حِجَابٌ عَنْهُ وَ كُلُّ مَا هُوَ حِجَابٌ لَا حَاجَةَ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ. فَالرُّسُلُ لَا حَاجَةَ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِمْ. وَ هٰذَا جَهْلٌ ظَاهِرٌ۔(۱)

''انبیاء، اللہ رب العزت کا غیر اور اس کا ما سوا ہیں اور ہر ما سوی اللہ سبحانہ کو اس سے حجاب ہے۔ اس لئے انبیاء اور رسل کو بھی اس سے حجاب ہیں، اور ہر وہ چیز جو اللہ جل شانہ سے حجاب میں ہو مخلوق کو اس کی حاجت و ضرورت نہیں۔ پس مخلوق کو انبیاء و رسل کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ (علامہ آلوسی فرماتے ہیں:) ایسا کہنا کھلی جہالت ہے۔''

انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف خوارج نے یہ عقیدہ استغراق فی التوحید کے نام پر پیش کیا، حالانکہ ایسا عقیدہ الحاد اور زندقہ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء و رسلِ عظام، اللہ تعالیٰ تک براہِ راست رسائی اور اس کے وصال و وصول کا واحد ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ صحیح معرفتِ ربانی کے لئے آئینہ حق نما ہیں۔ رسالت و نبوت کو حجاب سمجھنا اور معرفتِ الٰہی سے مانع قرار دے کر اسے شرک بنا ڈالنا پرلے درجے کی حماقت اور گمراہی ہے۔

قرآن و سنت کی بے شمار نصوصِ قطعیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن سے انبیاء و رسلِ عظام علیہم السلام کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل فرض ہے۔ بالخصوص اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور سیدِ عالم ﷺ کو اعلیٰ ترین اختیارات اور تصرفات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے حکم کو اپنا حکم، آپ ﷺ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ، آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، آپ ﷺ کے عصیان کو اپنا عصیان، آپ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ، آپ ﷺ کے مارنے کو اپنا مارنا، آپ ﷺ کے ادب و احترام کو اپنی عبادت اور آپ ﷺ کی تعظیم کو اپنی توحید اور تقوی کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے۔

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۱۴: ۹۴

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کو اپنی بارگاہ میں حاضری، آپ ﷺ کی طرف ہجرت کو اپنی ہجرت قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت و بخشش کے حتمی حصول کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت کو ضروری اور لازمی قرار دیا اور آپ ﷺ کی عطا کو اپنی عطا اور آپ ﷺ کی منع کو اپنی منع ٹھہرایا۔ اللہ رب العالمین نے مالک و مولا ہو کر بھی اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ کے خود آداب سکھائے، اونچا بولنے سے منع کیا اور لاپرواہی سے پکارنے کو حرام ٹھہرایا۔ خلاف ورزی پر تمام اعمال برباد کر دینے اور ساری محنت و کمائی پر پانی پھیر دینے کی وعید سنائی۔ آپ ﷺ کے صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم کے مرتبہ و مقام کو ملحوظ رکھنے اور انہیں ایذا پہنچانے سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا اور کبھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنے کا ادب اور سلیقہ سکھلایا۔ کہیں آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کیفیتِ خطاب و نداء سے آگاہ فرمایا اور کبھی آپ ﷺ کے بلاوے کی اہمیت اور فوری حاضری کے وجوب کو بیان کیا اور تغافل و لاپرواہی کے امکانات کا سد باب کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اسی نسبتِ مطہرہ کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے صرف ذاتِ رسول ﷺ تک اپنی بلند درجہ عقیدت و احترام کو محدود نہیں رکھا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہر شئے حرزِ جاں بنائے رکھی اور حد درجہ تعظیم و تکریم کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کے مبارک لعابِ دہن، پسینہ مبارک، مستعمل پانی، موئے مبارک، نعلینِ مقدسہ، منبر مبارک، جائے عبادت، بلدِ مقدس، قبرِ انور، حدیثِ مبارکہ، ذکرِ مبارک، اور اسمِ مبارک سے بھی اپنی والہانہ محبت کا ثبوت دیا۔

قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال پر مشتمل ان تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور بلندئ مقام کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آپ ﷺ سے کما حقہ مستفید ہوسکیں اور آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع اور معیت و محبت کو شرک اور منافئ توحید نہ سمجھنے لگیں۔ حضور ﷺ کے بارے میں واضح فرما دیا کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد انبیاء و رسل کو بھی آپ ﷺ کی

اطاعت و اتباع کے بغیر چارہ نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ۔ (۱)

''پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی مدد کرو گے۔''

خلاصۂ کلام

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت شرک ہوتی تو وہ عبادت کی طرح محبت کو بھی بلا شرکتِ غیرے اپنا اختصاصی و امتیازی حق قرار دے دیتا لیکن اس نے ایسا حکم کہیں بھی نہیں دیا بلکہ محبت کے باب میں صراحت کے ساتھ تینوں یعنی اللہ تعالیٰ، ذاتِ محمدی ﷺ اور مؤمنین کو محبت کا حق دار ٹھہرایا۔ اس کا اعلان ہے کہ اگر اہلِ ایمان میں کوئی مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے تو وہ میرے رسول ﷺ کی محبت کو اپنا منتہائے مقصود بنا لے، اسے میری محبت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اہل اللہ سب کے ساتھ محبت، چاہت اور اپنائیت کے تعلقات و روابط استوار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ حکمِ الٰہی کے مطابق اس تعلق کی استواری خلقِ خدا کی ضرورت بھی ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) آل عمران، ۳: ۸۱

فصل چہارُم

تعظیم بالقیام

www.MinhajBooks.com

حالتِ قیام میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اَقدس پر سلام عرض کرنا اہلِ عقیدت اور محبینِ مصطفیٰ ﷺ کا خاصہ ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اہلِ ایمان پر واجب تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کا حد درجہ ادب و احترام کرتے تھے۔ اسی طرح آج بھی آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر امت پر واجب ہے۔ محفلِ میلاد یا محفلِ نعت کے دوران آپ ﷺ پر سلام پڑھتے وقت احتراماً کھڑے ہونا اسی ادب و تعظیم کا تسلسل ہے۔ جس محفل میں ادب و تعظیم کا خصوصی اہتمام کیا جائے اس پر انوار و برکاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

بعض لوگ کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنے کو بھی بدعت یا شرک سمجھتے ہیں۔ اکثر اوقات اس عمل پر جھگڑے اور تلخیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ ہمارا ذاتی مشاہدہ ہے کہ محض اس خیال سے کئی لوگ ایسی مجالسِ درود و سلام سے دور ہٹ کر کھڑے ہونے یا وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ گویا وہ کسی برائی سے کنارہ کشی کر رہے ہوں یا کسی خلافِ شریعت فعل سے اجتناب کر رہے ہوں۔ حالانکہ یہ قیام، حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے باعث ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی تعظیم کا تصور بذاتِ خود محبت و ایمان میں اضافہ کا سبب ہے۔ اس کے برعکس جن کی طبیعتوں پر بوجھ آتا ہے وہ تعظیم و توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کی توفیق سے خود محروم ہوتے ہیں اور اس محرومی کا نام 'توحید' رکھ لیتے ہیں۔ یہ تعظیم رسول ﷺ ہے یا تعلیماتِ توحید کی خلاف ورزی؟ یہ جاننے کے لئے یہاں ہم قیام کی مشروعیت پر بالاختصار کچھ معروضات پیش کر رہے ہیں۔

قیام کا لغوی معنی و مفہوم

۱۔ عربی لغت کے اعتبار سے قَامَ یَقُوْمُ قَوْمًا وَ قِیَامًا وَ قَوْمَۃً کا معنی ہے: کھڑا ہونا، سیدھا ہونا، چلتے ہوئے رک جانا۔(۱)

۲۔ نماز کے لئے جب کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت کہا جاتا ہے قامتِ الصلوۃ۔ یعنی نماز کھڑی ہوگئی۔(۲)

۳۔ اسی طرح إقامۃ الصلوۃ کا معنی ہے: نماز کو اس کے جملہ اَرکان و شرائط یا حقوق اور تقاضوں کے مطابق خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا۔(۳)

۴۔ أقام بالمکان کا معنی ہے: قیام کرنا، ٹھہرنا، سکونت اختیار کرنا۔(۴)

۵۔ القیام کا مطلب ہے: ٹھہراؤ، نماز میں سیدھا کھڑا ہونا، نیند سے بے داری، مطلقاً کھڑے ہونے کی حالت۔

لغوی اعتبار سے قیام کے ان مشتقات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیام کسی ایک اَمر کے ساتھ خاص نہیں اور نہ یہ محض شرعی اِصطلاح ہے بلکہ ہر وہ اَمر جس میں ٹھہراؤ، جماؤ اور سیدھا کھڑے ہونے کا تصور ہو، اس پر قیام کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

قیام کا شرعی معنی و مفہوم

۱۔ شریعت میں قیام نماز کی اس حالت کا نام ہے جب بندہ خاص ہیئت کے ساتھ عبادت کی نیت سے بارگاہ رب العزت میں کھڑا ہوتا ہے۔ ادائیگی اور قبولیتِ نماز کے لئے قیام شرط ہے اگر تندرست آدمی فرض نماز میں عمداً قیام ترک کر

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۲: ۴۹۶

(۲) ابن اثیر، النہایۃ، ۴: ۱۲۶

(۳، ۴) ابن منظور، لسان العرب، ۱۲: ۴۹۸

دے تو نماز نہ ہوگی۔

۲۔ علاوہ ازیں اپنے والدین۔ اساتذہ و مشائخ کی تعظیم کے لئے یا مہمان کے استقبال کے لئے ادباً واحتراماً کھڑا ہونا بھی قیام ہے جو شرعاً جائز ہے۔

شاگرد کا استاد کے لئے ادباً، میزبان کا مہمان کے لئے اکراماً، شیخ کا مرید کے لئے محبتاً اور بیٹے کا والدین کے لئے ادباً، فرحتہً اور تعظیماً کھڑا ہونا بھی قیام کی جائز صورتیں ہیں۔ پس تاجدارِ کائنات ﷺ کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر ادباً، فرحتہً، تعظیماً اور اکراماً صلوٰۃ وسلام پیش کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ یہ فقط تعظیماً ہوتا ہے اس میں نہ تو آپ ﷺ کو معبود تصور کیا جاتا ہے اور نہ یہ تصور اور عقیدہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ظاہری وجسمانی وجود کے ساتھ محفل میں جلوہ گر ہیں۔

کیا ہر قیام عبادت ہے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیام ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ان کے نزدیک قیام صرف عبادت کے لئے ہوتا ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے قیام بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں کسی اور کے لئے قیام کرنا شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ ایک لغو اور مبنی بر جہالت و تعصب بات ہے۔ اس لئے کہ اگر ہر قیام عبادت قرار پائے تو پھر ہماری زندگی اجیرن بن کے رہ جائے گی ہم اپنی روز مرہ زندگی میں درجنوں مرتبہ نماز کے علاوہ قیام کرتے ہیں جو کہ فطری اور شرعی اعتبار سے درست ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر معترضین نماز میں قیام کی بناء پر یہ کہیں کہ قیام کرنا عبادت کا حصہ ہے اور صرف خدا کے لئے ہے تو پھر وہ قعود (بیٹھنے) اور لیٹنے کی حالت کے بارے میں کیا کہیں گے؟ وہ بھی تو قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حصہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔(۱)

”یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔“

اس آیتِ کریمہ میں عبادت اور ذکرِ الٰہی کرنے کی تین حالتیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) حالتِ قیام میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرنا

(۲) بیٹھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرنا

(۳) لیٹ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کرنا

پس اس آیت کریمہ کی رو سے تو بیٹھنا اور لیٹنا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوگیا۔ معترضین کی بات مان لی جائے تو پھر ان کے نظریہ کے مطابق قیام کے ساتھ قعود اور لیٹنے کی حالتیں بھی شرک قرار پائیں گی کیونکہ یہ بھی ذکرِ الٰہی اور عبادتِ الٰہی کا جزو ہیں۔ اگر یہ سب شرک ہے تو باقی کیا بچا؟ اس طرح تو سارا نظامِ حیات درہم برہم ہوکر رہ جائے گا اور انسان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے اٹھنا، بیٹھنا اور لیٹنا سب شرک ہو جائے گا۔

اس امر کا تعین کرنا کہ یہ حالت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور یہ حالت اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں، اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر آپ قیام عبادت کی نیت سے کر رہے ہیں تو پھر کسی اور کے لئے کرنا شرک ہوگا لیکن اگر قیام عبادت کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے ہو تو پھر شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبادت اور تعظیم میں ہمیشہ یہ فرق بہرحال ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۱

اَز روئے سنت قیام کی جائز اَقسام

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوتے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کے لئے قیام کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ قیام کرنے کی مختلف وجوہ اور اسباب ہیں۔ متعدد احادیث کے بالاستیعاب مطالعہ سے قیام کی درج ذیل سات جائز صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ قیامِ استقبال
۲۔ قیامِ محبت
۳۔ قیامِ فرحت
۴۔ قیامِ تعظیم
۵۔ قیامِ اِکرامِ انسانی
۶۔ قیامِ ذکر
۷۔ قیامِ سلام

یہ درجہ بندی اس مضمون کو زیادہ آسان اور باضابطہ بنانے کے لئے کی گئی ہے۔ قیام کی مشروعیت کے بارے میں مزید تفصیلات کے لئے ہماری کتاب ’’میلاد النبی ﷺ‘‘ کا متعلقہ باب ملاحظہ کریں۔

۱۔ قیامِ اِستقبال

کسی معزز و محترم شخصیت یا رہنمائے ملت وقوم کی آمد پر کھڑے ہوکر استقبال کرنا قیامِ استقبال کہلاتا ہے اور اس کے جواز کی اصل سنتِ رسول ﷺ سے ماخوذ ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر یہود کے قبیلہ بنوقریظہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین کی مدد کی۔ غزوہ کے بعد ان کو سزا دینے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ان کے کہنے پر فیصلہ کے لیے ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فَأَتَی عَلَی حِمَارٍ. فَلَمَّا دَنَی مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ لِلْأَنْصَارِ: قُوْمُوْا إِلَی سَيِّدِکُمْ أَوْ خَيْرِکُمْ۔(۱)

''پس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دراز گوش پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا: (قبیلے والو!) تم اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔''

روایت کے الفاظ ''سَيِّدِکُمْ'' اس امر کے مظہر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے تمام انصار کو قیامِ استقبال کا حکم دیا تھا، اسے قیامِ تعظیم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ یہ قیامِ تعظیم متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے۔ یہ گمان کرنا کہ یہ قیامِ تعظیم اور استقبال کے لیے نہیں بلکہ ایک بیمار شخص کی اعانت کے لیے تھا، متنِ حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ یہ ارشاد تو اس معنی میں ہے کہ 'سیادت' کی وجہ سے ان کا استقبال کرو۔ اگر ان کو سواری سے اتارنا مقصود ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو کسی ایک یا دو افراد کو مامور کر دیتے، تمام لوگوں کو کھڑا ہونے کے لیے نہ فرماتے۔ حدیث میں ''خَيْرِکُمْ'' کے الفاظ بھی قیامِ استقبال پر دلالت کر رہے ہیں۔

۲۔ قیامِ محبت

یہ قیام، محبت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے، اسے قِيَام فِی الْمَحَبَّة یا قِيَام فِی الْحُبِّ بھی کہتے ہیں۔ والدین کا قیام اولاد کے لیے، استاد کا شاگرد کے لیے، شیخ کا خاص مرید کے لیے، یا کسی بھی بڑے کا قیام چھوٹے کے لیے اسی قسم کے ذیل میں آتا ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الأحزاب، ۴: ۱۵۱۱، رقم: ۳۸۹۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد، باب جواز قتال من نقض العهد، ۳: ۱۳۸۸، رقم: ۱۷۶۸

۱۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ سَمْتًا وَ دَلًّا وَ هَدْيًا بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِي قِيَامِهَا وَقُعُوْدِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. قَالَتْ: وَكَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا فَقَبَّلَتْهُ وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا۔(۱)

’’میں نے حسنِ صورت، حسنِ خلق، سکون و وقار اور قیام وقعود کے لحاظ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی ایک کو بھی نبی اکرم ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا۔ آپ فرماتی ہیں: جس وقت وہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے، جب حضور نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، دستِ اقدس کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔‘‘

سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا اظہارِ محبت و تعظیم میں اپنے ابا جان حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے کھڑا ہونا اور آپ ﷺ کا اظہارِ محبت وفرحت میں اپنی لختِ جگر کے لئے قیام فرمانا ثابت ہے۔ اس ایک ہی حدیث میں قِیَام لِلْفَرْحَة وَالْمَحَبَّة اور قِيَام لِلتَّعْظِيم دونوں کا ذکر موجود ہے۔

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فضل فاطمة، ۵:۷۰۰، رقم: ۳۸۷۲

۲۔ ابوداود، السنن، کتاب الأدب، باب ما جاء فی القیام، ۴:۳۵۵، رقم: ۵۲۱۷

۲۔ قیامِ محبت پر ہی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رَأَى النَّبِيُّ ﷺ النِّسَاءَ وَالصِّبْيَانَ مُقْبِلِيْنَ ...... قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ...... مِنْ عُرُسٍ. فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُمَثِّلًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ. قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ (راوی بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:) ’’شادی سے آتے ہوئے‘‘ پس آپ ﷺ خوشی سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: خدایا! (اے انصار) تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔‘‘

امام ابو داؤد کی السنن میں قیام پر مشتمل احادیث کے باب نمبر ۱۵۲، ۱۵۳ کے الفاظ ذہن نشین کرنے کے لائق ہیں۔ انہوں نے قیام کا لفظ دو جگہ استعمال کر کے درج ذیل عنوانات قائم کیے ہیں:

(۱) بَابُ الرَّجُلِ يَقُوْمُ لِلرَّجُلِ يُعَظِّمُهُ بِذٰلِكَ (کسی شخص کا دوسرے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا)

(۲) بَابٌ فِي قِيَامِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ (ایک شخص کا دوسرے کے لئے قیام کرنا)

یہاں انہوں نے جو باب قائم کیا ہے وہ واضح طور پر کسی انسان کا دوسرے انسان کے لئے اکراماً وتعظیماً قیام کرنے سے متعلق ہے۔

علیحدہ علیحدہ تہذیبوں اور ثقافتوں کے پیشِ نظر عرب لوگ عربوں کے لئے اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب قول النبی ﷺ للأنصار: أنتم أحب الناس إليّ، ۳: ۱۳۷۹، رقم: ۳۵۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الأنصار، ۴: ۱۹۸۴، رقم: ۲۵۰۸

انگریز انگریزوں کے لئے اپنا نقطہ نظر بیان کریں گے۔ مگر قیام کے باب میں سب کے ہاں قدرِ مشترک پائی جاتی ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ پاکستان یا انڈیا کا عقیدہ ہے بلکہ یہ وہ عقیدہ ہے جو صحاحِ ستہ پر مبنی صرف عجم اور عرب ہی کا نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کا عقیدہ ہے۔ یہ ائمہ حدیث کا عقیدہ تھا اس بنیاد پر ہم اسے عرب اور ساری اسلامی دنیا کا عقیدہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہی عقیدہ عینِ اسلام ہے۔ لہٰذا کسی بھی شخص کے لئے حباً قیام کرنا اتباعِ نبی ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہے۔

۳۔ قیامِ فرحت

یہ قیام مسرت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا محرک خوشی کے جذبات ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو جب کسی کے آنے کی خوشی ہوتی تو آپ ﷺ اس کا اظہار کھڑے ہوکر فرماتے، مثلاً:

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے مدینہ آئے جبکہ اسی وقت خیبر بھی فتح ہوا تھا تو انہیں دیکھ کر آقا علیہ السلام کے یہ جذبات تھے:

تَلَقَّاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَعَانَقَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَقَالَ: مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَنَا أَسَرُّ بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَوْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ؟(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر ان سے معانقہ کیا اور اُن کی پیشانی پر (فرطِ مسرت سے) بوسہ دیا، اور فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں سے زیادہ خوشی مجھے کس بات پر ہوئی ہے فتحِ خیبر پر یا جعفر کے (حبشہ سے) آنے پر؟‘‘

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۱۰۸، رقم: ۱۴۷۰

۴۔ قیامِ تعظیم

یہ قیام تعظیم کے لئے ہے جس سے احترام کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے امتی کا قیام نبی کے لئے، اولاد کا والدین کے لئے، مریدوں کا شیخ کے لئے، شاگردوں کا استاد کے لئے اور چھوٹوں کا بڑوں کے لئے، یہ قیام کسی کی عزت و کرامت اور شرف و بزرگی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے اور کسی کے تقدس و احترام کے پیشِ نظر بھی۔

قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم میں فرق

قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم میں تھوڑا سا فرق ہے۔ استقبال کسی کی پذیرائی کے لئے ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ اس کا محرک تعظیم ہو۔ اس کی مثال بارات میں آئے ہوئے مہمانوں کی پذیرائی ہے جن میں سے بہت سوں کو آپ جانتے بھی نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ملنے والا کوئی نو وارد مہمان بھی ہوسکتا ہے جس کے استقبال کے لئے آپ محض رسماً کھڑے ہو جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس آپ اپنے استاذ اور شیخ کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکر اور مشائخ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

۵۔ قیامِ اِکرامِ اِنسانی

پانچویں قسم کے قیام کو انسانی جسد کے اکرام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو احترامِ انسانیت میں انسان کے بے جان جسم کے اکرام سے عبارت ہے یعنی مردہ انسان کی نعش کا احترام، اس سے انسانی رشتوں کے تقدس کا اظہار مقصود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جنازے کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے خواہ وہ کسی غیر مسلم کا ہی ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ قیام جسدِ انسانی کے اکرام کی وجہ سے ہوتا۔

۱۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوا حَتَّى تُخَلِّفَكُمْ۔(۱)

''جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے پاس سے گزر جائے۔''

جس قیام کا حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا، جسدِ انسانی کے احترام کی وجہ سے ہے۔ اسی اکرامِ انسانی کے باب میں امام بخاری نے ''کتاب الجنائز میں باب من قام لجنازة يهودي'' قائم کیا ہے جو ایک یہودی کے جنازے سے متعلق ہے۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَرَّتْ بِنَا جَنَازَةٌ، فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا لَهُ. فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ؟ قَالَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوا۔(۲)

''ایک جنازہ ہمارے سامنے سے گزرا تو حضور نبی اکرم ﷺ اس کے لئے کھڑے ہوگئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ پس ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوا کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان کے جنازے پر کھڑا ہونے کا تو علم تھا لیکن وہ یہ جاننے کے خواہش مند تھے کہ کیا کسی یہودی کا جنازہ دیکھ کر بھی کھڑے ہونے کا یہی حکم ہے؟ اس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازة، ۱: ۴۴۰، رقم: ۱۲۴۵

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۱: ۶۲۵، رقم: ۲۰۴۲

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازة يهودي، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۲۴۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۴

لئے انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے شاید ان کے ذہن میں یہ خیال کارفرما ہو کہ یہودی کے جنازے پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں صحابہ کا مقامِ ادب ملاحظہ کریں کہ وہ جنازہ دیکھ کر بیٹھے نہیں رہے بلکہ حضور ﷺ کو کھڑا ہوتے دیکھ کر فوراً کھڑے ہوگئے لیکن انہوں نے دل کی بات بتا دی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات سن کر توثیق فرمائی کہ قطع نظر اس بات کے، یہودی ہے یا مسلمان جب کبھی کوئی جنازہ آتے دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ کیونکہ یہ قیام انسان کے مردہ جسم کا احترام ہے۔ جہاں تک فقط انسان ہونے کا تعلق ہے تو یہودی اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں، دونوں گوشت پوست کے جسم ہیں اور احترامِ آدمیت کے اعتبار سے دونوں کا مردہ جسم اکرام کا مستحق ہے۔

اِن احادیث کو علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی ’’منتقی الأخبار‘‘ میں نقل کیا ہے۔ ان احادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے امت کو جنازے کے اکرام کے لئے کھڑے ہو جانے کی ترغیب فرمائی ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو قیام کے مطلقاً قائل نہیں انہیں سنت رسول ﷺ سے کوئی ربط و تعلق نہیں کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آقا علیہ السلام نے نماز کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر قیام فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے اس حد تک اخلاقیات کا درس دیا کہ کسی مردہ انسان کی لاش دیکھ کر قطع نظر اس کے کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم ہمیشہ کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔

اگر کسی جنازے یا مردہ لاش کا احترام کرنا اس کا استحقاق ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اسے دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم دیتی ہے تو پھر آقائے دو جہاں ﷺ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے یا سلام بھیجنے کے لئے کھڑا ہونا اور آپ ﷺ سے محبت کے اظہار کے لئے قیام کرنا کیونکر اور کیسے غلط اور غیر شرعی فعل ہو سکتا ہے؟

۶۔ قیامِ ذکر

کسی بھی دینی، تبلیغی یا روحانی و تربیتی مقصد کے لئے کھڑا ہونا قیام ذکر کی صورتوں میں سے ہے۔ جیسے درس و تدریس کے لئے معلم کا کھڑا ہونا، خطبہ کے لئے عالم کا کھڑا ہونا اور قاری کا تلاوتِ قرآن کے لئے کھڑا ہونا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔(۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھتے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔‘‘

سلام محبوبِ خدا ﷺ کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا ہے جیسا کہ رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، رسول ﷺ کی رضا کو اپنی رضا، رسول ﷺ کی نصرت کو اپنی نصرت، رسول ﷺ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی اور رسول ﷺ کی ناراضی کو اپنی ناراضی قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے اس لئے یہ دونوں ذکر ایک ساتھ ایک ہی حالت میں کرنا جائز ہیں۔ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کھڑے ہو کر کرنا جائز ہو اور اس کے محبوب نبی ﷺ کا ناجائز۔ لہٰذا جس طرح بیٹھ کر ذکر یا درود وسلام جائز ہے اس طرح کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

۷۔ قیامِ صلوٰۃ وسلام

قیام کی متعدد صورتوں میں سے ایک قیامِ سلام ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پیش کیا جاتا ہے تو یہ قیام متعدد درجاتِ قیام کا مجموعہ ہے۔ مثلاً قیامِ محبت، قیامِ فرحت، قیامِ تعظیم، قیامِ ذکر اور قیامِ صلوٰۃ وسلام۔ جب

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۱

ہم محفلِ میلاد میں قیامِ سلام کو لیتے ہیں جس میں آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ میں سلام پڑھا جاتا ہے تو پھر قیام اور عدم قیام کی تمیز پر مبنی ساری بحث محض سعی لاحاصل ہے جس کا میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قیام قیامِ استقبال ہے ہی نہیں۔ اس لئے ہم سرے سے اس بحث ہی کو لغو سمجھتے ہیں کہ استقبال کے لئے قیام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اگر کوئی قیام کرنا چاہتا ہے تو کرے، نہیں کرنا چاہتا تو نہ کرے۔ درحقیقت یہ قیامِ تعظیم ہوتا ہے بلکہ اس پر مستزاد قیامِ فرحت اور قیامِ محبت اس کا محرک ہے۔ قیام کی یہ تمام صورتیں بلاخوفِ تردید حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت پر مبنی ہیں اور اس پر کسی قسم کی اختلاف رائے یا تکرار کرنے کا کوئی محل نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں ادب و نیاز سے کھڑے ہو کر سلام پیش کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَرَرْتُ عَلَى مُوْسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔ (۱)

’’میں معراج کی شب سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں صلاۃ پڑھ رہے تھے۔‘‘

صلاۃ کا معنی …… درود وسلام

عام طور پر کتب میں اِس حدیثِ مبارکہ کا ترجمہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ جب حضور نبی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام، ۴: ۱۸۴۵، رقم: ۲۳۷۵

۲۔ نسائی، السنن، کتاب قیام الیل و تطوع النہار، باب ذکر صلاۃ نبی اللہ موسیٰ، ۳: ۱۵۱، رقم: ۱۶۳۷

اکرم ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو وہ اپنی قبرِ انور میں نماز ادا کررہے تھے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالتِ قیام میں صلوٰۃ ادا کرنے سے راقم نے جو نتیجہ صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا اخذ و مستنبط کیا ہے وہ حدیث سے متعارض نہیں۔

یہاں صلوٰۃ کا معنی ''درود'' اخذ کرنے کا پسِ منظر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت دیگر تمام انبیاء علیھم السلام بیت المقدس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے استقبال کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ تمام انبیاء علیھم السلام کو اس بات کا علم تھا کہ حضور ﷺ کا اس رات سفرِ معراج شروع ہو چکا ہے اور آپ ﷺ وہاں ان کی امامت فرمائیں گے اور یہ امامت لیلۃ المعراج کے اگلے مرحلے پر روانہ ہونے سے پہلے ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آسمان پر بھی ملاقات ہونا تھی اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام مقامِ قدس پر حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے بھی تھے۔ پھر یہ کہ حضور ﷺ کا سفر کسی دنیاوی سواری پر نہیں بلکہ برّاق پر تھا جس کی رفتار کا عقلِ انسانی اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ وہ برّاق آن واحد میں اتنی مسافت طے کرلیتا تھا جو روشنی کی رفتار سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔ یہ سب جانتے ہوئے کیونکر ممکن تھا کہ جب حضور ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو وہ محض نفلی نماز ادا کررہے ہوں، اگر کوئی فرض نماز ہوتی تو یہ بات قرینِ فہم تھی کہ وہ نماز ادا کر رہے تھے لیکن وصال کے بعد کوئی فرض نماز نہیں ہوتی جو قبر میں ادا کی جائے۔ دنیاوی زندگی گزارنے کے بعد برزخی زندگی میں کوئی فرائض و واجبات نہیں رہتے۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیھم السلام قبور میں جو اعمال بجا لاتے ہیں ان کی حیثیت نفلی عبادت کی ہوتی ہے جو ایک اضافی معاملہ ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی علم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجدِ حرام سے سفرِ معراج پر روانہ ہو رہے ہیں اور ان کا گزر اِس طرف سے ہوگا۔ اس لیے یہ بات قابلِ فہم نہیں کہ جب حضور ﷺ سفرِ معراج کے مرحلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر

کے پاس سے گزر رہے ہوں تو وہ اس وقت نفل نماز ادا کرنے میں مصروف ہوں۔ چنانچہ مذکورہ بالا حدیث کا صحیح اور قرینِ قیاس مفہوم یہ ہو گا کہ رسول اکرم ﷺ کے وہاں سے گزرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیج رہے تھے۔ یہ مفہوم متنِ حدیث کے خلاف نہیں بلکہ موقع اور محل کی مناسبت سے اقرب ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے صحابہ کے تعظیماً قیام کا معمول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَجلِسُ مَعَنَا فِي الْمَجْلِسِ يُحَدِّثُنَا، فَإِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتَّى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ أَزْوَاجِهِ.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ ہماری مجلس میں تشریف فرما ہو کر ہمارے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے تھے پھر جب آپ اٹھتے تو ہم سب لوگ ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ ہم آپ ﷺ کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے گھر داخل ہوتا نہ دیکھ لیتے۔‘‘

اس حدیث سے واضح ہے کہ حضور ﷺ جب گھر جانے کے ارادے سے اپنی جائے نشست سے اٹھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کیلئے قیام کرتے۔ یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ایک دن یا دو دن کا معاملہ نہ تھا، اور حضور نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی انہیں منع نہیں فرمایا۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب في الحلم و أخلاق النبي ﷺ، ۴: ۲۴۷، رقم: ۴۷۷۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۶۷، رقم: ۸۹۳۰

نماز اللہ کے لیے اور اِقامت مصطفیٰ ﷺ کے لیے

آج تمام امت کا اقامتِ نماز کے وقت مسنون اور مستحب طریقہ کے مطابق حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ پر کھڑے ہونے کا معمول ہے، لیکن اس بات کو شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ اس کا آغاز کب، کیسے ہوا اور کس نے کیا؟ اقامت کے وقت یہ قیام فی الحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ کے اکرام و تعظیم کے لئے تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ جب وہ آقا علیہ السلام کو نماز کے لئے آتا دیکھتے تو ادباً و احتراماً کھڑے ہوجاتے۔ اس طرح یہ قیام اقامت کے لیے نہیں بلکہ حضور ﷺ کے اکرام کے لیے ہوتا تھا جس سے درحقیقت یہ اطلاع دینا مقصود ہوتا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز اللہ کے لئے اور اقامت ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کیلئے ہوتی۔

بعض لوگ کتبِ اَحادیث کا مطالعہ تو کرتے ہیں لیکن وہ اس نکتے کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جو امام مسلم اور ابوداؤد نے درجِ ذیل حدیث میں بیان کیا ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ تُقَامُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔

’’بے شک نماز رسول اکرم ﷺ ہی کے تشریف لانے پر کھڑی کی جاتی تھی۔‘‘

وہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے لئے اقامت صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کے منتخب الفاظ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے بالخصوص متذکرہ بالا نکتہ واضح ہوجاتا ہے۔ یہ اہم حدیث جسے ہم حدیثِ عشق بھی کہہ سکتے ہیں اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ادب و توقیر کی تعلیم مضمر ہے۔

آگے اس کی توجیہہ انہوں نے یہ بیان کی ہے:

فَيَأْخُذُ النَّاسُ مَصَافَّهُمْ. قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ النَّبِيُّ ﷺ مَقَامَهُ۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے اپنی جگہ (مصلیٰ) پر قیام فرما ہونے سے پہلے ہی لوگ اپنی ''جگہوں'' پر کھڑے ہو جاتے۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز کی اقامت اس لئے کہی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو مطلع کیا جائے کہ وہ آپ ﷺ کی مصلیٰ پر آمد سے پیشتر ہی اپنی صفیں باندھ لیں اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ لوگ نماز کے لئے صفیں بنا لیتے بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امامت کے لئے تشریف لانے اور مصلیٰ کو زینت بخشنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے استقبال و پذیرائی کے لئے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قیام، قیامِ استقبال اور قیامِ تعظیم رسول ﷺ کے لیے تھا، نماز کے لیے نہیں۔

اس کی تائید ہمیں ایک اور صحیح حدیث سے بھی ملتی ہے۔ مؤذنِ رسول اور عاشقِ مصطفیٰ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہنے کے بعد ایک جگہ اوٹ میں کھڑے آقا علیہ السلام کے حجرۂ مبارک کی طرف نظریں مرکوز کئے رہتے اور حضور ﷺ کے گھر سے باہر تشریف لانے کو دیکھتے رہتے۔ ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صفیں آراستہ کئے انتظار کی حالت میں ہوتے کہ کب آپ ﷺ امامت کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حجرۂ مبارک سے نکلنے سے پہلے ایک گوشے میں گوش بر آواز رہتے اور حجرے کے دروازے کا پردہ سرکنے کی آواز سنتے ہی اقامت کے لئے اگلی صف میں آ کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے لگتے۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جان لیتے کہ آقا علیہ السلام اپنے حجرہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متی یقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۳، رقم: ۶۰۵

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب فی الصلاة تقام ولم یأت الإمام ینتظرونه قعودًا، ۱: ۱۴۸، رقم: ۵۴۱

مبارک سے مسجد میں تشریف لے آئے ہیں اور وہ اپنی اپنی صفوں میں سراپا ادب و تعظیم بنے کھڑے ہوجاتے۔ یہ قیامِ تعظیم تھا جو اسلام کا شعار اور سنت بن گیا۔

۲۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ اِذَا دَحَضَتْ. فَلَا يُقِيْمُ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. فَإِذَا خَرَجَ أَقَامَ الصَّلَاةَ حِيْنَ يَرَاهُ۔(۱)

''جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے لیکن اس وقت تک اقامت نہ کہتے جب تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حجرہ سے) باہر تشریف نہ لے آتے۔ پس جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھنے پر اقامت کہتے۔''

دراصل اقامت سے مراد صحابہ کو اطلاع دینا ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے آئے ہیں، ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ! آج بھی اقامت کے دوران کھڑے ہونا ان کے قیامِ استقبال و تعظیم کی سنت کی پیروی ہے۔ اس طرح دو قیام ہوتے تھے ایک قیام وہ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آغازِ اقامت میں کرتے اور دوسرا وہ جو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کرتے۔ قاضی عیاضؒ نے اپنی شرح میں قیام کی انہی دو قسموں کو اپنی گفتگو کی بنیاد بنایا ہے اور دونوں کے درمیان تقابل کرتے ہوئے خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

بِأَنَّ بِلَالاً رضی اللہ عنہ كَانَ يُرَاقِبُ خُرُوْجَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ غَيْرُهُ أَوْ إِلَّا الْقَلِيْلُ. فَلَأَوَّلُ خُرُوْجِهِ أَقَامَ هُوَ: ثُمَّ لَا يَقُوْمُ النَّاسُ حَتَّى

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، ۱: ۴۲۳، رقم: ۶۰۶

۲۔ ترمذى، الجامع الصحيح، كتاب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإمامة، ۱: ۳۹۱، رقم: ۲۰۲

يَظْهَرَ لِلنَّاسِ وَيَرَوْهُ، ثُمَّ لَا يَقُوْمُ مَقَامَهُ حَتَّى يُعَدِّلُوا صُفُوفَهُمْ۔(۱)

’’حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کا انتظار کرتے رہتے تھے جہاں انہیں کوئی اور نہ دیکھ سکتا یا چند لوگ دیکھ سکتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باہر تشریف آوری کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے اور لوگ اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہوجاتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ لیتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ پر کھڑے نہ ہوتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی صفوں کو سیدھا کر لیتے۔‘‘

امام بدر الدین عینی اس حوالے سے فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَجْهُ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا: أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُرَاقِبُ خُرُوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ غَيْرُهُ أَوْ إِلَّا الْقَلِيْلُ. فَعِنْدَ أَوَّلِ خُرُوْجِهِ يُقِيْمُ، وَلَا يَقُوْمُ النَّاسُ حَتَّى يَرَوْهُ ثُمَّ لَا يَقُوْمُ مَقَامَهُ حَتَّى يُعَدِّلَ الصُّفُوْفَ۔(۲)

’’میں کہتا ہوں کہ ان دو باتوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک ایسی جگہ پر کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کا انتظار کرتے تھے جہاں ان کو کوئی نہ دیکھ سکے یا چند لوگ دیکھ سکیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوّل مرتبہ نکلنے کے ساتھ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے اور لوگ اس وقت تک (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوتے جب تک کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ لیتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے مصلیٰ پر کھڑے ہونے سے پہلے صفیں درست

(۱) قاضی عیاض، إکمال المعلم، کتاب المساجد، باب متی یقوم الناس للصلاۃ، ۲: ۵۵۶

(۲) عینی، عمدۃ القاری، ۵: ۱۵۴

کر لی جاتیں۔‘‘

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اقامت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام نماز کے لئے نہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتا دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بجا لانے کے لئے ہوتا تھا۔

محافلِ میلاد میں قیام، اِستقبال کے لیے نہیں، تعظیماً ہے

قیام کے موضوع پر یہ بحث بڑی صراحت سے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہم قیام کیوں اور کس لئے کرتے ہیں؟ ہم ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت معاذ اللہ لمحۂ موجود میں ہوئی ہے، اس لئے ہمیں قیام کرنا ہے یا یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس میں تشریف لا رہے ہیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر قیام کر رہے ہیں۔ یہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان کا خیال نہیں ہوتا اور نہ ہمارا قیام استقبال کا مظہر ہے۔ نہ ہی یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جو حضرات محفلِ میلاد میں شرکت کے لئے آئے ہیں ان کے لئے قیام کرنا چاہئے۔ تاہم یہ بات ممکنات میں سے ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی طور پر محفلِ میلاد میں تشریف لائیں کیونکہ روحانی اعتبار سے ایسا ہونا قطعاً خارج از امکان نہیں ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں چاہیں روحانی طور پر تشریف لے جا سکتے ہیں۔ جسمانی طور پر اس لئے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اقدس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس میں قبر انور کے اندر استراحت فرما رہا ہے۔ لیکن ملائکہ اور عالمِ ارواح کے کسی فرد کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جگہ اور کسی مقام پر روحانی طور پر آ جا سکتے ہیں۔

اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب یا بیداری کی حالت میں دیدار کرتا ہے جیسا کہ متعدد اولیاء کرام کے بارے میں مذکور ہے تو وہ بلاشبہ ہو بہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زیارت سے شاد کام ہو رہا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر نظر آتے ہیں لیکن وہ متمثل روح کی ایک صورت گری ہے اور اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے جبرئیل امین کسی کو بشری شکل میں دکھائی دے۔ اس حوالے سے کئی مثالیں قرآن و حدیث سے دی جاسکتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے

پاس جسمانی صورت میں حاضر ہوئے تھے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَرۡسَلۡنَآ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○[1]

''تو ہم نے ان کی طرف اپنی روح (یعنی فرشتہ جبرئیل) کو بھیجا سو جبرئیل ان کے سامنے مکمل بشری صورت میں ظاہر ہوا○''

بَشَرًا سَوِيًّا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک مکمل جیتے جاگتے انسان کی شکل میں سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور یہ اس پیکرِ نوری کا اصل جسم نہیں بلکہ متمثل صورت تھی۔ اسی طرح حضور ﷺ روحانی طور پر جسمانی صورت میں متمثل ہو کر کہیں بھی تشریف لے جا سکتے ہیں۔ جملہ اہلِ ایمان اور بالخصوص اہلسنت کا کبھی یہ عقیدہ نہیں رہا کہ آپ ﷺ اپنے ظاہری و جسمانی وجود کے ساتھ محفلِ میلاد میں جلوہ گری فرماتے ہیں اور اس بنا پر اہلِ محفل آپ ﷺ کے ظاہری و جسمانی حالت میں آنے کا تصور کرتے ہوئے استقبال کے لئے قیام کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ غلط ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کے لیے ایسا کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا مگر شرکائے محفلِ میلاد صرف علامتی طور پر آپ ﷺ کے ذکر کے احترام میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ ہم آپ ﷺ کے میلاد پر قیام کرتے ہیں تو یہ محبت، فرحت اور خوشی کے اظہار میں کرتے ہیں۔ ہم اس گھڑی کو اپنے تصور و تخیل میں رکھتے ہوئے محبت اور فرحت کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں جس میں حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیائے آب و گل میں تشریف لائے۔

الغرض میلاد میں قیام، ذکرِ حبیب ﷺ کے ادب اور ولادتِ پاک کو یاد کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ بیشک حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اس قدر مہتم بالشان اور عظمتِ بے مثال کی حامل ہے کہ اس کا ذکر بھی بہت فضیلت کا درجہ رکھتا ہے اور اس لمحۂ عظیم کی تعظیم اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر سلام پیش کریں، آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کی تحسین کریں اور ذکرِ حبیب ﷺ میں نہایت

(۱) مریم، ۱۹: ۱۷

درجہ ادب و تعظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے محبت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جائیں۔

خلاصہ بحث

قیام کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ شرعاً ہر ذات کے لیے قیام اس کے مرتبہ کے لحاظ سے جائز ہے چنانچہ اگر کوئی شاگرد اپنے استاد کیلئے ادباً اور تعظیماً کھڑا ہوتا ہے، کوئی میزبان مہمان کے استقبال کیلئے، کوئی مرید شیخ کے لیے اور کوئی بیٹا باپ کیلئے ادباً کھڑا ہوتا ہے تو یہ تمام صورتیں جائز ہوں گی۔ ان میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں پائی جاتی لہٰذا اگر ان تمام ذاتوں کیلئے ادباً، تعظیماً، اکراماً اور فرحتہً کھڑا ہونا جائز ہے تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے بدرجہ اولیٰ جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

ممانعتِ قیام کے اَسباب

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قیام کرنے سے منع کا تعلق بنیادی طور پر دو اسباب کے باعث ہے:

۱۔ زمانۂ قدیم میں ایران کے عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کے سامنے حالتِ قیام میں جھک کر اجتماعی طور پر تعظیم بجا لاتے تھے جو سراسر اسلامی تعلیم و آداب کے خلاف تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس انداز کے قیام سے منع فرمایا جو وہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

۲۔ ایسا قیام جس کی کوئی شخص اپنے اندر طلب رکھے، وہ دوسروں سے اس امر کی خواہش اور توقع رکھے کہ اس کے آنے پر لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔ حدیثِ مبارکہ میں اس خواہش اور توقع کی مذمت کی گئی ہے پس اس بنا پر شریعتِ اسلامی نے اس قسم کے قیام سے منع کیا اور حرام قرار دیا ہے۔ ممانعتِ قیام پر وارد ہونے والی احادیث میں ایسے قیام کی ہی ممانعت کی گئی ہے۔

امام بخاری نے بھی اس مضمون پر مشتمل حدیث بیان کی ہے جس میں اس حوالے سے امتناعِ قیام کا ذکر کیا گیا ہے اور کسی مجلس میں آنے والے کی ایسی خواہش کی

تنقیص کرتے ہوئے اسے جہنم کی خواہش قرار دیا گیا ہے۔ اس کے لئے عاجزی اور تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے البتہ جو لوگ کسی کی آمد کے منتظر ہوں ان کے لئے حکم ہے کہ وہ اس کے استقبال کیلئے کھڑے ہو جائیں کہ یہ ادب و تعظیم کا تقاضا ہے لیکن اگر اس شخص کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگے کہ دوسرے اس کی آمد پر کھڑے ہو جائیں، اس کو اس خواہش پر ہدفِ مذمت بنایا جائے کہ اس رویے سے تکبر و رعونت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کو اس قسم کی خواہش سے گریز کرنا چاہئے۔ اس امتناعِ قیام کو اخلاقی تربیت اور اسلامی تعلیم کے ایک حصے کے طور پر لیا جائے تاکہ لوگوں کے اندر تواضع و انکساری پیدا ہو۔ اگر کوئی شخص مجلس میں آتا ہے اور اس کی آمد پر لوگ کھڑے نہیں ہوتے تو اسے ناراض اور غضبناک نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی خواہش اور توقع اسلامی آداب و اخلاق کے منافی ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ ایک بالکل مختلف نوعیت کا موضوع ہے جس کا قیامِ سلام اور قیامِ میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

اِباحتِ قیام کے اَسباب

اگر کسی محفل میں کوئی عظیم شخصیت اور عالم و فاضل شیخ یا روحانی اور علمی مقام رکھنے والا بزرگ داخل ہوتا ہے تو اس کی آمد پر مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس کے ادب و تعظیم کے لئے کھڑا ہونے کا حکم ہے۔ یہ ادب اس کے لئے لوگوں کی محبت، چاہت اور اپنائیت کا مظہر بھی ہے اور علم و تقویٰ کا احترام بھی لہٰذا اسلامی آداب کی دو مختلف جہتیں ہیں۔ اگر بعض لوگ امتناعِ قیام کو اس پیرائے میں لیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیام کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے تو وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں صریحاً غلطی کر رہے ہیں اگر اس اطلاق کو تسلیم کر لیا جائے تو درجنوں احادیث سے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے معمولات کے بارے میں ہیں اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں بیک جنبش ان کا انکار لازم ٹھہرے گا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ قیام کی ان دونوں صورتوں میں مابہ الامتیاز پہلو کو سمجھا جائے کہ اِمتناعِ قیام کے حکم کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔

فصل پنجم

تعظیم بالتقبیل

www.MinhajBooks.com

ہم اگر معلمِ اعظم حضور نبی اکرم ﷺ کے براہِ راست فیض یافتگان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اَدباً اور تعظیماً حضور ﷺ کے دستِ اقدس، قدمین شریفین، جسمِ اقدس حتی کہ آپ ﷺ کے ساتھ نسبت اور تعلق رکھنے والے کسی فرد اور چیز تک کو بوسہ دیتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس عمل کو خلافِ توحید نہ سمجھا اور نہ ان میں سے کسی نے اس کو شرک و بدعت قرار دیا۔ تقبیل کی حقیقت سے آگاہی کے لئے سب سے پہلے ہم اس کا لغوی اور شرعی معنی و مفہوم واضح کریں گے۔

تقبیل کا لغوی معنی و مفہوم

لفظِ ''تقبیل'' ق، ب، ل سے مشتق ہے۔ قَبَلَ یَقْبُلُ قَبْلًا کا معنی ہے: آنا۔

قَابَلَ کا معنی ہے: کسی کے آمنے سامنے ہونا، ملاقات کرنا۔

جبکہ قَبَّلَ یُقَبِّلُ تَقْبِیْلًا کا معنی ہے: چومنا، بوسہ دینا۔(1)

لغتِ عرب کی خصوصیت کی بنیاد پر (ق۔ب۔ل) سے مشتقات کے معانی بھی صیغوں اور متعلقات کی تبدیلی سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ بعض ابواب میں اس کے اندر توجہ، میلان، جھکاؤ اور اظہارِ پسندیدگی و قبولیت کے معانی بھی پائے جاتے ہیں۔

مثلاً القبلۃ کا معنی ہے: نماز کے لئے سمتِ توجہ، جب کہ مَقْبُول کا معنی ہے: قابلِ قبول اور پسندیدہ۔(2)

(۱) ۱۔ جوھری، الصحاح، ۲: ۲۷۴

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۵۴۴

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۵۴۴

پس تعظیم بالتقبیل میں بھی کسی بابرکت ہستی یا متبرک چیز کے ساتھ محبت اور پسندیدگی شامل ہوتی ہے۔

تقبیل کا شرعی معنی و مفہوم

اسلامی معاشرتی آداب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے بڑوں، بزرگوں، اولیاء اللہ اور صلحائے اُمت کے ہاتھ اور پاؤں کو حصولِ فیض کے لیے بوسہ دیا جائے۔ بعض لوگ اس عمل پر شرک کا فتویٰ لگانے سے گریز نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ نہ تو انہیں فہمِ دین حاصل ہے اور نہ ہی وہ حکمت و مصلحتِ دین سے شناسا ہیں۔ عربی زبان میں معمولی شُدبُد حاصل کر کے ''ہمہ دانی'' کا دعویٰ کرنا، لوگوں کو گمراہ کرنا اور ان کی لاعلمی سے فائدہ اُٹھانا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ اس لئے جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے شیخ، قائد یا بزرگ کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہے ہیں، اس کی تکریم و تعظیم کر رہے ہیں تو وہ بلا سوچے سمجھے اِس پر بدعت اور خلافِ سنت عمل کا فتوی صادر کر دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور قدمین شریفین کا بوسہ لیا کرتے تھے۔

ذیل میں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں صفِ اوّل کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات سے تعظیم بالتقبیل کی چند مثالیں دی جارہی ہیں:

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن ابو لیلیٰ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَدَنَوْنَا يَعْنِي مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَبَّلْنَا يَدَهُ۔(۱)

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب في قبلة اليد، ۴:۳۵۶، رقم: ۵۲۲۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷:۱۰۱، رقم: ۱۳۳۶۲

۳۔ أيضاً، شعب الإيمان، ۶:۴۷۶، رقم: ۸۹۶۵

’’ہم نبی اکرم ﷺ کے قریب ہوئے اور ہم نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔‘‘

۲۔ ہود العبدی کے دادا مزیدہ العبدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس اس راستے سے (ابھی) اہلِ مشرق میں سے بہترین سوار آئیں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی راستے میں ان کی تلاش شروع کر دی تو انہیں تیرہ سوار ملے، آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے قریب ہوکر پوچھا: آپ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: عبدِ آلاف کی قوم سے، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم یہاں تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنی یہ تلواریں بیچنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید تم پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تلاش میں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، پس آپ رضی اللہ عنہ ان سے باتیں کرتے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھ کر ان لوگوں سے کہا:

هَذَا صَاحِبُكُمُ الَّذِی تَطْلُبُونَ.

’’یہ ہیں تمہارے آقا جن کی تمہیں تلاش ہے۔‘‘

آگے روایت کے الفاظ ہیں:

فَرَمَی الْقَوْمُ بِأَنْفُسِهِم عَنْ رِحَالِهِم، فَمِنْهُم مَنْ سَعَی سَعْيًا، وَمِنْهُم مَنْ هَرْوَلَ، وَمِنْهُم مَنْ مَشَی، حَتَّی أَتَوا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَخَذُوا بِيَدِهِ يُقَبِّلُونَهَا وَقَعَدُوا إِلَيْهِ، وَبَقِیَ الْأَشَجُّ، وَهُوَ أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَأَنَاخَ الْإِبِلَ وَعَقَلَهَا وَجَمَعَ مَتَاعَ الْقَوْمِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِی عَلَی تُؤَدَةٍ حَتَّی

أَتَی رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَقَبَّلَهَا۔ (۱)

''پس وہ سواریوں سے فوراً کود پڑے۔ کسی نے دوڑ لگائی اور کوئی پیدل چلا یہاں تک کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچ گئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسے دینا شروع کر دیئے اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، صرف ان کے پیچھے اشج رہ گیا جو وفد میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے اونٹوں کو بٹھا کر باندھ دیا اور وفد کا تمام مال و متاع جمع کر دیا پھر وہ معمول کی چال چلتے ہوئے آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔''

۳۔ اُمّ ابان بنتِ وازع بن زارع اپنے دادا زارع بن عامر جو وفدِ عبدالقیس کے ساتھ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے، ان سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا، فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَرِجْلَهُ۔ (۲)

''جب ہم مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو تیزی سے اپنی سواریوں سے اتر کر حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔''

---

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۱۲: ۲۴۶، رقم: ۶۸۵۰
۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۰: ۳۴۵، رقم: ۸۱۲
۳۔ مقری، الرخصة فی تقبيل اليد، ۱: ۶۶، رقم: ۶

(۲) ۱۔ أبوداود السنن، كتاب الأدب، باب قبلة الجسد، ۴: ۳۵۷، رقم: ۵۲۲۵
۲۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۵
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۵: ۲۷۵، رقم: ۵۳۱۳

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آقائے دو جہاں ﷺ کے مبارک پاؤں کو بوسہ دیتے ہوئے کیا انداز اختیار کیا ہوگا؟ جلسہ، قعود یا قیام؟ تاکہ ان کا یہ عمل سجدہ سے مشابہ ہوکر شرک کے زمرے میں نہ آئے۔ سنن ابوداؤد کی اس صحیح روایت کی کیا تعبیر ہوگی؟ کیا مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ ایسا کہنا ان پر بہتان طرازی ہوگا۔ لہٰذا اس حدیثِ مبارکہ کی درست تعبیر یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب سمجھتے تھے، یہ ان کا اظہارِ عقیدت و محبت تھا کہ ادب و تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ میں وہ ہر جائز طریقہ اور انداز اپناتے تھے۔

۴۔ امام بخاری نے ''الأدب المفرد'' میں باب تقبیل الرِّجل قائم کیا یعنی ''پاؤں کو بوسہ دینے کا بیان'' اس حدیث کو حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

قَدِمْنَا فَقِيْلَ: ذَاکَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔

''ہم مدینہ حاضر ہوئے تو (ہمیں) کہا گیا: وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔''

آگے حدیث کے الفاظ ہیں:

فَأَخَذْنَا بِيَدَيْهِ وَ رِجْلَيْهِ نُقَبِّلُهَا۔(۱)

''پس ہم آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور قدموں سے لپٹ گئے اور انہیں بوسہ دینے لگے۔''

یہ الفاظ خاص مفہوم کے حامل ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے صرف ہاتھ مبارک پکڑنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ہاتھوں کے علاوہ پاؤں مبارک کو بھی بوسہ دینے کا عمل جاری رکھا درآنحالیکہ ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک پکڑ رکھے تھے۔ کیا حضور ﷺ نے انہیں اس امر کی اجازت نہ دی ہوگی؟ ان کو اس عمل سے نہ روکنا اور

(۱) بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۵

سکوت فرمانا آپ ﷺ کی طرف سے اس کی اجازت تھی۔

۵۔ امام ترمذی نے اس مضمون پر ایک حدیث حضرت صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قومِ یہود کے بعض افراد حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کرنے کے بعد اعلانیہ گواہی دی کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں:

فَقَبَّلُوْا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ. فَقَالَا: نَشْهَدُ أَنَّکَ نَبِيٌّ۔ (۱)

''انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا، اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نبی ہیں۔''

یہاں کوئی متعصب کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک یہودی کا فعل تھا، ہم اسے کس طرح لازمی شہادت کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اس سوچ پر سوائے افسوس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ معترض کو یہودی کا عمل تو نظر آ گیا مگر جس کے ساتھ کیا جا رہا ہے وہ بابرکت ہستی نظر نہیں آئی۔ حضور علیہ السلام نے یہود کو تقبیل سے منع نہیں فرمایا تو یہ آپ ﷺ کی سنتِ تقریری ہوا۔

تقبیل ہے ہی مخلوق کے لیے

تقبیل کے لغوی اور شرعی معنی و مفہوم کی بحث پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ تقبیل ایسا عمل ہے جس کا اطلاق بہر طور مخلوق پر ہوتا ہے۔ اس کے لغوی مفہوم میں تقابل یعنی آمنا سامنا ہونا۔ چھونا۔ محسوس کرنا اور اثر کے معانی

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الاستئذان والآداب، باب فی قبلة الید والرجل، ۵: ۷۷، رقم: ۲۷۳۳

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الأدب، باب الرجل یقبّل ید الرجل، ۲: ۱۲۲۱، رقم: ۳۷۰۵

۳۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۸: ۲۹، رقم: ۱۸

پائے جاتے ہیں، اور یہ سب چیزیں مخلوق کے لئے تو جائز ہیں مگر خالقِ کائنات اللہ جلّ مجدہ جو ہماری محسوسات، تو جہات اور تقابل وغیرہ سے پاک ہے، کے لئے روا نہیں۔ پس وہ عمل جو فقط مخلوق کے لئے ہو اور مخلوق ہی پر اس کا اطلاق کیا جائے ہرگز شرک نہیں ہوسکتا۔ تعظیم بالتقبیل پر شرک کا اطلاق تب ہوتا جب یہ خالق کا حق ہوتا۔

تقبیل کی جملہ اقسام بھی مخلوق کے لئے ہیں جس کی وضاحت سطورِ ذیل میں ملاحظہ کریں:

اَقسامِ تقبیل

احادیثِ مبارکہ، صحابہ کرام، تابعین اور صالحین رضی اللہ عنہم کے احوال کا مطالعہ کرنے سے تقبیل کی درج ذیل اقسام سامنے آتی ہے۔

۱۔ تقبیلِ عبادت

حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا حجرِ اسود کو بوسہ دینا عبادت کے زمرے میں شامل ہے کیونکہ یہ مناسکِ حج اور افعالِ عمرہ میں سے ہے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج پر آئے، طواف کیا اور حجرِ اسود کے سامنے آ کر کھڑے ہوگئے۔ اس سے فرمانے لگے:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ۔ (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما ذکر في الحجر الأسود، ۲: ۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الأسود في الطواف، ۲: ۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المناسك، باب استلام الحجر، ۲: ۹۸۱، رقم: ۲۹۴۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰۰، رقم: ۳۹۱۸

’’یقیناً میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، تو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔‘‘

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو چوما۔(۱)

۲۔ تقبیلِ تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ، اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام اور اولیاء و صالحین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں اور اُن سے منسوب اشیاء کو حصولِ برکت کے لئے بوسہ دینا بھی احادیث اور آثار و احوال سے ثابت ہے۔

۱۔ اُسید بن حضیر سے روایت ہے کہ انصار کا ایک آدمی ایک مجلس میں لوگوں سے مزاح کرکے ان کو ہنسا رہا تھا تو اس دوران حضور نبی اکرم ﷺ نے (پیار سے) اس کے پیٹ میں لکڑی چبھوئی تو اس نے عرض کیا:

أَصْبِرْنِی، فَقَالَ: اصْطَبِرْ، قَالَ: اِنَّ عَلَيْکَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ، فَرَفَعَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْ قَمِيْصِهِ فَاحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ کَشْحَهُ، قَالَ: إِنَّمَا أَرَدْتُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ۔(۲)

’’مجھے اس کا بدلہ دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بدلہ لے لو، اس شخص نے کہا: آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر قمیص ہے جبکہ میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔ پس آپ ﷺ نے اپنی قمیص کو اوپر اٹھایا تو وہ آدمی آپ ﷺ سے لپٹ گیا اور آپ ﷺ کے پیٹ مبارک کو بوسہ دینے لگا اور عرض گزار ہوا کہ میرا ارادہ تو

(۱) حاکم، المستدرک، ۱: ۶۲۸، رقم: ۱۶۸۲

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی قبلة الجسد، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۴

فقط یہی تھا۔‘‘

اسی طرح جنگِ بدر کے موقع پر حضرت سواد بن غزیہ نے آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کو اس خواہش کے پیشِ نظر بوسہ دیا تھا کہ اگر وہ جنگ میں شہید ہو تو ان کا آخری عمل یہ ہو کہ ان کا جسم حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو۔(۱)

بعض دیگر صحابہ سے بھی اس طرح کا واقعہ منسوب ہے۔ امام ابنِ حجر عسقلانی اس روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ **قُلتُ لا یمتنع التعدد** (میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کے متعدد واقعات ہونا ناممکن نہیں۔)

کتبِ احادیث میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ واقعہ منسوب ہے۔

۲۔ عبد الرحمٰن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم ربذۃ کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہے۔ پس میں ان کے پاس آیا تو ہم نے ان کو سلام کیا۔ سو انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکال کر کہا:

بَایَعْتُ بِهَاتَیْنِ نَبِیَّ اللهِ ﷺ فَأَخْرَجَ كَفًّا لَهُ ضَخْمَةً كَأَنَّهَا كَفُّ بَعِیْرٍ، فَقُمْنَا اِلَیْهَا فَقَبَّلْنَاهَا۔(۲)

’’میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھرکم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کو بوسہ دیا۔‘‘

۳۔ ایک دفعہ حضرت ثابت نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

---

(۱) ۱۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۳: ۲۱۸
۲۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ۳: ۲۷۱

(۲) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد، باب تقبیل الید، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۷۳
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۴

أَمَسَسْتَ النَّبِيَّ ﷺ بِيَدِکَ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَقَبَّلَهَا۔ (۱)

’’کیا آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے ہاتھ سے مَس کیا ہے تو انہوں نے کہا: ہاں! پس ثابت نے ان کے ہاتھ کو چوما۔‘‘

۴۔ یحییٰ بن ذماری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملا میں نے ان سے کہا:

بَايَعْتَ بِيَدِکَ هَذِهِ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: أَعْطِنِي يَدَکَ أُقَبِّلُهَا فَأَعْطَانِيْهَا فَقَبَّلْتُهَا۔ (۲)

’’آپ نے اس ہاتھ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں۔ پس انہوں نے اس کو میری طرف کیا تو میں نے اسے بوسہ دیا۔‘‘

۵۔ صاحب الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعني حتی أقبّل رجليک، يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدّثين وطبيب الحديث في علله۔ (۳)

’’اے استاذوں کے استاذ، سید المحدّثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔‘‘

نوٹ: اس موضوع پر مفصل مطالعہ کے لیے راقم کی کتاب ’’تبرک کی شرعی حیثیت‘‘ کا

(۱) بخاری، الأدب المفرد، باب تقبيل اليد، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۷۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۲۲: ۹۴، رقم: ۲۲۶
۲۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲

(۳) ابن نقطه، التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد، ۱: ۳۳

مطالعہ فرمائیں۔

۳۔ تقبیلِ محبت و فرحت

کسی بابرکت ہستی کو محبت و فرحت سے چومنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق مقامِ سُنح پر واقع اپنے گھر سے گھوڑے پر آئے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد (شدتِ غم سے) انہوں نے کسی سے کلام نہ کیا یہاں تک کہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں داخل ہوئے اور

فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرُدِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ۔ (۱)

’’وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے تھے جو یمنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے، پس انہوں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھولا پھر جھک کر بوسہ لیا اور رو پڑے۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، ۱: ۴۱۸، رقم: ۱۱۸۴

۲۔ أیضا، کتاب المغازی، باب مرض النبي ﷺ و وفاته، ۴: ۱۶۱۸، رقم: ۴۱۸۷

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب تقبیل المیت، ۴: ۱۱، رقم: ۱۸۴۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۷

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۵۸۸، رقم: ۶۶۲۰

۲۔ اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ المعروف السُّدِّی تابعی (م ۱۲۷ھ) آیتِ مبارکہ - ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (۱) (اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں))۔ کے تحت بیان کرتے ہیں:

غضب رسول الله ﷺ يوماً من الأيام فقام خطيباً، فقال: سلوني فإنكم لا تسئلوني عن شيء إلا أنبأتكم به. فقام إليه رجل من بني قريش من بني سهم، يقال له: عبدالله بن حذافة وكان يطعن فيه. قال فقال: يارسول الله، من أبي؟ قال: أبوک فلان، فدعاه لأبيه. فقام إليه عمر، فقبّل رجله وقال: يارسول الله، رضينا بالله رباً، وبک نبياً وبالإسلام ديناً، وبالقرآن إماماً، عفا الله عنک فلم يزل به حتى رضي۔ (۲)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک روز جلال میں آ کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے پوچھو، میں تمہیں یہیں کھڑے کھڑے اس کی خبر دوں گا۔ بنو قریش کے قبیلہ بنو سہم کا ایک شخص کھڑا ہوا، اس کا نام عبداللہ بن حذافہ تھا جس کے نسب میں طعن کیا جاتا تھا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ!

(۱) المائدة، ۵: ۱۰۱

(۲) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۷: ۸۱
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۱۰۶
۳۔ عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۳: ۲۷۰ (امام عسقلانی نے اس مختصراً روایت کیا ہے۔)
۴۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۳: ۲۰۵

میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں تیرا باپ ہے، پس آپ ﷺ نے اسے اس کا باپ بتلایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوکر آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ کے رب ہونے، آپ کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی ہیں، اللہ آپ کو سلامت (اور باعزت و عافیت) رکھے، پس وہ اسی طرح کہتے رہے یہاں تک کہ حضور علیہ السلام راضی ہوگئے۔''

۳۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أنه لما نزل عذره أتى النبيّ ﷺ فأخذ بيده فقبّلها۔ (۱)

''جب ان کے عذر پر آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر (فرحت سے) آپ ﷺ کے دستِ اقدس کا بوسہ لینا شروع کردیا۔''

۴۔ تقبیلِ مودّت و رحمت

بعض اوقات مودّت و رحمت کے باعث بھی بوسہ لیا جاتا ہے، یہ بھی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ سدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خرج النبي ﷺ في طائفة النهار لا يُكَلِّمُني و لا أكلّمه حتى أتى سُوقَ بني قينُقاع فجلس بِفِناء بيت فاطمة، فقال: أَثَمَّ لُكَعُ، أَثَمَّ لُكَعُ، فحَسَبْتُه شيئاً فظننتُ أنها تُلبِسُه سِخاباً أو تُغَسِّلُه. فجاء

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۹۵، رقم: ۱۸۶
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲

یَشْتَدُّ حتی عانقه و قبّله۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ (ایک روز) دن کے حصہ میں باہر تشریف لائے تو نہ آپ ﷺ نے مجھ سے گفتگو فرمائی اور نہ میں نے آپ ﷺ سے کوئی بات عرض کی یہاں تک کہ آپ ﷺ بنو قینُقاع کے بازار آئے تو سیدہ فاطمہ کے گھر کی دہلیز پر تشریف رکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بچہ ہے؟ تو سیدہ فاطمہ نے بچے (امام حسن یا امام حسین) کو روکے رکھا، میں نے خیال کیا کہ وہ اسے کوئی ہار پہنا رہی ہیں یا نہلا رہی ہیں۔ پھر وہ دوڑتا ہوا آیا تو آپ ﷺ نے اُسے سینے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔''

۲۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّ اللهَ قَدْ أَنْزَلَ عُذْرَکِ وَ قَرَأَ عَلَيْهَا الْقُرْآنَ، فَقَالَ أَبَوَايَ: قُومِي فَقَبِّلِي رَأْسَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔(۲)

''اے عائشہ! تجھے خوشخبری ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تیرے عُذر کے بارے میں حکم نازل کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں تو میرے والدین نے مجھے کہا: کھڑی ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ کے سرِ اقدس کا بوسہ لے۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب ما ذکر فی الأسواق، ۲: ۷۴۷، رقم: ۲۰۱۶

۲۔ أیضاً، الأدب المفرد، ۱: ۳۹۴، رقم: ۱۱۵۲

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی قبلة الرجل ولده، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۹

۴۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے وصال کا واقعہ مروی ہے کہ

أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دخل علی عثمان بن مظعون وھو میت فأکبّ علیه فقبّله ثم بکی حتی رأیت الدموع یسیل علی وجنتیه۔(۱)

’’یقیناً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عثمان بن مظعون کی میت کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھک کر (رحمت سے) اُن کا بوسہ لیا پھر رو دیئے یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک رخساروں پر آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔‘‘

۵۔ تقبیلِ حرام

جس طرح تقبیل کے جواز کی کئی اقسام ہیں اسی طرح تقبیل کی بعض صورتیں حرام ہیں جن سے لازماً اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۔ شاہانِ وقت یا متکبرین کے ہاتھ، پاؤں یا اُن کے سامنے زمین کو چومنا۔

۲۔ اجنبی اور غیر محرم خواتین کے ہاتھ کو چومنا۔

۳۔ غرور، تکبر یا شہوتِ خفی کے باعث کسی شخص کو بوسہ دینا۔

تعظیم بالتقبیل ہرگز منافیٔ توحید نہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ بعض لوگ اس طرح کے جائز اُمور کو بھی بزعمِ خویش خلافِ توحید سمجھتے ہیں۔

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۵۹۶، رقم: ۶۷۷۵

۲۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۳: ۵۷، رقم: ۱۲۰۶۷

۳۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۵۲۶

۴۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۴۰۷، رقم: ۶۵۰۳

وہ اس قسم کے معمولات کو شخصیت پرستی سے تعبیر کرتے اور اسے توحید کے منافی قرار دیتے ہوئے انہیں شرک اور بدعت تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ بہت متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے۔ وہ صحابہ کو ایسے اُمور کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ یہ ان کا محض خیال اور گمانِ باطل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے شک حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنے جاں نثار صحابہ کرام کے پاکیزہ جذبات اور عقیدت کو کبھی رد نہیں فرمایا۔

متذکرہ بالا احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس عقیدت و محبت سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کے ساتھ منسوب چیزوں کا بوسہ لیتے تھے وہ فقط آپ ﷺ کی محبت، تعظیم اور احترام کی خاطر ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے آقائے دوجہاں ﷺ کے دستِ اقدس اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا لیکن آپ ﷺ نے ان کو بھی منع نہ فرمایا پس یہ آپ کی سنتِ تقریری قرار پائی۔ یہ تمام احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ آج بھی اگر کوئی مرید، شاگرد یا سالک اپنے شیخ، مربی اور مرشد کے ہاتھ، پاؤں اور اس سے منسوب چیزوں کا بوسہ لے تو وہ شرک نہیں ہوگا بلکہ عین حضور نبی اکرم ﷺ کی سنتِ تقریری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنتِ فعلی کی اتباع ہوگی۔ اگر یہ کوئی ممانعت کی چیز ہوتی یا اس میں کوئی شرک کا شائبہ پایا جاتا تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کبھی بھی اس طرح کے عمل کو بجا لانے کی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور غیر مسلم یہودیوں کو اجازت نہ دیتے۔

www.MinhajBooks.com

فصل ششم

تعظیم بخلع النعال

﴿تعظیماً جوتے اُتار دینے کا بیان﴾

www.MinhajBooks.com

شرعی تعظیم کے باب میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسلمان بعض قابلِ احترام جگہوں پر جوتے اُتار دیتے ہیں۔ ان مقامات میں سرِفہرست مساجد ہیں، اسی طرح مزاراتِ اولیاء کے احاطے میں بھی جوتے اتار کر حاضری اہلِ ایمان کا معمول ہے۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی قبور کے اُوپر بھی جوتوں سمیت چلنا منع فرمایا ہے۔ ان مقامات پر احتراماً جوتے اتارنے کے اس عمل کو ہم تعظیم بخلع النعال سے تعبیر کرتے ہیں جس کا ثبوت قرآن حکیم میں بھی موجود ہے۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ سینا میں جوتے اُتارنے کا حکم

مدین سے مصر آتے ہوئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مقدس وادیٔ سینا میں جوتے اتارنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی تعظیم کے لئے تھا۔ اﷲ رب العزت نے انہیں ندا دی:

إِنِّيْ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ج إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○[1]

’’بے شک میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم اپنے جوتے اتار دو، بیشک تم طوٰی کی مقدس وادی میں ہو ○‘‘

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔ راجع قول یہی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نعلین اُتارنے کا حکم اس مقدس وادی کی تعظیم میں دیا گیا جسے بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى سے موسوم کیا گیا ہے۔

۱۔ امام قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۲

و اختلف العلماء فی السبب الذی من أجله أمر بخلع النعلین۔

’’علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا وجہ تھی جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نعلین اتارنے کا حکم دیا۔‘‘

اس حوالے سے آگے لکھتے ہیں:

وقیل: أمر بخلع النعلین للخشوع والتواضع عند مناجاة اللہ تعالی وکذلک فعل السلف حین طافوا بالبیت. وقیل: إعظاماً لذلک الموضع کما أن الحرم لا یُدْخَل بنعلین إعظاماً له، قال سعید بن جبیر: قیل له طإ الأرض حافیاً کما تدخل الکعبة حافیاً. والعرف عند الملوک أن تخلع النعال و یبلغ الإنسان إلی غایة التواضع، فکأن موسی (علیہ السلام) أمر بذالک علی هذا الوجه. ولا تبالی کانت نعلاه من میتة أو غیرها. وقد کان مالک لا یری لنفسه رکوب دابة بالمدینة براً بتربتها المحتویة علی الأعظم الشریفة؛ والجثة الکریمة. ومن هذا المعنی قوله علیه الصلوة والسلام لبشیر بن الخصاصیة وهو یمشی بین القبور بنعلیه ’’إذا کنت فی مثل هذا المکان فاخلع نعلیک‘‘ قال: فخلعتهما۔[۱]

’’بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے وقت خشوع اور تواضع کے لئے تھا۔ اسی طرح اسلاف نے بھی بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران ایسا کیا۔ بعض نے کہا اس مقدس مقام کی تعظیم کے پیش نظر ایسا کرنے کا حکم دیا گیا جیسے حرم شریف کی

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۱:۱۷۳

تعظیم میں کوئی شخص جوتا پہن کر اندر داخل نہیں ہوتا۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر ننگے پاؤں چلنے کا کہا گیا جس طرح کعبہ شریف میں ننگے پاؤں داخل ہوا جاتا ہے۔ بادشاہوں کے ہاں جوتا اتار کر جانا معروف ہے اس سے انسان انتہا درجے کی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی وجہ سے یہ حکم دیا گیا۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کے جوتے مردار چمڑے وغیرہ کے بنے ہوئے تھے۔ حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک روضہ کی تعظیم و احترام میں، جس کے اندر تمام مخلوق سے بڑھ کر محترم ہستی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک و محترم جسم اقدس ہے، سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ احترامِ قبر ہی کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہ کو، جب وہ جوتوں سمیت قبروں کے درمیان سے گذر رہے تھے، فرمایا: جب تو اس طرح کے محترم مقامات سے گذرے تو (تعظیماً) اپنا جوتا اتار لیا کر۔ پس وہ کہتے ہیں کہ میں نے جوتے اتار لئے۔''

۲۔ امام ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقيل إنما أمره بخلع نعليه تعظيماً للبقعة، و قال سعيد بن جبير: كما يؤمر الرجل أن يخلع نعليه إذا أراد ان يدخل الكعبة۔(۱)

''بعض نے کہا ہے کہ اس مقدس وادی کی تعظیم کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آدمی کو جوتے اتارنے کا حکم دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح یہ حکم تھا۔''

۳۔ علامہ شوکانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظيم، ۳: ۱۴۳

أمره اللہ سبحانه بخلع نعليه، لأن ذلک أبلغ فی التواضع، وأقرب إلی التشريف والتکريم وحسن التأدب۔(۱)

’’اللہ عزّوجلّ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس میں زیادہ عاجزی و انکساری کا اظہار ہے اور (ایسا کرنا) تعظیم و تکریم اور حسنِ ادب کے قریب تر ہے۔‘‘

۴۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے:

والقرآن يدلّ علی أن ذلک احترامٌ للبقعة وتعظيم لها وتشريف لقدسها۔(۲)

’’قرآن اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا جوتے اتارنا اس مقدس زمین کے ٹکڑے کے احترام اور اس کی تعظیم اور تقدیس و حرمت کے پیشِ نظر تھا۔‘‘

۵۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

أمره بذالک لأن الحفوة تواضع و أدب و لذلک طاف السلف حافين۔(۳)

’’حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم اس لئے دیا کہ ننگے پاؤں چلنا ادب و انکساری کی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ (بعض) اسلاف ننگے پاؤں زمین پر چلتے تھے۔‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) شوکانی، فتح القدير، ۳: ۳۵۸

(۲) زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزيل، ۳: ۵۵

(۳) بيضاوی، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ۳: ۷۱

۲۔ قبرستان کی تعظیم میں جوتے اُتارنے کا حکم

حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو قبرستان کے تعظیم و احترام میں جوتا اتارنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت بشیر بن خَصَاصِیَه رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَمَرَّ عَلَى قُبُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ: لَقَدْ سَبَقَ هَؤُلَاءِ شَرًّا كَثِيْرًا، ثُمَّ مَرَّ عَلَى قُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ: لَقَدْ سَبَقَ هَؤُلَاءِ خَيْرًا كَثِيْرًا فَحَانَتْ مِنْهُ الْتِفَاتَةٌ فَرَأَى رَجُلًا يَمْشِي بَيْنَ الْقُبُوْرِ فِي نَعْلَيْهِ فَقَالَ: يَا صَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ أَلْقِهِمَا.(۱)

’’میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا تو اسی اثناء ہم مسلمانوں کی قبروں پر گذرے آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ لوگ بہت بڑی برائی سے بچ گئے، پھر مشرکین کے قبور سے گزرے تو فرمایا یہ لوگ بہت بڑی بھلائی سے محروم رہے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ پس آپ ﷺ نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتوں سمیت گزرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ فرمایا: اے جوتوں والے جوتے اتار دے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، باب كراهية المشى بين القبور فى النعال، ۴: ۹۶، رقم: ۲۰۴۸

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الجنائز، باب في خلع النعلين في المقابر، ۱: ۴۹۹، رقم: ۱۵۶۸

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۴۴۲، رقم: ۳۱۷۰

۴۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۲۸۹، رقم: ۸۲۹

❁ کسی متبرک مقام کی تعظیم میں جوتے اتار کر چلنا جائز ہے

ثابت ہوا کہ **تعظیم بخلع النعال** یعنی کسی متبرک جگہ جوتے اتار کر چلنا جائز ہے۔ جیسا کہ مساجد اور مزارات کے احاطے میں تمام مسلمان ادب و احترام کے پیش نظر اپنے جوتے اتار کر ننگے پاؤں داخل ہوتے ہیں۔ ایسا کرنا قرآن و احادیث کی نصوص سے ثابت ہے۔ یہ ایک جائز مستحسن عملِ تعظیم ہے جسے آج تک کسی نے ناجائز نہیں کہا۔

www.MinhajBooks.com

فصل ہفتم

بعض شرعی تعظیمات

www.MinhajBooks.com

جیسا کہ ہم نے گزشتہ فصول میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ تعظیم وتکریم اسلامی آداب وثقافت کا خاصہ ہے۔ سارے کا سارا دین ادب، محبت اور تعظیم ہے۔ توحید و رسالت جیسے بنیادی عقائد اس وقت تک ایمان بنتے ہی نہیں جب تک اللہ ﷻ اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اَدب و تعظیم اور محبت کا تعلق پیدا نہ ہو۔ تعظیم دراصل ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس میں محبت، اَدب اور تکریم بیک وقت موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس تعلق کے اظہار کو شرعاً عبادت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتب، اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل، اُن کی اولاد، رفقاء اور قربت رکھنے والے جملہ رشتے بھی اسی نسبت کے سبب واجب الاحترام ہیں۔

قبل ازیں زیرِنظر باب میں تعظیمِ رسالت مآب ﷺ اور آپ سے منسوب اشیاء کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ یہاں ہم بقیہ اہم شرعی تعظیمات کا اجمالی تذکرہ کر رہے ہیں جن میں قرآن، حدیث، صحابہ، اہلِ بیت اور اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم اور دیگر احباب و اشیاء کی تعظیمات شامل ہیں۔ ان تعظیمات کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد تعظیم ثابت کرنا نہیں کیونکہ یہ تعظیمات تو ثابت شدہ ہیں اور ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہیں۔ مدعائے عرض یہ ہے کہ جس طرح یہ تعظیمات ہمارے دین کا حصہ ہیں اور ہم ان میں سے کسی کو شرک قرار نہیں دیتے اسی طرح قرآن و حدیث جیسی قابلِ تعظیم نعمتیں لانے والی ہستی یعنی حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی اتباع میں اولیاء و صالحین کی تعظیم کو شرک کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اگر تعظیمِ رسالت و ولایت شرک ہے تو ان تعظیماتِ شرعیہ پر بھی شرک کا فتویٰ لگانا چاہئے۔ ذیل میں چند تعظیمات کا بالترتیب ذکر ہے:

۱۔ تعظیمِ قرآن

قرآن حکیم نبی آخر الزماں حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ شرعاً اس کی تعظیم واجب ہے۔ قرآن حکیم کے ادب واحترام اور تعظیم کے حوالے سے قرآن وحدیث کے احکامات درجہ ذیل ہیں:

۱۔ قرآن حکیم کی تلاوت سننا اور اس کا احترام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَo(۱)

’’اور جب قرآن پڑھا جائے اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائےo‘‘

۲۔ تلاوتِ قرآن سے قبل تَعَوُّذ پڑھنا واجب ہے، اِرشاد فرمایا:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo(۲)

’’سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کی وسوسہ اندازیوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریںo‘‘

۳۔ طہارت اور وضو کے ساتھ تلاوت شرط ہے، فرمایا:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌo فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍo لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَo تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَo(۳)

(۱) الأعراف، ۷: ۲۰۴

(۲) النحل، ۱۶: ۹۸

(۳) الواقعة، ۵۶: ۷۷-۸۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

''بیشک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے (جو بڑی عظمت والے رسول ﷺ پر اتر رہا ہے)O (اس سے پہلے یہ) لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہےO اس کو پاک (طہارت والے) لوگوں کے سوا کوئی نہیں چُھوئے گاO تمام جہانوں کے ربّ کی طرف سے اتارا گیا ہےO''

۴۔ ترتیل کے ساتھ، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا آدابِ تلاوت میں سے ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًاO[۱]

''اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریںO''

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی تلاوتِ قرآن کے ادب و تعظیم کی تعلیم فرمائی۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لَيْسَ مِنْ مُؤَدَّبٍ إِلَّا وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى أَدَبُهُ، وَإِنَّ أَدَبَ اللهِ الْقُرْآنُ۔[۲]

''ہر مستحقِ اَدب یہ چاہتا ہے کہ اس کا ادب کیا جائے اور بیشک اللہ تعالیٰ کا ادب قرآن ہے۔''

مذکورہ روایت میں قرآن کے ادب کو اللہ تعالیٰ کا ادب قرار دیا جارہا ہے تو اس قولِ صحابی کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ حدیث کا ادب حضور علیہ السلام کا ادب ہے۔

۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ، فَإِذَا قَرَأْتُمُوهُ فَابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا،

(۱) المزمل، ۷۳: ۴

(۲) دارمی، السنن، ۲: ۵۲۵، رقم: ۳۳۲۲

فَتَبَاكَوا، وَتَغَنَّوْا بِهِ، فَمَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِهِ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (۱)

’’بے شک یہ قرآن غم سے لبریز نازل ہوا ہے، پس جب تم اسے پڑھو تو رویا کرو، اور اگر (دل کے سخت ہو جانے کے باعث) رو نہ سکو تم (کم اَز کم) رونے والی حالت ہی بنا لیا کرو، اور نغمگی کے ساتھ خوش اِلحانی سے اس کی تلاوت کیا کرو۔ پس جو نغمگی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا:

يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَرَتِّلْهُ تَرْتِيلًا بَيِّنْهُ تَبْيِينًا وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرَ الدَّقَلِ وَلَا تَهُذُّهُ هَذَّ الشِّعْرِ، قِفُوا عِنْدَ عَجَائِبِهِ وَحَرِّكُوا بِهِ الْقُلُوبَ وَلَا يَكُونَنَّ هَمُّ أَحَدِكُمْ آخِرَ السُّوْرَةِ۔ (۲)

’’اے ابنِ عباس! جب تم قرآن پڑھو تو اس کو ٹھہر ٹھہر کر اور الفاظ و حروف کو خوب واضح کر کے پڑھا کرو۔ اس کو ردی کھجور کے بکھیرنے کی طرح نہ بکھیر دیا کرو اور نہ ہی اسے جلدی سے شعر گوئی کی طرح پڑھا کرو۔ اس کے عجائبات پر توقف کیا کرو اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کو حرکت دیا کرو اور تم میں سے کسی کا بھی ارادہ صرف آخری سورت تک پہنچنے کا نہیں ہونا چاہیے (کہ قرآن جلد ختم ہو جائے بلکہ اس کو غور و فکر اور تدبر کے ساتھ پڑھا کرو)۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصلاة، باب حسن الصوت بالقرآن، ۱: ۴۲۴، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ ابو يعلى، المسند، ۲: ۴۹، رقم: ۶۸۹

(۲) ۱۔ ديلمى، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۳۶۱، رقم ۸۴۳۸

۲۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۳: ۱۳، رقم: ۴۴۹۲

قرآن حکیم کی تعظیم بجا لانا حکمِ الٰہی اور حکمِ رسول ﷺ ہے اور ادب و احترام و غور وفکر سے اس کا پڑھنا، سننا ہر امتی پر لازم ہے۔

۲۔ تعظیمِ حدیث

قرآن حکیم کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک اقوال و افعال جنہیں وحی خفی کا درجہ حاصل ہے اہلِ اسلام کے نزدیک حد درجہ قابلِ احترام ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام رضی اللہ عنہم بالاتفاق قرآن حکیم کے بعد حدیثِ مبارکہ کو سرچشمۂ ہدایت قرار دیتے ہیں۔ اس لئے احادیث کی تعظیم و تکریم بھی دل و جان سے بجا لاتے رہے۔ قرآن کی طرح حدیث نبوی کی تعظیم کی اصل شکل اس کی تعلیمات کو حرزِ جاں بنانا ہے۔ بڑے بڑے ائمۂ دین نے حدیث نبوی کی تعظیم کو پوری زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ درس حدیث سے پہلے غسل کرتے، عمدہ اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے اور پھر ایک تخت پر نہایت عجز و انکساری سے بیٹھتے اور جب تک درس جاری رہتا انگیٹھی میں عود اور لوبان ڈالتے رہتے تھے۔(۱)

۱۔ امام مالکؒ اس درجہ حدیث کا احترام کرتے کہ درسِ حدیث کے درمیان کبھی پہلو نہیں بدلتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بیان کرتے ہیں:

کنت عند مالک وھو یحدّثنا حدیث رسول اللہ ﷺ، فلدغته عقرب بست عشرة مرّة، و مالک یتغیر لونه و یصفر ولا یقطع حدیث رسول اللہ ﷺ فلما فرغ من المجلس و تفرّق الناس، قلت: یا أبا عبد اللہ، لقد رأیت الیوم منک عجباً فقال: نعم! إنما صبرت إجلالًا لحدیث رسول اللہ ﷺ۔(۲)

(۱) ابن فرحون، الدیباج المذھب، ۱: ۲۳
(۲) ابن فرحون، الدیباج المذھب، ۱: ۲۳

’’میں امام مالک کے ہاں حاضر تھا اور وہ ہمیں احادیثِ رسول ﷺ بیان فرما رہے تھے۔ اس اثناء ایک بچھو نے انہیں سولہ (۱۶) بار ڈنگ مارا۔ امام مالک کا رنگ متغیر ہوکر زرد ہوگیا لیکن انہوں نے حدیث مبارکہ کے بیان میں انقطاع نہ کیا۔ جب وہ مجلس سے اٹھے اور لوگ چلے گئے تو میں نے کہا: ابوعبداللہ! آج میں نے آپ کے ساتھ عجیب معاملہ دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں! میرا اس تکلیف پر صبر کرنا (اپنی طاقت کی بناء پر نہ تھا بلکہ) محض حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔‘‘

۲۔ باوضو طہارت کے ساتھ حدیث رسول ﷺ کا بیان ائمۂ اسلاف کا معمول تھا۔

(۱) حضرت ابن ابی اویس بیان کرتے ہیں:

كان مالك إذا أراد أن يحدّث توضّأ و جلس على فراشه، و سرّح لحيته، و تمكّن في الجلوس بوقار وهيبة ثم حدّث، فقيل له في ذلك فقال: أحبّ أن أعظّم حديث رسول الله ﷺ، ولا أحدّث به إلا على طهارة متمكناً، و كان يكره أن يحدّث في الطريق وهو قائم أو يستعجل، فقال: أحبّ أن أتفهّم ما أحدّث به عن رسول الله ﷺ. (۱)

’’امام مالکؒ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو وضو کرتے اور مسند پر بیٹھ جاتے۔ اپنی داڑھی کو کنگھی کر کے سنوارتے اور مسند پر باوقار انداز کے ساتھ بیٹھ جاتے پھر حدیث بیان کرتے۔ اس اہتمام کے بارے میں اُن سے پوچھا گیا تو فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ کی تعظیم کو پسند کرتا

(۱) ۱۔ أبو نعيم، حلية الاولياء، ۶: ۳۱۸
۲۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۲: ۱۷۸

ہوں اسی لئے بحالتِ وضو بیان کرتا ہوں۔ امام مالک راستے میں کھڑے کھڑے اور عجلت میں حدیث بیان کرنا بھی ناپسند کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث سمجھ کر بیان کروں۔‘‘

(۲) حضرت ضریر بن مرۃ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

كانوا يكرهون أن يحدّثوا عن رسول الله ﷺ وهم على غير وضوء۔(۱)

’’ائمہ اسلاف حدیثِ رسول ﷺ کو بغیر وضو کے بیان کرنا ناپسند کرتے تھے۔‘‘

(۳) حضرت قتادہؒ فرمایا کرتے تھے:

يستحب أن لا تقرأ أحاديث رسول الله ﷺ إلا على طهارة۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو طہارت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔‘‘

(۴) حضرت ابو مصعب سے روایت ہے:

كان مالك لا يحدّث بحديث رسول الله ﷺ إلا وهو على الطهارة إجلالًا لحديث رسول الله ﷺ۔(۳)

’’امام مالکؒ حدیثِ رسول ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے طہارت کے بغیر کبھی بیان نہیں کرتے تھے۔‘‘

(۱) رامهرمزی، المحدث الفاصل، ۱: ۵۸۶

(۲) ۱۔ أبو نعيم أصبهانی، حلية الاولياء، ۲: ۳۳۵

۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۵: ۲۷۴

(۳) ۱۔ أبو نعيم أصبهانی، حلية الأولياء، ۶: ۳۱۸

۲۔ ذہبی، سير أعلام النبلاء، ۸: ۹۶

۳۔ محمد بن سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ المطلب بن حنطب، سعید بن المسیب کی بیماری میں ان کے پاس آئے جبکہ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ سے حدیث کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

أقعدونی، فأقعدوه قال: إنی أکره ان أحدّث حدیث رسول الله ﷺ وأنا مضطجع۔(۱)

’’مجھے اٹھا کر بٹھاؤ پس انہوں نے آپ کو اٹھا کر بٹھایا، آپ نے کہا: میں حدیث رسول ﷺ کو لیٹے ہوئے بیان کرنا ناپسند کرتا ہوں۔‘‘

مذکورہ بالا احادیث اور ائمہ محدثین کی تصریحات سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی احادیث مبارکہ کی فی نفسہٖ تعظیم و احترام بجا لانا منشاءِ شریعت ہے، اس کے خلاف عقیدہ رکھنا باطل اور کذب ہے۔

۳۔ تعظیمِ اہلِ بیتِ اَطہار

آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی آلِ پاک اور اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کا ادب و تعظیم نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ط اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌo(۲)

’’فرما دیجئے: میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر (اپنی اور اللہ کی) قرابت و قربت سے محبت (چاہتا ہوں) اور جو شخص نیکی کمائے گا

(۱) ۱۔ أبو نعیم أصبهانی، حلیة الأولیاء، ۲: ۱۶۹
۲۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۲: ۸۰

(۲) الشوریٰ، ۴۲: ۲۳

ہم اس کے لئے اس میں اُخروی ثواب اور بڑھا دیں گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہےo‘‘

اہلِ بیت کی تعظیم کے بیان میں چند احادیثِ مبارکہ درجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک دن مقامِ خُم پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو وعظ و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

أَلا أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُوْلُ رَبِّي فَأُجِيْبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدَى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللهِ. وَاسْتَمْسِكُوْا بِهِ. فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي. أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي۔[1]

’’لوگو سن لو! میں تو بس ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا بھیجا ہوا (ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام میرے پاس) آئے گا اور میں اسے لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ (کی تعلیمات پر عمل کرنے) پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی پھر (دوسری چیز کے بارے میں) فرمایا: اور (دوسرے) میرے اہلِ بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب، ۴: ۱۸۷۳، رقم: ۲۴۰۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۶۶، رقم: ۱۹۲۶۵

ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔‘‘

۲۔ حضرت حنش بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ أَخَذَ بِعِضَادَتَي بَابِ الْكَعْبَةِ وَ هُوَ يَقُوْلُ: مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي فَأَنَا أَبُوْ ذَرٍّ الْغِفَارِيُّ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ فِي قَوْمِ نُوْحٍ، مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ۔ (۱)

’’میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کعبہ کی دونوں چوکھٹوں کو پکڑ کر کہہ رہے تھے جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ میرے اہلِ بیت کی مثال قومِ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوگیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوگیا۔‘‘

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَحِبُّوا اللهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّوْنِي بِحُبِّ اللهِ، وَأَحِبُّوْا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي۔ (۲)

’’تم اللہ کے ساتھ اس کی ان نعمتوں کی وجہ سے محبت کیا کرو جو اس نے تم پر کی ہیں اور اللہ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت کیا کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت کے ساتھ محبت کیا کرو۔‘‘

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۵، رقم: ۲۶۳۷

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبی ﷺ، ۵: ۶۶۴، رقم: ۳۷۸۹

۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۶۲، رقم: ۴۷۱۶

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس مبارک فرمان میں اللہ تعالیٰ، اپنی اور اپنے اہلِ بیت کی محبت کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے۔ جو اللہ رب العزت سے محبت کا دعویٰ دار ہے وہ حضور علیہ السلام سے محبت کرے اور جو حضور ﷺ سے محبت کرتا ہے وہ اہلِ بیت سے محبت کرے۔ جب کوئی شخص تینوں ذاتوں سے محبت کرے گا تب اس کے ایمان کا حق ادا ہوگا۔ ان تینوں محبوں اور محبتوں میں ہرگز بھی جدائی اور فراق نہیں۔

۴۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنْزِلُوْا آلَ مُحَمَّدٍ ﷺ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَةِ الْعَيْنِ مِنَ الرَّأْسِ، فَإِنَّ الْجَسَدَ لَا يَهْتَدِي إِلَّا بِالرَّأْسِ وَإِنَّ الرَّأْسَ لَا يَهْتَدِي إِلَّا بِالْعَيْنَيْنِ۔(۱)

''آلِ محمد ﷺ کو (اپنے درمیان) وہ مقام اور درجہ دو جو مقام جسم میں سر کا، اور سر میں آنکھ کا ہوتا ہے، کیونکہ جسم، سر کے ذریعہ رہنمائی پاتا ہے اور سر آنکھوں کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرتا ہے۔''

یاد رکھیں کہ جس طرح آنکھیں سر کی رہنمائی کرتی ہیں اور بھٹکنے سے محفوظ رکھتی ہیں، ان کی وجہ سے پھر سر جسم کی رہنمائی کرتا ہے اسی طرح اہلِ بیتِ اطہار کے ساتھ نسبت اور تعلق انسان کو گمراہی اور ضلاحت سے محفوظ رکھنے کا باعث بنتی ہے۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے امام حسن و حسین اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور فرمایا:

أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ۔(۲)

''جو تم سے جنگ کرتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور جو تم سے صلح

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۶، رقم: ۲۶۴۰

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۴۰، رقم: ۲۶۲۱

رکھتا ہے میں اس سے صلح رکھتا ہوں۔‘‘

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے اہلِ بیت سے محبت کرنا، ان کو رہنما ماننا اور ان کی تعظیم و احترام بجا لانا واجب اور لازم ہے لہٰذا اِن کی تعظیم کو شرک اور بدعت کہنا خلافِ قرآن و سنت ہے۔

۴۔ تعظیمِ صحابہ کرام

حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت و تربیت پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کرنا بھی امت پر واجب ہے۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ۔(۱)

’’میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو پھر بھی وہ ان کے سیر بھر یا اس سے آدھے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔‘‘

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِي فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب قول النبي ﷺ: لو کنت متخذًا خليلًا، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۳۴۷۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سبّ الصحابة، ۴: ۱۹۶۷، رقم: ۲۵۴۰

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی فضل من رأی النّبیّ ﷺ وَ صَحِبَهُ، ۵: ۶۹۷، رقم: ۳۸۶۶

’’جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو تم (انہیں) کہو: تمہارے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔(۱)

’’جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔‘‘

مذکورہ بالا احادیث سے یہ امر مترشح ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم و احترام بجا لانا واجب ہے اور اِن کے باہمی مشاجرات (اختلافات) کے باعث اِن کی سُوءِ ادبی حرام ہے۔

۵۔ تعظیم اَولیاء اللہ

اللہ تعالیٰ کے مقرب اولیائے کرام اور صلحائے عظام رضی اللہ عنہم بھی از روئے قرآن و حدیث تعظیم و احترام کے مستحق ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًاج فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَج وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْط

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۱۹۱، رقم: ۸۳۶۶

۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۲۶۳، رقم: ۱۰۲۲

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۱۱۱، رقم: ۱۲۷۰۹

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۵: ۹۴، رقم: ۴۷۷۱

۳۔ ابن أبی شیبۃ، المصنف، ۶: ۴۰۵، رقم: ۳۲۴۱۹ (حضرت عطاء بن أبی رباح سے روایت ہے۔)

ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًاo[۱]

''اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں (رہنے والے) دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ صالح (شخص) تھا، سو آپ کے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ (خود ہی) نکالیں، اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) وہ از خود نہیں کیا، یہ ان (واقعات) کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکےo''

قرآن مجید دل بہلانے والی کہانیوں کا مجموعہ نہیں ہے کہ اس میں پیغمبرانہ واقعات پڑھ کر انسان محض محظوظ ہو، بلکہ اس کی ہر آیت اور لفظ حتی کہ حرف میں انسان کیلئے تعلیم اور حکمت کے مختلف پہلو مضمر ہیں۔ مذکورہ آیت میں بھی ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ 'صالحین کی نسبت' غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام ایک بستی میں گئے جس کے رہنے والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا، مگر اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے وہاں پر ایک کمزور دیوار کو مضبوط کر دیا۔ مذکورہ آیت میں اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جن کا باپ ''صالح'' تھا۔ پس بچوں کی اسی نسبت کی بدولت حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو درست کر دیا۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا، فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي، يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ

(۱) الکہف، ۱۸: ۸۲

الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ۔ (۱)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اُس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو، اور میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے میرا قرب برابر حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی اس طرح متردد نہیں ہوتا جیسے بندۂ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہوں۔ اسے موت پسند نہیں اور مجھے اس کی تکلیف پسند نہیں۔“

۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ لَأُنَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللهِ. قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ: هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللهِ عَلَى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ، وَلَا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۵۸، رقم: ۳۴۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۲۱۹

أَمْوَالٍ يَتَعَاطُوْنَهَا، فَوَاللهِ إِنَّ وُجُوهَهُمْ لَنُوْرٌ وَإِنَّهُمْ لَعَلَى نُوْرٍ، لَا يَخَافُوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحْزَنُوْنَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ، وَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾(۱)۔(۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو نہ انبیاء کرام ہیں نہ شہداء، قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مقام دیکھ کر اُن پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں ان کے بارے میں بتائیں کہ وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جن کی باہمی محبت صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتی ہے نہ کہ رشتہ داری اور مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ رب العزت کی قسم! ان کے چہرے پر نور ہوں گے اور وہ نور (کے ٹیلوں) پر ہوں گے، انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا جب لوگ خوفزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہیں ہوگا جب لوگ غم زدہ ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے﴾۔''

۳۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِذِكْرِ اللهِ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللهُ۔(۳)

(۱) یونس، ۱۰: ۶۲

(۲) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب البیوع، باب فی الرهن، ۳: ۲۸۸، رقم: ۳۵۲۷

۲۔ نسائی، السنن الکبری، سورة یونس، ۶: ۳۶۲، رقم: ۱۱۲۳۶

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۲۰۵، رقم: ۱۰۴۷۶

۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۱: ۴۵۵، رقم: ۴۹۹

۳۔ ابن أبی الدنیا، کتاب الأولیاء، ۱: ۱۷، رقم: ۲۶

۴۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۷۸، وَصَحَّحَهُ

’’یقیناً بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کنجیاں ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آ جاتا ہے۔‘‘

’’جامع کرامات الأولیاء‘‘ (۱: ۹۳) از ھبۃ اللہ بن الحسن لالکائی (م ۴۱۸ھ) میں اولیاء اللہ کی تعظیم کے حوالے سے ایک مستقل باب قائم ہے۔ جس کا عنوان ہے: **باب ما روي عن النبي ﷺ في تعظیم أولیاء اللہ ﷻ** ’’اولیاء کی تعظیم کے باب میں وارد ہونے والی احادیثِ نبوی ﷺ کا بیان۔‘‘

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ وہ مقربین و صالحین جنہیں اللہ کے اولیاء قرار دیا گیا ہے جن کے دیدار فرحتِ آثار سے یادِ الٰہی نصیب ہوتی ہے اُن کا ادب و احترام اور تعظیم و تکریم واجب ہے، اور ان کی تعظیم بجالانا ہرگز شرک نہیں بلکہ منشاءِ شریعت ہے۔

۶۔ تعظیمِ اَکابرین و مشائخ

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کی خدمت کی نسبت سے علمائے ربانی اور مشائخ حقانی کی تعظیم و احترام بجا لانا منشاء اِسلام ہے۔ اِن کی تعظیم کو شرک کہنا باطل اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اکابر علماء اور مشائخ کی تعظیم درج ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

۱۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، بیان کرتے ہیں:

رَأَیْتُ عَلِیًّا یُقَبِّلُ یَدَ الْعَبَّاسِ وَ رِجْلَیْهِ وَ یَقُوْلُ: یَا عَمِّ ارْضَ عَنِّي۔(۱)

’’میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے دیکھا

---

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۶
۲۔ مزی، تہذیب الکمال، ۱۳: ۲۴۰، رقم: ۲۹۰۵
۳۔ مقری، تقبیل الید، ۱: ۷۶، رقم: ۱۵

اور آپ ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے: چچا جان! مجھ سے راضی ہو جائیں۔‘‘

۲۔ حضرت ایاس بن دغفل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا نَضْرَةَ قَبَّلَ خَدَّ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ۔(۱)

’’میں نے ابونضرہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن بن علی علیہما السلام کے رُخسار مبارک پر بوسہ دیا۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ كُلَّمَا قَدِمَ الشَّامَ اسْتَقْبَلَهُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، فَقَبَّلَ يَدَهُ۔(۲)

’’وہ جب بھی شام آتے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آپ کا استقبال کرتے اور آپ کی دست بوسی کرتے۔‘‘

۴۔ شعبی سے روایت ہے:

صَلّٰى زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ عَلَى جَنَازَةٍ فَقُرِبَتْ لَهُ بَغْلَةٌ لِيَرْكَبَهَا فَجَاءَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَخَذَ بِرِكَابِهِ فَقَالَ لَهُ زَيْدٌ: خَلِّ عَنْهُ يَا ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِالْعُلَمَاءِ وَ الْكُبَرَاءِ، فَقَبَّلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَدَهُ وَ قَالَ هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا۔(۳)

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب في قبلة الخدّ، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۱
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۰۱، رقم: ۱۳۳۶۱
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۴۷، رقم: ۲۵۷۳۳
(۲) بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۷۶، رقم: ۸۹۶۵
(۳) ۱۔ غزالي، إحياء علوم الدين، ۱: ۵۰
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲: ۳۶۰
۳۔ ابن حجر عسقلاني، الإصابة في تمييز الصحابة، ۲: ۵۹۴

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے پر نماز پڑھی پھر سواری کے لیے خچر لایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر (ادباً) اس کی رکاب تھام لی۔ یہ دیکھ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے، آپ اسے چھوڑ دیں۔ اس پر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہمیں علماء و اکابر کے ساتھ اسی طرح عزت و احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی (تعظیماً) دست بوسی کی اور فرمایا: ہمیں اپنے نبی کے اہلِ بیت سے اسی برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔''

دونوں جلیل القدر صحابی اور اہلِ بیت کے فرد کے درمیان تعلق پر غور فرمائیں، حضور علیہ السلام کے گھرانے سے نسبت رکھنے والے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب ادباً اس لئے تھامی کہ وہ علم اور عمر میں اُن سے بڑے تھے، جبکہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اس حوالے سے چھوٹے تھے لیکن حضرت زید نے اُن کا ہاتھ تعظیماً اس لئے چوما کہ اُن کا تعلق اہلِ بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔ دونوں حضرات کی پیروی کرتے ہوئے آج ہمیں اہلِ بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اسی ادب اور تعظیم کا رشتہ استوار کرنے کی ضرورت ہے، تب ہی ہمیں دنیا و آخرت میں فلاح نصیب ہوگی۔

۵۔ حضرت شریک نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ حَقِّ الْعَالِمِ أَلَّا تكْثِر عَلَيْهِ بِالسُّؤَالِ، وَ لَا تُعَنِّتَهُ فِي الْجَوَابِ، وَ أَنْ لَا تُلِحَّ عَلَيْهِ إِذَا كَسِلَ، وَ لَا تَأْخُذ بِثَوْبِهِ إِذَا نَهَضَ، وَ لَا تَغْشِي لَهُ سِرًا، وَ لَا تَغْتَابَنَّ أَحَدًا عِنْدَهُ، وَ لَا تَطْلُبَنَّ عِثْرَتَهُ، وَ إِنْ زَلَّ قَبِلْتَ مَعْذِرَتَهُ، وَ عَلَيْكَ أَنْ تُوَقِّرَهُ وَ تُعَظِّمَهُ لِلّٰهِ مَادَامَ يَحْفَظُ أَمْرَ اللهِ، وَلَا

تَجْلِسُ أَمَامَهُ، وَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ سَبَقْتَ الْقَوْمَ إِلَى خِدْمَتِهِ۔[۱]

’’عالم کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ

۱۔ اس سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں۔

۲۔ جواب میں اس پر سختی نہ کی جائے۔

۳۔ جب وہ غفلت کرے تو اصرار نہ کیا جائے۔

۴۔ جب وہ مجلس کے بعد اٹھ جائے تو اس کے کپڑے نہ پکڑے جائیں۔

۵۔ اس کے راز کو افشا نہ کیا جائے۔

۶۔ اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کی جائے۔

۷۔ زبردستی اس کی صحبت اختیار کرنے کا تقاضا نہ کیا جائے۔

۸۔ اگر وہ جواب سے معذوری ظاہر کرے تو معذرت قبول کی جائے۔

۹۔ تجھ پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی تعظیم و توقیر کرے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے امر کو محفوظ کرتا ہے۔

۱۰۔ اس کے سامنے (بے ادبی کی حالت میں) نہ بیٹھا جائے اور

۱۱۔ اگر اس کی کوئی ضرورت ہو تو اس کی خدمت کے لئے لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر کوشش کرنی چاہئے۔‘‘

(۱) ۱۔ غزالي، إحياء علوم الدين، ۱: ۵۱

۲۔ قاضي عياض، الإلماع إلى معرفة أصول الرواية وتقييد السماع، ۱: ۴۸

۳۔ هندي، كنز العمّال، ۱: ۵۲۳، رقم: ۲۹۵۲۰

۷۔ تعظیمِ والدین

والدین کی تعظیم و تکریم اور ادب و احترام پر قرآن و حدیث میں متعدد ارشادات ہیں۔ یہاں پر قرآن حکیم سے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (۱)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔‘‘

۲۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا○ (۲)

’’اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ’’اُف‘‘ بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو○‘‘

۳۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا...... (۳)

’’اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے نیک سلوک کا حکم فرمایا اور اگر وہ تجھ پر (یہ) کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کچھ

---

(۱) البقرة، ۲: ۸۳

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۳

(۳) العنکبوت، ۲۹: ۸

بھی علم نہیں تو ان کی اطاعت مت کر......۔‘‘

۴۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ج حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط اِلَیَّ الْمَصِیْرُo(۱)

’’اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) تاکیدی حکم فرمایا، جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف کی حالت میں (اپنے پیٹ میں) برداشت کرتی رہی اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے (اسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا (بھی) شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ (تجھے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہےo‘‘

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ ثابت ہوا کہ والدین کی تعظیم اور احترام بجالانا واجب ہے، شرک نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی والدین کی تعظیم وتکریم اور ادب واحترام کا حکم دیا۔ چند ایک احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَی اللهِ؟ قَالَ: اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا. قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ. قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ۔(۲)

(۱) لقمان، ۳۱: ۱۴

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب البر والصلة، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللہ تعالی أفضل الأعمال، ۱: ۸۹، رقم: ۸۵

۳۔ نسائی، السنن، کتاب المواقیت، باب فضل الصلاة لمواقیتها، ۱: ۲۹۲، رقم: ۶۱۰

’’میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین سے حسن سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔‘‘

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّکَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّکَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّکَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوْکَ۔(۱)

’’یا رسول اللہ! لوگوں میں میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا: تمہاری والدہ۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری والدہ۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری والدہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون ہے؟ فرمایا: پھر تمہارا والد۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ. قِيْلَ: مَنْ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: مَنْ أَدْرَکَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْکِبَرِ، أَحَدَهُمَا أَوْ کِلَيْهِمَا، فَلَمْ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من أحقّ الناس بحسن الصحبة، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدین و انهما أحق به، ۴: ۱۹۷۴، رقم: ۲۵۴۸

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب بر الوالدین، ۲: ۱۲۰۷، رقم: ۳۶۵۸

يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (۱)

’’اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہیں ہوا۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

أُبَايِعُکَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ، أَبْتَغِي الْأَجْرَ مِنَ اللهِ، قَالَ: فَهَلْ مِنْ وَالِدَيْکَ أَحَدٌ حَيٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ. بَلْ كِلَاهُمَا. قَالَ: فَتَبْتَغِي الْأَجْرَ مِنَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْکَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب رَغِمَ أَنْفُ من أدرك أبويه ......، ۴: ۱۹۷۸، رقم: ۲۵۵۱

۲۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۷۶، رقم: ۳۲۸۰

۳۔ بیہقی، شعب الإيمان، ۶: ۱۹۵، رقم: ۷۸۸۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب لا يجاهد إلا بإذن الأبوين، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدين وأنهما أحق به، ۴: ۱۹۷۵، رقم: ۲۵۴۹

۳۔ ابو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الرجل يغزو وأبواه کارهان، ۳: ۱۷، رقم: ۲۵۲۸- ۲۵۲۹

۴۔ نسائی، السنن، کتاب البیعة، باب البيعة على الهجرة، ۷: ۱۴۳، رقم: ۴۱۶۳

’’میں آپ سے جہاد اور ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، (اور) میں اللہ تعالیٰ سے (اس کا) اجر وثواب چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان سے اچھا سلوک کر۔‘‘

۵۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَبَرُّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيهِ وَ فِي رِوَايَةٍ: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعدَ أَنْ يُوَلِّيَ۔ (۱)

’’سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کے دوستوں سے نیکی کرے اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے وفات پا جانے کے بعد اس کے دوستوں سے نیکی کرے۔‘‘

۶۔ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں جہاد کا مشورہ لینے کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَکَ وَالِدَانِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ قَالَ: اِلْزَمْهُمَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ أَرْجُلِهِمَا۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم ونحوهما، ۴: ۱۹۷۹، رقم: ۲۵۵۲
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۷۲، رقم: ۷۹۹۷
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۱۸۰، رقم: ۷۵۵۷

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۲۸۹، رقم: ۲۲۰۲
۲۔ منذری، الترغیب و الترھیب، ۳: ۲۱۶، رقم: ۳۷۵۰

’’کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں (زندہ ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہی کے ساتھ رہو کہ جنت ان کے قدموں تلے ہے۔‘‘

لمحۂ فکریہ

والدین کا حق اولاد پر یہ ہے کہ اولاد انہیں اُف تک نہیں کہہ سکتی، جھڑک نہیں سکتی، بلکہ والدین کے سامنے انہیں نرم و دھیمے لہجہ میں بات کرنے کا پابند کیا گیا ہے تو وہ ذاتِ اقدس جو اسلام و ایمان اور سلوک و وصول کا ذریعہ اور واسطہ ہو۔ عذابِ دوزخ سے نجات اور جنت کی ابدی راحتوں اور آسودگیوں کے حصول کا وسیلہ اور سبب ہو اور روحانی ترقی اور دارین میں عظمت وعزت کے ساتھ مختص ہونے اور کونین میں شرف و بزرگی کے ساتھ بہرہ ور ہونے کے ضامن و کفیل ہو، ان کا ادب و احترام اور تعظیم وتکریم کس قدر لازم اور ضروری ہوگی۔ جو مالک الملک ان مادی اور جسمانی وسیلوں کی ایذاء وتکلیف اور اسائت و بے ادبی گوارا نہیں فرماتا وہ ارحم الراحمین رب ایسے روحانی اور نورانی وسائل و ذرائع اور اسباب و وسائط کی ایذاء وتکلیف اور بے ادبی وگستاخی اوران کے حضور جسارت و بے باکی کو کیونکر گوارا فرمائے گا۔ اگر والدین، اولاد کی پرورش اور تربیتِ جسمانیہ کے لئے محنت و مشقت برداشت کریں اور مختلف النوع تکالیف و مصائب کے متحمل ہوں تو ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لئے اللہ ﷻ اپنی عبادت کے وجوب ولزوم کے ساتھ ہی ان کے ساتھ نیکی بھلائی اوراخلاص و خیرخواہی اور ادب وحسن سلوک کا حکم فرمائے تو رسولِ رحمت ﷺ جنہوں نے ہمیں ایمان و اسلام عطا کرنے کے لئے اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے بچانے کے لئے، جنت کی ابدی راحتوں تک پہنچانے کے لئے اور بارگاہِ ربانی کے حریم قدس میں مسند کرامت پر بٹھانے کے لئے کیا کیا مصائب و آلام برداشت کیے۔ پتھر کھائے، تلواروں کے وار سہے، زخمی اور لہولہان ہوئے، وطن سے بے وطن ہوئے، شب و روز سجدہ میں گر کر ہماری مغفرت وبخشش کے لئے دعائیں فرمائیں اور اب بھی مزارِ پُر انوار میں اُمت کے لئے دعا گو ہیں اور مغفرتِ ذنوب اور تکفیر سیئات اور عفو گناہ کے لئے

دست بہ دعا ہیں اور روزِ قیامت کبھی پل صراط پر، کبھی میزان کے پاس اور کبھی حوضِ کوثر پر اپنے دستِ کرم سے جام کوثر پلا کر ہمیشہ کے لئے پیاس کی مشقت سے خلاصی دلانے کے لئے اور شفاعت و سفارش کرنے کے لئے موجود ہوں گے، تو کیا ایسے سراپا رحمت محبوبِ رب العالمین نبی ﷺ، صحابہ و اہل بیت اور اولیاء اللہ کا ادب و احترام اور عزت و توقیر اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب و لازم نہیں ہوگی۔ کیا رب العالمین ان کی تعظیم و تکریم کو اپنی بارگاہ میں توسل قرار دینے کے بجائے کفر و شرک ٹھہرائے گا؟ معاذ اللہ ہرگز ایسا نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ سخت طغیان و عدوان میں مبتلا ہیں۔

اَنبیاء و رُسل عظام بلکہ تمام مقربینِ الٰہی کا ادب و احترام، تکریم و تعظیم جانِ اسلام اور روحِ ایمان ہے۔ توحید کی شہادت اور اللہ رب العزت کی عبادت تعظیم رسالت کے بغیر قطعاً قابلِ قبول اور لائق اعتبار نہیں۔ کیونکہ انکارِ تعظیم رسول ﷺ انکارِ تعظیم الٰہی کے مترادف ہے۔ ایسا تصورِ توحید جو انبیاء و اولیاء کی تکریم سے بے نیاز کر دے درست نہیں ہے۔ اولیاء و عرفاء سے عداوت اور کدورت و نفرت ایمان کی تباہی و بربادی کا موجب ہے۔

۸۔ تعظیمِ شہورِ مقدسہ

مقدس مہینوں کی حرمت اور تعظیم نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم کی حرمت کو قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ......۔ (۱)

(۱) التوبة، ۹ : ۳٦

’’بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی اللہ کی کتاب (یعنی نوشتۂ قدرت) میں بارہ مہینے (لکھی) ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین (کے نظام) کو پیدا فرمایا تھا۔ ان میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے سو تم ان مہینوں میں (از خود جنگ و قتال میں ملوث ہوکر) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا......‘‘

۲۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ.......[۱]

’’حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں......‘‘

۳۔ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ کَبِيْرٌ۔[۲]

’’لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔‘‘

۴۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ۔[۳]

’’اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت (و ادب) والے مہینے کی (یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی ماہ کی)۔‘‘

۵۔ جَعَلَ اللهُ الْکَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْیَ وَ الْقَلَآئِدَ.[۴]

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرة، ۲: ۱۹۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۷

(۳) المائدة، ۵: ۲

(۴) المائدة، ۵: ۹۷

”اللہ نے عزت (و ادب) والے گھر کعبہ کو لوگوں کے (دینی و دنیوی امور میں) قیام (امن) کا باعث بنا دیا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور کعبہ کی قربانی کو اور گلے میں علامتی پٹے والے جانوروں کو بھی (جو حرم مکہ میں لائے گئے ہوں سب کو اسی نسبت سے عزت و احترام عطا کر دیا گیا ہے)۔“

مذکورہ بالا قرآنی آیات کی رو سے حرمت والے مہینے رجب، ذو القعدہ، ذوالحجہ اور محرم کی تعظیم و تکریم واجب ہے اور ان مہینوں میں کسی قسم کی جنگ، شرانگیزی اور فتنہ و فساد پھیلانا سوءِ ادب ہے۔ ان مہینوں کے اندر مخصوص نوافل و اوراد پڑھنے کی فضیلت پر ائمہ محدّثین نے کتب بھی لکھی ہیں۔

۹۔ تعظیمِ ایامِ مقدسہ

اللہ رب العزت نے جس طرح سال کے مہینوں میں سے ۴ مہینوں کو محترم و مقدس قرار دیا اور ان کی تعظیم و تکریم اہلِ اسلام پر واجب فرمائی اسی طرح مہینوں کے بعض ایام کو بھی فضیلت حاصل ہے اور کسی نہ کسی مقدس نسبت کی وجہ سے ان کی تعظیم بھی واجب ہے۔ ان مقدس ایام میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) پیر اور جمعرات کے دن کی تعظیم

پیر کا دن بڑی فضیلت والا ہے، یہی وہ مبارک دن ہے جس میں تاجدارِ کائنات، سید المرسلین، حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، اسی بابرکت نسبتِ جلیلہ کی وجہ سے پیر کے دن کی تعظیم میں روزہ رکھنا باعثِ فضیلت ہے۔

۱۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ. فَقَالَ: فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ

أُنْزِلَ عَلَيَّ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔‘‘

پیر اور جمعرات کے دن اعمال بارگاہِ خداوندی میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ، فَأُحِبَّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ۔ (۲)

’’پیر اور جمعرات کے روز اعمال (بارگاہِ رب العزت میں) پیش کئے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے عمل پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں۔‘‘

۳۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر ......، ۲: ۸۲۰، رقم: ۱۱۶۲

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الصوم، باب فى الصوم الدهر تطوعاً، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۴۲۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۹۹، رقم: ۲۲۶۰۳

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في صوم يوم الاثنين والخميس، ۳: ۱۲۲، رقم: ۷۴۷

۲۔ نسائی، السنن، كتاب الصيام، باب صوم النبی ﷺ، ۴: ۲۰۱، رقم: ۲۳۵۸ (عن أسامة بن زيد رضی الله عنه)

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۰۱، رقم: ۲۱۸۰۱

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَتَحَرَّى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ۔[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔''

(۲) یومِ جمعہ کی فضیلت

جمعۃ المبارک وہ مبارک دن ہے جسے ہفتہ کے دیگر ایام پر فضیلت حاصل ہے۔ سابقہ شریعتوں میں اس کی تعیین نہ ہو سکی چنانچہ یہود ہفتہ اور نصاریٰ اتوار کے دن کو مقدس سمجھتے رہے۔ اللہ رب العزت نے امتِ محمدیہ ﷺ پر احسان فرمایا اور ان کو خصوصی طور پر جمعہ کی ہدایت و رہنمائی عطا فرمائی اور اس کا خصوصی ادب و احترام اور تعظیم و تکریم کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝[2]

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کیلئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۝''

یومِ جمعہ کے فضائل بکثرت احادیث میں وارد ہیں چند ایک درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الصوم عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس، ۳:۱۲۱، رقم: ۷۴۵

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الصیام، باب صوم النبی ﷺ، ۴:۲۰۲، رقم: ۲۳۶۰

(۲) الجمعۃ، ۶۲:۹

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ، فَهَدَانَا اللهُ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ، الْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ۔ (۱)

’’ہم دنیا میں آنے کے لحاظ سے پچھلے اور قیامت کے دن کے لحاظ سے پہلے ہیں سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب ملی (اور ہمیں ان کے بعد) یہی جمعہ وہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا (کہ اس کی تعظیم کریں) انہوں نے اس کی (تعیین) میں اختلاف کیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کا بتا دیا۔ دوسرے لوگ ہمارے تابع ہیں۔ یہود نے اس کے بعد دوسرے دن یعنی ہفتہ کو اور نصاریٰ نے تیسرے دن یعنی اتوار کو (باعثِ تقدس سمجھا)۔‘‘

۲۔ سنن ترمذی میں سیّدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳ - ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔) - پڑھی۔ حضرت ابنِ عباس کے پاس ایک یہودی تھا اس نے یہ سن کر کہا:

لَوْ أُنْزِلَتْ هَذِهِ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا يَوْمَهَا عِيْدًا، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَإِنَّهَا

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ۱:۲۹۹، رقم: ۸۳۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، ۲:۵۸۶، رقم: ۸۵۵

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۷:۲۴، رقم: ۲۷۸۴

نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ وَ يَوْمِ عَرَفَةَ۔(۱)

''اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بطورِ عید مناتے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ دو عیدوں کے دن ہی نازل ہوئی ہے، جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔''

۳۔ جمعہ کے احترام و تعظیم میں اس دن غسل کرنا، خوشبو لگانا اور مسواک کرنا باعثِ ثواب اور سنت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَّيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ، اِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى۔(۲)

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے، استطاعت کے مطابق طہارت کرتا ہے اور گھر میں میسر تیل یا خوشبو لگاتا ہے، پھر نماز کو نکلتا ہے اور دو شخصوں کے درمیان تفریق نہیں ڈالتا (جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتا ہے)، پھر جو نماز اس کے لئے لکھ دی گئی ہے پڑھتا ہے اور امام جب خطبہ پڑھے تو خاموشی اختیار کرتا

(۱) ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المائدۃ، ۵: ۲۵۰، رقم: ۳۰۴۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة، ۱: ۳۰۱، رقم: ۸۴۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۳۸، رقم: ۲۳۷۶۱

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۷۱، رقم: ۶۱۹۰

ہے پس اس کے وہ گناہ جو اس جمعہ اور اس سے اگلے جمعہ کے درمیان ہیں، کی مغفرت و بخشش کی جاتی ہے۔‘‘

۴۔ امام مالک بواسطہ حضرت عبید بن سبان روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسلِمِيْنَ! إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا. وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ. وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ۔(۱)

’’اے مسلمانوں کے گروہ! بے شک اس دن (یعنی روز جمعہ) کو اللہ تعالیٰ نے عید بنایا ہے پس اس دن غسل کرو، جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے لگا لینا مضر نہیں (یعنی خوشبو استعمال کرو) اور مسواک ضرور کرو۔‘‘

علاوہ ازیں احادیثِ مبارکہ میں عیدین، یوم عاشورہ اور شبِ برأت کے مواقع کے خاص آداب واحترام اور اعمال صالحہ کی بجا آوری کا حکم اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ شرعاً ان ایام اور راتوں کی حرمت اور تعظیم کرنا ضروری ہے۔

۱۰۔ تعظیمِ اَماکنِ مقدسہ

(۱) مکہ مکرمہ کی حرمت اور فضیلت

مقدس اور بابرکت مقامات کی تعظیم و تکریم بھی نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ، ارضِ شام، کوہِ طور اور دیگر محترم مقامات کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، ۱: ۶۵، رقم: ۱۴۴

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳: ۳۷۲، رقم: ۳۴۳۳ (عن أبی هريرة رضی الله عنه)

۱۔ وَ اِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوۡدِo(۱)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کر دوo‘‘

۲۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَo فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ج وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔(۲)

’’بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ) ہدایت ہےo اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) ابراہیم (علیہ السلام) کی جائے قیام ہے اور جو اس میں داخل ہوگیا امان پا گیا......۔‘‘

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا۔(۳)

’’اے ایمان والو! مشرکین تو سراپا نجاست ہیں سو وہ اپنے اس سال کے بعد

(۱) البقرة، ۲: ۱۲۵

(۲) آل عمران، ۳: ۹۶، ۹۷

(۳) التوبة، ۹: ۲۸

(یعنی فتح مکہ کے بعد ۹ ھ سے) مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔‘‘

۴۔ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا۔ (۱)

’’(آپ ان سے فرما دیجئے کہ) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہرِ (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے عزت و حرمت والا بنایا ہے۔‘‘

(۲) مدینہ منوّرہ کی حرمت و فضیلت

مکہ مکرمہ اہلِ ایمان کی تمام عقیدتوں کا مرکز و محور ہے۔ جس طرح حرمِ مکہ تقدس اور احترام کا مقام ہے اور وہاں بعض اُمور کا سرانجام دینا حرمِ مکہ کی حرمت کے منافی ہے، اسی طرح مدینہ منورہ بھی حرم ہے اور یہاں بھی اس کی عزت و احترام کے پیشِ نظر بعض افعال کی اجازت نہیں مثلاً شہرِ مدینۃ الرسول ﷺ کے سرسبز درخت اور گھاس کا کاٹنا ممنوع ہے، شکار کرنے پر بھی پابندی ہے، جنگ کی خاطر اسلحہ اُٹھانا بھی ممنوع ہے۔ مکہ مکرمہ کو یہ اعزاز کعبۃ اللہ کی وجہ سے ملا اور مدینہ منورہ کو یہ اعزاز نسبتِ رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے حاصل ہوا۔ حرمتِ مدینہ کے حوالے سے بعض احادیثِ مبارکہ کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہوا۔ (مزید تفصیل کے لئے ہماری تصنیف ’’شہرِ مدینہ اور زیارتِ رسول ﷺ‘‘ ملاحظہ کریں)

(۳) مسجدِ اَقصیٰ کی حرمت و فضیلت

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت و فضیلت کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝ (۲)

(۱) النمل، ۲۷: ۹۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱

’’وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہےo‘‘

(۴) ملکِ شام کی حرمت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَo(۱)

’’اے میری قوم! (ملکِ شام یا بیت المقدس کی) اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پشت پر (پیچھے) نہ پلٹنا ورنہ تم نقصان اٹھانے والے بن کر پلٹو گےo‘‘

(۵) مقدس وادئ طویٰ کی حرمت

اللہ رب العزت نے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ اس وادئ طویٰ کو بھی بابرکت بیان کیا:

۱۔ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَo(۲)

’’جب موسیٰ (علیہ السلام) وہاں پہنچے تو وادئ (طور) کے دائیں کنارے سے بابرکت مقام میں (واقع) ایک درخت سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک

(۱) المائدة، ۵: ۲۱

(۲) القصص، ۲۸: ۳۰

میں ہی اللہ ہوں (جو) تمام جہانوں کا پروردگار (ہوں)o‘‘

۲۔ اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىo (۱)

’’(وہ وقت یاد فرمائیے) جب ان کے رب نے طوٰی کی مقدس وادی میں ان کو آواز دیo‘‘

(۶) اہلِ مدینہ کی حرمت اور تعظیم

اہلِ مدینہ کو ڈرانے دھمکانے والے شخص کیلئے سخت وعید ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدِ کائنات حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَخَافَهُ اللهُ۔ (۲)

’’جو اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرے گا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اسے خوف زدہ کرے گا۔‘‘

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساکنانِ مدینہ کے حقوق کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا بلکہ فرمایا کہ شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہریوں پر ظلم روا رکھنے والے کے فرائض اور نوافل بھی قبول نہیں ہوں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ! مَنْ ظَلَمَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ وَأَخَافَهُمْ فَأَخِفْهُمْ، وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ

---

(۱) النّٰزعت، ۷۹: ۱۶

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۵۵، رقم: ۳۷۳۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۵، ۵۶
۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۴۸۳، رقم: ۴۲۶۵

وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفاً وَلَا عَدْلاً۔(۱)

''اے اللہ! جو بھی اہلِ مدینہ پر ظلم کرے یا انہیں ڈرائے تو تو انہیں ڈرا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ فرائض قبول فرمائے گا نہ نوافل۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے شہرِ دلنواز مدینہ منورہ کے ساکنین کا ادب و احترام بھی آپ ﷺ کی نسبت و تعلق کی وجہ سے لازم ہے، جو ایسا نہیں کرے گا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

الْمَدِيْنَةُ مُهَاجَرِي وَمَضْجَعِي فِي الْأَرْضِ، حَقَّ عَلَى أُمَّتِي أَنْ يُكْرِمُوا جِيْرَانِي مَا اجْتَنَبُوا الْكَبَائِرَ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِکَ مِنْهُمْ سَقَاهُ اللهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ۔(۲)

''مدینہ میری ہجرت گاہ ہے اور روئے زمین میں سے میری آخری آرام گاہ ہے۔ میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہمسایوں کی (اُس وقت تک) عزت و احترام کرے، جب تک اہلِ مدینہ کبائر کا اِرتکاب نہ کریں، اور جو ایسا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے (آخرت میں) پیپ ملا خون پلائے گا۔''

قرآن و احادیث کے دلائل سے یہ امر واضح ہوا کہ مقاماتِ مقدسہ کا احترام بجالانا منشاء شریعت ہے۔ اِن کی تعظیم کو شرک کہنا سراسر جہالت ہے۔

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۱۴۴، رقم: ٦٦٣٦
۲۔ دیلمی، مسند الفردوس، ۱: ۵۰۵، رقم: ۲۰٦۷

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۰۵، رقم: ۴۷۰
۲۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۳۰، رقم: ۱۳۰۱
۳۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۱۰

اہلِ مدینہ سے برائی کرنا تو درکنار برائی کا اِرادہ کرنے والے کو بھی جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَرَادَ أَهْلَ هَذِهِ الْبَلْدَةِ بِسُوْءٍ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ، أَذَابَهُ اللهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ۔(۱)

’’جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ میں) اِس طرح پگھلائے گا جیسا کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔‘‘

خلاصۂ بحث

قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص سے ہم نے دس واجب تعظیمات کا ذکر کیا ہے، جو یہ ہیں: تعظیمِ قرآن، تعظیمِ حدیث، تعظیمِ اہلِ بیتِ اطہار، تعظیمِ صحابہ کرام، تعظیمِ اولیاء اللہ، تعظیمِ اکابرین و مشائخ، تعظیمِ والدین، تعظیمِ شہورِ مقدسہ، تعظیمِ ایامِ مقدسہ، تعظیمِ اماکنِ مقدسہ۔ سوال یہ ہے کہ کیا رب العالمین، مالک الملک عزوجل اور رحمۃً للعالمین، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان بے شمار فرامینِ عالیہ کو صرف قرآن و حدیث کی ’زینت‘ بنایا ہے؟ اور کیا ہمیں ان پر عمل پیرا ہونے کا ’مکلّف نہیں بنایا‘؟ ذہن نشین رہے کہ جو شخص ایسی سوچ رکھتا ہے وہ درحقیقت ابلیسی اتباع میں قرآن وسنت کا انکار کر رہا ہے۔ قرآن و حدیث میں ان تعظیمات کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ان مقدس ذوات، اشیاء اور ازمنہ و امکنہ کو دیگر ذوات اور اشیاء سے دل و جان سے عظمت وفوقیت دیں اور ان کی حد درجہ تعظیم وتکریم کریں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الحج، باب من أراد أهل المدينة بسوء أذبه الله، ۲: ۱۰۰۷، رقم: ۱۳۸۶

۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب المناسك، باب فضل المدينة، ۲: ۱۰۳۹، رقم: ۳۱۱۴

فصل ہشتم

بعض ممنوع تعظیمات

www.MinhajBooks.com

۱۔ سجدۂ تعظیمی کی ممانعت

کسی کے آگے پیشانی کو زمین پر رکھنے کا عمل أقصیٰ غاية التعظيم یعنی انتہا درجے کے تذلل اور خضوع کا مظہر ہے، یہی سجدہ ہے جو صرف اللہ رب العزت کے لئے روا ہے۔ سابقہ شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا۔ یہ سجدہ عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ محض ادب و تعظیم کے لئے ہوتا تھا۔ گویا پہلی اُمتوں میں سجدہ کرنا بھی غایۃ التعظیم یعنی عبادت کے درجے میں نہ تھا بلکہ تعظیماً تھا۔ شریعتِ محمدی ﷺ میں تعظیم کی اس شکل کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ آج بھی اگر اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور کو عبادت کے ارادے اور نیت سے سجدہ کیا جائے تو شرک ہوگا اور محض تعظیم و تکریم کی نیت ہو تو شریعتِ محمدی ﷺ میں یہ عمل حرام ہو گا یعنی نیت کے تبدیل ہونے سے یہ عمل شرک کی سطح سے نیچے حرام کی سطح پر آ جائے گا۔

لہذا آج بھی اگر کوئی کسی نبی، ولی اور قطب غوث کے مزار پر حاضر ہو کر سجدۂ تعظیمی بجا لاتا ہے تو یہ عمل حرام ہے اگرچہ اس کا محرک اس بارگاہ کی تعظیم و تکریم ہی کیوں نہ ہو۔

عبادت کی نیت کے بغیر تعظیم و تکریم شرک نہیں

اَز روئے شرع کسی بھی عمل کا دارومدار اس کے پیچھے پوشیدہ نیت پر ہے۔ نیت ایسی چیز ہے جسے قریب کھڑا ہونے والا بھی نہیں جانتا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا نیت کرنے والے کو ہے۔ پس جو نیت ظاہر نہ ہو اس پر محض شک کی بنیاد پر شرک کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی مسلمان اور اس کے ایمان پر شرک کا فتویٰ لگائے۔ اس لئے ازراہِ تعظیم کسی کو سجدہ کرنا بلاشبہ حرام ہے لیکن بغیر نیت کے اسے شرک یا

عبادت نہیں کہا جائے گا۔

تعظیم و اِکرامِ آدم ؑ کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم

حضرت آدم ؑ نسلِ انسانی کے سب سے پہلے فرد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے نبی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو جو علم دیا تھا اس کی تعظیم و تکریم کے لئے فرشتوں کو ان کے سامنے سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا، جس سے فرشتوں کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو تمام مخلوقات میں سے چن لیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ○ قَالَ اَرَاَیْتَکَ ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ۔ (۱)

’’اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم (ؑ) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا: کیا اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟○ (اور شیطان یہ بھی کہنے لگا:) مجھے بتاؤ تو سہی کہ یہ وہ شخص ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟‘‘

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم ؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ فرشتوں کا حضرت آدم ؑ کے لئے سربسجدہ ہونا عبادت نہیں بلکہ تعظیم واحترام کے بلندترین درجے کا آئینہ دار تھا۔

اِبلیس کے خود ساختہ تصورِ توحید کا اَنجام

ملائکہ کا حضرت آدم ؑ کو سجدہ کرنے پر ان کا مقام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں بلند ہوگیا اور وہ اِبلیس جس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا وہ ملعون ہوگیا۔ اگر سجدۂ تعظیمی کا یہ عمل عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کو اس کا حکم نہ دیتا۔ وہ جس نے بزعمِ خویش توحید

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۶۱، ۶۲

کا علَم بردار ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا وہ ابد تک راندۂ درگاہِ الٰہی ہو گیا۔ ابلیس کا یہ خیال کہ وہ سجدے سے انکاری ہو کر موحّدِ اعظم بن جائے گا گمان باطل ثابت ہوا۔ دراصل اس کے انکار کا باعث یہ تکبر آمیز نظریہ تھا کہ آدم علیہ السلام ایک بشر ہے اور وہ اس سے برتر مخلوق ہے۔ ارشادِ ربانی کے مطابق اس نے شیخی بگارتے ہوئے کہا:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝(۱)

''اس نے (نبی کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور تو نے اسے مٹی سے بنایا ہے ۝''

اس کا یہ تکبر اسے لے ڈوبا اور وہ طوقِ لعنت کا حق دار بن گیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

(شیطان اپنے تکبر کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو گیا اور دائمی لعنت اس کے گلے کا ہار بن گئی۔)

جبکہ حکمِ ایزدی سے سجدہ کرنے والے فرشتے مقربانِ بارگاہِ خداوندی بن گئے۔ تمام فرشتوں نے اس ہستی کی تعظیم کی جس کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تعظیم کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس (ملعون) نے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جس کو اللہ عزوجل نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ ابلیس مخلوق میں وہ پہلا فرد ہے جس نے دین کو اپنی رائے پر جانچا اور کہا ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' اور اس نے علت یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اس لئے آدم علیہ السلام کے احترام و اکرام کو اپنے لئے عار سمجھا اور تکبر کیا تو ابلیس اول المتکبرین بن گیا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے جس برگزیدہ بندے کی عظمت بیان فرمائی، ابلیس لعین نے اس کی تعظیم نہ کی اور یہ انکارِ سجدہ بعینہٖ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکم

(۱) ص، ۳۸: ۷۶

عدولی اور اس کے سامنے تکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم فرشتوں کے مقابلہ میں ان کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے دیا تھا۔ شیطان ابلیس نے اپنے آپ کو موحدین میں شمار کیا مگر اس کی توحید نے اس کو کچھ بھی نفع نہ دیا اور سیدنا آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے دور ہوگئی۔

علمی اِستدلال

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ تعظیمی سجدہ تھا کوئی عبادت نہ تھی۔ اگر عبادت اور تعظیم میں فرق کئے بغیر اسے بھی سجدۂ عبادت مان لیا جائے تو کفر و ایمان کا فرق مٹ جاتا ہے۔ کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانیت کی ابتدا ہی شرک سے کروائی کہ آدم کو سجدہ کرو (أستغفر اللہ)۔ آیتِ کریمہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے نظریے کے مطابق جس نے توحید کی لاج اس حد تک رکھی کہ اللہ تعالیٰ کی بھی بات نہیں مانی اور غیر کو سجدہ نہ کیا تو وہ کافر ہو گیا اور وہ جو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے مقرب بنا لئے گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اب ضابطہ اور قانون بدل گیا ہے؟ کہ سجدہ کرنے والے کافر اور نہ کرنے والے مومن کہلاتے ہیں۔ ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں شرک نہیں کرتا مگر اس ایک سجدہ نہ کرنے پر اس کے سارے سجدے اور عبادتیں رائیگاں اور بے کار چلی گئیں۔ مطالعۂ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا انکار حکمِ الٰہی سے انحراف اور نبی علیہ السلام کے ادب و تعظیم کا انکار تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرانے کی غرض و غایت

مفسرین نے عام طور پر اِس سجدے کی تین توجیہات بیان کی ہیں:

۱۔ یہ حکم سجدہ کے معروف شرعی معنی میں نہ تھا۔ بلکہ لغوی معنی کے لحاظ سے تعظیمی تھا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ تم آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ ان کے سامنے

اپنی عاجزی اور تواضع کے اظہار کے لئے جھک جاؤ اور خدمت و فرمانبرداری اختیار کرو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

کان ذالک انحناء ولم یکن خرورًا علی الذقن۔(۱)

''یہ صرف جھکنا تھا، پیشانی کو زمین پر رکھنا نہ تھا۔''

امام آلوسیؒ نے بھی لکھا ہے:

ولم یکن فیه وضع الجباه بل کان مجرد تذلل وانقیاد۔(۲)

''اس میں پیشانی زمین پر نہ رکھی گئی تھی بلکہ صرف جھکنا اور اِطاعت تھا۔''

۲۔ یہ حکم معروف شرعی معنی کے لحاظ سے باقاعدہ سجدہ کا تھا جس میں پیشانی بھی زمین پر لگائی گئی۔ لیکن یہ سجدہ توجہ کا تھا سجدۂ عبادت نہ تھا۔ کیونکہ عبادت تو ذات باری کے سوا کسی اور کے لئے ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی حیثیت قبلہ کی تھی اور فرشتوں نے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کرکے باری تعالیٰ کو سجدہ ادا کیا۔ اس لحاظ سے ''**اسجدوا لآدم**'' کے حکم کا معنی یہ ہوا کہ

اسجدوا لي مستقبلین وجه ادم۔(۳)

''اے فرشتو! آدم علیہ السلام کی طرف چہرہ کر کے مجھے سجدہ کرو۔''

یہ کیوں کہا گیا۔ اس حوالے سے امام قرطبی مزید فرماتے ہیں:

وکان ادم کالقبلة لنا۔(۴)

---

(۱) نسفی، مدارك التنزیل، ۱: ۴۲

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۱: ۲۲۹

(۳) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۹۲

(۴) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۹۳

''اور آدم علیہ السلام اس سجدہ میں فرشتوں کے قبلہ کی مانند تھے (جس طرح ہمارے لیے کعبہ)۔''

اس موقف کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ توجہ کے طور پر سجدہ کیا جانا مان لیا جائے تو پھر فرشتوں پر فضیلتِ آدم ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ مسجود الیہ، ساجد سے افضل ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ قبلہ توجہ (جسے مسجود الیہ کہتے ہیں) کے مقابلے میں سجدہ کرنے والا خود زیادہ فضیلت اور بزرگی کا حامل ہو جیسے کعبۃ اللہ مسجود الیہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تھے۔ اب جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو درکنار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ اقدس میں جسدِ اطہر سے مس ہونے والی خاک کے ذرات بھی کعبۃ اللہ سے افضل اور اشرف ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے مومنین کا درجہ بھی عنداللہ کعبہ معظّمہ سے بلند قرار دیا ہے۔ لہٰذا سجدہ توجہ کی دلیل سے فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت متحقق نہیں ہوتی۔ صرف حکمِ الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے جب کہ سجدہ کا حکم بنیادی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت و کرامت تسلیم کرانے کے لئے دیا گیا تھا۔ ائمہ تفسیر نے بہ صراحت لکھا ہے:

وإن ادم أفضل من هؤلاء الملائكة لأنه أعلم منهم، والأعلم أفضل لقوله تعالى: ﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۱) ...... لما أنباءهم بالأسماء وعلمهم ما لم يعلموا أمرهم بالسجود له اعترافاً بفضله واداء لحقه، واعتذاراً عما قالوا فيه۔(۲)

(۱) الزمر، ۳۹: ۹

(۲) بيضاوى، أنوار التنزيل و أسرار التأويل، ۱: ۸۶

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

''بیشک آدم علیہ السلام ان تمام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ وہ ان سے زیادہ صاحبِ علم تھے اور جو زیادہ صاحبِ علم ہو وہ باری تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق دوسرے سے افضل ہوتا ہے۔ فرمایا: ''کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں؟'' چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو اشیاء کائنات کے اسماء بتا دیئے اور اس طرح انہوں نے وہ کچھ بتا دیا جو وہ فرشتے نہیں جانتے تھے تو باری تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرتِ آدم علیہ السلام کو ان کی فضیلت کے اعتراف میں اور ان کے حقِ بزرگی کی ادائیگی کے لئے اور جو کچھ انہوں نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کی نسبت کہا تھا، اس کی معذرت کے طور پر سجدہ کریں۔''

بنابریں یہ خیال درست نہیں کہ سجدہ فی الحقیقت باری تعالیٰ کو کیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی حیثیت درمیان میں محض قبلہ کی تھی اگر یہ بات مان لی جائے تو اس سے محض منشاءِ ایزدی جو کہ فضیلت آدم علیہ السلام تسلیم کرانے کے لئے تھا اس کی تکمیل نہیں ہوتی۔

۳۔ اس سجدے کو سجدۂ تعظیم ماننے سے واضح طور پر منشاءِ ایزدی کی تعمیل ہو جاتی ہے کیونکہ تعظیمی سجدہ کا معنی یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا مسجود کی فضیلت اور کرامت کا معترف ہے۔

(ا) امام قرطبیؒ نے اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

کان ذالک السجود تکریماً لآدم و إظهارًا لفضله۔(۱)

''یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم و تعظیم اور اظہارِ فضیلت کے لیے تھا۔''

(۲) امام ابن جریرؒ نے لکھا ہے:

و کان سجود الملائکة تکرمة لآدم۔(۲)

(ا) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱:۲۹۳

(۲) طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱:۲۲۸

''ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم بجا لانے کے لئے تھا۔''

(۳) امام بغویؒ لکھتے ہیں:

کان ذالک سجود تعظیم وتحیة لا سجود عبادة۔(۱)

''یہ سجدہ تعظیم تھا، سجدۂ عبادت نہ تھا۔''

یہی موقف درست ہے۔ قرآن مجید کا سیاق و سباق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ مزید برآں جب باری تعالیٰ نے شیطان سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ o(۲)

''میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا o''

شیطان کا یہ جواب حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور برتری کے انکار پر مبنی ہے اس کا منشاء یہ تھا کہ جب میں اسے اپنے مقابلے میں افضل اور بزرگ و برتر تسلیم ہی نہیں کرتا تو سجدہ کیوں کروں؟

اِنسانی تاریخ کا پہلا جرم شرک نہیں ...... اِہانتِ نبوت تھا

حکمِ سجدہ، حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و برتری کے اعتراف اور ان کی تعظیم و تکریم تسلیم کرانے کے لئے تھا۔ مقصود اس حقیقت کا اظہار تھا کہ قیامت تک جو لوگ شانِ نبوت کی تعظیم و تکریم بجا لانے میں فرشتوں کی طرح کوئی پس و پیش نہیں کریں گے اور

---

(۱) بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۶۲

(۲) الأعراف، ۷: ۱۲

ہمیشہ دہلیزِ نبوت و رسالت پر اَدباً و اِکراماً جھکے رہیں گے انہیں بارگاہِ الٰہی میں قرب و منزلت عطا کی جائے گی اور جو لوگ شانِ نبوت کی تعظیم و تکریم بجا لانے میں شیطان کی طرح پس و پیش کریں گے اور اعتراض و تنقید کی راہ اپنائیں گے وہ ہمیشہ کے لئے بارگاہِ الٰہی سے دھتکار دیئے جائیں گے۔ تنقیصِ رسالت کے بعد نہ ان کا عقیدۂ توحید مقبول رہے گا اور نہ ان کی عبادات و طاعات مقبول ہوں گی۔ ہم یہاں سجدۂ تعظیمی کی ایک اور مثال قرآن سے بیان کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سجدۂ تعظیمی

سجدۂ تعظیمی کا عمل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بھی جائز تھا جیسا کہ سورۃ یوسف میں فرمایا:

وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۝[1]

’’اور یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو اوپر تخت پر بٹھا لیا اور وہ (سب) یوسف (علیہ السلام) کے لئے سجدہ میں گر پڑے ۝‘‘

پہلے فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے سجدہ کروایا اب دو پیغمبروں کی موجودگی میں سارے بھائیوں سے سجدہ کروایا جا رہا ہے۔ اگر یہ تعظیمی سجدہ شرک ہوتا تو **(معاذ اللہ)** کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے شرک کی تعلیم دی؟ اللہ کے نبی توحید کے داعی ہوتے ہیں، اگر یہ سجدہ عبادۃً ہوتا، تعظیماً نہ ہوتا تو انہیں ضرور منع کر دیا جاتا۔ آیت کے الفاظ ’’خَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا‘‘ بھی صریحاً سجدہ پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس میں کسی کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی کہ سجدے کی یہ کیفیت حالتِ رکوع، انحناء یا جھکاؤ پر مشتمل ہوگی۔ بلکہ یہ صرف اور صرف سجدہ تھا اور یہ سجدہ تحیتاً و تکریماً حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر ان کی شرافت و فضیلت ظاہر کرنے کی وجہ سے تھا، اور سجدۂ تعظیمی ان کی

(۱) یوسف، ۱۲: ۱۰۰

شریعت میں شرک نہ تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سجدۂ تعظیمی کی خواہش

سابقہ شرائع میں سجدہ تعظیمی جائز تھا۔ اس تناظر میں ہم ایک حدیث کا حوالہ دیں گے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اونٹ اور کچھ دوسرے جانوروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے دل میں بھی شدید خواہش پیدا ہوئی کہ کیوں نہ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعظیماً سجدہ کریں حدیثِ مبارکہ میں ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ، فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهُ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، تَسْجُدُ لَکَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ، فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَکَ. فَقَالَ: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، وَأَكْرِمُوْا أَخَاكُمْ، وَلَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔(۱)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین اور انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے: ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب جانور اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہمارا حق آپ کو سجدہ کرنے کا ان سے زیادہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا احترام کرو، اگر میں کسی کو کسی کے لئے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔‘‘

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۷۶، رقم: ۲۴۴۷۰

شریعت کے واضح حکم کے باوجود صحابہ کے دل میں آپ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی شدید خواہش تھی، لیکن شارع علیہ السلام نے ان کی اس خواہش کو سختی سے رد کر دیا۔ اس کی بجائے تعظیم کا حکم دیا گیا۔

ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام گئے انہوں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے علماء اور حکام کو سجدہ کرتے دیکھا واپسی پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کو سجدہ کیا۔ حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ملاحظہ کریں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِی أَوْفَی قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاذٌ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا هَذَا يَا مُعَاذُ؟ قَالَ: أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ وَبَطَارِقَتِهِمْ فَوَدِدْتُ فِی نَفْسِي أَنْ نَفْعَلَ ذٰلِکَ بِکَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: فَلَا تَفْعَلُوْا، فَإِنِّي لَوْ کُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللهِ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔[1]

''حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے روایت کیا کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام سے آئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: میں شام گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے علماء اور حکام کو سجدہ کرتے دیکھا پس میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا ہرگز نہ کرو۔ اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

اس حدیث سے یہی بات ثابت ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی حد درجہ

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأة، ۱: ۵۹۵، رقم: ۱۸۵۳

تعظیم کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے دلوں میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ کو تعظیماً سجدہ کریں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا بھی، لیکن آپ ﷺ نے بعد ازاں منع فرمایا اور سجدۂ تعظیمی کو بھی اپنی امت میں حرام قرار دے دیا۔

خلاصۂ بحث

سجدۂ تعظیمی شریعتِ محمدی ﷺ میں حرام ہے مگر شرک نہیں، اگر کوئی کسی کو تعظیماً سجدہ کر دے تو ایسا کرنے والا شرک کا نہیں بلکہ حرام کا مرتکب ہو گا۔ اگر تعظیماً سجدہ کرنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کبھی حکم نہ دیتا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا جاتا۔ شرک کبھی کسی امت میں جائز نہ تھا۔ قاعدہ اور کلیہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں مذکور کسی امر کو شریعت محمدیہ ﷺ نے حرام قرار نہیں دیا تو وہ امت کے لئے جائز ہے اگر کسی امر سے منع کر دیا گیا تو وہ پھر امتِ محمدیہ ﷺ کے لئے حرام اور مکروہِ تحریمی ہو گا یہی حال سجدہ تعظیمی کا ہے۔

۲۔ مزارات کے طواف اور من گھڑت تعظیمات

کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی مقام یا قبر کا طوافِ تعظیمی منع ہے۔ اسی طرح بعض مزارات کے قریب بیری وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں جن کے نیچے لوگ چادریں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اگر بیر گرے تو اُس کا احترام بجا لاتے ہیں اور اُس سے روزہ افطار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ بیری کے پھل سے بیٹے کی فال نکالتے ہیں اور اگر پتے گریں تو بیٹیوں کی فال نکالتے ہیں۔ کوئی شخص خود بیر توڑ لے تو اُسے بھی بے ادبی و گستاخی سمجھ کر سخت برا گردانتے ہیں۔ یہ تمام اُمور توہم پرستی کو فروغ دینے والے اور بے بنیاد ہیں، شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔

- اِسی طرح قبر بلا مقبور کی زیارت کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض جہلاء فرضی مزارات بنا کر اصل کی طرح اس کا ادب و احترام بجا لاتے ہیں جس کی شریعت نے بالکل

اجازت نہیں دی۔ جس طرح کہ بعض جگہ لوگوں نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے مزارات وغیرہ بنائے ہوئے ہیں جن پر عرس کرتے ہیں۔ محدّث بریلویؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا کہ ''پیرانِ پیرؒ کے نام سے بعض جگہ مزار بنا لیا گیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اِن کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔ اِس مزار میں ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے وہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''جھوٹا مزار بنانا اور اُس کی تعظیم جائز نہیں۔''(۱)

❁ اِسی طرح بعض اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ایسے درخت ہوتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اِن کے کاٹنے سے صاحبانِ مزار ناراض ہو جاتے ہیں لہٰذا اِنہیں کاٹنا مقاماتِ حرم کی طرح حرام ہے۔ یہ سراسر جہالت ہے اور یہ بھی شرک فی التحریم ہے۔ اہلِ اسلام کو ایسے غلط عقائد سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سر پر چوٹی رکھ کر اس کی تعظیم کرنا

بعض جگہوں پر مرد سر پر چوٹی رکھ کر کسی بزرگ کے نام منسوب کرتے ہیں پھر احتراماً اسے نہیں کاٹتے یا ایک معینہ مدت کے بعد کاٹتے ہیں مگر اسطرح مردوں کا سر پر کسی بھی بزرگ کے نام پر چوٹی رکھنا اور پھر کٹوانے کی نذر و منت ماننا شرعاً جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدّث بریلویؒ نے نہایت عمدہ لکھا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقیر چوٹی رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حرام ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔(۲)

(۱) احمد رضا خان، فتاویٰ رضویه، ۴: ۱۱۶

(۲) ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب فی المخنثین، ۱: ۶۱۴، رقم: ۱۹۰۴

”حضور نبی اکرم ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں، لعنت کی ہے۔“(۱)

اسی طرح بچوں کے سر پر اولیاء کے نام کی چوٹی رکھنے کے متعلق حضرت فاضل بریلویؒ لکھتے ہیں: ”بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اِس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔ اِس میعاد تک کتنی ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گذار کر مزار پر لے جا کر وہ بال اُتارتی ہیں تو یہ محض بے اصل و بدعت ہے۔“(۲)

مختلف درختوں میں اَرواحِ مقدسہ کے تصور سے تعظیم کرنا

کئی دیہاتوں میں بعض جہلاء درختوں کے ساتھ عجیب و غریب داستانیں وضع کئے ہوئے ہیں اور فرضی قصے کہانیاں سنا کر مجاور لوگ لنگر کے لئے تحائف و ہدایا اکٹھے کرتے ہیں۔ اِن سے متعلق محدّث بریلویؒ سے مسئلہ پوچھا گیا:

”کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنت اِس صورت میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلاں طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ، شیرینی اور چاول وغیرہ دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اِس شہر میں بہت جگہ واقع ہے، کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل؟“

محدّث بریلویؒ نے اس سے منع کرتے ہوئے جواب دیا:

”یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں اِن کا ازالہ لازم

(۱) احمد رضا خان، الملفوظ، ۲: ۱۱۰

(۲) احمد رضا خان، فتاویٰ افریقہ: ۶۸

ہے۔ ما أنزل اللہ بها من سلطان ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم۔‘‘(۱)

۳۔ غیر شرعی حلف کا اِحترام منع ہے

شرعی حلف اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے تاہم فقہائے اُمت کے نزدیک کلام اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نام پر بھی حلف منعقد ہو جاتا ہے اور مستقبل میں کسی اَمر کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانا اور پھر توڑ دینے کی صورت میں کفّارہ لازم ہو جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اُٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اِس کی حرمت اور حیثیت اُسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی یا کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حلف کی، تو یہ عقیدہ اصلاح طلب ہے کیونکہ اعتقاداً کسی اور کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کی مثل جاننا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اُٹھائے تو وہ شرعی حلف نہیں ہوگا اِس لئے اِس پر کفّارہ لازم نہیں۔

۴۔ ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز میں خود ساختہ تعظیمات

نذر و نیاز برائے ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف وغیرہ جیسے مباح مستحب اور مستحسن اُمور کے بارے میں بعض علاقوں میں بہت سی خود ساختہ تعظیمات بوجہ جہالت رواج پا گئی ہیں جو ازروئے شرع جائز نہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر اُس نے گیارہویں کا دودھ نہ دیا تو اِس کی بھینس یا گائے مر جائے گی، یا بیمار ہو جائے گی یا رزق کم ہو جائے گا، اولاد کی موت واقع ہو جائے گی، گھر میں نقصان ہو جائے گا۔ اِسی طرح کاروبار اور کھیتی میں بزرگوں کا حصہ یعنی زکوٰۃ اور عشر شرعی وغیرہ کے علاوہ بزرگوں کی سالانہ شیرینی جو عوام میں مروج ہے یہ شرعاً دینا تو جائز ہے لیکن نہ دینے پر توہم پرستی کو فروغ دینا جائز نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں بوجہ جہالت فروغ پا جاتی ہیں اور پھر لوگ اِن کے ساتھ نفع و نقصان کا

(۱) احمد رضا خان، احکام شریعت، ۱: ۳۲

عقیدہ وابستہ کر لیتے ہیں جو کہ شرک فی العبادت ہے لہٰذا اِن اُمور سے بچنا ضروری ہے۔

ائمہ اہلِ بیت اطہار کے لئے نیاز برائے ایصالِ ثواب مسلمانوں کا معمول ہے۔ اس عمل میں بھی بعض حالتوں میں افراط وتفریط کا عنصر موجود ہے۔ اس مستحب عمل کو بجا لانے والے اگر نذر کی طرح فرض اور واجب سمجھ کر اسے ادا کریں تو یہ بھی احکامِ شریعت سے انحراف ہے۔ اسی طرح اس کے ردِعمل میں بعض لوگ اس مستحب عمل کو قطعی حرام اور شرک کے زمرے میں شامل کر کے ختمِ نیاز وغیرہ کا اہتمام کرنے والوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ عمل مستحب ہے اس میں حرمت اور شرک کی کوئی علت موجود نہیں ہوتی۔

ایسی نذر و نیاز کے ساتھ بعض لوگ اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط و حدود اور پابندیاں عائد کرتے ہیں مثلاً فلاں شخص کھا سکتا ہے، فلاں عورت نہیں کھا سکتی، گھر سے باہر لے جانا منع ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کے نام جانوروں کو منسوب کر کے اُن کا احترام بجا لانا، اُن سے کوئی کام لینا شرعاً حرام سمجھنا اور اُن کی بے حرمتی کو بھی حرام سمجھنا ایسا عقیدہ شرک فی التحریم میں شمار ہوتا ہے اور یہ خود ساختہ تعظیمات ہیں جن کا حقیقتِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا عوام پر ایسی باریکیاں واضح کر دینی چاہئیں۔

خلاصۂ بحث

اس باب میں ہم نے توحید اور تعظیم کا حقیقی تصور قرآن وسنت اور اقوالِ ائمہ حدیث وتفسیر کی روشنی میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ عبادت اور تعظیم برابر درجے کا عمل نہیں، ہاں! عبادت کے اندر تعظیم کی آخری حد ضرور شامل ہے لیکن تعظیم کے لئے ضروری نہیں کہ وہ عبادت بھی ہو۔

دوسری بات یہ کہ عبادت ایک ایسا عظیم الشان عمل ہے جو فقط ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس لائق ہے کہ اسکی عبادت کی جائے جب کہ ادب و احترام اور وہ تعظیم جو درجہ عبادت سے کم ہو بہت سوں کے لئے جائز ہے مثال کے طور پر

ہم نے نصِ قرآنی سے بیان کیا کہ صفا و مروہ اورقربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں اور ازروئے قرآن شعائر اللہ کی تعظیم عبادت ہے۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صفاء و مروہ جو درحقیقت دو پہاڑیاں ہیں اسی طرح قربانی کے جانور بھیڑ بکریاں اور گائے اونٹ بھی اللہ کی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شعائر قرار دیا اس لئے مسلمان ان کی تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم عبادت ہے مگر از خود ان اشیاء کی عبادت کوئی نہیں کرتا۔ یعنی ان کی شرعی تعظیم تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے مگر ان کی عبادت شرک ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان امتیازات اور حدود و قیودات کو سمجھا جائے تاکہ بلاوجہ کسی جائز عمل کو شرک قرار دے کر خود ہی مبتلائے کفر نہ ہوں۔ مثلاً فعلِ الٰہی اور فعلِ رسول کو اگر خالق و مخلوق کے اعتبار سے دیکھیں دو الگ الگ ذاتیں ہیں جن میں کوئی مماثلت مساوات اور ہمسری نہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے فعلِ رسول ﷺ کی تعظیم کو اپنے فعل کے ساتھ اکٹھا برابر درجہ میں بیان کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔[1]

”اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لَا تُقَدِّمُوْا کے ذریعہ فعلِ رسول ﷺ کو اپنے فعل کے ساتھ برابر درجہ میں بیان کر دیا، حالانکہ اصل مقصود تو فعلِ رسول ﷺ سے تقدم کی ممانعت ہے۔ پس اگر کوئی شخص ان شرعی باریکیوں کو سمجھے بغیر محض عقل کی بناء پر جوشِ توحید میں مسلمانوں پر کفر و شرک کا فتویٰ لگائے تو وہ نصِ قرآنی سے انکار کی وجہ سے خود کفر کے دلدل میں پھنس جائے گا۔ علاوہ ازیں ہم نے ان ممنوع تعظیمات کا بھی ذکر کر دیا جو شرعاً حرام اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ تاکہ دونوں طرف کی انتہاء پسندیوں کو راہِ اعتدال پر لایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے طفیل ہمیں فہم و حکمتِ دین عطا فرمائے اور امتِ مسلمہ کو انتشار و افتراق کی کیفیت سے بچائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ

(۱) الحجرات، ۴۹:۱

بحمد اللہ تعالیٰ **کتاب التوحید** کی جلد اوّل کے مضامین یہاں ختم ہوئے۔ دوسری جلد میں توحید اور توسّل، توحید اور شفاعت، توحید اور استعانت و استمداد، توحید اور واسطۂ شرعیہ و واسطۂ شرکیہ اور توحید اور زیارت کی اہم ترین علمی اور اعتقادی مباحث شامل ہیں۔

www.MinhajBooks.com

مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني**۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ **ابن ابی حاتم**، عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی (۳۲۷ھ)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ صیدا: المکتبۃ العصریۃ۔

٤۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۵۔ **ابن ابی العز دمشقی**، قاضی علی بن علی بن محمد (۷۹۲ھ)۔ **شرح العقیدۃ الطحاویۃ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۴ھ۔

٦۔ **ابن احمد حکمی**، حافظ بن احمد بن علی (۱۳۴۲۔۱۳۷۷ھ/ ۱۹۲۳۔۱۹۵۸ء)۔ **أعلام السنۃ المنشورۃ**۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۷۔ **ابن اسحاق**، اسماعیل بن اسحاق المالکی (۱۹۹۔۲۸۲ھ)۔ **فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: دار المدینۃ المنورہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۸۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **إقتضاء الصراط المستقیم**۔ لاہور، پاکستان: المکتبۃ السلفیۃ، ۱۹۷۸ء۔

۹۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **الرسالۃ التدمریۃ**۔ اسکندریہ، مصر: دار البصیرہ۔

۱۰۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (٦٦١۔٧٢٨ھ/ ١٢٦٣۔١٣٢٨ء)۔ **الصارم المسلول**۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ١٤١٧ھ۔

۱۱۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (٦٦١۔٧٢٨ھ/ ١٢٦٣۔١٣٢٨ء)۔ **قاعدة جليلة فی التوسل و الوسيلة**۔ لاہور، پاکستان: ادارہ ترجمان السنہ۔

۱۲۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (١٣٣۔٢٣٠ھ/ ٧٥٠۔٨٤٥ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ١٤١٠ھ/ ١٩٩٠ء۔

۱۳۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (٥١٠۔٥٧٩ھ/ ١١١٦۔١٢٠١ء)۔ **صفوة الصفوة**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤٠٩ھ/ ١٩٨٩ء

۱٤۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (٥١٠۔٥٧٩ھ/ ١١١٦۔١٢٠١ء)۔ **زاد المسير فی علم التفسير**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٤٠٤ھ۔

۱۵۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠۔٣٥٤ھ/ ٨٨٤۔٩٦٥ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤١٤ھ/ ١٩٩٣ء۔

۱٦۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠۔٣٥٤ھ/ ٨٨٤۔٩٦٥ء)۔ **الثقات**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٣٩٥ھ/ ١٩٧٥ء۔

۱۷۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (٢٢٣۔٣١١ھ/ ٨٣٨۔٩٢٤ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٣٩٠ھ/ ١٩٧٠ء۔

۱۸۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (١٦٨۔٢٣٠ھ/ ٧٨٤۔٨٤٥ء)۔ **الطبقات الكبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ١٣٩٨ھ/ ١٩٧٨ء۔

۱۹۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی (١٢٤٤۔

۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی الدر المختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۲۰۔ **ابن عادل دمشقی۔ تفسیر اللباب فی علوم القرآن۔**

۲۱۔ **ابن عباس،** صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ (۶۸ھ) ۔ **تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۲۔ **ابن عبد البر،** ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **التمهید**۔ مغرب (مراکش): وزارت عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۲۳۔ **ابن عجیبہ،** ابوالعباس احمد بن محمد بن مہدی حسنی (۱۲۲۴ھ)۔ **تفسیر البحر المدید**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۲۴۔ **ابن فرحون،** ابراہیم بن علی بن محمد بن فرحون یعمری مالکی۔ **الدیباج المذهب فی معرفة أعیان علماء المذهب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۵۔ **ابن قیسرانی،** ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد مقدسی (۴۴۸۔۵۰۷ھ/ ۱۰۵۶۔ ۱۱۱۳ء)۔ **تذکرة الحفاظ**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الصمیعی، ۱۴۱۵ھ۔

۲۶۔ **ابن قیم،** محمد بن ابی بکر، ایوب الزرعی، أبو عبداللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **الروح**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۲۷۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبداللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۲۸۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۲۹۔ **ابن ماجہ،** ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۰۔ **ابن مبارک،** ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸۔۱۸۱ھ/

۳۶۷-۷۹۸ء)۔ **کتاب الزهد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۱۔ **ابن منده**، ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن یحییٰ (۳۱۰-۳۹۵ھ/۹۲۲-۱۰۰۵ء)۔ **الإیمان**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۶ھ۔

۳۲۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری (۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۳۳۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (۹۷۰ھ)۔ **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**۔ **مصر**: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ۔

۳۴۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ) ۔**فتح القدیر**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۳۵۔ **ابو الحسن اشعری**، علی بن اسماعیل بن اسحاق (۲۶۰-۳۲۴ھ/ ۸۱۷-۸۸۹ء) ۔**الابانۃ عن أصول الدیانۃ**۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۳۶۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ/۸۱۷-۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۳۷۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ/۸۱۷-۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۸۔ **ابو سعود**، محمد بن محمد العمادی (۹۵۱ھ)۔ **تفسیر ارشاد العقل السلیم إلی مزایا القرآن الکریم**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۹۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰-۳۱۶ھ/ ۸۴۵-۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۴۰۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶-۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **حلیۃ الأولیاء و طبقات الأصفیاء**۔ بیروت، لبنان:

دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۱۔ ابونعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **دلائل النبوۃ**۔ حیدرآباد، بھارت: مجلس دائرہ معارف عثمانیہ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء۔

۴۲۔ ابونعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **مسند الإمام أبی حنیفه**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۴۳۔ ابو یعلی، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۴۴۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۴۵۔ احمد رضا، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **احکامِ شریعت**۔ لاہور، پاکستان: شبیر برادرز، ۱۹۸۴ء۔

۴۶۔ احمد رضا، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **فتاویٰ افریقه**۔ لاہور، پاکستان: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۵ء۔

۴۷۔ احمد رضا، ابن نقی علی خاں قادری بریلوی (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ/ ۱۸۸۶۔۱۹۲۱ء)۔ **فتاویٰ رضویه**۔ لاہور، پاکستان: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، ۱۹۹۱ء۔

۴۸۔ احمد مصطفیٰ، المراغی۔ **تفسیر المراغی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء۔

۴۹۔ اشرف علی تھانوی، مولانا (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ/ ۱۸۶۳۔۱۹۴۳ء)۔ **نشر الطیب**۔ کراچی، پاکستان: ایچ۔ ایم سعید کمپنی، ۱۹۸۹ء۔

۵۰۔ اندلسی، عمر بن علی بن احمد الوادیاشی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ **تحفة المحتاج إلی أدلة المحتاج**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۵۱۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفی (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۵۲۔ **انور شاہ کشمیری**، محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیری (۱۲۹۲۔۱۳۵۲ھ)۔ **فیض الباری علی صحیح البخاری**۔ قاہرہ، مصر: مطبعہ حجازی، ۱۳۵۷ھ۔۱۹۳۸ء۔

۵۳۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔**الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۵۴۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۵۵۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **التاریخ الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۵۶۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۵۷۔ **بغوی**، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۵۸۔ **بیضاوی**، ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (۷۹۱ھ)۔ **التفسیر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۵۹۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **دلائل النبوۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۶۰۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ /۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

٦١۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

٦٢۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **المدخل السنن الکبریٰ**۔ الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

٦٣۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **شعب الإیمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

٦٤۔ **بیہقی**، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **الإعتقاد**۔ بیروت، لبنان، دار الآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

٦٥۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **الزھد الکبیر**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۹۹۶ء۔

٦٦۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

٦٧۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ **الشمائل المحمدیہ**۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۱۲ھ۔

٦٨۔ **تفتازانی**، سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ (۷۱۲۔۷۹۱ھ/۱۳۱۲۔۱۳۸۹ء)۔ **شرح العقائد النسفیۃ**۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ خیر کثیر۔

٦٩۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۰۔ **حکیم ترمذی،** ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر۔ **نوادر الأصول فی أحادیث الرسول۔** بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۷۱۔ **حلبی،** علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ) ۔**السیرة الحلبیة/ إنسان العیون۔** بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۷۲۔ **حمیدی،** ابو بکر عبد اللہ بن زبیر (م۲۱۹ھ/۸۳۴ء) ۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۷۳۔ **خازن،** علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (٦٧٨۔۷۴۱ھ/۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء) ۔**لباب التأویل فی معانی التنزیل۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۷٤۔ **خطیب تبریزی،** ولی الدین أبو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م۷۴۱ھ)۔ **مشکوة المصابیح۔** بیروت، لبنان، الکتب العلمیة، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۷۵۔ **خوارزمی،** ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی (۵۹۳۔٦٦۵ھ)۔ **جامع المسانید۔** بیروت، لبنان۔

۷٦۔ **دارمی،** ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸٦۹ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۷۷۔ **دیلمی،** ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸٦ء۔

۷۸۔ **ذہبی،** شمس الدین محمد بن احمد (٦۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۷۹۔ **ذہبی،** شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (٦۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **میزان الإعتدال فی نقد الرجال۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۸۰۔ **رویانی**، ابوبکر فی بن ہارون (۳۰۷ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۸۱۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسير الكبير**۔ تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۸۲۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابو فیض السید محمد مرتضی حسینی واسطی حنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواهر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ۔

۸۳۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواهب اللدنية**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۸٤۔ **زمخشری**، امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ **الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل**۔ قاہرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔

۸۵۔ **سبکی**، تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام انصاری (۶۸۳۔۷۵۶ھ/ ۱۲۸۴۔۱۳۵۵ء)۔ **شفاء السقام فی زيارة خير الأنام**۔ حیدر آباد، بھارت: دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۱۵ھ۔

۸٦۔ **سیوطی**، امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان السیوطی، (۸۴۹-۹۱۱ھ / ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**۔ بیروت، لبنان: شرکۃ دار الأرقم بن ابی الأرقم۔

۸۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **الخصائص الكبرى**۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۸۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان

(۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور۔** بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

۸۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح علی سنن النسائی۔** حلب، شام: مکتب المطبوعات الإسلامیہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸٦ء۔

۹۰۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تفسیر الجلالین۔** بیروت لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۹۱۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی، (متوفی: ۱۱۷۴ھ/۱۷٦۲ء)۔ **انفاس العارفین۔** دہلی، بھارت: مطبع مجتبائی، ۱۳۳۵ھ۔

۹۲۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷٦۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۹۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷٦۰۔۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدیر۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۹۴۔ **صاوی**، احمد بن محمد خلوتی مالکی (۱۱۷۵۔۱۲۴۱ھ/۱۷٦۱۔۱۸۲۵ء)۔ **حاشیہ علی تفسیر الجلالین۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۹۵۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد طاہر القادری ۔ **عرفان القرآن۔** لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ ۱۴۲٦ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۹٦۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲٦۰۔۳٦۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۹۷۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲٦۰۔۳٦۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط۔**

رياض، سعودی عرب: مكتبة المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۸۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الكبير**۔ موصل، عراق: مكتبة العلوم والحكم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۹۹۔ **طبرسی**، ابوعلی فضل بن حسن۔ **مجمع البيان فی تفسير القرآن**۔ قم، ایران: مطبعة العرفان، ۱۴۰۳ھ۔

۱۰۰۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البيان فی تفسير القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۰۱۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاريخ الأمم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۰۲۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۰۳۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **العقيدة الطحاوية**۔ بیروت، لبنان: مرکز الخدمات والأبحاث الثقافیہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۰۴۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۰۵۔ **عبد بن حمید**، ابو محمد بن نصر الکسی (م ۲۴۹ھ/ ۸۶۳ء)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۰۶۔ **عبدالحق محدث دہلوی**، (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **أخبار الأخيار فی أسرار الأبرار**۔ دہلی، بھارت: مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ۔

۱۰۷۔ **عبدالحق محدث دہلوی**، (۹۵۸-۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱-۱۶۴۲ء)۔**أشعة اللمعات**۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۰۸۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ/۷۴۴-۸۲۶ء)۔ **تفسیر عبدالرزاق**۔

۱۰۹۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ/۷۴۴-۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۱۰۔ **عبدالعزیز بن عبداللہ راجحی** ۔ **شرح العبودية لشيخ ابن تيمية**۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ریاض، سعودی عرب: دار الفضیلہ، ۱۴۲۰ھ۔

۱۱۱۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷-۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶-۱۷۴۹ء)۔ **كشف الخفا و مزيل الألباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۱۲۔ **عجیلی**، سلیمان بن عمر عجیلی شافعی (۱۲۰۴ھ)۔ **الفتوحات الإلهية بتوضيح تفسير الجلالين للدقائق الحنفية الشهير تفسير الجمل**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۱۱۳۔ **عبدالعزیز دہلوی** ۔ **فتح العزيز الشهير بـ تفسير عزيزى**۔ دہلی، بھارت: افغانی دارالکتب، ۱۳۱۱ھ۔

۱۱۴۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲-۱۴۴۹ء)۔ **الإصابة فى تمييز الصحابة**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۱۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲-۱۴۴۹ء)۔ **تلخيص الحبيرفى تخريج أحاديث الرافعى الكبير**۔

المدینۃ المنورۃ، سعودیہ: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء۔

١١٦۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

١١٧۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان المیزان**۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

١١٨۔ **عثمانی**، شبیر احمد بن فضل الرحمان ہندی (۱۳۰۵۔۱۳۶۹ھ/ ۱۸۸۹۔۱۹۴۹ء)۔ **فتح الملھم بشرح الإمام مسلم**۔ دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء۔

١١٩۔ **علوی المالکی**، السید محمد بن علوی المالکی الحسنی (۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)۔ **مفاھیم یجب أن تصحح**۔ ابوظہبی: دار الفجر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

١٢٠۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

١٢١۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحیاء علوم الدین**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

١٢٢۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **قواعد العقائد**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

١٢٣۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **المنقذ من الضلال**۔ قاہرہ، مصر: مطبعۃ الاعلامیۃ، ۱۳۰۳ھ۔

١٢٤۔ **فرید الدین عطار**۔ **تذکرۃ الأولیاء**۔ بمبئی، بھارت: مطبع فتح الکریم، ۱۳۰۵ھ۔

۱۲۵۔ **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** (۱۲۲۵ھ)۔ **التفسیر المظھری**۔ کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

۱۲۶۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الشفا بتعریف حقوق المصطفی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۲۷۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری (۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۲۸۔ **قرطبی**، ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم (۵۷۸۔۶۵۶ھ)۔ **المفھم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار ابن کثیر، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

۱۲۹۔ **لالکائی**، ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور اللالکائی (۴۱۸ھ)۔ شرح أُصول إعتقاد أھل السنہ و الجماعۃ من الکتاب والسنۃ وإجماع الصحابۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

۱۳۰۔ **مالک**، ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطأ**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء۔

۱۳۱۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تھذیب الکمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۳۲۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۳۳۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان حنبلی

مقدسی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔ **الأحاديث المختارة**۔ مكة المكرّمة، مكتبة النهضة، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۳۴۔ **ملاعلی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء)۔ **مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح**۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۱۳۵۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فيض القدير شرح الجامع الصغير**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۳۶۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغيب و الترهيب من الحديث الشريف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۳۷۔ **مہر علی شاہ**، پیر سید حسنی گیلانی (۱۲۷۴۔۱۳۵۶ھ/ ۱۸۵۶۔۱۹۳۷ء)۔ **إعلاء كلمة الحق**۔

۱۳۸۔ **مہر علی شاہ**، پیر سید حسنی گیلانی (۱۲۷۴۔۱۳۵۶ھ/ ۱۸۵۶۔۱۹۳۷ء)۔ **تحقيق الحق فی كلمة الحق**۔ راولپنڈی، پاکستان: ملٹری پریس، ۱۳۸۱ھ۔

۱۳۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۴۰۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الكبرى**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۴۱۔ **نسفی**، عمر بن محمد نسفی (۵۳۷ھ)۔ **العقيدة النسفية**۔ بیروت، لبنان، مرکز الخدمات والأبحاث الثقافیہ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۱۴۲۔ **نسفی**، عبداللہ بن محمود بن احمد نسفی (۷۱۰ھ)۔ **مدارك التنزيل و حقائق التأويل**۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

١٤٣۔ **نووی**، ابو زکریا، یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (٦٣١۔٦٧٧ھ/١٢٣٣۔١٢٧٨ء) ۔**شرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ١٣٧٥ھ/١٩٥٦ء۔

١٤٤۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (٧٣٥۔٨٠٧ھ/ ١٣٣٥۔١٤٠٥ء) ۔**مجمع الزوائد و منبع الفوئد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ١٤٠٧ھ/ ١٩٨٧ء۔

١٤٥۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ٩٧٥ھ)۔ **کنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٣٩٩/ ١٩٧٩ء۔

www.MinhajBooks.com